تالیف
حافظ مبشر حسین لاہوری

ازدواجی و خانگی
احکام و مسائل پر مشتمل کتابی تحفہ

ھدیۃ العروس

(قرآن و حدیث کی روشنی میں)

نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

هدیۃ العروس

نام کتاب

هدیۃ العروس

تالیف

حافظ مبشر حسین لاہوری

مبشر اکیڈمی۔ لاہور

تاریخ اشاعت

جون ۲۰۰۳ء

مطبوعہ

علی آصف پرنٹرز لاہور

e-mail: nomania2000@hotmail.com

NOMANI
ازدواجی و خانگی
احکام و مسائل پر مشتمل کتابی تحفہ
ھدیۃ العروس
قرآن و حدیث
تالیف
حافظ مبشر حسین لاہوری
www.KitaboSunnat.com
ناشر: مبشر اکیڈمی۔ لاہور
نعمانی کتب خانہ
فون: 6321865
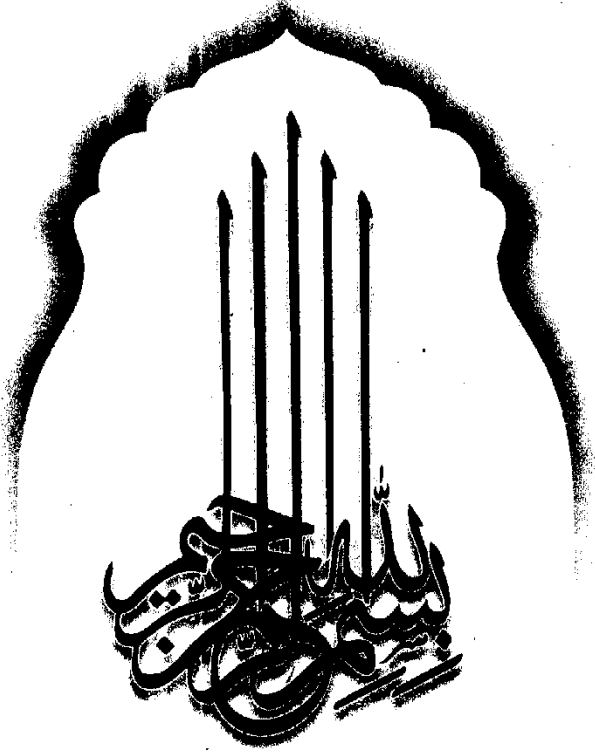
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

چند سال پیشتر کچھ دوست احباب نے دینی جذبہ کے تحت یہ پروگرام تشکیل دیا کہ شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں پاکستانی معاشرے میں جو جاہلانہ رسومات پھیلتی چلی جارہی ہیں' ان کے خلاف ایک تحریک منظم کی جائے اور اسلامی اقدار کی ضرورت و اہمیت کو اُجاگر کیا جائے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف کو جو تحریری ذمہ داری سونپی گئی اسے نبھاتے ہوئے راقم نے دو کتابچے (جہیز کی شرعی حیثیت / شادی بیاہ کی جاہلانہ رسومات) تحریر کیے۔ مگر حالات کی ناموافقت کی وجہ سے نہ یہ پروگرام عملی شکل حاصل کر پایا اور نہ ہی مذکورہ کتابیں شائع ہو سکیں۔

پھر ایک مرتبہ کچھ احباب نے توجہ دلائی کہ شادی بیاہ' ازدواجی زندگی اور خانگی مسائل کے حوالہ سے کوئی ایسی کتاب مارکیٹ میں دستیاب نہیں جس میں ان جملہ مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہو' اور اگر کوئی ہے بھی تو اس میں یا تو قرآن وسنت سے استدلال و استنباط براہ راست نہیں کیا گیا اور اگر کیا گیا ہے تو پاکستانی معاشرے کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔ مثلاً 'تحفۃ العروس' نامی کتاب جس کے کئی ایک اردو تراجم ملک بھر میں شائع ہو رہے ہیں جو اس کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے مگر افسوس کہ عربی مصنف کی عربی کتاب ہونے کے ناطے' اس کتاب کے بہت سے مباحث ایسے ہیں جو نہ صرف یہ کہ پاکستانی معاشرتی پس منظر سے مطابقت نہیں رکھتے بلکہ کئی ایک

مسائل میں تو عجیب وغریب آرا‌ؤافکار کا اظہار کیا گیا ہے۔اس سلسلہ میں مذکورہ کتاب میں خواتین کے لیے سونے کے زیورات پہننے سے متعلقہ بحث کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جس میں تحفۃ العروس کے مصنف نے یہ رائے دی ہے کہ عورت کے لیے بھی سونے کے (حلقہ دار) زیورات حرام ہیں!!

چنانچہ راقم الحروف نے اپنی پہلی غیر مطبوعہ کتابوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ازسرنو ایک جامع کتاب تالیف کی جو ہدیۃ العروس کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کتاب میں شادی کی ضرورت واہمیت اور انتخاب رشتہ سے لے کر دعوت ولیمہ تک ......ازدواجی احکام و مسائل سے لے کر نومولود اور سسرال کے حقوق وفرائض تک ......شادی بیاہ کے اسلامی وغیر اسلامی طور طریقوں سے لے کر تعدد ازواج اور ضبط ولادت تک جملہ مسائل واحکام کا احاطہ کیا گیا ہے۔اسی طرح میاں بیوی اور خواتین کے خاص مسائل کے حوالہ سے بھی ضروری مباحث کو ایک خوبصورت انداز میں جمع کر دیا گیا ہے۔اختصار کے پیش نظر بہت سے مسائل میں عرب علما کے فتاوئی اردو قالب میں ڈھال کر پیش کیے گئے ہیں۔گویا اب یہ ایک ایسی کتاب ہے جو شادی بیاہ سے پہلے کی ضروری معلومات اور شادی کے بعد ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے مکمل ہدایات پر مبنی ہے۔اس لحاظ سے یہ شادی بیاہ پر دوست احباب کو بطور تحفہ پیش کرنے کے لئے ایک انمول کتاب بھی ہے اور ازدواجی مسائل اور خواتین کے مخصوص مسائل پر مبنی انسائیکلو پیڈیا بھی۔ان شاءاللہ!

حافظ مبشر حسین لاہوری

مکان 11 گلی 21 مکھن پورہ نزد شاد باغ لاہور

فون نمبر 7604652

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست......هَدِيَةُ العَرُوس

موضوعات و عنوانات	صفحہ نمبر	موضوعات و عنوانات	صفحہ نمبر

باب (1)

شادی کی ضرورت واہمیت اور ترکِ شادی کے نقصانات

باب (2)

شادی بیاہ کا اسلامی طریقہ، انتخابِ رشتہ سے ولیمہ تک

باب (3)

شادی بیاہ کی جاہلانہ رسومات اور اسلام

باب (4)

زوجین، نومولود اور سسرال کے حقوق وفرائض

باب (5)

حرام، فاسد اور باطل نکاح

باب (6)

طلاق اور عدت سے متعلقہ مسائل واحکام

باب (7)

نکاح سے متعلقہ چند متفرق اور پیچیدہ مسائل

باب (8)

ظہار، ایلا اور لعان کے مسائل واحکام

باب (9)

میاں بیوی سے متعلقہ چند خاص مسائل

باب (10)

باب (11)

اسلام اور ضبطِ ولادت

باب (12)

آسان گھریلو ٹوٹکے اور آزمودہ نسخے

باب 1

شادی کی ضرورت واہمیت اور ترکِ شادی کے نقصانات

□ شادی کی ضرورت واہمیت

1. شادی ایک فطرتی ضرورت
2. شادی ایک معاشرتی ضرورت
3. شادی ایک اخلاقی ضرورت
4. شادی ایک روحانی ونفسیاتی ضرورت
5. شادی ایک دینی ضرورت
6. شادی کی فضیلت

□ شادی سے گریز کی راہیں اور اسکے نتائج!

1. تصوف ورھبانیت اور مجردانہ زندگی کے نقصانات
2. زناکاری کی سہولت کیوجہ سے ترک نکاح اور اسکے نقصانات
3. عدم استطاعت کیوجہ سے ترک نکاح اور پاک دامنی کے راستے

□ شادی میں رکاوٹیں اوران کا حل

1. تعلیم کی رکاوٹ
2. وسائل واخراجات کی رکاوٹ
3. شرم وحیا کی رکاوٹ
4. عمر کی رکاوٹ

فصل اول

شادی کی ضرورت و اہمیت

❶ شادی.... ایک فطرتی ضرورت

اسلام دین فطرت ہے اسی لیے اسلامی احکام فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔ شادی بھی چونکہ ایک فطرتی ضرورت ہے، اس لیے اسلام نے اس فطری ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے نہ صرف شادی کی اجازت دی ہے بلکہ ہر بالغ اور صاحب استطاعت کے لیے بعض حالات میں شادی کو فرض قرار دے دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾

''جو عورتیں تمہیں بھلی لگیں ان سے نکاح کرو، دو دو، تین تین، اور چار چار (سے نکاح کر سکتے ہو) لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (ایک سے زائد بیویوں کے درمیان) عدل قائم نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے۔ یا پھر جو تمہاری لونڈی ہو۔ یہ (ایک بیوی پر اکتفا کرنا) تمہاری بے انصافی سے بہت بہتر ہے۔'' (النسآء۔۳)

حضور نبی کریم ﷺ نے اس قرآنی حکم کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانه أغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء''(۱)

(۱) [بخاری: کتاب النکاح: باب الصوم لمن خاف علی نفسه العزوبة (۱۹۰۵) مسلم (۱۴۰۰) ابوداؤد (۲۰۴۶) ابن ماجه (۱۸۴۵) نسائی (۱۷۱/۴) احمد (۳۷۸/۱) دارمی (۱۳۲/۲) بیهقی (۷۷/۷) ابو یعلیٰ (۵۱۱۰) شعب الایمان (۵۴۷۶)]

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہو ،تو وہ ضرور شادی کرے۔شادی نظر کو خوب جھکانے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جو شخص شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہوتو وہ روزے رکھے ،یہ روزے اس کی شہوت کو ختم کردیں گے۔''

دراصل انسان جب جوانی کی سطح کو چھو لیتا ہے تو اس میں طبعی طور پر شہوت کا بھڑکاؤ پیدا ہو جاتا ہے اور اس بھڑکاؤ کا فطرتی علاج شادی ہے ۔ یہ علاج خود دین فطرت نے تجویز کر رکھا ہے۔اس کی مثال آپ یوں سمجھیں کہ جب انسان کو بھوک لگی ہوتو وہ ہر کام کو بھول کر صرف اپنی بھوک مٹانے کی فکر میں ہوتا ہے اور مناسب خوراک ہی اسے اس فکر سے نجات بخشتی ہے لیکن اگر مناسب خوراک تک رسائی ممکن نہ ہوتو صرف پانی کے چند گھونٹ پی کر یا کوئی ہلکی پھلکی سی غذا کھا کر وقت کاٹا جاتا ہے ۔اس سے بھوک کی شدت میں اگرچہ وقتی طور پر کمی ہو جاتی ہے مگر بھوک کا صحیح علاج مناسب خوراک ہی ہے ۔اسی طرح فطرتی طور پر بلوغت کے بعد انسان میں جنسی قوت یا دوسرے لفظوں میں جنسی بھوک کا احساس بیدار ہوتا ہے اور اسلام نے اس جنسی بھوک کو دور کرنے کی مناسب خوراک 'شادی' تجویز کر رکھی ہے۔جس سے نہ صرف یہ کہ جنسی ضرورت ہی پوری ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ دیگر ضروریات اور معاشرتی مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے۔

جنسی ضروریات کی تکمیل کے لیے اگرچہ شادی کے علاوہ بھی کئی راستے ہیں مثلاً مشت زنی ،بدکاری وزنا کاری ،ہم جنس پرستی وغیرہ ...لیکن اول تو یہ راستے جنسی بھوک کے خاتمے کے لیے غیر مناسب ہیں اور پھر ان میں سے ہر راستہ ان گنت مفاسد کو جنم دیتا ہے۔اس لیے اسلام شادی کے علاوہ ان تمام راستوں کا سد باب کرتے ہوئے انہیں حرام اور کبیرہ گناہ قرار دیتا ہے۔مثلاً زنا کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ (بنی اسرائیل ۔۳۲)

''اور تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، بلاشبہ یہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔''

نیز ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ وَّلَا تَأْخُذْکُمْ بِھِمَا رَأْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَائِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (النور:۲)

''زنا کرنے والے مرد وزن میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو پھر اللہ کے دین کے لئے ان دونوں (کو سزا دینے) کے معاملہ میں کوئی نرمی تمہارے آڑے نہ آئے۔ اور انہیں سزا دیتے وقت اہل ایمان کے ایک گروہ کو حاضر کرلو''۔ (تا کہ ان کی سزا دیکھ کر یہ بھی عبرت حاصل کریں)

واضح رہے کہ اگر زناکاری کے مرتکب مرد وزن، شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں پتھر مار مار کر قتل کر دیا جائے۔ (۱)

اسی طرح لواطت (لونڈے بازی) اور مشت زنی وغیرہ کو بھی اسلام، سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے جبکہ اسکے برعکس شادی کے ذریعے جنسی ضروریات کی تکمیل کو اسلام نہ صرف پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے بلکہ اسے باعث اجر وثواب بھی قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تمہیں اپنی بیوی سے ہمبستری کرنے پر بھی اجر وثواب ہوتا ہے۔ صحابہ کرام نے حیران ہوکر پوچھا کہ یہ تو ہم اپنی شہوت پوری کرتے ہیں پھر اس پر ثواب کیسا؟ آپؐ نے فرمایا: اگر کوئی شخص حرام طریقے سے اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو کیا اسے گناہ نہیں ہوتا؟ (ضرور ہوتا ہے) اسی طرح اگر وہ حلال طریقے سے اپنی شہوت پوری کرے تو اسے اجر وثواب سے بھی نوازا جاتا ہے''۔ (۲) سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم!

---

(۱) [بخاری: کتاب الحدود: باب رجم الحبلی فی الزنا (۶۸۳۰) مسلم (۱۶۹۸) احمد (۹۲۰۹۱/۵)] (۲) [مسلم (۱۰۰۶) ابوداود (۵۲۳۴) احمد (۱۶۷/۵)]

❷ شادی ایک معاشرتی ضرورت

جس طرح یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بنی نوع انسان کے لیے شادی ایک فطرتی ضرورت ہے اسی طرح شادی کا اگلا مرحلہ معاشرتی مصلحت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے تخلیق کائنات کا ایک متناہی سلسلہ شروع کیا جو قیامت پر منتج ہوگا۔ ابتدائے آفرینش سے قوم نوح، قوم صالح، قوم لوط، اور امت محمدیہ وغیرہ کی صورت میں نسل در نسل یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔ انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے اَن گنت اشیاء کی تخلیق اور مظاہر قدرت کے کرشمے جاری کیے ہیں جن میں غیر ذی روح اشیا کے علاوہ حیوانات، حشرات اور چرند پرند وغیرہ کی صورت میں ذی روح اشیا بھی موجود ہیں۔

جس طرح نسل انسانی کا سلسلہ قیامت تک جاری وساری ہے اسی طرح دیگر ذی روح (حیوانات وحشرات) کا سلسلۂ نسل بھی انسان کی خدمت کے لیے قیامت تک کے لئے جاری وساری کردیا گیا ہے۔ انسان ہر دور میں جانوروں کا گوشت، دودھ، اُون، کھالیں (چمڑہ) اور دیگر چیزوں کو اپنی ضروریات کے لیے قابل استعمال بناتا رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ آج بھی اربوں کھربوں انسانوں کے لیے حیوانات سے ضروریات زندگی کی تمام اشیاء احسن طریقے سے حاصل کی جارہی ہیں بلکہ اس میں مبالغہ نہیں کہ جس قدر بنی نوع انسان کی تعداد میں اضافہ ہوا اسی قدر ضروریات زندگی بھی وافر مقدار میں اللہ تعالیٰ بہم پہنچاتے رہے اور پہنچاتے رہیں گے۔

چونکہ انسان کے لیے ان ساری چیزوں کو پیدا کیا گیا اور انسان کو اشرف المخلوقات کا شرف نصیب ہوا، اس لیے انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ اصول وضوابط طے کردیئے ہیں تاکہ ان اصول وضوابط پر عمل کرکے مقصد تخلیق بخوبی پورا کیا جائے اور تاریخ گواہ ہے کہ جب

کبھی انسان نے اللہ تعالیٰ کے طے کردہ اصول وضوابط کو پاش پاش کیا خود انسان ہی تباہی وبربادی اور ہلاکت سے دوچار ہوا﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ !﴾

انہی اصول وضوابط میں سے ایک اصول اور ضابطہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی افزائش نسل کے لیے مقرر کیا اور جسے ہم شادی سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ اصول اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ خود انسان۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اس نظام کائنات میں پہلے انسان (حضرت آدمؑ) کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس میں پنہاں فطرتی ضرورت کی تکمیل کے لیے حضرت حوا کو پیدا کیا تو پھر اِن دونوں سے انسانی افزائش نسل کا سلسلہ جاری کر دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ﴾ (النساء:۱)

''اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کی بیوی کو پیدا کیا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتوں کو پیدا کیا۔''

تاریخی طور پر یہ بات مشہور ہے کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے ملاپ سے ہر حمل میں بیک وقت لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے اور حضرت آدمؑ اللہ کے حکم سے پہلے حمل سے پیدا ہونے والے بہن بھائی کا نکاح، دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے بہن بھائی سے کر دیتے۔ اگرچہ قرآن مجید یا صحیح احادیث میں اس کی تفصیل نہیں ملتی تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد وزن کے ملاپ سے بہر طور افزائش نسل کا یہ سلسلہ جاری رکھا۔ جو مختلف اقوام وملل سے گذرتا ہوا آنحضرت ﷺ کے عہد نبوت میں آخری وحتمی صورت میں اٹل اصول وضوابط کے ساتھ قیامت تک کے لیے جاری کر دیا گیا۔ (افزائش نسل اور شادی بیاہ کے سلسلے میں کون سے حتمی اصول وضوابط اور حدود وشرائط طے کی گئیں، اس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے)

اللہ تعالیٰ نوع انسانی کی افزائش نسل کے لیے ہماری شریعت میں شادی کی مطلوبہ ضرورت یوں بیان فرماتے ہیں:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ﴾ (النحل: ۷۲)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے ہی نفسوں سے ازواج بنائیں اور تمہاری ان ازواج سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا کیا''

پھر اس افزائش نسل کی نہ صرف ضرورت بیان فرمائی بلکہ اس میں عملی طور پر حصہ لینے کا اس طرح حکم دیا کہ

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ (البقرۃ۔۲۲۳)

''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، لہذا تم جیسے چاہو اپنی کھیتی میں آؤ''۔

﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ ... فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ (البقرۃ۔۱۸۷)

''روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔۔۔سو اب تم ان سے مباشرت کرو اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر رکھا ہے اسے طلب کرو''

افزائش نسل کے حوالہ سے نبی اکرم ﷺ کے فرمودات

❶ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ فرمایا کرتے تھے:

''تزوجوا الودود والولود فانی مکاثر بکم الامم یوم القیامۃ''[(۱)]

''خوب محبت کرنیوالی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں

(۱) [سنن سعید بن منصور: باب الترغیب فی النکاح (۴۹۰) مسند احمد (۱۵۸/۳۔۲۴۵) ابن حبان (۴۰۲۸) بیہقی (۸۱/۷)]

تمہاری کثرت کیوجہ سے روز قیامت دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔"

❷ حضرت معقل بن یسارؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"انی اصبت امرأة ذات حسب وجمال وانها لا تلد أفأتزوجها ؟"

"ایک خوبصورت ترین اور اعلیٰ حسب ونسب والی عورت ہے لیکن وہ بانجھ ہے کیا میں اس سے نکاح کرلوں؟

"قال: لا....."

"نبی اکرمؐ نے فرمایا: کہ نہیں۔ وہ آدمی دوسری مرتبہ اسی غرض سے آپؐ کے پاس آیا مگر آپؐ نے اسے منع فرمادیا۔ پھر وہ شخص تیسری مرتبہ اسی اجازت کی غرض سے آپؐ کے پاس آیا مگر آپؐ نے پھر اسے منع کر دیا اور ارشاد فرمایا:

"تزوجو الودود والولود فانی مکاثر بکم الامم یوم القیامة "[(١)]

❸ ایک روایت میں یہی الفاظ اس طرح ہیں:

"تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الانبیاء یوم القیامة "[(٢)]

"محبت کرنیوالی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں قیامت کے روز دوسرے انبیاء کے مقابلے میں تمہاری کثرت کیوجہ سے فخر کروں گا۔"

---

(١) [ابوداؤد: کتاب النکاح :باب النهی عن تزوج من لم یلد من النساء (٢٠٥٠) نسائی (٦/٦٥) ابن حبان (٤٠٥٦) حاکم (٢/١٦٢) بیهقی (٧/٨١)]

(٢) [آداب الزفاف، للالبانی ص١٧]

③ شادی ایک اخلاقی ضرورت

جنسی جذبات اور شہوانی خیالات انسان کی فطرت و جبلت میں شامل ہیں لہٰذا انہیں دبانے کی کوشش کرنا اسی طرح غیر فطری ہے جس طرح ان جذبات کی تسکین کے لیے ہر جائز و ناجائز راستہ اختیار کر لینا غیر معقول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام، انسانی فطرت کا خیال کرتے ہوئے ان شہوانی جذبات کو دبانے کی بجائے انہیں پورا کرنے کے لیے شادی کر راہ تجویز کرتا ہے۔ لیکن اسلام کی تجویز کردہ اس راہ سے اگر اغماض برتا جائے تو اس کا نتیجہ اخلاقی گراوٹ اور جنسی بے راہ روی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ بالخصوص نوجوان طبقہ جنسی جذبات سے مغلوب ہوکر غیر اخلاقی راہ پر چل نکلے گا۔ اور بالآخر پورا انسانی معاشرہ، حیوانی معاشرے کی صورت پیش کرے گا۔

لیکن اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ انسان اپنے اشرف المخلوقات کے درجہ سے حیوانیت وبہمیت کے درجہ کی طرف تنزلی اختیار کر جائے۔ بلکہ اسلام ایک ایسے پاکیزہ معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے جس میں عزت وعفت اور عصمت وحرمت کی بھرپور جھلک دکھائی دیتی ہو، جہاں اعلیٰ اخلاق و کردار اور شرم وحیا کا مظاہرہ کیا جاتا ہو، جہاں ماں، بہن، بیٹی اور محرم رشتوں کی تقدیس کا جذبہ پایا جاتا اور دوسروں کی عزت کا احترام کیا جاتا ہو، جہاں نہ صرف یہ کہ آنکھوں میں شرم وحیا کا مادہ پایا جاتا ہو بلکہ دل بھی برے خیالات سے پاک ہو۔ ان اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے اسلام نے جن ہمہ گیر اصول وضوابط کا انتظام کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بالغ افراد کو جائز طریقے سے بلاتاخیر شادی بیاہ کے بندھن میں باندھ دیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ﴾

''تم میں سے جو مرد وزن بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا بھی (نکاح کر دو)'' (النور۔۳۲)

جنسی بے راہ روی کے سد باب کے لیے نکاح کیا حیثیت رکھتا ہے۔ درج ذیل احادیث سے بھی اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے:

❶ ''یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ أغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء''(۱)

''اے نوجوانو! کی جماعت تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہو تو وہ ضرور شادی کرے۔ شادی نظر کو خوب جھکانے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جو شخص شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے۔ یہ روزے اس کی شہوت کو ختم کر دیں گے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی انسان کو شرم وحیا سے نواز کر بااخلاق بناتی ہے اور اپنی بیوی کے علاوہ دیگر عورتوں کو بری نظر سے دیکھنے یا ان سے برے تعلقات قائم کرنے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

❷ عفت وپاکدامنی کے پیش نظر جو شخص شادی کرتا ہے اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ

''ثلاثۃ حق علی اللہ عونہم المجاھد فی سبیل اللہ والمکاتب الذی یرید الاداء والناکح الذی یرید العفاف''(۲)

''تین بندوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے؛ ایک تو اس مجاہد کی

---

(۱) [بخاری: کتاب النکاح: باب الصوم لمن خاف علی نفسہ العزوبۃ۔۔۔ (۱۹۰۵) مسلم (۱۴۰۰) ابو داؤد (۲۰۴۶) ابن ماجہ (۱۸۴۵) نسائی (۱۷۱/۴) احمد (۳۷۸/۱) دارمی (۱۳۲/۲) بیہقی (۷۷/۷) ابو یعلی (۵۱۱۰) شعب الایمان (۵۴۷۶)]

(۲) [ترمذی: کتاب فضائل الجہاد: باب ماجاء فی المجاھد والناکح والمکاتب۔۔۔ (۱۶۵۵) نسائی (۶۱/۶) احمد (۲۵۱/۲-۹ حاکم (۱۶۱/۲) ابن ماجہ (۲۵۱۸)]

جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ دوسرے اس مکاتب غلام کی جو (آزادی کے لیے) طے شدہ رقم ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور تیسرے اس شخص کی جو پاکدامنی کی خاطر نکاح کرتا ہے''۔

3 حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ؐ نے ایک اجنبی عورت کو دیکھا ، چنانچہ آپ ؐ اپنی بیوی حضرت زینب ؓ کے ہاں چلے گئے اور اپنی حاجت پوری کرنے کے بعد تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

''ان المرأة اذا اقبلت اقبلت فی صورة شیطان فاذارای احدکم امراة فاعجبته فلیات اهله فان معها مثل الذی معها''(1)

''عورت جب ظاہر ہوتی ہے تو وہ شیطان کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے لہذا اگر تم میں سے کسی شخص کی نظر کسی عورت پر جا پڑے اور وہ عورت اسے بھلی لگے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس جا کر اپنی حاجت پوری کر لے کیونکہ جو کچھ اس (اجنبی) عورت کے ساتھ ہے وہی کچھ اس کی بیوی کے ساتھ بھی ہے''

لیکن غور کریں کہ جس شخص نے شادی نہ کی ہو اور اس کے ساتھ یہ معاملہ پیش آجائے تو ظاہر ہے کہ شیطان اور اس کے جنسی جذبات اسے مجبور کریں گے کہ اس عورت کے ساتھ تعلقات استوار کیے جائیں اور اس کا نتیجہ اخلاقی گراوٹ، بدکاری، بے حیائی، زنا بالجبر وغیرہ کے سوا کچھ نہیں لیکن شادی انسان کو ان تمام جرائم سے روکنے کا ایک بہت بڑا قدرتی ذریعہ بھی ثابت ہوتی ہے۔

(1) [ترمذی، کتاب الرضاع باب ماجاء فی الرجل یری المرأة تعجبه (1158) ابوداود (2151) مسلم (1403) مسند احمد (330/3، 341) مسند عبد بن حمید (1061)]

❹ شادی ایک روحانی ونفسیاتی ضرورت

اللہ تعالی نے مرد وزن کی شکل میں انسان کو دو مختلف جنسوں میں تقسیم کر کے ان میں فعل وانفعال اور جذب وانجذاب کے کچھ ایسے وجدانی احساسات ودیعت فرما دیئے ہیں کہ ہر جنس دوسری جنس سے قدرتی طلب رکھتی ہے۔ اور باہمی ملاپ کے ذریعے ہر ایک جنس دوسری سے روحانی ونفسیاتی طور پر لذت وسکون حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

❶ ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾ (الاعراف۔ ۱۸۹)

''اللہ تعالی ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو پیدا کیا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے''

❷ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ لَكُمْ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾

''اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے مابین محبت ومودت ڈال دی۔ اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔'' (الروم۔ ۲۱)

5 شادی ایک دینی ضرورت

دینی تعلیمات کی رو سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شادی ہر مومن کے لیے ایک دینی ضرورت بھی ہے، اس لیے کہ اول تو شادی حضور نبی اکرمؐ کی سنت ہے اور ایک شخص نے جب یہ کہا تھا کہ میں شادی ہی نہیں کروں گا تو نبی اکرمؐ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"فمن رغب عن سنتي فليس مني "[1]

"جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔"

ایک روایت میں اس طرح ہے:

"النكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني "[2]

"نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ مجھ سے نہیں"۔

دوسری بات یہ ہے کہ شادی کیوجہ سے انسان کا نصف دین مکمل ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"اذاتزوج العبد فقد استكمل نصف الدين فليتق الله في مابقي "[3]

"جب بندہ شادی کر لیتا ہے تو اپنا آدھا دین مکمل کر لیتا ہے لہذا اسے چاہیے کہ باقی آدھے دین کے معاملے میں اللہ تعالی سے ڈرتا رہے۔"

---

(۱) [بخاری: کتاب النکاح: باب في ترغيب النكاح ۔۔۔۔۔۔ (۶۳: ۵) مسلم: (۱۴۰۱) احمد (۳/ ۲۴۱، ۲۵۹) نسائی (۶/ ۶۰) بیهقی (۷/ ۷۷)]

(۲) [ابن ماجه كتاب النكاح: باب ماجاء في فضل النكاح (۱۸۴۶) امام بوصیریؒ اسے ضعیف کہتے ہیں]

(۳) [المعجم الاوسط (۱/ ۱۶۲) شعب الایمان (۵۴۸۶) شیخ البانیؒ نے اس کی سند کو شواہد کی بنا پر حسن کہا ہے دیکھیے: السلسلة الصحيحة (۶۲۵) اور مشكاة للالبانی: کتاب النکاح: الفصل الثالث]

اس سے ملتی جلتی ایک اور روایت میں ہے کہ

''جس شخص کو اللہ تعالی نیک بیوی عطا فرما دیں تو گویا اس کی اللہ تعالی نے اس کے آدھے دین کے معاملے میں مدد فرما دی ہے۔ لہذا اسے چاہیے کہ باقی آدھے دین کے معاملے میں اللہ سے ڈرتا رہے۔''(۱)

(۱) [المعجم الاوسط (۱٦۱/۳) حاکم (۱٦۱/۲) شیخ البانیؒ نے شواہد کی بنا پر اسے حسن قرار دیا ہے دیکھئے: السلسلة الصحيحة (۲۰۰/۲)]

6 شادی کی فضیلت

اگر چہ شادی انسان کی فطری، جنسی اور معاشرتی ضرورت ہے تاہم اس کے باوجود اسلام نے شادی کو دینی ضرورت کے طور پر بھی پیش کیا ہے کیونکہ اس سے انسان کے تزکیۂ نفس اور اخلاق وکردار پر بڑے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اسی لیے شادی کو باعث اجر وثواب قرار دیا۔ جیسا کہ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ

کچھ لوگوں نے نبی اکرمؐ سے عرض کیا کہ اہل ثروت تو اجر وثواب میں ہم سے آگے نکل گئے ہیں۔ کیونکہ ہماری طرح نماز، روزے کی پابندی وہ بھی کرتے ہیں البتہ ان کے پاس زائد مال ہے جسے وہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرتے ہیں (مگر ہمارے پاس صدقے کی گنجائش نہیں) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے ایسی چیزیں رکھی ہیں جن کے ذریعے تمہیں صدقہ کرنے کا ثواب مل سکتا ہے۔ (اور وہ یہ ہیں کہ) ہر تسبیح (سبحان اللہ) صدقہ ہے، ہر تکبیر (اللہ اکبر) صدقہ ہے، ہر تہلیل (لا الہ الا اللہ) صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، اپنی بیوی سے ہمبستری کرنا صدقہ ہے۔ اس (آخری) بات پر صحابہ کرام نے کہا کہ ہم تو اپنی شہوت پوری کرتے ہیں پھر اس میں ہمارے لیے اجر وثواب کیسے؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

”ارایتم لو وضعها فی حرام اکان علیه فیها وزر ؟فکذلک اذا وضعها فی الحلال کان له اجر“[1]

تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص حرام طریقے سے شہوت پوری کرے تو اسے گناہ نہیں ہوتا؟ (یقیناً ہوتا ہے) لہٰذا اسی طرح اگر کوئی شخص حلال طریقے سے اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اسے اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے۔“ بعض روایات میں ہے کہ

---

(۱) [مسلم: کتاب الزکاة: باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف (۱۰۰۶) ابوداؤد (۵۲۳٤) احمد (۱٦۷/۵، ۱٦۸)]

"ومهما انفقت فهو لک صدقة حتی اللقمة ترفعها فی فی امرأتک...."(۱)

"تم جو کچھ (اپنے اہل وعیال) پر خرچ کرو گے وہ تمہارے لیے صدقہ ہے (بشرطیکہ تم اجرو ثواب کی نیت سے ایسا کرو) حتی کہ تمہارا اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنا بھی صدقہ ہے"۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ شادی اور اس کے لوازمات (ہمبستری، اہل وعیال کا نان ونفقہ وغیرہ) پورا کرنے میں اللہ تعالی نے اجروثواب رکھا ہے جبکہ شادی نہ کرنے والے نہ صرف اس اجروثواب سے محروم رہتے ہیں بلکہ اس مسئلہ میں اللہ تعالی کی حکم عدولی اور سنت نبوی کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے گناہ وسزا کے بھی مستحق ٹھہرتے ہیں جبکہ جنسی جذبات سے مغلوب ہوکر حرام ذرائع سے شہوت پوری کرنے کا گناہ اس کے سوا ہوتا ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی واضح ہو جائے کہ اگر غیر شادی شدہ کے مقابلے میں شادی شدہ کا اجروثواب اور فضیلت زیادہ ہے تو اسی طرح ایک بیوی والے کے مقابلے میں زیادہ بیویاں رکھنے والے کا ثواب بھی زیادہ ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے سعید بن جبیرؒ سے دریافت کیا کہ

تم نے شادی کر لی ہے؟ سعید نے جواب دیا نہیں! تو ابن عباسؓ نے فرمایا:

"تزوج فان خیر هذه الامة اکثرالنساء"(۲)

"شادی کرلو کیونکہ اس امت میں بہترین شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ بیویوں والا ہے۔" بعض نے اس کا یوں ترجمہ کیا ہے کہ "اس امت کے سب سے زیادہ بہتر شخص (یعنی حضور نبی اکرمؐ) کی سب سے زیادہ بیویاں تھیں۔"

یہ دونوں ترجمے اپنی اپنی جگہ درست ہیں البتہ بیویوں کی کثرت کا یہ معنی نہیں کہ جتنی چاہو تعداد بڑھالو بلکہ قرآن وسنت کی دیگر نصوص میں اس کی تعداد متعین کردی گئی ہے کہ ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں نہ ہوں البتہ لونڈیوں کی کوئی تعداد متعین نہیں۔

(۱) [بخاری: کتاب النفقات: باب فضل النفقة علی الاهل...(٥٣٥٤) مسلم (١٦٢٨) احمد (١٧٢/١)]

(۲) [بخاری: کتاب النکاح: باب کثرة النساء (٥٠٦٩) احمد (٢٣١/١، ٣٧٠٠)]

فصل دوم

شادی سے گریز کی راہیں اور اسکے نتائج!

❶ تصوف و رہبانیت اور مجردانہ زندگی کے نقصانات

بعض لوگ اس غلط فہمی کی بنا پر مجرد (غیر شادی شدہ) رہنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اس طرح (مجرد) رہنے سے اللہ تعالی کی رضا حاصل ہوتی ہے اور عبادت خداوندی کا زیادہ سے زیادہ وقت اور موقع مل جاتا ہے جبکہ شادی کی وجہ سے معاشی و معاشرتی ذمہ داریاں بڑھ جانے کی وجہ سے عبادت و ریاضت کا زیادہ موقع نہیں مل پاتا اور دوسری بات یہ کہ ایسے لوگوں کے بقول، جسمانی لذت اور نفسانی شہوات کی تسکین سے حیوانیت و بہیمیت کو تقویت ملتی ہے جبکہ ترک شادی سے روحانیت کو جلا اور اخلاق کو پاکیزگی ملتی ہے۔ چنانچہ اس فلسفہ کی بنیاد پر نہ صرف یہ کہ شادی سے گریز کی غیر فطری کوششیں کی جانے لگیں، بلکہ شادی کو نجس و نحس خیال کیا جانے لگا۔

انسانی تاریخ میں اس فلسفہ کی ابتدا عیسائی راہبوں سے ہوئی جنھوں نے رہبانیت (ترک دنیا) کے لبادہ میں نہ صرف یہ کہ دین عیسوی میں تحریف کا ارتکاب کیا بلکہ فطرت کے منافی ایک نئے دین کی بنیاد رکھ چھوڑی جس میں دنیا کی ہر نعمت اور لذت حرام قرار پائی اور نفس کشی کے عجیب و غریب طریقے اختیار کیے گئے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ ان غیر فطری حرکتوں کو اللہ تعالی کی خوشنودی و رضامندی کا واحد ذریعہ قرار دے دیا گیا۔ دین رہبانیت میں شادی بیاہ کے حوالہ سے جو خیالات سامنے آئے ان کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترک شادی کی وجہ سے جب شہوانی جذبات انگیختہ ہوئے تو انہی راہبوں کی خانقاہوں میں وہ تمام برائیاں جنم

لینے لگیں جو شہوانی جذبات سے مغلوبیت کے پیش نظر متوقع تھیں۔ چنانچہ ان خانقاہوں میں راہب، راہبات، پادری اور چرچ سے متعلقہ دیگر مذہبی کارپردازان باہمی طور پر ناجائز تعلقات، اور خلافِ فطرت جرائم کا ارتکاب کرنے لگے، حتیٰ کہ نوبت ایں جا رسید کہ محرمات تک سے ناجائز تعلقات استوار ہونے لگے![1]

واضح رہے کہ ہندومت اور بدھ مت جیسے مذاہب باطلہ میں بھی نروان (نجات) کے لیے شادی سمیت دنیا کی تمام نعمتوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا انتہائی ضروری ہے۔

آنحضرت ﷺ کے عہد رسالت میں بھی مجردانہ زندگی کو اللہ تعالیٰ کے تقرب وخوشنودی اور کثرت عبادت کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا حتیٰ کہ بعض صحابہ کرامؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے مجرد رہنے کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے مشورہ کیا مگر آپؐ نے نہایت سختی سے انہیں تجریدی زندگی گزارنے سے منع فرما دیا، جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے:

● حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نوجوان شخص ہوں اور مجھے یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں زنا نہ کر بیٹھوں جبکہ میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ جس پر میں کسی عورت سے شادی کرسکوں۔ (ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ پھر میں خصی نہ ہو جاؤں؟) مگر اللہ کے رسول ﷺ خاموش رہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دوبارہ یہی گزارش کی مگر حضور خاموش رہے۔ پھر تیسری بار یہی گزارش کی تو آپؐ نے فرمایا: اے ابو ہریرہؓ! جو کچھ تم کرو گے اسے (لوحِ محفوظ میں) لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے خواہ تم خصی ہو جاؤ یا خصی ہونے سے باز رہو۔[2]

یعنی تمہاری تقدیر میں اگر گناہ لکھا ہے تو وہ خصی ہونے کے باوجود تم سے صادر ہو کر

(۱) [اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: تفہیم القرآن از سید مودودیؒ (جلد ۵ ص ۳۲۸ تا ۳۲۹)]

(۲) [بخاری: کتاب النکاح: باب مایکرہ من التبتل والخصاء (۵۰۷۶)]

رہے گا اور اگر گناہ نہیں لکھا تو پھر خصی نہ ہونے کے باوجود تم گناہ سے محفوظ رہو گے۔ گویا آپ کا مقصد یہ تھا کہ خصی ہونا فضول کام ہے اس لیے اس فضول کام سے اجتناب کیا جائے۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل روایات میں صراحت کے ساتھ آپؐ سے خصی ہونے اور مجرد زندگی گزارنے کی ممانعت منقول ہے:

❷ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جہاد کے لیے جایا کرتے تھے اور ہمارے پاس شادی کرنے کے لیے وسائل نہ ہوتے تو ہم نے آنحضرت ﷺ سے خصی ہونے کی اجازت مانگی، مگر آپؐ نے ہمیں اپنے آپ کو خصی کرنے سے منع فرمادیا اور پھر ہمیں اجازت دی کہ ہم ایک کپڑے کے عوض کسی عورت سے نکاح (متعہ) کرلیں۔ علاوہ ازیں آپؐ نے ہمیں یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴾ (المائدۃ۔۸۷)

''اے ایمان والو! وہ پاکیزہ چیزیں حرام نہ کرو جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے اور حد سے آگے نہ بڑھو بلاشبہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔''(۱)

❸ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کو شادی سے کنارہ کشی کی اجازت نہ دی (جبکہ عثمانؓ شادی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی اجازت مانگتے تھے) اور اگر اللہ کے رسول ﷺ انہیں شادی سے دور رہنے کی اجازت دے دیتے تو ہم بھی اپنے آپ کو خصی بنا لیتے۔(۲)

❹ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ تین آدمی (یعنی حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ

---

(۱) [بخاری: ایضا (۵۰۷۵)]

(۲) [بخاری: ایضا (۵۰۷۴) مسلم (۱۴۰۲) احمد (۱۷۵/۱) ترمذی (۱۰۸۳) ابن ماجہ (۱۸۴۸) نسائی]

بن عمرو بن عاصؓ، اور حضرت عثمان بن مظعونؓ) نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ کی عبادت کے متعلق دریافت کرنے آئے۔ جب انہیں آنحضرت ﷺ کا عمل بتایا گیا تو انہوں نے (اس کے مقابلہ میں اپنا عمل) بہت کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا آنحضرت ﷺ سے بھلا کیا مقابلہ! آپ کی تو اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف کردی گئی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں آج سے ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ ترک نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔

پھر آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور ان سے پوچھا کیا تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو اللہ کی قسم! میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور خوف رکھنے والا ہوں لیکن میں نفلی روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، میں (رات کو) نماز پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں لہذا جس شخص نے میرے طریقے (سنت) سے بے رغبتی اختیار کی وہ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔''(۱)

ترک نکاح کے نقصانات

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نکاح نہ کروانا فطرت کے خلاف ایسی جنگ ہے جس میں انسان کبھی فتح حاصل نہیں کرسکتا چنانچہ اسلام نے ترک نکاح کے ذریعے اس جنگ میں حصہ لینے کی سخت مذمت کی ہے کیونکہ ترک نکاح سے طبی و اخلاقی اور معاشرتی سطح پر ان گنت مفاسد پیدا ہوتے ہیں جن کے سد باب کے لیے اسلام نے نکاح کو ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن اگر ترک نکاح کی روش اختیار کرلی جائے تو پھر اس کے درج ذیل نقصانات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) [بخاری (۵۰۶۳) مسلم (۱۴۰۱) نسائی احمد (۲۴۱/۳) بیهقی (۷۷/۷)]

❶ طبی نکتہ نظر سے بہت سے موذی امراض صرف شادی نہ کرنے کیوجہ سے پیدا ہوتے ہیں

❷ جنسی جذبات کی تسکین کے لیے اگر جائز ذریعہ (شادی) اختیار نہیں کیا جائے گا تو لامحالہ ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر انسان مجبور ہو جائے گا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ نکاح سے کنارہ کشی اختیار کرنے والا بالآخر اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیت نے جب رہبانیت کو اختیار کر کے نکاح سے کنارہ کشی پر زور دیا تو انکی خانقاہیں عبادت کی بجائے بدکاری کے اڈے بن گئے اور محرمات تک سے ناجائز تعلقات قائم کیے جانے لگے۔ کچھ یہی نتیجہ ان صوفیا کا نکلا جنھوں نے اسلام جیسے دین فطرت میں رہبانیت کا پیوند لگانے کی کوشش کی اور ترک نکاح کو عبادت اور اجر و ثواب کا ذریعہ سمجھا۔ چنانچہ ابن جوزیؒ ایسے صوفیا کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ

''صوفیا میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے ترک نکاح پر صبر کیا حتی کہ ان کی منی جمع ہوتی رہی اور پھر اس میں حرکت آئی تو یہی صوفیا گناہ میں مبتلا ہو گئے اور دنیا سے جس قدر دور بھاگتے تھے اس سے کئی گنا زیادہ یہ اس میں گرفتار ہو گئے۔ انکی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص بہت دیر تک بھوکا رہے پھر آخر کار اس قدر کھانا کھالے جس قدر کہ بھوکا رہنے کی وجہ سے اس نے چھوڑا تھا۔ تیسری قسم ان صوفیا کی ہے جو لڑکوں کی صحبت اختیار کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو نکاح سے ناامید کر دیا اور جب انکے مادہ منویہ نے انہیں مضطرب کیا تو انکی یہ حالت ہوگئی کہ لڑکوں سے صحبت کر کے راحت حاصل کرنے لگے!!''(۱)

❸ نکاح نہ کرنے اور خصی ہو جانے کیوجہ سے معاشرتی سطح پر یہ نقصان ہوگا کہ افزائش نسل کا سلسلہ متاثر ہوگا حالانکہ اللہ تعالی نے شادی کو افزائش نسل کا ذریعہ بنایا ہے اور اس سے روگردانی کرنا گویا اللہ تعالی کی منشا کے منافی اور اس کے قانون قدرت سے تجاوز کے مترادف ہے!

---

(۱) •[تلبیس ابلیس از ابن جوزی (مترجم ص ۳۹۸)]

❷ زنا کاری کی سہولت کیوجہ سے ترک نکاح اور اس کے نقصانات

بعض لوگ شادی کے بعد عائد ہونے والی ذمہ داریوں (مثلاً بیوی اور اولاد کے حقوق، نان ونفقہ، رہائش تعلیم وتربیت اور دیگر اخراجات وغیرہ) سے بچنے کے لیے شادی سے گریز کی راہ اختیار کرتے ہیں جبکہ جنسی وشہوانی جذبات کی تسکین کے لیے ''برائی کے اڈوں'' کا رخ کر کے چند ٹکوں کے عوض حسب ضرورت اپنی شہوت پوری کر لیتے ہیں۔ مزید برآں شہوت رانی کے اس ذریعہ کو اختیار کرنے والے ان لوگوں پر زبان طعن دراز کرتے ہیں جو جائز ومعروف طریقے سے نکاح کر کے ازدواجی تعلقات سے مستفید ہوتے ہیں اور شادی کے بعد عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے پورا کر رہے ہوتے ہیں، کہ شادی تو خوانخواہ کی مصیبت ہے۔۔۔ اس سے آدمی قید ہو کر رہ جاتا ہے۔۔۔ اس سے ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔۔۔ اہل وعیال کو کافی وقت دینا پڑتا ہے۔۔۔ آدمی کی زندگی بے مزہ ہو جاتی ہے۔۔۔

حتی کہ یہاں تک کہہ دیا جاتا ہے کہ ''جب بازار میں تازہ دودھ ہر وقت دستیاب ہو تو پھر گھر میں بھینس باندھنے کی کیا ضرورت ؟!۔۔۔ گھر سے باہر بھوک ستائے تو ہوٹل، دکان یا دوست احباب کے گھر سے اس ضرورت کو پورا کیا جا سکتا ہو تو پھر جنسی بھوک مٹانے کے لیے اپنے ہی گھر اور اپنی ہی بیوی کی شرط کیوں۔۔۔؟!'' نادان ہے وہ جو محبت کا مندر تعمیر کر کے اس میں ایک ہی بت کا پجاری بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ لطف کی ہر گھڑی میں ایک نئے مہمان کا انتخاب کرنا چاہیے۔۔۔!'' وغیرہ وغیرہ

واضح رہے کہ اس طرح کے فحش نظریات اور مادر پدر آزادی کے خیالات کا اصل منبع مغربی طرز زندگی ہے مگر اب ایک عرصہ سے یہی خیالات، نام نہاد مسلمانوں کے ذریعے مسلم

ممالک اور اسلامی معاشروں میں پھیلائے جا رہے ہیں۔اسکی تفصیل اور مضر نتائج سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اصل منبع و مرجع اور پس منظر کو واضح کر دیا جائے۔

❶ حریت فکر کا نظریہ

تاریخ مغرب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انقلاب فرانس کے بعد فرانس ہی کے دانشوروں، لیڈروں اور ادیبوں نے 'حریت فکر' کے نظریہ کا پرچار کیا اور اس حریت فکر کو اس قدر وسعت دی کہ عملی طور پر انسان جب، جیسے، جس طرح اور جو کچھ کرنا چاہے، اسے اس کا حق سمجھتے ہوئے کرنے کی آزادی دے دی گئی۔جس سے زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح معاشرتی شعبہ بھی سخت متاثر ہوا۔خاندانی نظام بگڑ گیا، رشتوں کی تفریق مٹ گئی، تقدس واحترام مجروح ہوا۔زنا کاری، بدکاری، فحاشی و بے حیائی کے دروازے کھل گئے اور انسانی معاشرہ من وعن حیوانی معاشرے میں تبدیل ہوگیا۔اس پر طرہ یہ کہ حیوانوں کی طرح حلال وحرام کی پرواہ اور جائز و ناجائز کا فرق کیے بغیر زندگی گذارنے پر دلائل کا طومار باندھا جانے لگا۔حتی کہ اخلاق و کردار اور انسانی اقدار کا لحاظ کرنے اور جائز و ناجائز کے اصول وضوابط پر عمل کرنے کو انسانی ترقی کی راہ کی رکاوٹیں قرار دیا جانے لگا۔جیسا کہ ایک نامور فرانسیسی ادیب پیر لوئی کے مندرجہ اقتباس سے واضح ہوتا ہے:

''اخلاق کی بندشیں دراصل انسانی ذہن اور دماغی قوتوں کے نشوونما میں حائل ہوتی ہیں جب تک ان کو بالکل توڑ نہ دیا جائے اور انسان پوری آزادی کے ساتھ جسمانی لذات سے متمتع نہ ہو، کوئی عقلی و علمی اور مادی و روحانی ارتقاء ممکن نہیں ہے۔''(۱)

اسی طرح ایک فرانسیسی حیاباختہ مصنفہ ''ژاک'' اپنے ایک ناول میں لکھتی ہے کہ

''میری رائے میں نکاح تمام اجتماعی طریقوں میں وہ انتہائی وحشیانہ طریقہ ہے جس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔مجھے یقین ہے کہ آخرکار یہ طریقہ موقوف ہوجائیگا۔''(۲)

---

(۱) [افرودیت (Afrodite) از پیر لوئی بحوالہ پردہ از مولانا مودودی (ص ۵۷)]

(۲) [پردہ (ص ۵۵)]

اسی طرح جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا لیڈر ببل (Bebel) نہایت بے تکلفانہ انداز میں لکھتا ہے کہ

''عورت اور مرد آخر حیوان ہی تو ہیں۔ کیا حیوانات کے جوڑوں میں نکاح اور وہ بھی دائمی نکاح کا کوئی سوال پیدا ہو سکتا ہے؟''(۱)

● مالتھس اور نومالتھوسی تحریک کا کردار

مالتھس (Malthus) برطانیہ کا مشہور ماہر معاشیات تھا، اس نے ۱۷۹۸ء میں اپنی کتاب (اصول آبادی) میں یہ نظریہ پیش کیا کہ انسانی آبادی، جیومیٹری کے حساب (یعنی ۱۔۲۔۴۔۸۔۱۶ کی نسبت) سے بڑھ رہی ہے جبکہ وسائل پیداوار، حساب کی نسبت (یعنی ۱۔۲۔۳۔۴۔۵ کی نسبت) سے بڑھتے ہیں اور اپنے اس نظریہ کے مطابق اس نے پیشین گوئی کی کہ اگر وسائل پیداوار اور انسانی پیدائش کی یہی صورت حال رہی تو برطانیہ چند ہی سالوں بعد افلاس کا شکار ہو جائے گا اور اس کا علاج اس نے یہ تجویز کیا کہ انسانی پیدائش پر کنٹرول یعنی ضبط ولادت کی پالیسی پر عمل کرنا چاہیے اور بڑی عمر میں شادی کرنا چاہیے۔

اگر چہ تاریخ نے مالتھس کے اس نظریہ کو غلط ثابت کر دیا اور برطانیہ کی خوشحالی، صنعتی انقلاب کی وجہ سے بڑھتی چلے گئی مگر اسکے تجویز کردہ ضبط ولادت کے مشورہ نے زنا اور فواحش کی اشاعت میں جس قدر فائدہ بہم پہنچایا وہ مالتھس کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخر میں جب نومالتھوسی تحریک (Neo.Malthusiam Movement) اٹھی تو اس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ نفس کی خواہش کو آزادی کے ساتھ پورا کیا جائے اور اس کے فطری نتیجہ یعنی اولاد کی پیدائش کو سائنٹفیک ذرائع سے روک دیا جائے۔

اس چیز نے بدکاری کے راستہ سے وہ آخری قدرتی رکاوٹ بھی دور کر دی جو آزادانہ

(۱) [پردہ ص ٦٥]

منفی تعلقات رکھنے میں مانع ہوسکتی تھی۔ کیونکہ پہلے تو کسی عورت کو یہ خطرہ ہوتا تھا کہ صنفی تعلقات سے حمل اور ناجائز ولادت لوگوں کے سامنے نکتہ چینی کا ذریعہ بنے گی مگر ضبط ولادت کے نظریہ کے تحت تیار ہونیوالی مانع حمل ادویات نے عورت کے لیے اس پیشگی خطرے کو بھی رفع کردیا اور یوں عورت کے لیے ناجائز تعلقات کے باوجود حمل سے بچاؤ کا راستہ بھی ہموار ہوگیا۔ (۱)

❸ صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کی خدمات

یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد جب بڑی تیزی سے فیکٹریاں اور کارخانے بننا شروع ہوئے تو ان میں کام کرنے کے لیے مردانہ لیبر کم پڑگئی چنانچہ اس خلا کو پورا کرنے کے لیے عوتوں کو بھی معاشی میدان میں نکالنے کی مہم شروع کی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے عورتوں کی بڑی تعداد میدن معیشت میں کود پڑی جس سے اگرچہ کچھ مادی فوائد بھی حاصل ہوئے تاہم ان کے مقابلے میں مردوزن کے آزادانہ اختلاط کی بنا پر ہونے والے نقصانات اور مفاسد کہیں زیادہ تھے۔

اسی دور میں مغربی سرمایہ داروں نے انسان کی سفلی وشہوانی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وسیع پیمانے پر کلب، تھیٹر، رقص گاہیں وناچ گھر اور قحبہ خانے تیار کیے جن میں منہ مانگے معاوضہ پر خوبصورت ترین عورتوں کی خدمات حاصل کی جاتیں اورانہیں ممکنہ حد تک برہنہ کرکے پیش کیا جاتا اور لوگوں کے شہوانی جذبات اور جنسی ہیجان کو خوب بھڑکا کرانکی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنے کی کامیاب کوششیں کی جاتیں۔

دفاتر، فیکٹریوں اور کارخانوں میں مردوزن کے آزادانہ اختلاط سے شروع ہونے والا سلسلہ ناچ گھروں، کلبوں، ہوٹلوں، تھیٹروں اور مارکیٹوں سے ہوتا ہوا کھیل کود کے میدانوں، سیروتفریح کے پارکوں اور سیاست کے میدانوں غرضیکہ زندگی کے ہرشعبہ تک پھیلتا

(۱) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے پردہ از مودودی]

چلتا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آزادانہ اختلاط، فحاشی و بے حیائی، بدکاری و زناکاری اور بن بیاہی مائیں بن جانے تک کو مغربی معاشرے میں زندگی کا حصہ اور معمول کی کارروائی خیال کیا جانے لگا!

④ سائنسی ایجادات کا غلط استعمال

انیسویں اور بیسویں صدی میں نت نئی سائنسی ایجادات سامنے آئیں جن کے ذریعے فحاشی اور بے حیائی کے فروغ میں مزید اضافہ ہوا۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، وی سی آر، کمپیوٹر وغیرہ کے ذریعے فحاشی و بے حیائی کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا اور دنیا کے ہر کونے میں مغربی حیاباختہ تہذیب کے اثرات پہنچنے شروع ہو گئے۔ علاوہ ازیں ان سائنسی ایجادات کے ذریعے نہ صرف یہ کہ فحاشی و بے حیائی کو انسانی ضرورت کے طور پر پیش کیا جانے لگا بلکہ ان کے ذریعے لوگوں کو سینماؤں، تھیٹروں اور رقص گاہوں میں جانے کی زحمت اٹھانے کی بجائے گھر بیٹھے 'نعمت ولذت' سے نوازا جانے لگا۔ علاوہ ازیں ذرائع ابلاغ کی مدد سے دور دراز کے دیہاتوں اور قصبوں میں بھی حیاباختہ مغربی کلچر اسی زور وشور سے اثر انداز ہونے لگا جس طرح کہ بڑے بڑے شہروں میں یہ اثر انداز ہو چکا تھا۔

⑤ مخلوط نظام تعلیم

مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کو عیب وبرائی خیال نہ کرنے کی بنا پر مخلوط طرز تعلیم کا سلسلہ جاری کیا گیا اور ابتدائی تعلیمی اداروں سے لے کر بڑی بڑی یونیورسٹیوں تک کوئی تعلیمی ادارہ ایسا نہ رہا جہاں لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے تعلیم حاصل نہ کرتے ہوں۔ صاف ظاہر ہے کہ مرد وزن میں قدرت نے جو جذب وانجذاب اور فعل وانفعال کی خاصیت رکھی ہے اسے قبل از وقت ابھرنے کا موقع مل گیا اور خود یورپین رسائل وجرائد ہی کی رپوٹوں کے مطابق ۹۰٪ طالب علم (لڑکے ولڑکیاں) ایسے نکلتے جو فراغت سے پہلے ہی جنسی تعلقات کے تجرباتی مراحل سے گزر چکے ہوتے۔

اباحیت پسندی کے نتائج واثرات

'حریت فکر' کے اس مغربی تصور، اور اباحیت پسندی اور مادر پدر آزادی کی اس غیر معقول سوچ کے، مجموعی طور پر مغربی معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوئے اس کی ہلکی سی جھلک آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیے:(۱)

❶ فواحش کی کثرت:

فواحش کی کثرت جو ہر عمر کے مرد اور عورت میں یکساں پائی جاتی ہے۔ بعض عورتوں نے اس کاروبار کو پیشہ کی حیثیت سے اور اپنی مرضی سے اختیار کر رکھا ہے، جبکہ بعض دوسری عورتیں جزوی طور پر یہ کاروبار کرتی ہیں۔ صرف لندن شہر میں علانیہ بدکاری کرنے والی عورتوں کی تعداد تیس ہزار ہے۔ اس سلسلہ میں محرمات تک کا بھی کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ بیٹی سے باپ کے جنسی تعلقات اور ماں سے بیٹے کے تعلقات بھی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں!

❷ شہوانی ماحول کا بچوں پر اثر:

اس ماحول کا بچوں پر اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ بلوغت کی حقیقی عمر سے بہت پہلے بالغ ہو جاتے ہیں اور شہوانی جرائم میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ ایک مصنفہ ''ڈاکٹر ایڈتھ ہوکر'' اپنی تصنیف Laws of Sex میں لکھتی ہے کہ ''ایک سات برس کی چھوٹی سی لڑکی جو ایک نہایت شریف خاندان کی چشم وچراغ تھی خود اپنے بڑے بھائی اور اس کے چند دوستوں کے ساتھ ملوث ہوئی۔ ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ پانچ بچوں کا ایک گروہ جو دو لڑکیوں اور تین لڑکوں پر مشتمل تھا باہم شہوانی تعلقات میں وابستہ پائے گئے اور انہوں نے دوسرے ہم عمر بچوں کو بھی اس کی ترغیب دی۔ ان میں سب سے بڑے بچے کی عمر صرف دس (۱۰) سال

(۱) [واضح رہے کہ اس فصل کے آخر تک آئندہ تفصیلات مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ؒ کی کتاب ''احکام ستر وحجاب'' اور مولانا مودودیؒ کی کتاب ''پردہ'' سے ماخوذ ہیں (مصنف)]

تھی۔" یہ حالات امریکہ کے ہیں جہاں بچوں کی بلوغت کی عمر اٹھارہ (۱۸) سال اور لڑکیوں کی عمر پندرہ، سولہ (۱۵،۱۶) سال ہوتی ہے۔

ادویات وآلات منع حمل کی بکثرت خرید وفروخت:

اس معاشرہ میں چونکہ لڑکیاں اور لڑکے ایسے آلات کو اپنے پاس پہلے سے رکھنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ کوئی "سنہری موقع" ضائع نہ ہونے پائے لہٰذا ان اشیاء کی برسرعام اور بے حجابانہ خرید وفروخت ہوتی ہے کیونکہ یہ چیزیں ضروریات زندگی میں شمار ہونے لگی ہیں۔

امراض خبیثہ:

یعنی آتشک اور سوزک کی کثرت جو اس طرح پھیلی ہوئی فحاشی کی وبا کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔اندازہ کیا گیا ہے کہ امریکہ کی تقریباً ۹۰ فیصد آبادی ان امراض سے متاثر ہے۔انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق وہاں کے سرکاری دواخانوں میں اوسطاً ہر سال آتشک کے دو لاکھ اور سوزاک کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔۶۵ دواخانے انہی امراض کے لیے مخصوص ہیں۔جب کہ زیادہ لوگ پرائیویٹ ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔جن کے پاس آتشک کے ۶۱ فیصد اور سوزک کے ۸۹ فیصد مریض جاتے ہیں۔(پردہ:ص ۱۰۱)

روزنامہ "انقلاب" یکم جولائی ۱۹۲۸ میں جان بل کے حوالہ سے یہ رپورٹ شائع ہوئی تھی کہ شہر نیویارک میں اس وقت چالیس ہزار بازاری عورتیں موجود ہیں۔اس تعداد میں وہ لڑکیاں داخل نہیں ہیں جنہوں نے اپنے گھروں، ہوٹلوں اور دوسرے پبلک مقامات میں رفاہ عامہ کا کام جاری کر رکھا ہے۔اندازہ کیا گیا ہے کہ شہر نیویارک میں یہ بازاری عورتیں پچپن لاکھ چالیس ہزار سات سو مردوں کے ہاتھ اپنی متاع عصمت کو فروخت کرتی ہیں۔گویا ایک دن میں پندرہ ہزار ایک سو اسی مرد بازاری عورتوں کو استعمال کرتے ہیں۔جس سے تمام امراض خبیثہ کا شکار ہیں۔(پردہ:ص ۱۰۹)

جنسی تعلقات کی مختلف شکلیں:

جنسی تعلقات کی مختلف شکلیں جو ان ممالک میں رائج ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔شادی کے بغیر!: مردوں اور عورتوں کا ایک کثیر طبقہ ایسا ہے جو شادی کا یا کسی بھی دوسری طرح کے معاہدہ کا قائل ہی نہیں۔ان کا کہنا یہ ہے کہ جب بازار سے ہر وقت تازہ دودھ مل سکتا ہو تو گھر پر گائے باندھنے کی کیا ضرورت ہے؟ لندن میں باقاعدہ دوشیزاؤں کی انجمنیں ہیں جو عہد کرتی ہیں کہ ہم شادی نہیں کریں گی۔ان کے نزدیک نکاح کے بغیر ماں بننا زیادہ جمہوری طریقہ ہے۔

۲۔داشتائیں: یعنی ایسی عورتیں جن سے مرد نکاح کے بغیر تعلقات رکھتے ہیں۔ایسے جوڑے آزادی سے سوسائٹی کی تقریبات میں شامل ہوتے ہیں۔اور اب فرانس میں ایسی عورتوں کا قانونی حق بھی تسلیم کیا جانے لگا ہے۔یعنی مرد کی زندگی میں نان ونفقہ اور موت کی صورت میں پنشن۔

۳۔آزمائشی نکاح: اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح سے پہلے محبت کرنے والا جوڑا کچھ مدت مل کر زندگی گزارتا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے مزاج سے کلی طور پر آگاہ ہوسکیں۔بعد میں اگر چاہیں تو نکاح کا بندھن باندھ لیں ورنہ الگ ہو جائیں۔

۴۔نکاح: جس میں عورت کو بھی طلاق کا ایسے ہی حق ہے جیسے کہ مرد کو۔

۵۔ہم جنسی کے تعلقات: یعنی لواطت اور چپٹی بازی۔ڈاکٹر چو کر لکھتی ہے:

"تعلیمی درس گاہوں، کالجوں، نرسنگ کے ٹریننگ سکولوں اور مذہبی مدرسوں میں ہمیشہ اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جن میں ایک ہی جنس کے دو افراد آپس میں شہوانی تعلق رکھتے ہیں اور صنف مقابل سے ان کی دلچسپی فنا ہو چکی ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں اس نے بکثرت ایسے واقعات بیان کیے ہیں جن میں لڑکیاں لڑکیوں کے ساتھ اور لڑکے لڑکوں کے ساتھ ملوث ہوئے اور دردناک انجام سے دوچار ہوئے۔"

❺ عائلی نظام کی بربادی اور عدالتوں میں خانگی تنازعات اور طلاق کے مقدمات کی بھرمار اور التباس نسل کی وجہ سے وراثت کے تنازعات:

معاشی لحاظ سے تو عورت پہلے ہی مرد کے زیر بار نہیں رہی تھی۔ جس کی بنا پر اس نے بچوں کی تربیت سے گلوخلاصی حاصل کر لی تھی۔حق طلاق دینے کے بعد مغربی ممالک میں بے شمار خاندانی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔خاندانی زندگی کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔اکثر بچے سکولوں اور نرسریوں میں پلتے ہیں جو ماں کی مامتا، باپ کی شفقت اور خاندانی ہمدردیوں اور برکات سے یکسر محروم رہتے ہیں۔ اس جدید خاندان کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی ناپائیداری اور طلاقوں کی بھرمار ہے۔اس عائلی نظام کی ناپائیداری سے مزید کئی مسائل پیدا ہو گئے ہیں مثلاً: ۱۔طلاقوں کی کثرت ۲۔میاں بیوی کی اکثر ناچاقی ۳۔بچوں کی تربیت سے عدم توجہی اور غفلت ۴۔نافرمان اولاد ۵۔میاں بیوی دونوں کا گھریلو ذمہ داریوں سے گریز۔۔۔وغیرہ۔اب ان گھروں کی بجائے کلب گھر اور تفریح گاہیں آباد ہو رہی ہیں۔وہیں پکنک منانے کے پروگرام بنائے جاتے ہیں۔میاں کا پروگرام اگر ایک جگہ ہے تو بیوی کا کسی دوسری جگہ گویا اس حق طلاق نے جہاں ایک طرف خاندانی نظام کا جنازہ نکالا ہے تو دوسری طرف آئے دن ازدواجی زندگی کے پروگراموں نے بے حیائی اور فحاشی کو بہت عروج بخشا ہے۔

❻ اسقاط حمل کا کاروبار:

منع حمل کی تدابیر کے باوجود بھی بسا اوقات حمل قرار پا جاتا ہے۔لہٰذا انہیں اسقاط حمل کے ذریعہ ضائع کر دیا جاتا ہے۔اور اس مقصد کے لیے الگ زچہ خانے قائم کر دئے گئے ہیں۔اسقاط حمل صرف کنواری لڑکیاں ہی نہیں کراتیں، بلکہ شادی شدہ عورتیں بھی اس فعل میں ملوث ہوتی ہیں۔اخلاقاً اس فعل کو نا قابل اعتراض ہی نہیں بلکہ عورت کا حق تسلیم کیا جاتا ہے۔

● فطری تقاضوں کا خون اور قتل اولاد:

ماں کی مامتا ایک ایسا فطری داعیہ ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہ ہوگا۔لیکن آج یہ مہذب عورت، بربریت میں اس درجہ آگے بڑھ گئی ہے کہ اس نے اس فطری داعیہ کا بھی جنازہ نکال دیا ہے۔اگر کسی عورت کو اسقاط حمل کا موقع میسر نہ آئے یا وہ اپنی صحت یا زندگی کے خدشہ یا اخلاقی جرات کے فقدان کی وجہ سے حمل ساقط نہ کرا سکے تو اس ناخواندہ مہمان کی آمد پر وہ سخت دل برداشتہ ہو جاتی ہے جس نے اس کی زندگی کا لطف غارت کر دیا۔تاہم اس نامولود کو اس کی سزا بھی بھگتنا پڑتی ہے۔جو اس کے قتل کی صورت میں سامنے آتی ہے۔(لنڈسے کے بیان کے مطابق امریکہ میں ہر سال ۵ لاکھ حمل کے ساقط کیے جاتے ہیں اور ہزار ہا بچے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیے جاتے ہیں)اب چند واقعات ملاحظہ کیجیے:

"فروری ۱۹۱۸ءمیں لوار کی عدالت میں دو لڑکیاں اپنے بچوں کے قتل کے الزام میں پیش ہوئیں ۔اور دونوں بری کر دی گئیں ایک لڑکی نے اپنے بچے کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کیا تھا ۔اس کے ایک بچے کی پرورش رشتے دار کر رہے تھے اور دوسرے بچے کی پرورش کے لیے بھی وہ آمادہ تھے۔مگر پھر بھی اس لڑکی نے یہی فیصلہ کیا کہ اس ناخواندہ مہمان کو جیتا نہ چھوڑے ۔دوسرے لڑکی نے اپنے بچے کا گلا گھونٹ کر مارا لیکن اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی تو دیوار پر مار کر اس کا سر پھوڑ دیا۔فرانسیسی ججوں کی نگاہ میں یہ دونوں لڑکیاں قصاص کی سزاوار نہ ٹھہریں ۔پھر اسی سال ماہ مارچ میں سینی کی عدالت کے سامنے ایک رقاصہ پیش ہوئی جس نے اپنے بچے کی زبان حلق سے کھینچنے کی کوشش کی اور اس کا گلا کاٹ ڈالا ۔یہ عورت بھی عدالت کے ہاں مجرم قرار نہ پا سکی"۔(پردہ:ص ۹۸)

یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر فرانس کی افرادی قوت میں بے پناہ کمی واقع ہوگئی۔فوج کے اکثر سپاہی امراض خبیثہ کا شکار اور ہسپتالوں میں داخل تھے اور فوج میں نئے بھرتی

کے لیے افراد مہیا نہیں ہوتے تھے تو حکومت کو ''جنو اور جناؤ'' کی باقاعدہ تحریک چلانی پڑی۔ جس کے مخاطب عورت اور مرد دونوں تھے۔ حلالی اور حرامی بچے کے امتیاز کے بغیر جس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوتا وہ قوم کی نظروں میں قابل احترام سمجھی جانے لگی اور حکومت کی طرف سے اسے انعام بھی ملتا تھا۔

بوڑھے والدین کی حالتِ کسمپرسی:

اب اس کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمایئے۔ جب عورت اپنی جوانی سے گزر کر اپنی رعنائی کھو بیٹھتی ہے تو اس کی حالت قابل رحم ہوتی ہے۔ بوڑھے والدین جو کام کرنے کے قابل نہیں رہتے ان کی رہائش کے لیے الگ بیرکیں بنادی گئیں ہیں۔ جہاں وہ اپنے آخری ایام انتہائی کس مپرسی اور تنہائی کی حالت میں سسکیاں بھر بھر کر گزارتے ہیں۔ جب کہ ان کی اولاد انہی کی طرح رنگ رلیوں میں مصروف ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی مامتا کی ماری ماں اپنی اولاد یا اس کے بال بچوں کو ملنے اور تفریح طبع کی خاطر ان کے ہاں چلی جائے تو اولاد اس کی آمد کو اپنی عیش وطرب میں مداخلت تصور کر کے دھتکار دیتی ہے ۔اور ایسے واقعات بھی آئے دن اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔ گویا جس سطح پر اسلام نے ماں کو بلند ترین مقام عطا کیا تھا اور اس کی خدمت کو اخروی نجاست کا ذریعہ بتلایا تھا ۔اس تہذیب نے اس مقام کو اس بڑھیا کھوسٹ کے لیے ارذل ترین مقام بنادیا ہے۔

احترام نسواں کا خاتمہ:

اسلام نے عورت کو ماں ،بہن اور بیٹی ہر حیثیت سے قابل احترام قرار دیا تھا اور اس کا یہ احترام اس کی طبعی شرم وحیاء اور اولاد سے بے پناہ محبت اور صنف نازک ہونے کی بنا پر تھا۔ جب دور حاضر کی تہذیب نے عورت سے ان خصائص کو چھین لیا تو اس کے احترام کا خاتمہ منطقی نتیجہ کے طور پر سامنے آگیا ہے۔ جب عورت ہر میدان میں مرد کی برابری

کے دعوے کرے بلکہ اپنی فطرت کو کچلتے ہوئے فحاشی کے میدان میں مرد سے بھی آگے نکل جائے تو اس کے لیے مرد کی نگاہوں میں احترام کیسے باقی رہ سکتا تھا؟

لمحہ فکریہ!

عورت پہلے صنف نازک سمجھی جاتی تھی۔موجودہ تہذیب نے اسے برابری کا درجہ دیا، پھر اسے صنف بہتر کا درجہ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرد خود صنف کہتر بن چکا ہے۔بالفاظ دیگر عورت کی آزادی مرد کی غلامی پر ترجیح ہوگئی۔عورت پہلے حجاب سے نکلی پھر اپنے آپ سے نکلی پھر مرد کے قبضہ سے نکل گئی۔کیونکہ آزادی کی ایک کڑی دوسری کڑی کو طبعی کشش کے ساتھ کھینچتی ہے۔جب عورت کو مرد کی طرف سے ناجائز آزادی ملی تو عورت نے اسی پر اکتفاءنہیں کیا بلکہ خود آزادی کی قانون سازی میں آزاد ہوکر اس میں ایسی دفعات کا اضافہ کر رہی ہے جسے مردانہ عقل کسی حالت میں گوارا نہیں کر سکتی۔یہی وہ صورت حال ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ

"وامور کم الی نسائکم فبطن الارض خیر من ظھر ھا "(ترمذی)

"(اور جب ایسا وقت آجائے) کہ تمہارے معاملات تمہاری بیگمات کے حوالے ہوں تو اس وقت تمہارے لیے زندہ رہنے سے مرجانا ہی بہتر ہے!"

مغرب کی مراجعت:

آج کا مغربی مفکر بھی تہذیب کے اس ہمہ پہلو نقلاب سے سخت پریشان ہے۔اور اس صورت پر سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور ہوگیا ہے۔چنانچہ ایک امریکن رسالہ میں اس صورت حال پر یوں تبصرہ کیا گیا ہے:

"دو تین شیطانی قوتیں ہیں جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھا گئی ہے اور تینوں ایک جہنم تیار کرنے میں مشغول ہیں:فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی

بے شرمی اور کثرت اشاعت میں بڑھتا چلا جارہا ہے۔ متحرک تصویریں جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں بلکہ عملی سبق بھی دیتی ہیں۔ عورت کا گراہوا اخلاقی معیار جوان کے لباس اور بسااوقات ان کی برہنگی اور سگریٹ کے روزافزوں استعمال اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید و امتیاز سے ناآشنا اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہمارے ہاں بڑھتی چلی جارہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی تہذیب و معاشرت کا زوال اور آخرکار تباہی ہے۔ اگر ان کو روکا نہ گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور ان دوسری قوموں کے مماثل ہوگی جن کو یہی نفس پرستی اور شہوانیت ان کی شراب، عورتوں اور ناچ رنگ سمیت فنا کے گھاٹ اتار چکی ہے۔ (پردہ: ص ۱۰)

3 عدم استطاعت کیوجہ سے ترک نکاح

ترک نکاح کی پہلی دو صورتیں تو انتہائی معیوب تھیں، البتہ یہ (تیسری) صورت ان سے یکسر مختلف ہونے کیوجہ سے معیوب نہیں بلکہ ایک مجبوری ہے۔ اس لیے کہ بعض مرد و زن پیدائشی یا حادثاتی طور پر ایسے امراض کا شکار ہو جاتے ہیں کہ جنکی وجہ سے وہ صنفی تعلقات قائم کرنے اور افزائش نسل کو جاری رکھ سکنے کے قابل نہیں رہتے۔ جبکہ بعض اوقات دیگر معاشی وسائل کی عدم موجودگی کیوجہ سے انسان اس وقت تک ترک نکاح پر مجبور ہو جاتا ہے جب تک کہ مطلوبہ وسائل میسر نہ آجائیں۔ گویا دونوں صورتیں عذر و مجبوری کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں تاہم ان دونوں صورتوں میں اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلی صورت اکثر و بیشتر دائمی اور دوسری صورت وقتی نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کسی مرض (بانجھ پن وغیرہ) کی وجہ سے کوئی شخص جنسی تعلقات قائم کرنے کا اہل نہ ہونے کی بنا پر نکاح نہیں کرتا تو اس کے معقول عذر کی وجہ سے اس کی ملامت نہیں کی جاسکتی بلکہ اگر ایسا شخص نکاح کر بیٹھے تو اس کی بیوی اس سے خلع (علیحدگی) حاصل کرنے کی مجاز ہے۔

لیکن اس کے برعکس جو شخص جنسی استطاعت کے باوجود مالی طور پر انتہائی کمزور ہو اور شادی کے بعد عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، تو شریعت اسے اس وقت تک شادی سے کنارہ کشی اختیار کیے رکھنے کی اجازت دیتی ہے جب تک کہ وہ مالی طور پر شادی کی ذمہ داریاں نبھانے کے قابل نہ ہو جائے۔ لیکن اس کے باوجود شریعت ایسے شخص کو نہ صرف پاکدامن رہنے کی تلقین کرتی ہے بلکہ ان ذرائع اور راستوں پر عمل کی بھی ترغیب دلاتی ہے جنکے ذریعے غیر شادی شدہ نوجوان (مرد یا عورت) اپنی عفت و عصمت کو داغدار ہونے سے بچا سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ﴾ (النور۔۳۳)

"ان لوگوں کو پاک دامن رہنا چاہیے جو اپنا نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مالدار بنا دے۔"

اسلام جس عفت و پاکدامنی کا مطالبہ کرتا ہے اس کے حصول کے چند اہم و نمایاں طریقے درج ذیل ہیں:

❶ بکثرت روزے رکھنا:

بکثرت روزے رکھنے سے انسان کی شہوت کی حدت و تیزی میں بہت حد تک کمی واقع ہو جاتی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ شہوانی جذبات کے سرد و نرم پڑنے سے انسان کے دل و دماغ میں بُرے خیالات پیدا نہیں ہوتے اور اگر کبھی برا خیال پیدا ہو بھی تو انسان روزے کے خوف سے ایسے خیال پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ أغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء"(۱)

"اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہو تو وہ ضرور شادی کرے۔ شادی نظر کو خوب جھکانے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جو شخص شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے۔ یہ روزے اس کی شہوت کو ختم کر دیں گے۔"

❷ جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنیوالی چیزوں سے کنارہ کشی

---

(۱) [بخاری: کتاب النکاح: باب الصوم لمن خاف علی نفسہ العزوبۃ ...... (۱۹۰۵) مسلم (۱۴۰۰) ابوداؤد (۲۰۴۶) ابن ماجہ (۱۸۴۵) نسائی (۱۷۱/۴) احمد (۳۷۸/۱) دارمی (۱۳۲/۲) بیہقی (۷۷/۷) ابو یعلی (۵۱۱۰) شعب الایمان (۵۴۷۶)]

جن چیزوں سے جنسی جذبات اور شہوانی خیالات بھڑ کنے کا اندیشہ ہو ان سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ خواہ یہ چیزیں فحش لٹریچر (فحش ناول، رسالے، روزنامے، ماہنامے وغیرہ) کی شکل میں ہوں یا آڈیو (فحش گانوں) اور ویڈیو کیسٹس، ٹیلی ویژن، سٹیج ڈراموں کی شکل میں ہوں یا ایسی ہی کسی اور شکل میں کہ جس کے ذریعے جنسی جذبات برانگیختہ ہو کر انسان کو حرام کاری کے لیے مجبور کرتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ان تمام لغویات کو گناہ قرار دیکران سے بچنے اور دور رہنے کی تلقین کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ (النور،۱۹)

”جو لوگ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں“۔

❸ غیر محرم سے نگاہ پست رکھنا

عورت کے لیے غیر محرم مرد اور مرد کے لیے غیر محرم عورت کی طرف قصداً دیکھنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾ (النور،۳۰۔۳۱)

”(اے نبیؐ!) آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں پست رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے لئے پاکیزگی ہے۔ لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے باخبر ہے۔ اور مسلمان عورتوں سے بھی کہیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت و عزت کی حفاظت کریں اور اپنی زیب و زینت ظاہر نہ کرتی پھریں“۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''زنا العین النظر ، آنکھوں کا زنا 'نظر بازی' ہے۔'' (۱)

حضرت علیؓ سے آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اے علی! بار بار نظریں اٹھا کر (غیر محرم کی طرف) نہ دیکھنا کیونکہ پہلی دفعہ کی نظر (جو اچانک پڑ جاتی ہے وہ) تجھے معاف ہے لیکن دوسری بار کی نظر (جو قصداً ڈالی جاتی ہے) تجھے معاف نہیں۔'' (۲)

واضح رہے کہ غیر محرم کو تاکنا مسکراہٹ کا باعث بنتا ہے اور پھر مسکراہٹ انسان کو سلام تک پہنچا دیتی ہے پھر سلام سے بات چیت تک نوبت جا پہنچتی ہے اور بات چیت کے بعد نہ ختم ہونے والی ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلتا ہے جو کسی انجام بد تک پہنچائے بغیر نہیں رہتا۔ اس لیے اسلام نے نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا اور قصد وارادہ سے غیر محرم کی طرف اٹھنے والی نگاہ کو 'آنکھوں کے زنا' سے تعبیر کیا!

● نیک ساتھیوں کی صحبت اختیار کرنا

معاشرتی ماحول اور دوست احباب کی مجلس بھی انسان پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ اگر کسی شخص کو نیک وصالح اور دیندار ساتھیوں کی مجلس اور اچھا دوستانہ ماحول میسر آجائے تو اس میں خیر و بھلائی کے جذبات پیدا ہوں گے، جب کہ برے دوستوں کی صحبت سے نیک وصالح شخص بھی بری راہ پر چل نکلتا ہے۔ اس لیے حتی الامکان نیک لوگوں سے دوستی اور دیندار لوگوں کی مجالس میں شرکت کی کوشش کی جائے۔ مجلس و ماحول کے اثرات کے حوالہ سے درج ذیل احادیث قابل غور ہیں:

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''الرجل علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل''

(۱) [بخاری: کتاب الاستیذان :باب زنا الجوارح دون الفرج]

(۲) [ترمذی: کتاب الادب :باب نظر الفجاءة]

''انسان اسی دین پر ہوتا ہے جس پر اس کا قریبی دوست ہوتا ہے۔لہذا دوستی سوچ سمجھ اور جانچ پڑتال کر کے لگایا کرو۔''(۱)

۲۔حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

'' نیک ساتھی کی مثال خوشبو بیچنے والے اور برے ساتھی کی مثال لوہار کی طرح ہے۔خوشبو بیچنے والے کے پاس بیٹھنے سے فائدہ یہ ہوگا کہ یا تو تم اس سے خوشبو (یعنی ایک اچھی چیز) خریدلو گے یا پھر کم از کم اس کی اچھی مہک تو تمہیں ضرور محسوس ہوگی۔لیکن لوہار کی بھٹی یا تو تمہارے جسم یا کپڑوں کو جلائے گی یا پھر کم از کم تم اس سے بدبو ضرور پاؤ گے''(۲)

۳۔حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ فرمایا کرتے تھے:

'' لاتصاحب الا مؤمنا ولا یاکل طعامک الاتقی ''(۳)

''تم صرف مومن شخص کو دوست بناؤ اور تمہارا کھانا صرف وہ کھائے جو متقی ہو۔''

● طبی ہدایات پر عمل کرنا

شہوانی خیالات اور جنسی جذبات کی شدت سے بچاؤ کے لیے علم طب کے اصول وضوابط پر عمل کرنے سے بھی بعض اوقات فائدہ ہوجاتا ہے البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی بھی طبی ضابطہ پر عمل کرنے سے پہلے کسی ماہر طبیب سے مشورہ ضرور کرلیا جائے کیونکہ عام طور پر ایک شخص کی طبیعت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے اور ایک ہی چیز جس سے ایک شخص کو فائدہ پہنچتا ہے، دوسرے کے لیے بسا اوقات مضر ثابت ہوتی ہے۔اس لئے جنسی جذبات میں ٹھہراؤ کے لئے مجوزہ ادویات بھی استعمال کی جاسکتی ہیں۔

(۱) [ابو داود: کتاب الادب: باب من یؤمر ان یجالس (۴۸۲۵) ترمذی (۲۴۹۷) احمد (۳۰۳/۲)]

(۲) [بخاری: کتاب البیوع: باب فی العطار وبیع المسك (۲۱۰۱) مسلم (۲۶۲۸)]

(۳) [ترمذی کتاب الزهد: باب ماجاء فی صحبة المؤمن........(۲۳۹۵) ابوداود (۴۸۳۲) احمد (۳۸/۳) دارمی (۱۰۳/۲)]

⓫ فراغت اور تنہائی سے اجتناب کرنا

عام طور پر تنہائی میں انسان شیطانی حملوں کا شکار ہو جاتا ہے اس لیے حتی المقدور فراغت کو اچھی مصروفیت اور تنہائی کو اجتماعیت میں بدلنے کی کوشش کی جائے۔

⓬ تقوی اور خشیت خداوندی کا احساس

ہر وقت اس احساس کو زندہ رکھا جائے کہ اللہ تعالی انسان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے اور ہر وقت اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر اس نے کوئی گناہ کیا تو اللہ تعالی کے مقرر کردہ فرشتے اس کو نوٹ کرلیں گے اور روز محشر اللہ تعالی نہ صرف اس گناہ کے بارے میں سوال کریں گے بلکہ اس کی سخت سزا بھی دیں گے۔ اگر انسان میں یہ احساس بیدار ہو جائے اور اسے واقعی اللہ تعالی کا ڈر اور خوف ہو تو پھر یہ بڑا مشکل ہے کہ انسان گناہ کے تمام تر مواقع کے باوجود گناہ کا ارتکاب کرے۔ بلکہ خشیت الٰہی اور خوف خداوندی کا یہ احساس ہی اسے برائی سے روکنے کے لیے کافی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت یوسفؑ کا واقعہ لائق مطالعہ ہے کہ جب عزیز مصر کی حسین و جمیل بیوی نے اللہ تعالی کے اس پیغمبر کو گناہ کی دعوت دی تو تمام تر مواقع کے باوجود حضرت یوسفؑ نے اس گناہ سے انکار کر دیا اور اس کے بدلے جیل جانا پسند کر لیا۔ (۱)

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورت یوسف آیات ۔۲۳ تا ۳۳]

فصل سوم

شادی میں رکاوٹیں اور انکا حل

❶ تعلیم کی رکاوٹ

ہمارے ہاں ایک عام خیال پایا جاتا ہے کہ شادی تعلیم میں رکاوٹ ڈالتی ہے، اس لیے تعلیم حاصل کرنے والے اکثر و بیشتر حضرات اس مفروضہ کی بنا پر شادی میں تاخیر کرتے ہیں۔ اگر بالفرض والدین اپنی اولاد کی شادی کرنے پر آمادہ ہوں تو اولاد تعلیم کا عذر پیش کر کے شادی کے لیے تیار نہیں ہوتی اور بعض اوقات خود والدین ہی اپنی جوان اولاد کی شادی میں اس لیے تاخیر کرتے ہیں کہ "جی! ابھی بچوں کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی۔"

اس سلسلے میں ہمیں یہ جائزہ لینا ہے کہ کیا فی الواقع شادی تعلیم میں رکاوٹ ہے یا نہیں۔ دوران تعلیم شادی نہ کرنے کی بالعموم دو صورتیں ہوتی ہیں:

❶ وسائل اور اخراجات کی کمی اور بوجہ تعلیم، روزگار کے میسر نہ ہونے کی صورت

❷ یا پھر وسائل رزق اور معاشی استحکام کے باوجود محض تعلیمی سرگرمیوں کے متاثر ہونے کے خوف سے شادی نہ کرنے کی صورت

ہمارے معاشرے میں دینی یا عصری تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں کی بڑی تعداد عام طور پر پہلی صورت سے دوچار ہونے کی بنا پر شادی میں تاخیر کرتی ہے کیونکہ معاشی عدم استحکامی کیوجہ سے ہمارے معاشرے میں ایک طرف تو والدین کے لیے اپنی اولاد کو ضروری تعلیم دلوانے کے لیے بھی کافی مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے جب کہ دوسری طرف تعلیم پانے والے نوجوان ہی فراغت کے بعد روزگار تلاش کر کے اپنے اور اپنے گھر بار (والدین اور بہن بھائیوں وغیرہ) کے اخراجات کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

اسی طرح دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کو بھی دوران تعلیم معاشی ناہمواریوں کا سامنا رہتا ہے۔ اس لیے اگر ان معاشی مسائل کی بنا پر دوران تعلیم شادی سے گریز کیا جاتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ مصلحت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ ایسی صورت میں تاخیر برتی جائے تاوقتیکہ معاشی صورتحال میں بہتری پیدا ہو جائے۔ مگر واضح رہے کہ یہ تاخیر تعلیمی مجبوریوں کی بجائے معاشی مجبوریوں کی بنا پر کی جاتی ہے۔ اس لیے اگر دوران تعلیم معاشی مجبوریاں ختم ہو جائیں یا شروع ہی سے معاشی مسائل کا سامنا نہ ہو تو پھر محض تعلیمی سرگرمیوں کے متاثر ہونے کے خوف سے شادی مؤخر نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ تو مشاہدہ وتجربہ کی بات ہے کہ شادی کے بعد انسان بہت سے نفسانی، شہوانی اور شیطانی خیالات وتفکرات سے آزاد ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں تعلیم کی طرف پوری یکسوئی اور توجہ بآسانی مبذول کی جاسکتی ہے۔ بطور دلیل راقم سمیت بہت سے لوگوں کی مثال پیش کی جاسکتی ہے جنہوں نے دوران تعلیم شادی کی اور شادی کے بعد انکی تعلیمی سرگرمیاں متاثر ہونے کی بجائے پہلے سے بھی بہتر ہو گئیں۔ اس سلسلے میں عالم عرب کے ایک معروف عالم ومصنف شیخ عبداللہ بن ناصح علوان کا مندرجہ اقتباس لائق توجہ ہے:

"(شادی کا تعلیم میں رکاوٹ ہونا) یہ بھی ایک دلیل ہے جسے بعض لوگ بہانہ بنانے کے لیے پیش کرتے ہیں لیکن حقیقت وامر واقعہ اس کی تکذیب اور اسکے باطل ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ میں جس زمانے میں جامعہ ازھر (مصر) میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اس وقت میں بھی یہی کہا کرتا تھا کہ شادی تعلیم میں رکاوٹ بنتی ہے اور طالب علم کے لیے شادی تعلیم سے روکنے والی دشوار گذار گھاٹی کے مترادف ہے۔ لیکن تعلیم مکمل کرنے سے دو سال قبل جب میں نے شادی کر لی تو میری سابقہ رائے بدل گئی اور میں نے یہ محسوس کیا کہ شادی ان بڑے عوامل میں سے ہے جو طالب علم کے لیے فکری فضا، نفسیاتی استقرار اور خوش بخت وپُرسکون زندگی مہیا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ شادی سے قبل میں کپڑے دھونے، کھانا بنانے، گھر کو صاف ستھر

ار کھنے اور اسطرح کے دیگر امور ـ ـ ـ ـ ـ کہ جنکی طالب علم کو ضرورت ہوتی ہے بلکہ جو دنیاوی زندگی کا جزو لاینفک ہوتے ہیں ـ ـ ـ ـ ـ میں وقت کا بڑا حصہ صرف کیا کرتا تھا لیکن شادی کے بعد مجھے ان ضروری کاموں اور گھر کے دھندوں سے چھٹکارا مل گیا۔ اور تعلیم کے تمام اسباب میرے لیے مہیا ہو گئے اور میرے لیے درس و تعلیم کی ایسی سازگار فضا پیدا ہو گئی جس میں علم کے چشمے اور تہذیب و ثقافت کے منبع سے میں خوب سیراب ہو سکتا تھا اور یقینی بات ہے کہ مجھ میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں نے تعلیم و ثقافت اور تہذیب و تمدن کے حصول کے ابتدائی عرصہ ہی میں شادی کیوں نہ کر لی!

اور اس کے ساتھ مجھے شادی کا یہ فائدہ بھی ہوا کہ میرے افکار ہر طرح کے ان شیطانی خیالات اور نفسیاتی وساوس سے خالی ہو گئے جو خیالات اور وسوساس ایک غیر شادی شدہ طالبعلم کے دل کو اپنی طرف مشغول کر کے اسکی روحانی، علمی اور اخلاقی تعلیم و تربیت میں مانع ثابت ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علمی تجربہ میں کامیاب ہونیوالا میں کوئی پہلا شخص نہیں بلکہ میرے ساتھ وہ تمام طلبہ بھی اس میں شامل ہیں جنہوں نے طالب علمی کے زمانہ میں شادی کی ہے اگرچہ ان میں سے بعض شادی شدہ حضرت بچوں کی وجہ سے پریشان ہونے کی شکایت کرتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اگر عورت بچوں کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری مستحسن طریقہ سے نبھائے تو اس شکایت کا موقع بھی نہیں ملتا۔ اس لیے شادی ایک ایسا عمل ہے جو طالب علم کے لیے سازگار تعلیمی فضا مہیا کرتا ہے اور طالبعلم کو بے ہودہ خیالات اور شہوانی جذبات سے محفوظ رکھتا ہے اور اللہ کے رسولؐ نے اس حدیث میں بالکل بجا فرمایا ہے جسے طبرانی، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ

"من رزقه الله امرأة صالحة فقد اعانه على شطر دينه فليتق الله في الشطر الباقي"

"جس شخص کو اللہ تعالی نیک صالح بیوی عطا فرمائے گویا اس کی اللہ تعالی نے اس کے

آدھے دین پر مدد فرما دی لہذا اسے چاہیے کہ باقی ماندہ حصے میں اللہ کا خوف کرے۔" (۱)

وسائل واخراجات کی رکاوٹ

بعض لوگ شادی میں اس لیے تاخیر کیے جاتے ہیں کہ شادی کے مطلوبہ اخراجات کے لیے استطاعت نہیں اور مطلوبہ اخراجات سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ لڑکے کے لیے الگ گھر کا انتظام کرنا ہے۔۔۔۔شادی بیاہ کی تمام رسومات کو پورا کرنا ہے۔۔۔۔شادی سے ہفتوں پہلے ہی چراغاں او خوشی کی محفلیں سجانی ہیں۔۔۔۔دور ونزدیک کے تمام عزیز واقارب اور دوست احباب کی فوج ظفر موج کو اہل وعیال سمیت شرکت کی دعوت دینا ہے۔۔۔۔بارات اور ولیمے میں سینکڑوں، ہزاروں لوگوں کو مدعو کرنا ہے۔۔۔پرتکلف اور رنگارنگی کھانوں سے مہمانوں کی ضیافت کرنا ہے۔۔۔۔۔لڑکی والوں کو شادی کے موقع پر بہترین 'وری' بھیجنی ہے۔۔۔لڑکی کے تمام گھر والوں کو بھی تحائف وھدایا سے نوازنا ہے۔۔۔!

اسی طرح لڑکی والوں کی اپنے مطلوبہ اخراجات سے مراد یہ ہوتی ہے کہ لڑکی کے لیے بھاری بھرکم اور ٹرکوں برابر جہیز تیار کرنا ہے۔۔۔۔لڑکی کے بناؤ سنگھار کے لیے اعلیٰ قسم کے زیورات اور سونا تیار کروانا ہے۔۔۔۔بارات کی شکل میں آنیوالی فوج کے لیے وسیع پیمانے پر کھانے کا انتظام کرنا ہے۔۔۔۔لڑکے والوں کو تحائف بھیجنے ہیں۔۔۔۔شادی کے بعد دلہا دلہن کی رہائش کا بندبست کرنا ہے۔۔۔۔دلہا کو گاڑی اور کاروبار کی سہولتیں مہیا کرنا ہیں۔۔۔وغیرہ وغیرہ!!

مذکورہ اخراجات میں سے اکثر وبیشتر چیزوں کی آگے مزید غیر متناہی فہرست ہوتی ہے۔مثلا برات، ولیمہ کے کھانوں کی لمبی چوڑی فہرست تیار ہوتی ہے۔اسی طرح جہیز اور

(۱) ["شادی میں رکاوٹیں اور اسلام کی روشنی میں ان کا حل" از عبداللہ بن ناصح علوان (ص ۵۹۔۶۰)]

وری وغیرہ کے سامان کی بھی کوئی حد نہیں ہوتی۔ الغرض ان اخراجات کو جتنا بڑھانا چاہیں یہ بڑھتے ہی چلے جائیں گے لیکن اسکے برعکس اگر آپ انہیں کم کرنا چاہیں تو اس حد تک کم کر سکتے ہیں کہ پھر ان پر ''اخراجات'' کے لفظ کو استعمال کرنا بھی غیر مناسب معلوم ہوگا۔ بہر صورت ہم دینی تعلیمات کی روشنی میں یہ جائزہ لیتے ہیں کہ شادی کے موقع پر مذکورہ اخراجات کی کیا حیثیت ہے اور اسلام نے شادی کو ایک مشکل کام بنایا ہے یا آسان سے آسان تر!

اس سلسلے میں نبی اکرمؐ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ الزہراؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح کا واقعہ ہی کافی ہے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ حضرت علی اکیلے ہی نبی اکرمؐ سے آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہ کا رشتہ مانگنے کے لیے گئے لیکن شرم وحیا اور نبی اکرمؐ کی شان وعظمت کیوجہ سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ نبی اکرمؐ نے پوچھا: علی! کیسے آئے ہو؟ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں خاموش رہا اور آپؐ نے پھر پوچھا کہ کس مقصد کے لیے آنا ہوا ہے؟ لیکن میں پھر بھی بات کرنے کی ہمت نہ کرسکا چنانچہ نبی اکرمؐ بھانپ گئے اور فرمایا:

''لعلک جئت تخطب فاطمة''؟

''شاید تم فاطمہ کا رشتہ مانگنے آئے ہو؟

تو حضرت علیؓ کہنے لگے جی ہاں!

آپؐ نے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر دینے کے لیے کچھ ہے؟

حضرت علیؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں!

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیری لوہے کی زرہ کہاں ہے؟

حضرت علیؓ فرمانے لگے اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس زرہ کی قیمت تو چند درہم بھی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس زرہ کے بدلے میں فاطمہ کا نکاح تم سے کرتا ہوں، تم وہ زرہ فاطمہ کے حق مہر کے طور پر بھیج دو۔ چنانچہ پھر آنحضرت ﷺ نے فاطمہ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا۔''

بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپؐ نے وہ زرہ بیچ کر اس کے عوض سامان (ایک بان کی چارپائی، ایک تکیہ، ایک چکی اور دو مٹکے) خرید کر (یہ سامان) حضرت فاطمہؓ کو دے دیا۔(۱)

اب دیکھیے کہ نبی اکرمؐ کی لخت جگر اور حضرت علیؓ جیسے صحابی رسول کی شادی کے موقع پر نہ بارات کا ریلہ ہے اور نہ جہیز کا ٹرک ـــــ نہ رسم و رواج کا عمل دخل ہے اور نہ لمبے چوڑے اخراجات کی ضرورت ـــــ بلکہ انتہائی سادگی سے نکاح ہوا۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ انتہائی سادگی سے نکاح کا مرحلہ طے کریں۔ باقی رہا حق مہر اور ولیمے کا مسئلہ تو وہ بھی تکلیف مالا یطاق ہرگز نہیں بلکہ جو میسر ہو وہ مہر دیا جائے حتی کہ نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ

''بہترین اور بابرکت ترین مہر وہ ہے جو سب سے کم اور ہلکا ہو۔''(۲)

اسی طرح بعض روایات کے مطابق عہد نبوی میں کئی نکاح ایسے بھی ہوئے جن میں مہر صرف جوتی یا مٹھی بھر غلہ مقرر رہا۔(۳)

اسی طرح دعوت ولیمہ کے لیے حسب حیثیت چند مہمان بلائے جائیں اور جو میسر ہو اس کے ساتھ ان کی ضیافت کر دی جائے حتی کہ محض شربت اور دودھ کا گلاس پلانا ہی استطاعت میں ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے!

---

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: دلائل النبوۃ (۳/۱۶۰) اسد الغابہ (۸/۲۱۵) شرح زرقانی علی المواھب (۲/٤) ابوداود (۲۱۲۵) مسند احمد (۱/۱۰٦) البدایہ والنہایہ (۳/۳۰۲) نسائی (۳۳۷۷)]

(۲) [مسند احمد (٦/۸۲، ۱٤٥) السنن الکبری للنسائی (٥/٤۰۲)]

(۳) [دیکھیے: ترمذی (۱۱۱۳) ابوداود (۲۱۱۰) احمد (۳/۳٥٥، ٤٤٥)] اور ایک ایسے نکاح کا واقعہ بھی احادیث میں موجود ہے جس میں مہر صرف چند قرآنی سورتوں کی تعلیم مقرر ہوا [دیکھیے: بخاری (۲۳۱۰) مسلم (۱٤۲٥)]

شرم وحیا کی رکاوٹ

بعض لڑکے بالغ ہوجانے کے باوجود والدین سے شادی کی بات محض اس لیے نہیں کرتے کہ انہیں ایسی بات میں شرم محسوس ہوتی ہے حالانکہ اول تو یہ خود والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کے جوان ہونے کے بعد بلا تاخیر ان کی شادی کا بندوبست کریں حتی کہ اگر بیٹا یا بیٹی شادی سے جھجک محسوس کریں تو وہ ازراہ تربیت انہیں شفقت سے سمجھائیں اور شادی پر آمادہ کریں اور شادی کے معاملہ میں بچے کی پسند کو بھی مدنظر رکھیں۔

لیکن اگر اولاد بالغ ہوجائے اور والدین ان کی شادی کی طرف توجہ نہ دے رہے ہوں تو پھر اولاد کو اپنی شادی کی بات کرنے میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ ان کا حق ہے اور ان کی جنسی ضرورت ہے اور ویسے بھی حق بات کرنے میں کوئی عار نہیں۔ البتہ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ کہیں ادب واحترام کی حدود سے تجاوز نہ ہوجائے۔ اس لیے والدین سے براہ راست بات چیت کرنے کی بجائے پہلے قریبی رشتہ داروں (خالہ، چچا، ماموں وغیرہ) کے ذریعے والدین تک اپنی خواہش پہنچائی جائے۔ پھر والدین کے دریافت کرنے پر مناسب طریقے سے اس کا اظہار کیا جائے۔

عمر کی رکاوٹ

ہمارے ہاں شادی بیاہ کی رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ 'عمر' بھی ہے۔ لڑکی ۲۰۔۲۲۔ اور لڑکے کے لیے ۲۵۔۳۰ سال سے پہلے شادی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اگر اس سے پہلے کسی کی شادی ہوجائے تو اسے عجیب اور قبل از وقت نکاح تصور کیا جاتا ہے حالانکہ لڑکا ہو یا لڑکی بلوغت کے بعد جلد از جلد اسکا نکاح کر دینا چاہیے جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

"یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانه أغض للبصر

واحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء "(۱)

"اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہو تو وہ ضرور شادی کرے۔ شادی نظر کو خوب جھکانے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جو شخص شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے۔ یہ روزے اس کی شہوت کو ختم کر دیں گے"

بلوغت کے بعد جلدی نکاح کرنے کے بڑے فوائد ہیں جن میں سے چند ایک اہم فوائد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

- بلوغت کے بعد مرد و زن کے جنسی جذبات عروج پر ہوتے ہیں جسکی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی خدشہ ہوتا ہے لیکن اگر اس عمر میں بلا تاخیر نکاح کر لیا جائے تو انسان یقیناً حرام کاری سے بچ جاتا ہے اور شاید اسی وجہ سے شادی کو نصف ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔
- شادی محبت و مودّت اور سکون و راحت کا اہم ذریعہ ہے اور عنفوان شباب میں مرد و زن کو شادی کر لینے سے جو لذت و سکون اور فرحت و سرور حاصل ہوتا ہے وہ ڈھلتی جوانی میں نہیں ہو پاتا اور ویسے بھی تاخیر سے شادی کرنے سے اس نعمت کے حصول کا دورانیہ اتنا ہی کم ہو جاتا ہے جتنی کہ تاخیر کی جائے۔
- بلوغت کے بعد جتنی جلدی بچوں کی شادی کر دی جائے اتنے ہی فضول مشاغل، اخلاقی بے راہ روی اور غلط عادتوں سے ان کا بچاؤ ہو جائیگا اور شادی کی وجہ سے انہیں جلد ہی اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو جائے گا جن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے وہ اپنا مستقبل صحیح سمت استوار کر لیں گے۔

---

(۱) [بخاری کتاب النکاح باب الصوم لمن خاف علی نفسه العزوبة (۱۹۰۵) مسلم (۱٤۰۰) ابو داؤد (۲۰٤٦) ابن ماجه (۱۸٤٥) نسائی (۱۷۱/٤) احمد (۳۷۸/۱) دارمی (۱۳۲/۲) بیهقی (۷۷/۷) ابو یعلی (۵۱۱۰) شعب الایمان (٥٤٧٦)]

- طبی طور پر بھی یہ بات محقق ہے کہ تاخیر سے شادی کرنے کیوجہ سے انسان بہت سی نفسیاتی ،تخیلاتی اور جسمانی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے ۔ یہ عوارض شادی کیوجہ سے لاحق نہیں ہوتے بلکہ اس تاخیر کیوجہ سے پیدا ہوتے ہیں جو شادی کی راہ میں روا رکھی گئی تھی لیکن اگر شادی کر لی جائے تو یہ تمام عوارض و امراض بہت جلد دور ہو جاتے ہیں ۔اور اگر عنفوان شباب ہی میں شادی کر لی جائے تو ایسے عوارض کے لاحق ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

- جلدی شادی کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کو بڑھاپے میں جوان اولاد کا سہارا مل جاتا ہے لیکن اگر شادی ہی بڑھاپے کے آثار نمایاں ہونے پر کی جائے تو صاف ظاہر ہے کہ بڑھاپے میں انسان دوہری مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا ایک تو خود اپنے آپ کو سنبھالنا اس وقت انسان کے لیے انتہائی مشکل ہو جاتا ہے اور دوسرا اولاد کی بھر پور دیکھ بھال کرنا اور انکی تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ دینا ممکن نہیں رہتا جبکہ معاشی مشکلات کا سامنا اسکے سوا ہوتا ہے۔

باب 2

شادی بیاہ کا اسلامی طریقہ، انتخابِ رشتہ سے ولیمہ تک

- انتخابِ رشتہ اور متعلقہ مسائل واحکام
- رشتے کا انتخاب اور بنیادی ترجیحات
- شادی سے پہلے لڑکی کو دیکھنے کا مسئلہ
- میرج سینٹرز.......عزتوں کے قاتل!
- منگنی اور اس سے متعلقہ مسائل واحکام
- نکاح اور اس سے متعلقہ مسائل واحکام
- نکاح میں ولی کی شرط اور لو میرج
- پسند کی شادی اور کورٹ میرج
- خواتین کے لیے 'سونے' کے استعمال کی شرعی حیثیت
- حق مہر اور متعلقہ مسائل واحکام
- سہاگ رات اور آدابِ مباشرت
- ولیمہ اور اس سے متعلقہ مسائل واحکام

فصل اول

انتخاب رشتہ اور متعلقہ مسائل واحکام

رشتے کی تلاش وانتخاب کے حوالہ سے یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسلام نے دینی واخلاقی مصالح کی بنا پر بعض رشتوں کو قطعی وابدی اور بعض کو عارضی ووقتی طور پر حرام قرار دیا ہے۔اس لیے انتخاب رشتہ کے سلسلہ میں ان معلومات کا پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اسلام کی نگاہ میں کون کون سے رشتے ابدی یا عارضی طور پر حرام اور کون سے جائز وحلال ہیں۔جن لوگوں سے رشتہ ناطہ،اسلام نے ابدی طور پر حرام قرار دیا ہے،ان میں کافرومشرک سرفہرست ہیں۔خواہ ان کے کفروشرک کی کیسی ہی نوعیت ہو اور ان کا تعلق کیسے ہی فرقے سے کیوں نہ ہو۔البتہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاری کی صرف عورتوں سے نکاح کی اسلام نے گنجائش رکھی ہے۔

علاوہ ازیں اخلاقیات کے تحفظ کے لیے بہت سی مسلمان عورتوں یعنی ماؤں،بہنوں،بیٹیوں،پھوپھیوں،خالاؤں،بھانجیوں وغیرہ سے نکاح بھی ابدی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے اور بعض مسلمان عورتوں سے عارضی ووقتی طور پر نکاح کی حرمت پائی جاتی ہے۔جبکہ ان کے علاوہ دیگر مسلمان عورتوں سے نکاح کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے اور اسکی بھی حد بندی کردی کہ چار سے زائد بیویاں بیک وقت نہ رکھی جائیں۔علاوہ ازیں مسلمان عورتوں میں سے بھی ان عورتوں،اور مردوں میں سے ان مردوں کو رشتہ ازدواج کے لیے منتخب کرنے کی اسلام نے ترغیب دلائی ہے جو بنیادی طور پر نیک صالح اور دیندار و باعمل لوگ ہوں۔اس کی مزید تفصیل مع دلائل آئندہ سطور میں درج کی جارہی ہے۔

غیر مسلموں سے نکاح کی حرمت

اسلام، اہل کتاب (یہود ونصاری) کے علاوہ دیگر تمام غیر مسلموں سے نکاح کو حرام قرار دیتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴾ (البقرۃ۔۲۲۱)

''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ایک مومن لونڈی، آزاد مشرکہ عورت سے بہتر ہے اگر چہ وہ (آزاد مشرکہ عورت) تمہیں بھلی لگے۔اور مشرک مردوں سے (اپنی عورتوں کا) نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ایک مومن غلام، آزاد مشرک سے بہتر ہے خواہ تمہیں وہ (آزاد مشرک آدمی) اچھا لگے۔یہ مشرک لوگ تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں جب کہ اللہ تعالی اپنے اذن سے تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنے احکام اسی انداز سے کھول کھول کر لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔''

اللہ تعالی نے کافر ومشرک لوگوں سے نکاح کی حرمت کی علت ومصلحت بھی ساتھ ہی ذکر فرمادی کہ ایسے بے دین لوگوں سے نکاح کرنیوالا خود اپنی متاع دین سے محروم ہو کر آگ میں جا سکتا ہے اور یہ کوئی مفروضہ ہی نہیں بلکہ نا قابل انکار حقیقت ہے۔اس لیے کہ مرد وزن کے درمیان نکاح کا تعلق محض ایک جنسی تعلق ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ اخلاقی وتمدنی اعتبار سے انتہائی گہرے اثرات کا حامل ایک قلبی تعلق بھی ہوتا ہے۔اور عین ممکن ہے کہ کافر ومشرک اپنے مسلم شریک حیات کو بھی کفر وشرک کی آغوش میں لے جائے۔پھر اس امکان کو بھی

مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ ایسے نکاح سے پیدا ہونیوالی اولاد بھی کفروشرک سے لتھڑی ہو۔ یا کفروشرک اور اسلام کی ایسی معجون مرکب ہو کہ جسے اللہ تعالی بہر طور پسند نہیں فرماتے۔ اس لیے اسلام ظاہری محاسن کی بجائے اخروی محاسن کو ترجیح دیتا ہے اور اخروی نجات ہی حقیقی کامیابی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ﴾ (آل عمران۔۱۸۵)

''جو شخص آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا یقیناوہ کامیاب ہوگیا۔''

واضح رہے کہ کفار و مشرکین سے نہ صرف نکاح کرنے کی ممانعت ہے بلکہ نزول وحی کے دور میں ان نکاحوں کو بھی باطل قرار دے دیا گیا جن میں شریک حیات میں سے کوئی ایک کافر و مشرک تھا اور دوسرے کے مسلمان ہو کر نئی شادی کرلینے سے پہلے مسلمان نہ ہوا۔ اس سلسلے میں جو قرآنی حکم نازل ہوا، وہ درج ذیل ہے:

﴿ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ (الممتحنۃ۔۱۰)

''اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کی جانچ پڑتال کرلیا کرو۔ اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے پھر اگر تمہیں یہ معلوم ہو کہ وہ (فی الواقع) مومن ہیں تو انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو۔ ایسی عورتیں کافروں کے لیے حلال نہیں اور نہ ہی کافر ان کے لیے حلال ہیں اور کافروں نے جو خرچ کیا ہو وہ انہیں دے دو۔ اور ان عورتوں سے نکاح کرنے میں تم پر کچھ گناہ نہیں جبکہ تم انہیں ان کے حق مہر ادا کردو۔ اور تم کافر عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو۔ اور جو تم نے خرچ کیا ہے وہ مانگ لو۔ اور جو مہر

کافروں نے اپنی بیویوں کو دیئے تھے وہ مانگ لیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے"۔

اگر مسلمان میاں بیوی میں سے کوئی ایک مرتد و بے دین ہو جائے تو ان دونوں کا گزشتہ نکاح بھی اسی طرح باطل قرار پائے گا جس طرح کافر و مشرک میاں بیوی میں سے کسی ایک کے مسلمان ہو جانے سے انکا نکاح باطل قرار پاتا ہے۔ واضح رہے کہ کفر و شرک پر مبنی عقائد رکھنے والے شخص سے نکاح درست نہیں قطع نظر اس سے کہ وہ بظاہر مسلمان ہو یا کسی ایسے فرقے کی طرف منسوب ہو جو اپنے تئیں مسلمان کہلاتا ہے۔

اہل کتاب (یہود و نصاری) کی عورتوں سے نکاح کی رخصت

سورت البقرۃ کی آیت نمبر ۲۲۱ میں مطلق طور پر غیر مسلموں سے نکاح کو حرام قرار دیا گیا ہے جب کہ سورت المائدۃ کی آیت نمبر ۵ میں اللہ تعالی نے اس میں سے اہل کتاب یعنی یہود و نصاری کی عورتوں سے نکاح کر لینے کی گنجائش (رخصت) دی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (المائدہ۔۵)

"آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی جاتی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔ نیز مومن عفیفہ عورتیں بھی اور ان (یہودی / عیسائی) لوگوں کی عفیفہ عورتیں بھی (تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں) جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی بشرطیکہ اس سے تمہاری غرض مہر ادا کر کے انہیں نکاح میں لانا ہو

محض شہوت رانی اور خفیہ آشنائی نہ ہو اور جس نے ایمان کی بجائے کفر اختیار کیا اس کا وہ عمل برباد ہو گیا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

اہل کتاب کے بارے میں اس استثنائی حکم اور رخصت کے حوالہ سے درج ذیل باتیں مدنظر ہیں:

1. اہل کتاب کی صرف عورتوں سے نکاح کی رخصت ہے جبکہ اپنی مسلمان عورتیں انکے نکاح میں دینے کی رخصت ہرگز نہیں ہے۔
2. اہل کتاب کی عورتوں میں سے بھی صرف انہی عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے جو پاکدامن اور عصمت مآب ہوں، بصورت دیگر یہ رخصت نہیں۔
3. یہ نکاح بھی معروف طریقے سے مستقل بنیادوں پر ہو یعنی گواہوں کی موجودگی، ولی کی رضامندی، ایجاب وقبول اور حق مہر کے تقرر وغیرہ کے ساتھ ہو۔
4. کتابیہ عورت فی الواقع کتابیہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ، وحی رسالت اور آخرت وغیرہ پر ایمان رکھتی ہو، مشرکہ، دہریہ اور مذکورہ بالا عقائد کی منکر نہ ہو۔
5. اگر کتابیہ عورت سے نکاح موجب فتنہ اور دین وایمان کے لیے باعث خطرہ ہو تو پھر ازراہِ مصلحت اس سے اجتناب ہی کیا جائے گا۔

جن مسلمان عورتوں سے ابدی یا عارضی طور پر نکاح حرام ہے

گزشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ کتابیہ عورتوں کی استثنائی صورت کے علاوہ مرد وزن دونوں کے لیے مسلمان ہونا، اسلامی نکاح کی اولین شرط ہے۔ مگر مسلمان ہونے کا یہ معنی بھی نہیں کہ ہر مسلمان عورت خواہ وہ ماں ہو یا بہن اور بیٹی اس سے نکاح جائز ہو بلکہ اسلام نے اخلاق وکردار اور رشتوں کے تقدس واحترام کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے باہمی طور پر بعض رشتوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں بعض رشتے تو ابدی وقطعی طور پر حرام ہیں

جبکہ بعض کی حرمت عارضی اور وقتی نوعیت کی ہے۔ان کی تفصیل سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے ان نصوص کا ذکر کر دیا جائے جن میں مختلف رشتوں کی حرمت کا ذکر پایا جاتا ہے:

❶ ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُم مِّنَ الرَّضٰعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبٰٓئِبُكُمُ الّٰتِى فِى حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ الّٰتِى دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلٰبِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمٰنُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوٰلِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسٰفِحِينَ ﴾

(النسآء:۲۳۔۲۴)

”تم پر حرام کی گئیں ہیں تمہاری مائیں ،تمہاری بیٹیاں ،تمہاری بہنیں ،تمہاری خالائیں بھتیجیاں ، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں بشرطیکہ تم اپنی بیویوں سے صحبت کر چکے ہو اور اگر ابھی تک صحبت نہیں کی تو ان کو چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں تم پر گناہ نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں جو تمہاری صلب سے ہوں۔نیز دو بہنوں کو اپنے نکاح میں اکٹھا کرنا (بھی حرام ہے) مگر جو پہلے گزر چکا (سو گزر چکا)۔بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

نیز تمام شوہروں والی عورتیں بھی (حرام ہیں) مگر وہ کنیزیں جو تمہارے قبضہ میں آجائیں۔۔۔ تمہارے ۔۔۔ ہیں کہ تم ۔۔۔ عورتیں اپنے مال (حق مہر)

کے ذریعہ حاصل کرنا تمہارے لیے جائز قرار دیا گیا ہے بشرطیکہ تمہارا مقصد نکاح ہو، محض شہوت رانی نہ ہو۔"

2. ﴿ اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ (النور۔۳)

"زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت کے ساتھ ہی (نکاح کرتا ہے) اور زانیہ بھی نکاح نہیں کرتی مگر زانی یا مشرک مرد کے ساتھ ہی (نکاح کرتی ہے)۔ اور اہل ایمان پر یہ کام (یعنی زنا) حرام کر دیا گیا ہے۔"

3. ﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَآ اَنْ یَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ﴾ (البقرۃ۔۲۳۰)

"پھر اگر (خاوند اپنی) عورت کو (تیسری) طلاق دے دے تو وہ اس کے لیے اب حلال نہیں حتی کہ وہ عورت اس کے سوا کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر اگر وہ بھی (اتفاقا) اسے طلاق دے دے تو ان دونوں کے (نکاح کے ذریعے) میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ یہ جان لیں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دے پھر وہ عورت اس خاوند کے لیے حرام ہو جاتی ہے البتہ ایک اتفاقی گنجائش اس میں بھی موجود ہے مگر اس کے لیے حلالہ کی گنجائش نہیں۔ حلالہ کی مزید تفصیل اپنے مقام پر آ رہی ہے۔

4. ﴿ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ﴾ (البقرۃ۔۲۳۵)

"اور کتاب کی مقرر کردہ مدت (یعنی عدت کی میعاد) پوری ہونے سے پہلے عقد نکاح پختہ نہ کرو۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی عدت گزارنے والی عورت سے اگرچہ نکاح جائز ہو مگر دوران عدت اس سے نکاح حرام ہے۔

6 بیوی کی پھوپھی یا خالہ یا بیوی کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح حرام ہے یا دوسرے لفظوں میں ایک ہی وقت میں ایسی دو عورتوں سے نکاح حرام ہے جن کا باہمی رشتہ خالہ اور بھانجی یا پھوپھی اور بھتیجی کا ہو کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ

"نھی رسول الله ﷺ ان تنكح المرأة على عمتها او خالتها"[1]

"اللہ کے رسول ﷺ نے بھتیجی اور چچی، اسی طرح خالہ اور بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

6 اگر خاوند اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور چار گواہوں کے موجود نہ ہونے کی وجہ عدالت ان میں لعان کے ذریعے جدائی کر دے تو پھر ان کا آپس میں دوبارہ نکاح ابدی طور پر حرام ہے کیونکہ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے:

"المتلاعنان اذا تفرقا لايجتمعان ابدا"[2]

"جب لعان کرنے والوں کے درمیان جدائی کروادی جائے تو پھر وہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔"

اس کی مزید تفصیل "لعان" کے بیان میں ملاحظہ کریں۔

ابدی طور پر حرام رشتے

1 نسبی محرمات:

اس میں خاندان کی درج ذیل عورتیں شامل ہیں:

1 ماں۔۔۔خواہ سگی ہو یا سوتیلی۔ اس میں دادیاں اور نانیاں، پڑدادیاں اور پڑنانیاں وغیرہ بھی شامل ہیں۔

---

(1) [بخاری: کتاب النکاح: باب لاتنکح المرأۃ علی عمتھا (۵۱۰۸) مسلم (۱۴۰۸) ابو داؤد (۲۰۶۵) ترمذی (۱۱۲۶) نسائی (۹۸/۶) احمد (۴۲۶/۲) دارمی (۱۳۶/۲) مصنف عبدالرزاق (۲۶۲/۶) ابن ابی شیبہ (۲۴۶/۴)]

(2) [ابو داؤد کتاب الطلاق: باب فی اللعان (۲۲۴۷) اگرچہ یہ روایت سنداً کمزور ہے تاہم نفس مسئلہ دیگر بہت سی صحیح روایات سے ثابت ہے۔]

❷ بیٹی۔۔۔اس میں پوتیاں اور دوہتیاں بھی شامل ہیں۔

❸ بہن۔۔۔۔خواہ سگی ہو یا سوتیلی، سبھی شامل ہیں۔

❹ پھوپھی۔۔۔خواہ سگی ہو یا سوتیلی یا باپ شریک، سبھی حرام ہیں۔

❺ خالہ۔۔۔خواہ سگی ہو یا سوتیلی یا باپ شریک سبھی حرام ہیں۔

❻ بھتیجی۔۔۔۔خواہ سگی ہو یا سوتیلی اور اسکی بیٹی بھی حرام ہے۔

❼ بھانجی۔۔۔خواہ سگی ہو یا سوتیلی اور اسکی بیٹی بھی حرام ہے۔

رضاعی محرمات

کوئی لڑکا یا لڑکی اپنی ماں کے علاوہ اگر کسی اور عورت کا دودھ پی لے، تو وہ عورت بھی اس کے لیے ماں کے حکم میں اور اسکا شوہر باپ کے حکم میں ہوگا اور انہیں دودھ پینے والوں کے لیے رضاعی ماں اور رضاعی باپ قرار دیا جائیگا جبکہ وہ تمام رشتے جو حقیقی ماں اور باپ کے تعلق سے حرام ہو جاتے ہیں، وہ رضاعی ماں اور باپ کے تعلق سے بھی حرام ہو جاتے ہیں کیونکہ حدیث نبویؐ ہے:

"یحرم من الرضاع مایحرم من النسب"[1]

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب وولادت سے حرام ہوتے ہیں۔"

لہذا رضاعی ماں، رضاعی بہن، رضاعی بیٹی، رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ، رضاعی بھتیجی اور رضاعی بھانجی یہ (ساتوں) حرام ہیں۔اسی طرح دودھ پینے والی بچی کے لیے رضاعی باپ، رضاعی دادا اور نانا، رضاعی بھائی، رضاعی پوتا، رضاعی نواسہ، رضاعی چچا، رضاعی بھتیجا، رضاعی بھانجا وغیرہ محرم بن جاتے ہیں لہذا ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔

واضح رہے کہ دودھ پینے والے بچے کے دیگر بہن بھائیوں کے لیے حرمت رضاعت

(۱) [بخاری: کتاب الشهادات: باب الشهادة علی الانساب والرضاع ۔۔۔(۲٦٤٥) مسلم (۱٤٤۷) موطا ۲/٦٠١ (ذ ۲۰۵۷) ت (۱۱٤۸)]

ثابت نہیں ہوگی کیونکہ انہوں نے تو اس عورت کا دودھ نہیں پیا۔اس لیے دودھ پینے والے کا بھائی دودھ پلانیوالی عورت یا اسکی ماں یا اسکی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے،اسی طرح اس رضاعی بچے کی بہن دودھ پلانے والی کے خاوند،یا اسکے باپ یا بیٹے سے نکاح کرسکتی ہے۔

رضاعت کے حوالہ سے یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ حرمت رضاعت تب ثابت ہوتی ہے جب قرآنی نص (حولین کاملین) کے مطابق ابتدائی دو سال کی عمر کے اندر اندر دودھ پلایا گیا ہو۔علاوہ ازیں پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے،اس سے کم مرتبہ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور پانچ مرتبہ دودھ پینے کا معنی یہ ہے کہ ہر مرتبہ بچہ پستان منہ میں لے کر چوسے پھر اسے اپنی مرضی سے چھوڑے تو یہ ایک مرتبہ ہے۔اسی طرح جب بچہ پانچ مرتبہ پستان منہ میں لیکر چوسے اور اسے اپنی مرضی سے چھوڑے تو حرمت رضاعت ثابت ہوجائیگی۔(۱)

❸ مصاہرت کی بناپر محرمات:

سسرالی یا دامادی کی بناپر درج ذیل عوتوں سے نکاح حرام ہے:

❶ بیوی کی ماں یعنی ساس اور آگے اس کی ماں یا دادی اور نانی وغیرہ۔

❷ مدخولہ بیوی کی بیٹی۔لیکن اگر دخول سے پہلے عورت کو طلاق دی ہوتو پھر اسی عورت کی بیٹی سے نکاح حرام نہیں۔

❸ باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں۔دادا اور نانا کی بیویاں بھی اس میں شامل ہیں۔

❹ بیٹے کی بیوی یعنی بہو۔پوتے اور دوہتے کی بیویاں بھی اس میں شامل ہیں۔

❹ لعان کی وجہ سے محرمات:

لعان کا معنی یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے قطع نظر اس سے کہ خاوند سچا

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سبل السلام (۳/۴۴۳)]

ہے یا جھوٹا، البتہ اس الزام پر چار عینی گواہ موجود نہ ہوں، تو عدالت ان دونوں کے درمیان لعان کا حکم جاری کرے گی یعنی خاوند چار مرتبہ یہ گواہی دے گا کہ ''اللہ کی قسم! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے''۔ پھر پانچویں مرتبہ یہ گواہی دینا ہوگی کہ ''اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔''

اس کے بعد عورت اگر اپنے جرم کا ارتکاب کرلے تو اس پر حد شرعی قائم ہوگی۔ بصورت دیگر اسے بھی چار مرتبہ یہ گواہی دینا ہوگی کہ ''اللہ کی قسم میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے زنا نہیں کیا'' اور پانچویں مرتبہ یہ کہے گی کہ ''اگر یہ مرد اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔'' اس کے بعد عدالت ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دے گی اور پھر یہ کبھی آپس میں نکاح نہیں کر سکتے۔

عارضی طور پر حرام رشتے

1. دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے یعنی بیوی کی بہن (سالی اپنے بہنوئی کے لیے) اس وقت تک حرام ہے جب تک بیوی اسکے نکاح میں ہے البتہ اگر بیوی فوت ہو جائے یا خاوند اسے طلاق دے دے تو پھر سالی اور بہنوئی کے لیے آپس میں نکاح کی حرمت ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اب اگر وہ چاہیں تو آپس میں نکاح کر سکتے ہیں۔
2. ایک ہی وقت میں ایسی دو عورتوں کو نکاح میں رکھنا حرام ہے جو آپس میں خالہ بھانجی یا پھوپھی بھتیجی کے رشتہ میں ہوں یا دوسرے لفظوں میں کوئی شخص اپنی بیوی کی خالہ یا پھوپھی سے یا اپنی بیوی کی بھانجی یا بھتیجی سے اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتا جب تک وہ بیوی نکاح میں موجود ہو، البتہ اس کی وفات یا طلاق دینے کے بعد ایسا کیا جا سکتا ہے۔
3. کسی شادی شدہ عورت سے نکاح نہیں کیا جا سکتا الا یہ کہ وہ بیوہ یا مطلقہ ہو جائے تو پھر عدت کے بعد اس سے نکاح جائز ہے۔

❹ اسی طرح کسی عورت سے دوران عدت نکاح کرنا حرام ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ﴾(البقرۃ۔۲۳۵)

''اور کتاب کی مقرر کردہ (عدت کی) میعاد پوری ہونے سے پہلے عقد نکاح پختہ نہ کرو۔''

❺ اسی طرح جس عورت کو تین طلاقیں ہو چکی ہوں اس کا خاوند اس سے نکاح نہیں کر سکتا الا یہ کہ وہ عورت کسی اور آدمی سے گھر بسانے کی نیت سے شادی کرے نہ کہ حلالہ کی نیت سے، پھر اتفاقی طور پر وہ آدمی فوت ہو جائے یا اسے طلاق دے دے تو اب عدت کے بعد اس پہلے خاوند سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے جو اسے تین طلاقیں دے چکا تھا۔اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ﴾(البقرۃ۔۲۳۰)

''پھر اگر (خاوند) اس عورت کو (تیسری) طلاق دے دے تو وہ اس کے لیے اب حلال نہیں حتی کہ وہ عورت اس کے سوا کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر اگر وہ بھی (اتفاقا) اسے طلاق دے دے تو ان دونوں کے (نکاح کے ذریعے) میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ یہ جان لیں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔''

❻ زانیہ عورت سے نکاح حرام ہے الا یہ کہ وہ یقینی طور پر زنا سے تائب ہو جائے تو پھر اس سے نکاح حرام نہیں۔

فصل دوم

رشتے کا انتخاب اور بنیادی ترجیحات

دینداری کو ترجیح

گزشتہ بحث میں ان تمام رشتوں کی تفصیل ذکر کردی گئی ہے جن کی ابدی یا عارضی طور پر حرمت مذکور ہے۔ جبکہ ان کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کی کوئی حرمت منقول نہیں لیکن اس کے باوجود اسلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ شریکِ حیات کے انتخاب کے وقت دینداری وتقوی کو ترجیح دی جائے تا کہ شادی کے بعد شروع ہونیوالی ایک نئی زندگی کا آغاز وافتتاح بھی اسلام پر ہو اور انجام واختتام بھی ایمان پر ہو۔

علاوہ ازیں شادی ایک ایسا گہرا قلبی رشتہ ہے جس کے ذریعے میاں بیوی ایک دوسرے پر بہت سے اخلاقی وتمدنی اثرات مرتب کرتے ہیں اور صاف ظاہر ہے کہ اگر شریک حیات نیک اور صالح ہوگا تو اس کے اثرات بھی اچھے مرتب ہوں گے اور اگر شریک حیات دین وایمان سے تہی دامن، اخلاق وکردار سے عاری، تقوی وخوف الٰہی سے دور ہوگا تو اس کے بُرے اثرات نہ صرف یہ کہ ازدواجی زندگی کو متاثر کریں گے بلکہ نسل نو بھی اس کے بُرے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے گی۔ اس لیے خاوند کا انتخاب ہو یا بیوی کی تلاش ۔۔۔۔ بہرصورت اس رشتے کو ترجیح دی جائے جس میں سرفہرست دین وایمان کا فائدہ ہو، بلکہ بعض احادیث میں یہاں تک ہے کہ

" اذا خطب اليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه الا تفعلوا تكن فتنة في الارض وفساد عريض "(1)

---

(1) [ترمذی: کتاب النکاح: باب ماجاء فی من ترضون دینه (1084) صحیح (1/7)] اگرچہ اس رویت کی سند میں کلام ہے تاہم مجموعی طور پر یہ بات درست ہے جس کی طرف اس روایت میں اشارہ کیا گیا ہے۔]

''جب کوئی ایسا شخص تمہارے پاس نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین و اخلاق سے تم راضی ہو تو اسے رشتہ دے دو لیکن اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر بڑا فساد پیدا ہو گا۔''

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

''تنکح المرأة لاربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدینها فاظفر بذات الدین تربت یداک''[1]

''عورت سے چار وجوہات کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال و دولت، حسب ونسب، جمال وکمال (خوبصورتی) اور دین داری کی وجہ سے تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں، تم دین دار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو۔''

واضح رہے کہ اگر شریک حیات (خاوند ہو یا بیوی) دینداری کے ساتھ دیگر خوبیوں (خوبصورتی، مالداری، اور حسب ونسب وغیرہ) سے بھی متصف ہو تو یہ انسان کی خوش قسمتی ہے لیکن اگر خوبصورتی تو بھر پور ہو مگر نیکی وتقوی کا نام ونشان بھی نہ ہو تو ایسا شریک حیات نہ صرف اخروی اعتبار سے بلکہ دنیوی اعتبار سے بھی وبال جان بن جاتا ہے اور اگر مال و دولت، خوبصورتی اور خاندانی شرف ووجاہت نام کی کوئی چیز نہ ہو مگر دینداری، نیکی اور تقوی خود بخود ظاہر ہوتا ہو تو ایسا شریک حیات یا رفیقہ حیات نہ صرف اخروی اعتبار سے انسان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے بلکہ دنیوی اعتبار سے بھی انسان کے لیے راحت وسکون اور امن وامان کا باعث بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے نیکی ودینداری کو ترجیحی حیثیت عطا فرمائی ایک حدیث میں ہے کہ

''اربع من السعادة المرأة الصالحة المسکن الواسع والجار الصالح والمرکب الهنیئ

(۱) [بخاری: کتاب النکاح: باب الاکفاء فی الدین (۵۰۹۰) مسلم کتاب الرضاع (۱۴۶۶) ابو داؤد (۲۰۴۷) ترمذی (۱۰۸۶) ابن ماجه (۱۸۵۸) ابو یعلی (۶۵۷۸) بیهقی (۷/۷۹)]

واربع من الشقاء المرأة السوء والجار السوء والمركب السوء والمسكن الضيق"(۱)

''چار چیزیں خوش بختی کی علامت ہیں :ا۔نیک صالح بیوی ۲۔کشادہ گھر ۳۔نیک ہمسایہ ۴۔اچھی سواری اور چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں :ا۔بری بیوی ۲۔برا ہمسایہ ۳۔بری سواری ۴۔تنگ گھر''۔

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ نے عورت کو آزمائش اور فتنہ قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ

''ماتركت بعدى فتنة اضر على الرجال من النساء ''(۲)

''میرے (فوت ہونے) بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑا نقصان دہ فتنہ اور کوئی نہیں ہوگا'' جبکہ حضرت ابوسعیدؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ

'' فاتقوا الدنيا واتقوا النساء فان اول فتنة بني اسرائيل كانت في النساء ''(۳)

''دنیا سے بچ کر رہو اور عورتوں سے بھی محتاط رہو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورت کی وجہ سے پیدا ہوا۔''

اس لئے بیوی کے انتخاب میں حتی الامکان نیک صالح عورت کو مدنظر رکھا جائے بلکہ صالح بیوی انسان کی سب سے بڑی دنیاوی خوش قسمتی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

'' الدنيا متاع وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة ''(۴)

''دنیا فائدہ کی چیز ہے اور بہترین فائدہ نیک عورت (بیوی) ہے۔''

---

(۱) [مسند احمد (۱/۱٦۸) ابن ماجه (۱۲۳۲) الترغيب والترهيب (۳/٦۸) مجمع الزوائد (۲۷۲/٤) سلسلة الاحاديث الصحيحة للالباني (۲۸۲)]

(۲) [بخاری: کتاب النكاح: باب مايتقى من الشوم (۵۰۹٦)]

(۳) [مسلم: کتاب الذکر والدعا: باب اکثر اهل الجنة الفقراء...(۲۷٤۲)]

(٤) [مسلم: کتاب الرضاع: باب خیر متاع الدنيا المرأة الصالحة (۱٤٦۹) سنن نسائی (۳۲۳۲) ابن ماجه (۱۸۵۵)]

دینداری کو ترجیح دینے کے چند واقعات

❶ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کے واقعہ میں مذکور ہے کہ

''جب آپ مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں لوگوں کا ایک مجمع دیکھا کہ جو (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے تھے اور دیکھا کہ دو عورتیں ایک طرف (اپنے جانور) روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب تک یہ چرواہے (اپنے جانوروں کو) پانی پلا کر واپس نہ لوٹ جائیں تب تک ہم پانی نہیں پلاتیں جبکہ ہمارے والد انتہائی عمر رسیدہ بوڑھے ہیں۔ (اس لیے وہ خود گھاٹ پر جانوروں کو پانی پلانے کے لیے نہیں آسکتے) تو (یہ سن کر) حضرت موسیٰ نے خود ان کے لیے (پانی کھینچ کر ان کے جانوروں) کو پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف جا بیٹھے اور کہنے لگے اے پروردگار! تو جو کوئی بھلائی بھی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔

اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم وحیا کے ساتھ ان کی طرف چلتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ میرے والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں۔ جب حضرت موسیٰ ان کے (والد) کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا (گذشتہ ہجرت کا) حال بیان کیا تو انہوں نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا کہ اب کچھ خوف نہ کرو کیونکہ تم ظالم لوگوں سے نجات حاصل کر چکے ہو۔ ان دونوں (لڑکیوں) میں سے ایک لڑکی نے کہا ابا جان! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجیے کیونکہ جنہیں آپ مزدوری پر رکھیں ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو۔

اس بزرگ نے کہا کہ میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں (مہر یا اس) شرط کے ساتھ کہ آپ آٹھ سال تک میری خدمت کریں گے۔ البتہ اگر آپ دس سال پورے کریں گے تو یہ آپ کی طرف سے احسان ہوگا اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس معاملہ میں آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے بھلے

لوگوں میں سے پائیں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی۔ میں ان دونوں مدتوں میں سے جو مدت پوری کردوں مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہیے اور ہم یہ جو کچھ طے کررہے ہیں اس پر اللہ (گواہ اور) کارساز ہے۔"(۱)

اس واقعہ میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ بچیوں کے باپ جن کے بارے میں اکثر و بیشتر مفسرین کا خیال ہے کہ وہ حضرت شعیبؑ تھے، نے حضرت موسیٰؑ کی نیکی و بھلائی سے متاثر ہوکر اپنی بیٹی کو ان سے بیاہ دیا۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ ایک پردیسی کی حیثیت سے اس بستی میں پہنچے تھے پھر آپ کے پاس کوئی مادی وسائل بھی میسر نہ تھے۔ اس تہی دستی، فقیری و مسکینی اور پردیسی کی حالت کے باوجود حضرت شعیبؑ نے آپکی دینداری کو ترجیح دیتے ہوئے بلاخوف وخطر آپ کو اپنا داماد بنالیا۔

● حضرت ام سلیم بنت ملحان بڑی باکمال اور جرأت مند صحابیہ تھیں۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مدینہ ہی میں مسلمان ہوگئیں مگر ان کے شوہر مالک بن نضر نے اسلام کی بجائے اپنے آبائی مذہب ہی کو ترجیح دی جس کی وجہ سے میں بیوی میاں کشیدگی پیدا ہوگئی اور مالک بن نضر انہیں چھوڑ کر شام چلے گئے اور وہیں فوت ہوگئے۔ اس کے بعد ابوطلحہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے ام سلیم کو نکاح کا پیغام بھیجا لیکن حضرت ام سلیمؓ نے فرمایا:

" واللہ اما مثلک یا ابا طلحۃ ایرد ولکنک رجل کافر وانا امرأۃ مسلمۃ ولا یحل لی ان اتزوجک فان تسلم فذاک مھری ولا اسألک غیرہ فاسلم فکان ذلک مھرھا "(۲)

"اللہ کی قسم! ابوطلحہ! تمہارے جیسے شخص کا پیغامِ نکاح رد نہیں کیا جاسکتا، لیکن بات یہ ہے

---

(۱) [سورۃ القصص۔آیات:۲۳ تا ۲۷]

(۲) [سنن نسائی: کتاب النکاح: باب التزویج علی الاسلام (۳۳۴۳) الاصابہ (ص۔۲۴۴ ج۔۸) طبقات ابن سعد وغیرہ]

کہ تم ایک کافر شخص ہو اور میں مسلمان عورت ہوں۔ میرے لیے یہ حلال ہی نہیں کہ میں تم سے شادی کروں۔ ہاں البتہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے شادی کرلوں گی اور تمہارا اسلام قبول کرنا ہی میرا حق مہر ہوگا۔ اس کے علاوہ میں تم سے کسی اور چیز کا مطالبہ نہیں کرتی"

چنانچہ (غور وفکر کے بعد) ابوطلحہ نے بھی اسلام قبول کرلیا (اور ام سلیم نے حسب وعدہ ان سے نکاح کرلیا) جب کہ ان کا مہر یہی قبول اسلام تھا۔ اس روایت کے ایک راوی ثابت (تابعیؒ) بیان فرماتے ہیں کہ میں نے آج تک کسی عورت کے بارے میں نہیں سنا کہ اس کا مہر ام سلیم کے مہر (یعنی اسلام) سے زیادہ معزز ہو۔

یہ واقعہ ان لوگوں کے لیے باعث عبرت ہے جو کسی غیر مسلم سے نکاح کرنے سے پہلے بجائے اس سے کہ اسے مسلمان کریں، خود ہی اپنا دین چھوڑ کر غیر مسلم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بے دین ہو کر جب آخرت ہی برباد کر لی تو پھر اس چار دن کی چاندنی کا کیا فائدہ؟

3 حضرت عبداللہ بن وداعہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن مسیبؒ (مشہور تابعی) کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ اتفاق سے کچھ روز حاضر خدمت نہ ہو سکا۔ آپ نے میری غیر حاضری کے بارے میں لوگوں سے سوال کیا جب میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے پوچھا کہ تم کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا کہ میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا میں اس کی تجہیز وتکفین میں مصروف تھا۔ سعید فرمانے لگے کہ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میں بھی شریک ہو جاتا۔

عبداللہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اٹھنا چاہا مگر آپ نے فرمایا کہ (نئے نکاح کے لیے) کوئی اور لڑکی دیکھی ہے؟ میں نے عرض کی اللہ آپ کا بھلا کرے، بھلا مجھ سے کون نکاح کرے گا! میرے پاس تو شاید دو یا تین درہم ہوں گے! آپ نے فرمایا کہ میں اپنی بیٹی سے تمہارا نکاح کراتا ہوں۔ میں نے کہا آپ نکاح کرائیں گے؟ آپ نے کہا: ہاں! چنانچہ اسی وقت آپ نے خطبہ پڑھا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی، درود شریف پڑھا اور دو یا تین

درہم مہر پر میرا نکاح کرا دیا۔ میں آپ کی مجلس سے اٹھا تو مارے خوشی کے مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں۔ پھر میں نے اپنے گھر کی راہ لی اور راستے میں سوچنے لگا کہ کسی سے کچھ قرض اور ادھار ہی لے لوں ۔۔۔۔

پھر میں نے مغرب کی نماز ادا کی اور اپنے گھر لوٹ گیا۔ گھر پہنچ کر میں نے چراغ جلایا۔ میرا روزہ تھا اس لیے افطار کے لیے کھانا اپنے سامنے رکھا۔ میرا کھانا کیا تھا، روٹی اور زیتون کا تیل تھا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ میں نے کہا کون ہے؟ آواز آئی میں سعید ہوں، عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سعید نامی ایک ایک آدمی کا تصور کیا کہ یہ کون سعید ہوسکتا ہے؟ لیکن سعید بن مسیّب کی طرف میرا ذہن بھی نہیں گیا ۔کیونکہ چالیس سال کا عرصہ ان پر ایسا گزرا تھا کہ وہ گھر سے مسجد کے علاوہ اور کہیں نہیں گئے تھے۔ میں لپک کر دروازے پر پہنچا دیکھا تو سعید بن مسیّبؒ تشریف فرما ہیں۔ مجھے وہم ہوا کہ شاید آپ کا ارادہ بدل گیا ہے۔ میں نے عرض کیا ابو محمد! (یہ سعید بن مسیّب کی کنیت تھی) اگر آپ اطلاع کر دیتے تو میں خود آجاتا۔ آپ نے فرمایا نہیں تم اس کے زیادہ مستحق تھے کہ تمہارے پاس میں ہی آتا۔ میں نے کہا: کہیے کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تم غیر شادی شدہ تھے، اب تمہاری شادی ہوگئی ہے، اس لیے مجھے اچھا معلوم نہ ہوا کہ تم رات تنہا گزارو۔ یہ تمہاری بیوی حاضر ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپکی صاحبزادی یعنی میری اہلیہ آپ کے ٹھیک پیچھے کھڑی ہیں۔ آپ نے صاحبزادی کو دروازے سے اندر داخل کیا اور خود واپس تشریف لے گئے۔

عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے تخلیہ کیا تو میں نے دیکھا کہ حسن و جمال میں وہ یگانہ روزگار تھیں۔ لوگوں سے کہیں زیادہ انہیں قرآن مجید یاد تھا۔ احادیث نبویہ ان کی نوک زبان پر تھیں اور سب عورتوں سے کہیں زیادہ شوہر کے حقوق سے انہیں کامل واقفیت حاصل تھی۔

یاد رہے کہ حضرت سعید بن مسیّب کی اسی صاحبزادی کے لیے خلیفہ وقت عبدالملک

بن مروان نے اپنے ولی عہد بیٹے ولید بن عبدالملک کے لیے پہلے سے نکاح کا پیغام بھیج رکھا تھا مگر حضرت سعید نے انہیں انکار فرما دیا تھا۔[1]

دین داری کے ساتھ دیگر ترجیحات

رشتہ کے انتخاب کے وقت دینداری کے بعد درج ذیل خوبیوں کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے:

1 بیوی باکرہ ہو

ا۔ حضرت ابوعبدالرحمن بن سالم بن عتبہ بن عدیم بن ساعدہ انصاری اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" علیکم بالابکار فانھن اعذب افواھا وانتق ارحاما وارضی بالیسیر "[2]

"کنواری عورت سے نکاح کیا کرو کیونکہ وہ شیریں گفتار ہوتی ہیں، زیادہ بچے جنتی ہیں اور تھوڑی چیز پر بھی جلد راضی ہو جاتی ہیں۔"

۲۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ جابر! تم نے شادی کرلی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کسی کنواری لڑکی سے کی ہے یا بیوہ سے؟ میں نے عرض کیا کہ بیوہ سے کی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسی کنواری سے کیوں نہ شادی کی؟! کہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے!"[3]

۳۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ باکرہ عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ یہ شیریں گفتار، تندرست رحم

---

(۱) [ابن خلکان (ص۔ ۲۰ ج۔ ۱) طبقات ابن سعد وغیرہ]

(۲) [صحیح سنن ابن ماجہ للالبانی (۱۵۰۸) السنن الکبری للبیھقی : کتاب النکاح :باب استحباب التزوج بالابکار (۸۱/۱)]

(۳) [بخاری : کتاب البیوع :باب شراء الدواب والحمیر (۲۰۹۷) مسلم (۷۱۵) ابو داؤد (۲۰۴۸) ترمذی (۱۱۰۰_۱۲۵۳) نسائی (۶۵/۶) ابن ماجہ (۱۸۶۰) احمد (۳۰۸/۳_۳۶۹،۳۹۰) حمیدی (۱۲۲۷)]

والی اور تھوڑے خرچ پر راضی رہنے والی ہوتی ہیں۔ (۱)

۴۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ باکرہ عورت سے شادی کیا کرو کیونکہ ان میں غصہ کم اور محبت زیادہ ہوتی ہے۔ (۲)

واضح رہے کہ باکرہ بیوی کا انتخاب استحباب پر مبنی ہے ورنہ طلاق یافتہ اور بیوہ عورت سے نکاح کرنا بھی جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ کی تمام بیویوں میں سے صرف ایک ہی بیوی (یعنی حضرت عائشہؓ) باکرہ تھیں جبکہ ان کے علاوہ باقی تمام یا تو طلاق یافتہ تھیں یا پھر بیوہ تھیں۔ اس لیے بعض اوقات کسی ضرورت و مصلحت کی بنا پر باکرہ کی بجائے طلاق شدہ اور بیوہ سے نکاح زیادہ مناسب ہوتا ہے اور حضرت جابرؓ جنہوں نے غیر کنواری عورت سے نکاح کیا تھا، کی گزشتہ حدیث ہی میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا کہ تم نے کنواری لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا؟ تو حضرت جابرؓ نے یہ وجہ بتائی کہ

ان لی اخوات فاحببت ان اتزوج امرأۃ تجمعھن و تمشطھن وتقوم علیھن

"میری کئی بہنیں ہیں (جبکہ میری والدہ کا انتقال ہو چکا ہے) اس لیے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ کسی ایسی عورت سے نکاح کروں جو میری ان (چھوٹی) بہنوں کی دیکھ بھال کرے اور انکی صفائی اور دیگر امور کا خیال رکھے۔" (۳)

● بیوی زیادہ بچے جننے والی ہو

۱۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم یوم القیامۃ"۔ (۴)

"خوب محبت کرنیوالی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کیوجہ سے روز قیامت دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔"

---

(۱) [مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب النکاح (۴/۱۶)] (۲) [ایضا] (۳) [ایضا]

(۴) [سنن سعید بن منصور: باب الترغیب فی النکاح (۴۹۰) مسند احمد (۳/۱۵۸-۲۴۵) ابن حبان (۴۰۲۸) بیهقی (۷/۸۱)]

۲۔ حضرت معقل بن یسارؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا!

"انی اصبت امرأة ذات حسب وجمال وانها لا تلد أفأتزوجها ؟"

"ایک خوبصورت ترین اور اعلیٰ حسب ونسب والی عورت ہے لیکن وہ بانجھ ہے کیا میں اس سے نکاح کرلوں؟

"قال: لا"

"نبی اکرمؐ نے فرمایا: کہ نہیں۔ وہ آدمی دوسری مرتبہ اسی غرض سے آپؐ کے پاس آیا مگر آپؐ نے اسے منع فرمادیا پھر وہ شخص تیسری مرتبہ اسی اجازت کی غرض سے آپؐ کے پاس آیا مگر آپؐ نے پھر اسے منع کر دیا اور ارشاد فرمایا:

"تزوجو الودود والولود فانی مکاثر بکم الامم یوم القیامة" (۱)

۳۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ

"تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الانبیاء یوم القیامة" (۲)

"محبت کرنیوالی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں قیامت کے روز دوسرے انبیاء کے مقابلے میں تمہاری کثرت کیوجہ سے فخر کروں گا"

❸ خوب سیرت کے ساتھ خوبصورت بھی ہو

ا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ (النساء۔۳)

"عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں، ان سے نکاح کرو۔"

---

(۱) [ابوداؤد: کتاب النکاح: باب النهی عن تزوج من لم یلد من النساء (۲۰۵۰) نسائی (۶۵/۶) ابن حبان (۴۰۵۶) حاکم (۱۶۲/۲) بیهقی (۸۱/۷)]

(۲) [آداب الزفاف للالبانی ص ۱۷]

۲۔ انسان فطرتی طور پر خوبصورتی کو پسند کرتا ہے حتیٰ کہ خود خالق کائنات کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

"ان الله جميل يحب الجمال "[١]

"یقیناً اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔"

۳۔ اس لیے اگر بیوی خوب سیرتی کے ساتھ خوبصورتی سے بھی متصف ہو تو اس سے میاں بیوی کی باہمی محبت والفت کو چار چاند لگ جاتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرمؐ سے پوچھا گیا کہ بہترین عورت کون سی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

التي تسره اذانظر وتطيعه اذا امر ولا تخالفه في نفسها ومالها بما يكره[٢]

"سب سے بہترین وہ عورت ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کردے، جب وہ اسے کسی بات کا حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اس کے مال اور جان کے حوالے سے اس کا شوہر جس چیز کو ناپسند کرتا ہو اس میں وہ اپنے شوہر کی مخالفت نہ کرے۔"

۴۔ ایک روایت میں ہے کہ

"خير فائدة افادها المرء المسلم بعد اسلامه امرأة جميلة تسره اذا نظر اليها وتطيعه اذا امر ها وتحفظه في غيبته في مالها ونفسها"[٣]

"اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان شخص کے لیے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی بیوی (ایسی) خوبصورت ہو کہ جب وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کردے اور جب وہ اسے حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور اس کی عدم موجودگی میں وہ عزت اور مال کی حفاظت کرے۔"

---

(١) [مسلم : كتاب الايمان :باب تحريم الكبر (٩١)احمد (١٣٣/٤)]

(٢) [صحيح سنن نسائي (٣٠٣٠)مسنداحمد(٤٣٨،٤٣٢،٢٥١/٢)]

(٣) [سنن سعيد بن منصور :باب الترغيب في النكاح (١٤١/١)]

فصل سوم

شادی سے پہلے لڑکی کو دیکھنا

کسی غیر محرم عورت کا چہرہ وغیرہ دیکھنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا البتہ اگر کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو پھر اسے دیکھنے کی نہ صرف اسلام اجازت دیتا ہے بلکہ یک گونہ حد تک اسے مستحب قرار دیتا ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے:

1. حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تھا کہ اچانک ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کیا ہے (اور ابھی رخصتی نہیں ہوئی) نبی اکرمؐ نے اس سے فرمایا کہ

"فاذھب فانظر الیھا فان فی اعین الانصار شیئا"[1]

"جاؤ اور اسے دیکھ لو کیونکہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ (نقص) ہوتا ہے۔"

2. صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اس آدمی سے پوچھا کہ انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ (نقصان) ہوتا ہے اس لیے کیا تم نے دیکھ (کر اطمینان) سے نکاح کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ جی ہاں میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔[2]

واضح رہے کہ مندرجہ بالا روایات سے بادی النظر میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید شادی سے پہلے عورت کو دیکھنے کا حکم انصاری عورتوں کے بارے میں خاص ہو کیونکہ ان کی

---

(۱) [مسلم: کتاب النکاح: باب ندب من اراد نکاح امرأة الی ان ینظر الی وجھھا وکفیھا قبل خطبتھا (۱٤۲٤) احمد (۲/۲۸٦) نسائی (٦/٦۹) دارقطنی (۳/۲۵۳) بیھقی (۷/۸٤)]

(۲) [مسلم: ایضا]

آنکھوں میں کوئی نقص و عیب پایا جاتا تھا مگر دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے منگیتر کو دیکھنے کی اور بھی وجوہات ہوسکتی ہیں جیسا کہ آئندہ احادیث سے معلوم ہوگا۔

❸ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک عورت سے منگنی کی تو نبی اکرمؐ نے انہیں فرمایا:

"انظر الیها فانه احری ان یؤدم بینکما"(۱)

"اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ یہ تمہارے درمیان محبت قائم رکھنے کے لیے زیادہ مناسب ہوگا۔"

❹ ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ "حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہؓ نے ایسا ہی کیا اور اس عورت کو دیکھنے کے بعد اس سے شادی کی اور (شادی سے قبل اس عورت کو دیکھنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ) ان دونوں میں بڑی موافقت و ہم آہنگی پیدا ہوئی۔"

❺ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"اذا خطب احدکم المرأة فان استطاع ان ینظر الی مایدعوه الی نکاحها فلیفعل قال فخطبت جاریة فکنت اتخبأ لها حتی رایت منها مادعانی الی نکاحها فتزوجتها"(۲)

"جب تم میں سے کوئی شخص عورت کو منگنی کا پیغام بھیجے تو پھر اسے چاہیے کہ اگر ممکن ہو تو

---

(۱) [ترمذی: کتاب النکاح: باب ما جاء فی النظر الی المخطوبة ــــ (۱۰۸۷) دارمی (۱۳۴/۲) احمد (۲۴۴/۴) نسائی (۶۹/۶) ابن ماجه (۱۸۶۶) مصنف عبد الرزاق (۱۳۳۵) دار قطنی (۲۵۲/۳) بیهقی (۸۴/۷) شرح السنة (۱۴/۵)]

(۲) [ابوداؤد: کتاب النکاح: باب فی الرجل ینظر الی المرأة وهو یرید تزویجها (۲۰۸۲) احمد (۳۳۴/۳) مستدرک حاکم (۱۶۵/۲) بیهقی (۸۴/۷) شرح معانی الآثار (۱۴/۳)]

نکاح کے ارادے کیوجہ سے اس عورت کو دیکھ لے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کی اور پھر میں اسے چھپ کر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا حتی کہ میں نے اس کی وہ چیز (خوبصورتی) دیکھ لی جسکی غرض سے میں شادی کرنا چاہتا تھا چنانچہ پھر میں نے اس سے شادی کر لی"۔

6. محمد بن مسلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کی پھر میں اسے چھپ کر دیکھنے کی کوشش کیا کرتا تھا حتی کہ میں نے اسے اسکے کھجور کے باغ میں دیکھ ہی لیا۔ محمد بن مسلمہ سے کہا گیا کہ آپ صحابی رسول ہو کر ایسا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ

" اذا القی اللہ فی قلب امرئ خطبة امرأة فلا باس ان ینظر الیھا "(۱)

" جب اللہ تعالی کسی مرد کے دل میں کسی عورت سے شادی کا ارادہ پیدا فرما دے تو اس کے لیے اس عورت کو دیکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔"

7. مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو پھر اس عورت کو دیکھنے میں اس پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اس سے شادی کا ارادہ رکھتا ہو اور ضروری نہیں کہ اس عورت کو بھی معلوم ہو کہ مجھے کوئی دیکھ رہا ہے (بلکہ چھپ کر بھی اسے دیکھا جا سکتا ہے۔)(۲)

8. حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجنا چاہتا ہوں تو نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ

---

(۱) [ابن ماجہ: کتاب النکاح: باب النظر الی المرأۃ اذا اراد ان یتزوج (۱۸۶٤) احمد (۲۲۵/٤) مصنف ابن ابی شیبہ (۲۵٦/٤) سنن سعید بن منصور (۱۷۲/۱) شرح معانی الآثار (۱۳/۳) المعجم الکبیر (۲۲٤/۱۹)]

(۲) [مسند احمد (٤۲۸/۵) مسند بزار (۱۵۹/۲) معانی الآثار (۱٤/۳)]

جاؤ اور اسے دیکھ لو، اس طرح تمہارے درمیان دائمی محبت پیدا ہونے کا زیادہ چانس ہے۔ حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ پھر میں ایک انصاری عورت کے گھر گیا اور اس کے والدین سے اس کا رشتہ مانگا۔ علاوہ ازیں انہیں اس سے بھی مطلع کیا کہ نبی اکرمؐ نے مجھے لڑکی دیکھنے کے بارے میں کہا ہے۔ لیکن لڑکی کے والدین نے لڑکی دکھانا، ناپسند کیا۔ مغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ عورت اپنے پردے والی جگہ میں تھی (کانت فی خدرها) اور اس نے میری بات سن لی اور کہنے لگی کہ اگر اللہ کے رسولؐ نے تجھے یہ حکم دیا ہے کہ تم مجھے دیکھو تو تم مجھے دیکھ سکتے ہو ورنہ میں تمہیں قسم دیتی ہوں (کہ مجھے نہ دیکھنا) گویا اس لڑکی نے اس چیز کو بڑا اہم سمجھا۔ حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے دیکھا اور پھر اس سے شادی کر لی اور اس کے ساتھ میرا خوب نباہ رہا۔ (۱)

مندرجہ احادیث سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو لڑکے کو نکاح سے پہلے لڑکی دکھانا معیوب سمجھتے ہیں حالانکہ شادی سے پہلے لڑکی کو دیکھنا یا لڑکی کا لڑکے کو دیکھنا اچھے نتائج پیدا کرتا ہے۔ اور اس سے ان دونوں میاں بیوی بننے والوں کے درمیان دائمی محبت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے جبکہ بہت سے لوگ ان احادیث پر محض اس لیے عمل نہیں کرتے کہ اگر لڑکے نے لڑکی دیکھنے کے بعد ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا تو ہماری عزت مجروح ہوگی اور دیگر لوگوں کی نگاہ میں ہماری لڑکی کا معیار گر جائے گا۔۔۔!

حالانکہ اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو اس خدشے میں بھی نقصان کی بجائے خیر کے پہلو زیادہ ہیں کیونکہ شادی سے پہلے لڑکے کا لڑکی کو دیکھ کر اسے ناپسند کرتے ہوئے شادی کا ارادہ بدل لینے میں لڑکی اور اس کے والدین کے لیے کوئی بڑا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا جبکہ شادی سے پہلے لڑکے کا لڑکی کو نہ دیکھنا اور شادی کے بعد 'اچھی طرح دیکھ' کر ناپسند کرتے ہوئے

---

(۱) [ابن ماجه: کتاب النکاح: باب النظر الی المرأة اذا اراد ان يتزوج (۱۸٦٦) ترمذی (۱۰۸۷) نسائی (۵۲۳۵) امام بوصیری نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔]

طلاق دے دینا لڑکی اور اس کے والدین کے لیے ان گنت مسائل کو جنم دیتا ہے۔ اس لیے یہ تو اور زیادہ بہتر ہے کہ لڑکے نے شادی کے بعد چھوڑنے کی بجائے پہلے ہی ناپسند کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا اور ضروری نہیں کہ جو لڑکی ایک لڑکے کو پسند نہ آئے وہ پورے معاشرے میں کسی اور کو بھی پسند نہ آئے گی!

شادی سے پہلے لڑکی کو دیکھنے دکھانے کے حوالہ سے اس وقت مضحکہ خیز حیرت ہوتی ہے کہ جب بے پردہ گھر سے باہر نکلنے والی لڑکیوں کے والدین کو شادی کا پیغام بھیجنے والوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارا لڑکا لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہے اور لڑکی والے اس پر چیں بجبیں ہونے لگتے ہیں اور اسے اپنی شان کے منافی خیال کرتے ہوئے لڑکے والوں کو انکار کی راہ دکھا دیتے ہیں حالانکہ جب انہی لڑکیوں کو بے پردہ بازاروں میں گھومتے پھرتے سینکڑوں لوگ شہوانی نظروں سے دیکھتے ہیں تو ان حضرات کی نہ شان میں کوئی فرق آتا ہے نہ چہرے پر کوئی بل دکھائی دیتا ہے مگر جب جائز و معروف طریقے سے نکاح کرنیوالے کی طرف سے ایک نظر دیکھنے کا جائز مطالبہ آتا ہے تو آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا ہے۔۔۔!!

واضح رہے کہ شادی سے پہلے لڑکی کا چہرہ اور ہاتھ وغیرہ ہی دیکھے جا سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں اور یہی راجح فقہی مسلک ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح لڑکا اپنی رفیقہ حیات کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح لڑکی بھی اپنے شریک حیات کو دیکھ سکتی ہے، البتہ لڑکے اور لڑکی کا تنہائی و خلوت میں ملاقاتیں کرنا درست نہیں۔ اسکی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

فصل چہارم

میرج سینٹرز........عزتوں کے قاتل!

(عبرتناک مشاہدات پرمبنی خصوصی رپورٹ)

بیٹیاں کسی بھی گھر میں ہوں اللہ کی رحمت کی نشانیاں ہوتی ہیں۔مگر کیا وجہ ہے کہ اس دور جدید میں بھی ہمارے اس خطے میں دور جاہلیت کے عربوں کی طرح بیٹی کی پیدائش پر اظہار افسوس کیا جاتا ہے؟ باپ کئی کئی مہینے بچی کی شکل نہیں دیکھتا؟ اس کا سبب صرف دور حاضر کا لالچ اور طمع ہے۔جہیز کی لمبی لمبی فرمائشوں کا تصور کر کے والدین بچی کی پیدائش سے ہی افسردہ اور پریشان ہوجاتے ہیں۔ایک طویل عرصے کی محنت اور جدوجہد بھی بارآور نہیں ہوتی اور جہیز کی کمی کی وجہ سے بچی جوانی کی حدود کو پہنچ کر بھی مناسب رشتے کے انتظار ہی میں رہتی ہے۔اس صورت حال سے کچھ ایسے سازشی عناصر فائدہ اٹھا رہے ہیں جن کی ضرر رسانیوں کی طرف دھیان ہی نہیں کیا جاتا۔انہیں عرف عام میں 'میرج بیوروز' یا 'میرج سینٹرز' کہا جاتا ہے۔یہ سینٹرز بظاہر عوام کے فائدے کے لیے کھولے جاتے ہیں، جہاں انہیں ان کی پسند کے رشتے بتائے جاتے ہیں اور انہیں پایہ تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔مگر یہ سینٹرز درحقیقت ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

اولاً تو یہ ادارے خالص کاروباری مقاصد کے لیے چلائے جاتے ہیں۔جذبہ خدمت خلق کے تحت نہیں، تو جس طرح تاجر اپنی اشیاء کو ہر حال میں فروخت کرنے کے لیے ان کی الٹی سیدھی اور جھوٹی موٹی تعریفیں کرتے ہیں بالکل یہی حال ان اداروں کا ہے۔ادارے کے مالکان رشتہ کو فائنل کروانے کے لیے ہر طرح کی سچی اور جھوٹی تعریفیں کر کے سامنے

[بشکریہ ماہنامہ "طیبات" (اپریل تا مئی ۲۰۰۲ ج۲ش۳ص ۱۲ تا ۱۵) از اختیار سلان]

والے کے ذہن میں یہ بٹھا دینے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ یہ جو رشتہ آپ کو بتایا گیا ہے یہ تو گویا آپ کے لیے نعمت باری تعالیٰ سے کم نہیں۔۔۔! ایسا رشتہ گنوا کر آپ زندگی بھر پچھتائیں گے۔۔۔! اور ایسا رشتہ آپ کو دوبارہ مل ہی نہیں سکتا۔۔۔!! ان تمام باتوں اور جھوٹی تعریفوں کے علاوہ وہ تو گارنٹی دینے کو بھی تیار ہوتے ہیں۔اب بھلا سوچنے کی بات ہے کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ لڑکی یا لڑکا کس کردار کا مالک ہے؟ کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے، کیسی عادات واطوار اس میں موجود ہیں؟ انہیں تو صرف وہی باتیں پتہ ہیں جو بتانے والے نے بتائی ہیں اور یہ تو بالکل واضح بات ہے کہ کوئی شخص کسی کے سامنے اپنی برائیاں کیوں کرے گا جب کہ وہ اپنے لیے کسی رشتہ کی تلاش میں بھی ہے۔

ان اداروں کے اس طرز عمل سے سینکڑوں گھر برباد ہوئے ہیں۔خود آپ کے اردگرد آپ کے محلے، آپ کے خاندان میں بھی ان کے ڈسے ہوئے کتنے ہی افراد ملیں گے، ایسی ہی ایک دو مثالوں سے ہم آپ کو ملواتے ہیں: محترمہ ش۔۔۔صاحبہ کہتی ہیں کہ ہم بڑی بہن کے رشتے کے لیے کافی پریشان تھے۔بہن میں کوئی کمی نہ تھی مگر جہیز میں کمی کی وجہ سے کوئی شادی کے لیے نہیں کہتا تھا۔پھر ابو نے میرج سینٹر میں رجسٹریشن کروائی۔انہوں نے جلد ہی ایک مناسب رشتہ کروا دیا۔لڑکا ایک ائیر لائن میں جاب کرتا تھا اور شہر میں تنہا رہتا تھا۔گھر والے سب گاؤں میں تھے اس نے کہا کہ بیوی کو شہر میں رکھوں گا۔ہم بہت خوش ہوئے کہ سب اچھا ہے اور میرج سینٹر والے نے بھی بہت یقین دہانی کروائی تھی۔خیر اللہ کر کے بہن کی شادی ہوگئی۔ہم بہت خوش تھے مگر کیا معلوم تھا کہ یہ خوشی اتنے تھوڑے عرصے تک رہے گی۔شادی کے ایک ماہ بعد وہ بیوی کو گاؤں چھوڑ آیا یہ کہہ کر کہ میں کچھ عرصے میں لے آؤں گا۔ابھی میری ماں کی خدمت کرو۔اس کے بعد ہمیں بہن کی کوئی خبر نہیں ملی۔فون کرتے تو اٹھانے والے رانگ نمبر کہہ کر بند کر دیتے اور ابو اور بھائی گاؤں ملنے گئے تو انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ دوسرے گاؤں میں شادی میں گئی ہے۔ہماری پریشانی حد سے

بڑھتی گئی، میرج سینٹر والے کے پاس گئے کہ وہ ان لوگوں کو جانتا ہے وہی کچھ علاج کرے مگر اس نے ہمیں پہچاننے سے انکار کر دیا۔ ابھی ہم کورٹ سے رجوع کرنے ہی والے تھے کہ اطلاع آئی، جلدی پہنچو تمہاری بہن ہسپتال میں ہے۔ چولہا پھٹنے سے آگ لگ گئی ہے۔ ہم دل ہی دل میں خیر کی دعائیں مانگتے ہوئے ہسپتال پہنچے (کہ چولہا پھٹنے کا بہانہ زمانے سے سنتے آرہے ہیں) مگر ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی بہن اللہ کو پیاری ہو چکی تھی۔ آج تک عدالتوں کے چکر کاٹ رہے ہیں، کہ کبھی تو انصاف ملے گا۔ اللہ ان میرج سینٹر والوں سے سب کو بچائے رکھے۔ آمین!

اسی طرح محترمہ۔ م۔ ک۔ فرماتی ہیں کہ میری شادی ایک میرج بیورو والی خاتون کے توسط سے آج سے تین برس قبل ہوئی۔ ان خاتون صاحبہ نے لڑکے کی تعریف میں وہ آسمان اور زمین کے قلابے ملائے کہ سب گھر والے قائل ہو گئے۔ لڑکے کا گھر وغیرہ بھی دیکھ آئے مگر ابو کو اس بات پر تشویش تھی کہ آخر لڑکے کے ماں باپ، بہن بھائی کوئی تو ہوگا اُن سے ہمیں ملوائیں۔ اس پر میرج بیورو والی رونا شروع ہو گئی کہ ہائے بیچارا ماں باپ کا اکلوتا تھا۔ بچہ ہی تھا کہ ماں باپ کراچی سے آتے ہوئے ٹرین ایکسیڈنٹ میں فوت ہو گئے۔ اس کا سارا روپیہ پیسہ چچاؤں نے ہضم کر لیا۔ اور یہ بیچارہ یتیم خانے میں پلا ہے مگر محنتی بہت ہے۔ اس تھوڑے سے عرصے میں اس نے امپورٹ ایکسپورٹ سے لاکھوں کمائے ہیں۔ آپ کی بچی کو عیش کروائے گا۔۔۔!!

اتنی خوب صورت اداکاری اور بہترین داستان پر ابو قائل ہو گئے اور اللہ کا نام لے کر میری شادی کر دی۔ شادی کے بعد مجھے پتہ چلا کہ مجھ سے شادی میرے حسن کی وجہ سے کی گئی تھی اور میرا شوہر لڑکیوں سے شادیاں کر کے انہیں عرب ممالک میں فروخت کرتا تھا۔ یہ تمام باتیں مجھے اسی کی ڈسی ہوئی ایک سابقہ بیوی نے بتائیں جو بڑی مشکل سے بھاگ کر واپس آئی تھی اور ساتھ نکاح نامہ بھی دکھایا۔ اس کا ثبوت مجھے چند دنوں بعد مل گیا۔ جب

شوہر نے مجھ سے کہا کہ اس ہفتے کو میں تمہیں بھی گلف کے ٹور پر اپنے ساتھ لے جاؤں گا، تم تیاری رکھنا۔ میں اس کی بات سے ڈر گئی اور اگلے دن اس کے جانے کے بعد میں خاموشی سے گھر واپس آگئی۔ گھر والوں کو تمام صورتحال بتائی تو انہوں نے بہت ڈانٹا اور کہا کہ لوگوں کی باتوں میں آکر اپنا گھر تباہ کرنے چلی ہو۔ مگر جب بھائی میرے شوہر کے گھر مصالحت کے لیے گئے تو دروازے پر تالا لگا پایا اور پوچھنے پر محلّہ والوں نے بتایا کہ یہ تو رات کو ہی کرائے کا گھر خالی کر کے چلے گئے ہیں۔ اس پر ان کا ماتھا ٹھنکا۔ مگر اگلے ہی دن ہماری پریشانیاں دکھ میں تبدیل ہوگئیں جب رجسٹری سے مجھے طلاق نامہ مل گیا۔ وہ دن اور آج کا دن میرے شوہر کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ میرج بیورو والی نے کہنے پر بتایا کہ وہ تو اسے ذاتی طور پر نہیں جانتی بس جو اس نے بتایا اس خاتون نے ہمیں بتا دیا۔ میں تو اب بھی یہی کہتی ہوں 'کہ بے شک ساری عمر شادی نہ کریں' لیکن ان میرج بیوروز کے چکر میں مت الجھیں۔

یہ تو ہے ان اداروں کی واضح طور پر ڈسی ہوئی چند بہنوں کی پکار۔ شادی بیاہ میں فراڈ کے علاوہ ان میں سے چند ایک تو ایسے لٹیرے ہوتے ہیں جو دختران ملت کی عزت کے دشمن ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ رشتہ کروانے کے لیے تصویریں بمعہ تمام کوائف کے حاصل کر لیتے ہیں۔ لہٰذا اب ان کے لیے کچھ کرنا مشکل نہیں رہتا۔ بلیک میلنگ کے ماہر، انسانیت کے دشمن، عوام کو اس قدر تنگ کرتے ہیں کہ وہ زندگی سے منہ موڑ لینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی اسی زیادتی کی منہ بولتی تصویر شہر راولپنڈی کے مضافات میں رہنے والی، ع۔س، ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کی (۸۰) اسی فیصد لڑکیوں کی طرح میں بھی ایک ایسی لڑکی ہوں جو (۲۸) اٹھائیس برس کی ہونے کے باوجود ہنوز رشتے کے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ جب میں (۲۲) بائیس برس کی ہوئی تو ماں باپ نے میرا نام ایک میرج سینٹر میں درج کروا دیا۔ جس کے لیے مجھے خصوصی تصویر بھی کھنچوانی پڑی۔ میرج بیورو والوں نے کہا کہ آپ کی تصویر ہم خود کھینچیں گے، تاکہ آپ کے چہرے کا زاویہ (Angale) صحیح آئے اور آپ زیادہ خوش

شکل لگیں۔ میں نے تصویر بنوائی اس کے بعد ہم گھر چلے گئے کیونکہ ان سینٹر والوں کا کہنا تھا کہ جونہی آپ کے جوڑ کا رشتہ آئے گا ہم خود آپ سے Contact کر لیں گے۔ اسی انتظار میں چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا ابو نے جا کر پتہ کیا تو لوگوں نے بتایا کہ میرج سینٹر کی جگہ اب کریانہ سٹور ہے اور بیورو والا کہا گیا؟ اس کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔ خیر ہم نے سوچا قصہ ختم۔ اسی دوران میری پھپھو کا بیٹا امریکہ سے ایم سی ایس M.C.S کر کے آیا تو انہوں نے میری منگنی اس سے کر دی۔ ہم میرج بیورو والوں کو بھول، بھال گئے۔ تقریباً سال ڈیڑھ سال بعد اچانک ہمارے گھر T.C.S سے ایک رجسٹری آئی، ابو نے کھولی تو اس میں نہایت فحش تصویریں موجود تھیں۔ ابو کو اسی وقت ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ خیر ہم نے تصویریں چھپا لیں اور ابو کو ہسپتال لے کر گئے تمام رشتے دار ملنے آئے مگر پھپھو اور ان کے گھر والے نہیں آئے۔ خیر ابو ٹھیک ہو کر گھر واپس آ گئے۔ مجھ پر گھر میں سے کسی نے غصہ نہیں کیا اور نہ ہی مجھے بدکردار سمجھا کیونکہ جب تک ابو ٹھیک ہوئے اس وقت تک ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنے پر امی اور بھائیوں کو یاد آ گیا کہ وہی لباس ہے جو میں نے بیورو جاتے وقت پہنا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ تصویریں آئیں کیسے؟ مگر ایک مشکل یہ تھی کہ پھپھو کے گھر والے اب تک ہمارے گھر نہیں آئے تھے اور جس دن وہ آئے ہمارے لیے وہ قیامت کا دن تھا۔ پھپھو، پھوپھا اور ان کے سب بچے اپنے ساتھ انگوٹھی، بہنویوں کے کپڑے اور تصویروں کا وہ لفافہ بھی لائے تھے جس نے میری زندگی تباہ کر دی۔ میری منگنی ختم ہو گئی اور میں آج بھی ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھی ہوں۔ عجیب بات یہ ہے کہ سوائے ایک دفعہ فون کر کے اپنی پہچان بتانے کے، اس سینٹر والے نے کبھی کوئی تقاضا نہیں کیا۔ میں آج بھی یہی سوچتی ہوں کہ کیا وہ شخص کوئی ذہنی مریض تھا یا اذیت پسند جو دوسروں کے گھر اجاڑ کر خوش ہوتا تھا۔ شاید آپ کو یہ مسئلہ سمجھ میں آ جائے۔ یہ ضرور بتانا چاہتی ہوں کہ میرے غم سے میرے ابو دل کے مریض بن کر یہ جہاں چھوڑ کر جا چکے ہیں اور صدمے سے امی بالکل چارپائی سے لگ کر رہ گئی ہیں۔ غرض ان

اداروں میں کسی بھی معصوم وعزت دار بہن اور بیٹی کی عصمت کو محفوظ نہیں رکھا جاتا اور نہ ہی ان سے حاصل کردہ تصاویر کو بطور امانت رکھا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور مثال J.k میرج بیورو والے ہیں جن کے بارے میں آج سے کچھ عرصہ قبل یہ مشہور ہوا تھا کہ وہ رشتے کے لیے آئی ہوئی تصاویر کو فضول قسم کی تصاویر کے ساتھ جوڑ کر نہ صرف لڑکی کے گھر والوں کو بلیک میل کرتے ہیں بلکہ ان تصاویر کو مغربی ممالک میں بلیک میں فروخت کر کے بھی بھاری رقم حاصل کرتے تھے۔ ان میں اکثر بیرون ملک خود کو قوی حسن فروش کہہ کر متعارف کراتے ہیں۔ ان میرج بیوروز نے اب نئی صدی میں کمپیوٹر کے عام ہوتے ہوئے استعمال کو دیکھ کر اب اپنے مذموم مقاصد کے لیے انٹرنیٹ کو بھی استعمال کرنا شروع کر دیا ہے اور کتنی ہی ویب سائٹس ان شادی دفاتر والوں نے نئے نئے ناموں سے کھول رکھی ہیں۔ ان ویب سائٹس کو جاری کرنے والے عہدیداران کا یہ دعویٰ ہے کہ ان پر آپ کو اپنا مطلوبہ رشتہ چند منٹوں میں ملے گا۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ رکھی جاتی ہے کہ آپ جنس، عمر، قد، رنگ اور اپنا مکمل بائیو ڈاٹا اپنی ایک عدد تصویر کے ہمراہ (جو بالکل تازہ ہونا ضروری ہے) انٹر کر دیں۔ ادارے کے عہدیداران آپ کا مطلوبہ رشتہ آپ کو بتا دیں گے اور اس کو آپ کی تمام معلومات مہیا کر دی جائیں گی۔ اب کوئی ثبوت، کوئی گواہ نہ آپ کی سچائی کا ہوتا ہے اور نہ ہی سامنے والے کا۔ جیسے آپ اپنے بارے میں غلط معلومات یا کسی اور کی تصویر دے سکتے ہیں۔ ویسے ہی آپ کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ عہدیداران تو ویسے ہی ہر ذمہ داری سے مبرا ہوتے ہیں۔

واہ کینٹ سے بھائی م۔ الف۔ بتاتے ہیں کہ میں نے کوئی چار پانچ سال پہلے بی کام کر کے کمپیوٹر کا ڈپلومہ حاصل کیا اور ابو کے ساتھ بزنس میں ان کا ہاتھ بٹانے لگا۔ کیونکہ میں اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ذہانت، خوب صورتی، دولت مجھ میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ ممی کو ملنے جلنے والوں اور خاندان والوں کی تمام لڑکیاں بری لگنے لگیں کیونکہ ممی کی مسلسل تعریفوں

نے میرے اندر بے پناہ غرور پیدا کر دیا تھا۔لہٰذا میں بھی اپنے آپ کو سب سے اونچی کوئی چیز تصور کرنے لگا۔خاندان میں کسی سے مل کر نہیں بیٹھتا تھا۔ممی چاہتی تھی کہ میری شادی کسی ایسی لڑکی سے ہو جو سوسائٹی میں ہم سے بھی بہتر حالت کی مالک ہو۔ان دنوں کمپیوٹر کا رواج عام ہوتا جا رہا تھا۔ہمارے آفس والے کمپیوٹر پر انٹرنیٹ لگا ہو نہیں ہے مگر جب میں نے گھر میں کمپیوٹر لیا تو دوستوں کے بہت کہنے پر میں نے اس پر انٹرنیٹ کنکشن بھی لے لیا۔شاید وہ میری زندگی میں پہلی عیاشی تھی۔اب تو میں تھا اور کمپیوٹر۔آفس جانا بھی کم کر دیا۔آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں وہاں کیا کرتا تھا،جی ظاہر ہے 'چیٹنگ' میری دوستی جلد ہی بہت سی لڑکیوں سے ہوگئی۔مگر ان میں سے ایک جو اپنے ہی شہر کی تھی مجھے سب سے زیادہ پسند آئی۔اس کی شکل کسی بھارتی اداکارہ سے بہت حد تک ملتی تھی۔اس کے علاوہ بھی اپنے بارے میں اس نے جو معلومات دیں مجھے متاثر کن لگیں۔

یہاں آپ کو یہ بتا تا چلوں کہ میں نے ایسی دوستی کسی سے نہیں کی تھی بلکہ ایک ویب سائٹ تھی رشتے کرنے والی،نام مجھے اس کا صحیح یاد نہیں۔شاید پاکستانی رشتے یا اس سے کچھ ملتا جلتا تھا۔بہر حال میں اس لڑکی سے شادی پر آمادہ ہو گیا اور دن رات اسی کے بارے میں سوچتا رہتا کبھی یہ نہیں سوچا کہ اگر لڑکی اتنی خوبیوں والی ہے تو اسے شادی دفتر میں رجسٹریشن کروانے کی کیا ضرورت ہے۔میرے امی ابو اس کے گھر گئے۔انہیں بھی لڑکی پسند آئی اور ہماری شادی ہوگئی۔یہاں ایک عجیب بات کا تذکرہ ضرور کروں گا کہ اس ملاقات کے بعد اسے ہمارے کسی گھر والے نے نہیں دیکھا ان کے مطابق اب لڑکی کو شادی کے بعد دولہا ہی دیکھے گا۔ہم نے برا نہ مانا۔شادی کے بعد جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تو ہوش ٹھکانے آگئے وہ لگ بھگ چالیس،پینتالیس سال کی پکی سی عورت تھی۔میں امی ابو کو بلا لایا۔امی نے بین کرنا شروع کر دیا کہ ہمیں تو لڑکی کوئی اور دکھائی تھی۔ویب سائٹ والوں سے رجوع کیا تو انہوں نے کہا ہمارا کام صرف انفارمیشن دینا تھا۔اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔میری

بیوی جہیز میں سوائے تین عدد کپڑوں کے جوڑوں کے اور کچھ نہ لائی۔ مزید معلومات کروانے پر پتہ چلا کہ وہ پہلے طلاق یافتہ عورت تھی اور تین بچوں کی ماں۔ شوہر نے اسے بدکرداری کے جرم میں نکال دیا تھا اور بچے رکھ لیے تھے۔ جس ادارے کی ویب سائٹ تھی وہ اس کی سہیلی کا تھا اور جس گھر میں میرے ماں باپ کسی لڑکی کو پسند کر کے آئے وہ بھی اسی سہیلی کا تھا، میں نے اسے اپنے کیے کا نتیجہ سمجھ کر برداشت کرنا چاہا لیکن اس نے ایک ماہ کے اندر اندر نہ صرف مجھ پر بلکہ میرے ماں باپ پر حکم چلانا شروع کر دیا اور خود وہ روزانہ رات کو کسی نئے دوست کے ساتھ واپس آتی۔ اب مجھ سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا اور روز کے لڑائی جھگڑوں کے بعد میں نے اسے طلاق دے دی۔ بعد میں میں نے ایک غریب خالہ کی بیٹی سے شادی کر لی اور اب اللہ کے فضل سے خوش و مطمئن زندگی گزار رہا ہوں۔

آپ نے ملاحظہ کیں ان میرج بیوروز کی چند کارستانیاں اور ان کے جان لیوا اثرات۔ یہ سب افراد جن سے ہم نے آپ کو ملوایا آج بھی زندہ ہیں اور انہی حالات کا شکار ہیں جن کی نشان دہی وہ اپنی آپ بیتی میں کر رہے ہیں۔ ان کی داستانیں صرف وقت گزاری کے لیے نہ تھیں بلکہ ہر ایک آپ کو یہ چیخ چیخ کر کہتی ہوئی محسوس ہو گی کہ خدارا ان میرج سینٹرز والوں کی باتوں میں نہ آیئے گا۔ شادی ہونا یا نہ ہونا سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ شادی جلد ہو یا دیر سے یہ بھی وہ فیصلہ کر چکا ہے۔ شادی کب ہو گی، کہاں ہو گی؟ کس سے ہو گی؟ سب اللہ کو معلوم ہے۔ وہی جب چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔ یہ دنیاوی وسیلے سوائے بربادی، بدنامی، مایوسی اور خواری کے اور کچھ نہیں دیتے اور نہ ہی دے سکتے ہیں کیونکہ یہ سب اپنی غرض کے غلام ہیں۔ یہاں صرف پیسے کا راج ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح رشتے آئیں اور طے پا جائیں تاکہ انہیں اپنا کمیشن ملے۔ دوسرے کی چاہے زندگی بسے یا اجڑے انہیں کوئی غرض نہیں۔ ان کے چنگل سے نکل آئیں اور اگر ایسی کوئی کوتاہی کر بیٹھے ہیں تو فورا جا کر سب سے پہلے اپنی تصویر واپس لے آئیں۔ بظاہر کوئی کتنا ہی

پارسا اور پاک باز کیوں نہ نظر آئے۔اس کے دل میں کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا اور کب اس پر شیطان حاوی ہو جائے وہ خود بھی اس سے ناواقف ہے۔اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کیجئے اور گھر بیٹھ کر خشوع و خضوع سے اللہ وحدہ لاشریک سے مدد مانگیے۔وہ آپ کی ہر دعا ضرور قبول کرے گا کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا کرتا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے بھی رشتہ کے انتخاب کے لیے جو معیار مقرر کیا ہے۔حسب ونسب، جمال، مال، اور دین اور پھر دین داری کو ترجیحا معیار انتخاب رکھنے کا حکم دیا ہے۔لہٰذا اگر ہم اپنے گھڑے ہوئے معیاروں، ذات پات، مال و دولت کی بجائے نیکی اور شرافت کی بنیاد پر رشتے طے کرنا شروع کر دیں تو یہ مسئلہ آسانی سے حل ہو سکتا ہے اور میرج بیوروز اور رشتے کروانے والوں کے ہیر پھیر میں آنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آسکتی۔بے شمار نیک سیرت، باکردار باصلاحیت لڑکے، لڑکیاں گھر میں موجود ہیں جن کی عمریں صرف رسم و رواج کی مصنوعی جکڑ بندیوں کی وجہ سے جوانی کی حدود سے تجاوز کر رہی ہیں یا کر چکی ہیں۔لہٰذا ایسے اہم اور سلگتے ہوئے مسئلے کی طرف معاشرے اور والدین کو قرآن و سنت کی روشنی میں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

فصل پنجم

منگنی اور اس سے متعلقہ مسائل

کیا منگنی جائز ہے؟

شادی سے پہلے شادی کی بات چیت طے کرنا اور شادی کے لیے لڑکے اور لڑکی کے سرپرستوں کا ایک دوسرے کے سامنے اظہار رضامندی کرنا منگنی کہلاتا ہے۔ نکاح و رخصتی سے پہلے نکاح کی پختہ بات کر لینا یا دوسرے لفظوں میں منگنی کر لینا جائز ہے جیسا کہ درج ذیل روایات سے ثابت ہوتا ہے:

❶ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک عورت سے منگنی کی تو نبی اکرمؐ نے انہیں فرمایا:

"انظر الیها فانه احری ان یؤدم بینکما"(۱)

"اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ یہ تمہارے درمیان محبت قائم رکھنے کے لیے زیادہ مناسب ہوگا۔"

❷ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"اذا خطب احدکم المرأة فان استطاع ان ینظر الی مایدعوه الی نکاحها فلیفعل قال فخطبت جاریة فکنت اتخبأ لها حتی رایت منها مادعانی الی نکاحها فتزوجتها"(۲)

---

(۱) [الترمذی: کتاب النکاح: باب ماجاء فی النظر الی المخطوبة---- (۱۰۸۷) دارمی (۱۳۴/۲) احمد (۲۴۴/۴) نسائی (۶۹/۶) ابن ماجه (۱۸۶۶) مصنف عبد الرزاق (۱۳۳۵) دار قطنی (۲۵۲/۳) بیهقی (۸۴/۷) شرح السنة (۱۴/۵)]

(۲) [ابوداؤد: کتاب النکاح: باب فی الرجل ینظر الی المرأة وهو یرید تزویجها (۲۰۸۲) احمد (۳۳۴/۳) مستدرك حاكم (۱۶۵/۲) بیهقی (۸۴/۷) شرح معانی الآثار (۱۴/۳)]

''جب تم میں سے کوئی شخص عورت کو منگنی کا پیغام بھیجے تو پھر اسے چاہیے کہ اگر ممکن ہو تو نکاح کے ارادے کیوجہ سے اس عورت کو دیکھ لے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کی اور پھر میں نے اسے چھپ کر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا حتی کہ میں نے اس کی وہ چیز (خوبصورتی) دیکھ لی جسکی غرض سے میں شادی کرنا چاہتا تھا چنانچہ پھر میں نے اس سے شادی کر لی۔''

- محمد بن مسلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کی پھر میں اسے چھپ کر دیکھنے کی کوشش کیا کرتا تھا حتی کہ میں نے اسے اسکے کھجور کے باغ میں دیکھ ہی لیا۔ محمد بن مسلمہ سے کہا گیا کہ آپ صحابیِ رسول ہو کر ایسا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ

'' اذا القی اللہ فی قلب امریء خطبة امرأة فلا باس ان ینظر الیھا ''(۱)

''جب اللہ تعالیٰ کسی مرد کے دل میں کسی عورت سے شادی کا ارادہ پیدا فرمادے تو اس کے لیے اس عورت کو دیکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔''

واضح رہے کہ شادی سے پہلے منگنی کرنا محض جواز کی حد تک ہے ورنہ یہ کوئی شادی کا ضروری حصہ نہیں کہ پہلے منگنی ہی کی جائے پھر ایک عرصہ کے بعد نکاح ورخصتی عمل میں لائی جائے۔ عہدِ رسالت میں منگنی کی بجائے نکاح کا رواج زیادہ تھا اور خود نبی اکرمؐ نے بھی سیدھا نکاح کا راستہ اختیار کیا۔ البتہ آپؐ کے بعض نکاحوں میں ازواجِ مطہرات کی رخصتی فوراً ہی ہوگئی جبکہ بعض کی رخصتی قدرے تاخیر سے ہوئی (آئندہ صفحات میں ''نکاح سے متعلقہ مسائل'' کے ضمن میں اس کی تفصیل بیان کی جائے گی) ہاں البتہ اگر کسی کو لڑکے یا لڑکی یا ان

---

(۱) [ابن ماجه: كتاب النكاح: باب النظر الى المرأة اذا اراد ان يتزوج...... (۱۸٦٤) احمد (۲۲٥/٤) مصنف ابن ابی شیبه (۲٥٦/٤) سنن سعید بن منصور (۱۷۲/۱) شرح معانی الآثار (۱۳/۳) المعجم الكبير (۲۲٤/۱۹)]

کے خاندان کی طرف سے کوئی خدشہ وخطرہ ہوتو وہ تحفظات کے پیش نظر منگنی کی رخصت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں پہلے منگنی کرنا ہی مناسب رہتا ہے تا کہ منگنی کے بعد دونوں خاندانوں کے لئے ایک دوسرے کو دیکھنے، جانچنے اور پرکھنے کا موقع مل جائے۔

منگنی کی رسومات

منگنی کے جواز کا یہ معنی نہیں کہ منگنی کے موقع پر بھی شادی کا سماں پیدا کرلیا جائے اور برات کی شکل میں منگنی کے لیے فوج ظفر موج لڑکی والوں کے گھر کی طرف مارچ کرے اور بڑے پیمانے پر مٹھائی اور تحائف وغیرہ کا تبادلہ کیا جائے..... بلکہ یہ سب فضول خرچیاں ہیں بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ منگنی کے موقع پر کی جانے والی رسومات کسی طرح بھی شادی کی رسومات سے کم نہیں ہوتیں اور اس طرح صرف ایک ہی شادی کی جملہ رسومات کو پورا کرنے پر جتنے اخراجات اٹھتے ہیں، غور کیا جائے تو ان سے بیسیوں غریبوں کے نکاح ہوسکتے ہیں۔ (شادی بیاہ کی جملہ رسومات کی تفصیل اگلے باب میں ''شادی بیاہ کی رسومات'' کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں)

منگنی کی انگوٹھی

مرد کے لیے صرف چاندی کی اور عورت کے لیے سونا اور چاندی دونوں طرح کی انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ اس لیے اگر تعلقات بڑھانے کے لیے انگوٹھی کا تحفہ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ تحفے کی نیت سے ایسا کیا جائے، رسم ورواج کا بت پوجنے کے لیے ایسا نہ کیا جائے۔ لیکن ہمارے ہاں انگوٹھی کو منگنی کی خاص علامت اور رسم بنا لیا گیا ہے۔ حالانکہ اول تو شادی سے پہلے منگنی کرنا کوئی ضروری نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ اسے جائز ہی قرار دیا جاسکتا ہے اور پھر منگنی کا تعلق دوطرفہ عہد و پیمان کا سا ہے۔ اس عہد و پیمان کی شہادت خود عہد و پیمان کرنے والوں کی زبان ہے نا کہ وہ انگوٹھیاں جو لڑکے اور لڑکی کو پہنائی

جاتی ہیں اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ انگوٹھی کی فضول رسم کا خاتمہ کیا جائے۔ بالخصوص اس لئے بھی کہ یہ عیسائیوں کی رسم ہے۔ (۱)

منگنی ہو جانے کے باوجود دوسرے شخص کا پیغام بھیجنا

اگر کسی لڑکی کی ایک لڑکے کے ساتھ منگنی کی بات چل رہی ہو یا منگنی ہو چکی ہو اور دونوں طرف سے شادی کی پوری رضا مندی ہو تو پھر کسی اور شخص کا لڑکی والوں کی طرف نکاح کا پیغام بھیجنا اور پہلے رشتے کو خراب کر کے اپنے لیے راستہ ہموار کرنے کی کوشش کرنا، ایسی قبیح حرکت ہے کہ اسلام اسے بالکل پسند نہیں کرتا بلکہ اس سے پیدا ہونے والے مفاسد کی بنا پر ایسا کرنے سے سختی سے منع کرتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے:

1. حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" لا يخطب الرجل على خطبة اخيه حتى يترك الخاطب قبله او ياذن له الخاطب "(۲)

''کوئی آدمی وہاں پیغامِ نکاح نہ بھیجے جہاں اس کے مسلمان بھائی نے پہلے سے پیغام بھیجا ہو۔ البتہ اگر پہلا پیغام بھیجنے والا دست بردار ہو جائے یا (اپنے ساتھ) دوسرے کو بھی (پیغام بھیجنے) کی اجازت دے دے، تو پھر کوئی حرج نہیں۔''

2. حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" المؤمن اخوا المؤمن فلا يحل للمؤمن ان يبتاع على بيع اخيه ولا يخطب على خطبة اخيه حتى يذر"

---

(۱) [دیکھیے: آداب الزفاف از شیخ البانیؒ (ص ۱٤۰ تا ۱٤۲)]

(۲) [بخاری: کتاب النکاح: باب لا يخطب على خطبة اخيه.... (۵۱٤۲) نسائی (۷۳/٦) احمد (٤٦۲/۲) حمیدی (۱۰۲۷) بيهقى (۱۸۰/۷)]

''ہر مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اس لیے کسی مومن کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے اور نہ ہی وہ اس کے پیغام نکاح پر اپنا پیغام نکاح بھیجے الا یہ کہ وہ دست بردار ہو جائے (تو پھر اس کے لیے پیغام نکاح بھیجنا درست ہے۔)''(۱)

بعض فقہا کا خیال ہے کہ اگر منگنی کی بات چل رہی ہو اور ابھی منگنی طے نہ پائی ہو تو پھر دوسرے شخص کا پیغام نکاح بھیجنا جائز ہے۔ اس سلسلے میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کو تین بندوں یعنی حضرت معاویہ، حضرت ابو جہم، اور حضرت اسامہ بن زید نے بیک وقت نکاح کا پیغام بھیجا۔ اور جب حضرت فاطمہ بنت قیس صحابیہ نے اس سلسلے میں نبی اکرمؐ سے مشورہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ

''معاویہ غریب آدمی ہے اور ابو جہم عورتوں کو مارنے پیٹنے والا آدمی ہے۔ البتہ اسامہ تمہارے لیے مناسب رہے گا، اس لیے اسامہ سے نکاح کر لو۔''(۲)

اس حدیث سے یہ استشہاد کیا جاتا ہے کہ اگر منگنی پکی نہ ہوئی ہو تو دوسرا، تیسرا شخص بھی پیغامِ نکاح بھیج سکتا ہے۔(۳)

اسی طرح اگر پہلا پیغام بھیجنے والا ملحد اور بے دین قسم کا شخص ہو تو کسی دوسرے نیک صالح اور دیندار شخص کا پیغام بھیجنا زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ پہلے شخص کے ساتھ منگنی بھی ہو چکی ہو۔(۴)

---

(۱) [مسلم: کتاب النکاح: باب تحریم الخطبة علی خطبة اخیه حتی یاذن او یترك (۱٤۱٤) مسند احمد (۱٤۷/٤)]

(۲) [مسلم: کتاب الطلاق: باب المطلقه البائن لا نفقة لها (۱٤۸۰) ابو داود (۲۲۸٤) نسائی (۷٥/٦) بیهقی (۱۸۰/۷) طبقات ابن سعد (۲۱۳/۸) احمد (٤۱۱/٦) مالك (٥۸۰/۲)]

(۳) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المغنی لابن قدامه (٥٦۷/۹)]

(٤) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حوالہ سابقہ (ص ٥۷۱) نیز، فتح الباری (۲٥۰/۱۰) معالم السنن (۱۹٤/۳) نیل الاوطار وغیرها]

منگنی کے بعد لڑکے اور لڑکی کی ملاقاتیں

شادی کی بات چیت یعنی (منگنی) ہو جانے سے پہلے یا اس کے بعد لڑکے اور لڑکی کا ایک دوسرے کو ایک نظر دیکھنا یا بات چیت کرنا اس حد تک تو جائز ہے کہ دیگر لوگوں کی موجودگی میں ایسا ہو جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ''شادی سے پہلے لڑکی کو دیکھنا'' کے تحت درج کی جانے والی بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اگر اسے معمول بنانے کی کوشش کی جائے یا تنہائی اور خلوت میں ملاقاتوں کا کوئی سلسلہ شروع کیا جائے تو پھر اس کے جواز کی کوئی دلیل نہیں بلکہ نکاح سے پہلے اور منگنی کے بعد بھی یہ دونوں (منگیتر) غیر محرم ہیں اور غیر محرم سے بہر صورت پردہ کیا جائے گا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

'' لا یخلون رجل بامرأة الا مع ذی محرم ''(۱)

''محرم رشتہ دار کے علاوہ کوئی شخص کسی عورت کے پاس تنہائی میں نہ بیٹھے۔''

چونکہ منگنی نکاح نہیں بلکہ نکاح کا ایک معاہدہ ہے اور ممکن کہ یہ معاہدہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچے، اس لیے جب تک نکاح نہ ہو جائے تب تک لڑکے اور لڑکی کا خلوت میں ملاقاتیں کرنا یا اکٹھے گھومنا پھرنا ہرگز جائز نہیں۔ باقی رہا ٹیلی فون پر ایک دوسرے سے بات چیت کا مسئلہ تو اس میں بھی بہتر یہی ہے کہ اجتناب کیا جائے۔

منگنی توڑنے کی شرعی حیثیت

منگنی چونکہ دو افراد کے باہمی نکاح کا ایک عہد و پیمان ہے جسے کسی بھی دیگر عہد و پیمان کی طرح پورا کرنا انسان کی اخلاقی ذمہ داری ہے البتہ کسی معقول عذر کی بنا پر اس کی تکمیل سے اعراض کیا جا سکتا ہے بلکہ بسا اوقات لڑکے یا لڑکی میں کسی ایسے عیب کی نشاندہی ہو جاتی

(۱) [بخاری: کتاب النکاح: باب لا یخلون رجل بامرأة ... (۵۲۳۳) مسلم (۱۳٤۱)]

ہے جو منگنی کرتے وقت سامنے نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس منگنی کو توڑ دینے کا فائدہ اس سے کہیں زیادہ ہے کہ اسے برقرار رکھ کر نکاح کیا جائے اور پھر جلد ہی طلاق یا خلع کے ذریعے جدائی کرائی جائے۔

واضح رہے کہ منگنی ٹوٹنے کی صورت میں عورت پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی البتہ نکاح کے بعد اسے ختم کرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ رخصتی ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔اس کی مزید تفصیل نکاح سے متعلقہ مسائل میں آئے گی۔ان شاءاللہ!

فصل ششم

نکاح میں ولی کی شرط اور لو میرج

ولی کون ہے؟

ولی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لیے اردو میں سرپرست و منتظم، دوست و مددگار وغیرہ اور انگریزی میں (Guardian) کا لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن ہر طرح کا سرپرست اسلامی نکتہ نظر سے عورت کا ولی نہیں بن سکتا بلکہ اسلام صرف اس سرپرست کو عورت کا ولی تسلیم کرتا ہے جو عورت کا دیگر رشتہ داروں کے مقابلہ میں سب سے قریبی ہو اور چونکہ عورت کا باپ، خونی و نسبی تعلق کی وجہ سے بیٹی کے نکاح کا سب سے بڑا ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے لڑکی کا ولی اس کا باپ ہے۔ لیکن اگر بالفرض عورت کا باپ نہ ہو تو پھر اس کا دادا اور پڑدادا ولایت کے حقدار قرار پاتے ہیں۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر عورت کے بھائی پھر چچا اور ماموں وغیرہ عورت کے ولی بننے کے مستحق ہیں۔ حتی کہ بعض صورتوں میں اگر عورت مطلقہ اور اس کے بیٹے بالغ ہوں تو بیٹے اپنی والدہ کے نکاحِ ثانی کے لیے ولی بن سکتے ہیں۔ اور اگر بالفرض کسی عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو پھر حاکم وقت اس عورت کے ولی کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

"فالسلطان ولي من لا ولي له"(1)

"حاکم وقت اس عورت کا ولی ہوگا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔"

---

(1) [ابوداؤد: كتاب النكاح: باب في الولي (٢٠٨٣) ترمذی: كتاب النكاح: باب ماجاء لا نكاح الا بولي (١١٠٢) احمد (٤٧/٦) دارمی (١٣٧/٢) ابن ماجه (١٨٧٩) بیهقی (١٠٥/٧) ابو یعلی (٤٦٩٢) شرح السنة (٣٣/٥) استحقاق ولایت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المغنی لابن قدامه (٣٥٥/٩ تا ٣٦١) فتح الباری (٨٩/٩ تا ٩١) عون المعبود (٩٨/٦ تا ١٠١) نيل الاوطار (١٣٦/٦)]

عورت خواہ بالغ ہو یا نابالغ ، باکرہ ہو یا ثیبہ، مطلقہ ہو یا بیوہ بہر صورت اس کے نکاح کی درستگی کے لیے اس کے ولی کی موجودگی یا رضا مندی ضروری ہے۔ جیسا کہ درج ذیل دلائل سے ثابت ہے:

عورت کے نکاح کے لیے اس کے ولی کی رضامندی ضروری ہے!

قرآنی دلائل

① ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ (البقرۃ۔۲۲۱)

”اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ایک مومن لونڈی آزاد مشرکہ (عورت) سے بہتر ہے اگر چہ وہ (آزاد مشرکہ عورت) تمہیں بھلی لگے۔اور مشرک مردوں سے (اپنی عورتوں کا) نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ایک مومن غلام، آزاد مشرک آدمی سے بہتر ہے خواہ تمہیں وہ (آزاد مشرک آدمی کتنا ہی) اچھا لگے۔یہ مشرک لوگ تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں جب کہ اللہ تعالی اپنے اذن سے تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنے احکام اسی انداز سے کھول کھول کر لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت قبول کریں۔“

اس آیت میں مسلمانوں کو مشرک مردوں اور مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ مسلمان مردوں کے لیے تو اللہ تعالی نے یہ انداز اختیار فرمایا ہے کہ تم بذات خود مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ مسلمان ہو جائیں۔مگر مسلمان عورتوں کے لیے مشرک مردوں سے نکاح نہ کرنے کے حوالہ سے اللہ

تعالی نے یہ انداز اختیار نہیں کیا کہ "عورتو! تم بھی مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو۔" بلکہ اللہ تعالی نے عورتوں کے اولیاء کو خطاب فرمایا اور حکم دیا کہ تم مسلمان عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کرو تاوقتیکہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

قرآن مجید کے اس انداز بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمان عورت اپنے نکاح کا معاملہ از خود طے نہیں کر سکتی بلکہ اس کے نکاح کا معاملہ اس کے ولی کی وساطت ورضامندی ہی سے طے پائے گا۔ جیسا کہ امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

"في هذه الآية دليل بالنص على ان لا نكاح الا بولي "(۱)

"یہ آیت بطور نص اس بات کی دلیل ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر (عورت کا) نکاح صحیح نہیں۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس آیت کی روشنی میں رقمطراز ہیں کہ

" فخاطب الرجال با نكاح الايامى "(۲)

"بے نکاحوں کے نکاح کے لئے اللہ تعالی نے آدمیوں کو مخاطب کیا ہے"۔

ابو بکر بن العربی اپنی کتاب امام محمد بن علی حسین (ابو جعفر) کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالی کی کتاب میں نکاح ولی کی اجازت کے ساتھ (مشروط) ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ

" وهي مسئلة بديعة ودلالة صحيحة "

"یعنی ولایت نکاح کا مسئلہ انوکھی اہمیت کا حامل ہے اور اس آیت سے ولی کی اجازت کے ضروری ہونے کا استدلال کرنا صحیح ہے"۔(۳)

---

(۱) [تفسیر قرطبی (۴۹/۳)]

(۲) [مجموع الفتاوی (۱۳۳/۳۲)]

(۳) [احکام القرآن (۱۵۸/۱)]

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

''نیز جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں اپنے پہلے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ معروف طریقے سے آپس میں نکاح کرنے پر راضی ہوں۔ جو کوئی تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے اسی بات کی نصیحت کی جاتی ہے، یہی تمہارے لیے شائستہ اور پاکیزہ ہے (اور اپنے احکام کی حکمت) اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔'' (البقرۃ۔۲۳۲)

اس آیت کے شان نزول کے حوالہ سے صحیح بخاری میں حضرت معقل بن یسارؓ سے مروی ہے کہ

''یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ میں نے اپنی بہن کا نکاح ایک آدمی سے کیا اور کچھ عرصہ کے بعد اس نے میری بہن کو طلاق دے دی۔ حتی کہ جب عدت گذر گئی تو اس نے دوبارہ نکاح کا پیغام بھیجا جس پر میں نے اس سے کہا کہ میں نے اس کا تیرے ساتھ نکاح کیا، اس کو تیرا بستر بنایا اور تیری عزت و تکریم کی مگر تو نے اسے طلاق دے دی اور اب پھر تو نکاح کے ارادے سے آگیا ہے۔ اللہ کی قسم! اب وہ تیری طرف کبھی نہ لوٹے گی۔ حضرت معقل بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ وہ آدمی برا نہیں تھا اور میری بہن اس کے ساتھ رجوع بھی کرنا چاہتی تھی۔ (مگر میرے ولی ہونے کے ناطے اس سے انکار کرنے کی وجہ سے) پھر یہ آیت (مذکورہ بالا) نازل ہوئی اور میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اب میں ان کا آپس میں نکاح کر دوں گا۔ چنانچہ میں نے اس آدمی کے ساتھ اپنی بہن کا دوبارہ نکاح کر دیا''۔ (۱)

(۱) [بخاری: کتاب النکاح: باب من قال لانکاح الا بولی (۵۱۳۰) ترمذی: ابوداؤد: کتاب النکاح (۲۰۸۷) حاکم (۲/۱۷۴) دارقطنی (۳/۲۲۳) طبری (۲/۴۴۸)]

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بقول یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں (رجعی) دیتا ہے اور عورت کی عدت گزر جانے پر اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ شادی کے ذریعے رجوع کر لے اور خود مطلقہ عورت بھی رجوع کے لیے تیار ہوتی مگر اس کے اولیا رکاوٹ ڈالتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اولیا کو رکاوٹ ڈالنے سے منع کیا ہے۔۔۔اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ ولی کی اجازت بہر صورت ضروری ہے۔''(۱)

اس آیت کی روشنی میں اکثر و بیشتر مفسرین و محدثین اور فقہاو علما مثلاً مفسر ابن جریر طبری، مفسر قرطبی، مفسر ابن کثیر، امام شافعی، امام بغوی، امام ابن العربی، حافظ ابن حجر، امام شوکانی، امام صنعانی وغیرہ نے یہی موقف اختیار کیا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا۔(۲)

3 ﴿ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ ﴾ (النور۔۳۲)

''اور تمہارے اندر جو بے شوہر ہیں ان کے نکاح کر دو۔''

اس آیت میں بھی عورت کے اولیاء کو خطاب ہے کہ وہ باکرہ، مطلقہ یا بیوہ عورتوں کے نکاح کا بندوبست کریں جیسا کہ امام بغویؒ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

''اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ بے شوہر عورتوں کی شادی کا بندوبست کرنا اولیا کی ذمہ داری ہے کیونکہ نکاح کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے عورتوں (کی بجائے) ان کے اولیا ہی کو مخاطب فرمایا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے غلام اور لونڈی کی شادی کی ذمے داری ان کے آقاؤں پر ہے ۔۔۔اور یہی اکثر اہل علم صحابہ کرام اور ان کے مابعد کے لوگوں کا قول ہے۔''(۳)

(۱) [تفسیر ابن کثیر (۴۲۲/۱)]

(۲) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر طبری (۴۸۸/۶) تفسیر قرطبی (۷۳/۳) معالم التنزیل (۲۱۱/۱) احکام القرآن لابن العربی (۲۰۱/۱) فتح الباری (۸۹/۹تا۹۱) نیل الاوطار (۱۳۶/۶) عون المعبود (۹۸/۶تا۱۰۱) سبل السلام (۱۱۸/۳)]

(۳) [تفسیر بغوی (۷۳/۳)]

واضح رہے کہ مندرجہ آیت کی تقریباً یہی تفسیر (کہ عورت کے نکاح کی ذمہ داری اس کے ولی پر ہے) دیگر مفسرین مثلاً امام قرطبی، قاضی ابن العربی، امام شوکانی وغیرہ سے بھی منقول ہے۔(۱)

احادیث کے دلائل

درج ذیل احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ولی کی اجازت ورضامندی کے بغیر عورت کا نکاح جائز نہیں:

❶ حضرت عائشہؓ دور جاہلیت کے مختلف طریقہ ہائے نکاح کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ

" فنكاح منها نكاح الناس اليوم يخطب الرجل الى الرجل وليته او ابنته فيصدقها ثم ينكحها .... فلما بعث محمدؐ بالحق هدم نكاح الجاهلية كله الا نكاح الناس اليوم "

''ان میں سے ایک نکاح یہ تھا جو آج لوگوں (عہد صحابہ) میں رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے پاس اس کے زیر ولایت لڑکی یا اس کی بیٹی سے شادی کے لیے نکاح کا پیغام بھیجتا اور اسے حق مہر دیکر اس سے نکاح کر لیتا۔۔نیز فرماتی ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ دین حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو جاہلیت کے تمام نکاح آپؐ نے باطل قرار دے دیئے، سوائے اس نکاح کے جو آج کل (عہد نبوت میں) رائج ہے۔''(۲)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دور میں نکاح کی جس صورت کو برقرار رکھا، وہ یہی تھی جس میں ولی کی اجازت کے ساتھ باقاعدہ طور پر نکاح کیا جاتا ہے جبکہ اس کے علاوہ دیگر تمام صورتوں کو آنحضرت ﷺ نے منہدم قرار دے دیا، قطع نظر اس سے کہ ان میں ولی کی اجازت شامل ہے یا نہیں۔

(۱) [دیکھئے تفسیر قرطبی (۲۳۹/۱۲) احکام القرآن (۱۳٦٤/۳) فتح القدیر (٤١/٤)]

(۲) [بخاری: کتاب النکاح: باب من قال لانكاح الا بولی ....(٥١٢٧)]

❷ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" لا نکاح الا بولی "

"ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں۔"(۱)

واضح رہے کہ مذکورہ روایت کو امام ترمذی، امام ابن حبان، امام حاکم اور دیگر متقدم محدثین کے علاوہ شیخ ناصر الدین البانیؒ نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔(۲)

علاوہ ازیں امام حاکم اپنی مستدرک میں رقمطراز ہیں کہ

"اس مسئلہ میں حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ حضرت، ابوذر غفاریؓ، حضرت مقداد بن اسودؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوھریرہ،ؓ حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت مسور بن مخرمہؓ، حضرت انس بن مالکؓ سے احادیث مروی ہیں اور اکثر صحیح ہیں۔اسی طرح اس مسئلہ میں ازواج مطہرات یعنی حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحش سے بھی صحیح روایات مروی ہیں۔"(۳)

❸ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل فنکاحهاباطل فان دخل بها

(۱) [ابوداؤد: کتاب النکاح :باب فی الولی (۲۰۸۵)ترمذی: کتاب النکاح (۱۱۰۱)ابن ماجه (۱۸۸۱)دارمی (۱۳۷/۲)احمد(۴۱۳،۳۹۴/۴)حاکم (۱۷۹/۲)بیهقی (۱۰۷/۷)دار قطنی (۲۱۸/۳)ابو یعلی (۱۹۵/۱۳)ابن حبان ـ الموارد(۱۲۴۳)المحلی لابن حزم (۴۵۲/۹) شرح السنة(۳۲/۵)مسند طیالسی (۳۰۵/۱)تاریخ بغداد(۲۱۴/۲)(۴۱/۶)(۲۶/۱۳)طحاوی (۹،۸/۴)المنتقی لابن الجارود(۷۰۱تا۷۰۴)]

(۲) [دیکھیے ارواء الغلیل (۲۳۵/۶تا۲۴۳)]

(۳) [دیکھیے :مستدرك حاکم (ص ۱۷۲ ج۲)]

فلها المهر بما استحل من فرجها وان اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي "[1]

''جس کسی عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے۔ اگر مرد نے اس عورت سے صحبت کر لی تو اس صحبت کی وجہ سے اس عورت کو حق مہر دیا جائے گا۔ اگر وہ (اولیا) آپس میں اختلاف اور جھگڑا کریں تو حاکم وقت ہر اس عورت کا ولی ہوگا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔''

فقہا کے فتوے

امام مالکؒ

بدایۃ المجتہد میں ابن رشد رقمطراز ہیں کہ

" فذهب مالك الى انه لايكون نكاح الا بولي وانها شرط في الصحة"[2]

''امام مالک کا موقف یہ ہے کہ ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں اور ولی کی اجازت ورضامندی صحت نکاح کے لیے شرط ہے۔''

امام شافعیؒ

امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ

" ان العقد بغير ولي باطل "[3]

''ولی کے بغیر عقد نکاح باطل ہے۔''

(۱) [ابو داؤد: کتاب النکاح: باب فی الولی (۲۰۸۳) ترمذی (۱۱۰۲) ابن ماجه (۱۸۷۹) احمد (۴۷/۶، ۱۶۵) دارمی (۱۳۷/۲) مسند حمیدی (۱۱۲/۱) طیالسی (۱۴۶۳) شافعی (۱۱/۲) ابو یعلی (۱۴۷/۸) دارقطنی (۲۲۱/۳) حاکم (۱۶۸/۲) بیهقی (۱۰۵/۷) ابن حبان (۱۲۴۷) شرح السنة (۳۳/۵) طحاوی (۷/۳) ابو نعیم (۸۸/۶) ابن الجارود (۷۰۰)]

(۲) [بدایة المجتهد (ص ۷ ج ۲)] (۳) [کتاب الام (۱۳/۵) المغنی (۳۴۵/۹)]

امام احمد بن حنبلؒ

امام ابن قدامہ حنبلیؒ اپنے فقہی مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ان النکاح لا یصح الا بولی ولا تملک المرأة تزویج نفسها ولا غیرها ولا توکیل غیر ولیها فی تزویجها فان فعلت لم یصح النکاح"[1]

"بلاشبہ ولی کے بغیر عورت کا نکاح صحیح نہیں اور عورت اپنے اور اپنے علاوہ کسی دوسرے کے نکاح کی مجاز نہیں اور نہ ہی اپنا نکاح کرانے کے لیے اپنے ولی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو ولی بنانے کی مجاز ہے۔ اگر بالفرض اس نے ایسا کر بھی لیا تو اس کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔"

امام حسن بصریؒ

اماحسن بصری فرماتے ہیں کہ

"لانکاح الا بولی وقال (الذی بیده عقدة النکاح) هو الولی فان زوجت المرأة نفسها بغیر ولی ...ویفرق بینهما قبل الدخول وبعده"[2]

"ولی کے بغیر نکاح درست نہیں اور اس آیت (الذی بیده عقدة النکاح) سے مراد ولی ہے۔ اگر عورت نے ولی کے بغیر اپنا نکاح خود کر لیا یا نکاح کرنے میں اپنے ولی کے علاوہ کسی اور کو اپنا ولی بنایا تو یہ نکاح باطل ہوگا اور ان دونوں کے درمیان جدائی کروائی جائے گی خواہ صحبت ہو چکی ہو یا نہیں۔"

امام ابراہیم نخعیؒ

امام ابوحنیفہؒ کے معروف استاد اور فقہ حنفی کے مؤسس امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ

"لیس العقد بید النساء انما العقد بید الرجال"

---

(۱) [المغنی ایضا]

(۲) [موسوعة فقه حسن بصری ص(۸۹۷)]

''عقد قائم کرنا عورتوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ مردوں (یعنی عورتوں کے اولیا) کے ہاتھ میں ہے۔''(۱)

خلاصۂ بحث اور فقہ حنفی

قرآن وحدیث کے واضح دلائل اور جمہور فقہا ومحدثین کے فتاوی کی روشنی میں عورت کے نکاح کے حوالہ سے یہی بات ثابت اور اقرب الی الحق معلوم ہوتی ہے کہ عورت خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اس کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر درست نہیں اور اگر کوئی نکاح ولی کی اجازت کے بغیر عمل میں آجائے تو اسے فی الفور باطل قرار دیا جائے گا۔البتہ فقہ حنفی کی رو سے حنفی فقہا، ولی کی اجازت کے بغیر کئے گئے نکاح کی ایک صورت جائز قرار دیتے ہیں اور وہ یہ کہ۔۔۔کوئی بالغ عورت ایسے لڑکے سے نکاح کرلے جو اس کا کفو (یعنی خاندانی اعتبار سے ہم رتبہ) ہو اور مہر بھی خاندان کی دوسری عورتوں کے مساوی ہو تو پھر یہ نکاح باطل قرار نہیں دیا جائے گا۔۔۔مگر قرآن وحدیث کے واضح دلائل کی رو سے یہ مسلک محل نظر ہے (یہی وجہ ہے کہ دور حاضر میں کئی حنفی علما بھی اس میں اختلاف یا کم از کم اس کی ایسی توجیہات کرتے ہیں کہ جن سے ہمارے بیان کردہ راجح موقف ہی کی تائید ہوتی ہے) تاہم اس کے علاوہ دیگر صورتوں یعنی ولی کی عدم رضامندی وغیرہ کے باوجود کیا جانے والا نکاح فقہ حنفی کی رو سے بھی درست نہیں، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ

''اگر عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر، غیر کفو میں نکاح کرلیا تو امام ابوحنیفہؒ کے بقول وہ نکاح باطل ہے۔''(۲)

---

(۱) [موسوعۃ فقہ ابراھیم نخعی (۶۷۷/۱) نیز دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ (۲۰۸/۱)۔۔۔سعید بن مسیب، عمر بن عبدالعزیز اور قاضی شریح کا بھی یہی فتوی ہے دیکھیے: ترمذی کتاب النکاح :باب ماجاء لانکاح الا بولی...]

(۲) [دیکھیے فیض الباری از علامہ انور شاہ کاشمیریؒ (۲۷۳/٤)]

دارالافتاء

از مولانا زاہد الراشدی

ابن مولانا سرفراز صفدر

مسئلہ ولایت اور دور حاضر کے علما کا معتدل موقف

کوئی عاقلہ بالغہ مسلمان لڑکی اہل خاندان یا ولی کی رضامندی کے بغیر اپنا نکاح از خود نہیں کرسکتی!

کیا کوئی عاقلہ بالغہ مسلمان لڑکی اہل خاندان یا ولی کی رضامندی کے بغیر اپنا نکاح از خود کرسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے "**فیض الباری علی صحیح البخاری**" میں فقہی مذاہب کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ کنواری لڑکی ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتی بلکہ ولی کی اجازت اور رضا کی صورت میں بھی ایجاب وقبول کا اختیار لڑکی کو حاصل نہیں ہے بلکہ اس کی طرف سے یہ ذمہ داری ولی سرانجام دے گا۔

- احناف میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا فتوی بھی یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی ولی کی رضا کے بغیر نکاح نہیں کرسکتی البتہ ولی کی رضا اور اجازت کی صورت میں ایجاب وقبول وہ خود کرسکتی ہے۔

- امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ عاقلہ و بالغہ لڑکی اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر بھی کرسکتی ہے البتہ اس طرح اپنا نکاح کرنے کی صورت میں "کفو" کے تقاضوں کا لحاظ رکھنا ہوگا اور اگر اس نے ولی کی اجازت کے بغیر "غیر کفو" میں نکاح کرلیا تو ولی کو نہ صرف اعتراض کا حق ہے بلکہ وہ تنسیخ نکاح کے لئے عدالت سے رجوع کرسکتا ہے۔

❑ فقہ جعفریہ کے مطابق باکرہ کے لئے باپ یا دادا کی اجازت ہونا احتیاطاً واجب ہے (جامعۃ المنتظر لاہور)

❑ ''کفو'' کا مفہوم فقہائے کرام کے ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ کسی لڑکی کا نکاح ایسی جگہ نہ ہو جہاں لڑکی کا ولی اور اہل خاندان اپنے لئے عار محسوس کریں۔ ''کفو'' کے اسباب فقہائے کرام نے اپنے اپنے عرف اور ذوق کے مطابق مختلف بیان کئے ہیں جن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑکی اور اس کا خاندان جس سوسائٹی میں رہتے ہیں وہاں کے عرف اور معاشرتی روایات کے مطابق جو بات بھی ان کے لئے باعث عار سمجھی جاتی ہو وہ ''کفو'' کے اسباب میں شامل ہوگی کیونکہ ''کفو'' کی علت سب فقہا نے ''دفع ضرر عار'' بیان کی ہے اور 'عار' کے اسباب ہر معاشرہ اور عرف میں مختلف ہوتے ہیں۔

❑ اس تفصیل کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا موقف سب سے زیادہ قرین انصاف اور متوازن معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رائے کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اسی بنیاد پر علامہ سید انور کشمیریؒ نے امام صاحبؒ کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ نکاح میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رضا کا اکٹھا ہونا ضروری ہے اور یہ بات انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہے اس لئے کہ نکاح صرف دو افراد کے باہمی تعلق کا نام نہیں بلکہ دو خاندانوں کے باہمی تعلقات، معاشرہ میں ان کی عزت و وقار، اولاد کی کفالت و تربیت اور ایک نئے تشکیل پانے والے خاندان کے مستقبل کے معاملات اس نکاح سے وابستہ ہیں اور اصول یہ ہے کہ کسی فیصلہ سے جتنے لوگ بھی متاثر ہوتے ہوں فیصلہ کرتے وقت ان سب کے مفادات کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

❑ ویسٹرن سولائزیشن نے اسی مقام پر دھوکہ کھایا ہے کہ مغربی دانشوروں نے فرد کی آزادی اور عورت کے حقوق کے پرفریب عنوان کے ساتھ نکاح کو دو افراد کا معاملہ قرار دے کر اس کے باقی لوازمات و نتائج کو نظر انداز کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ

خاندانی زندگی کے نظام اور رشتوں کے تقدس سے محروم ہو چکا ہے اور مغرب کا فیملی سسٹم انارکی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے جس کا ذکر چوٹی کے مغربی دانشوروں کی زبانوں پر بھی انتہائی حسرت کے انداز میں ہونے لگا ہے۔ اس سلسلہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن کے دورہ پاکستان کے موقع پر شائع ہونے والی اس خبر کا حوالہ دینا ضروری خیال کرتے ہیں:

''امریکی خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن اسلام آباد کالج فار گرلز کی اساتذہ اور طالبات کے ساتھ گھل مل گئیں اور ان سے ایک گھنٹے سے زیادہ بے تکلفانہ گفتگو کی، ہیلری کلنٹن نے طالبات سے ان کے مسائل دریافت کئے طالبات نے دوستانہ انداز میں کلنٹن کی اہلیہ کو سب مسائل بتائے فورتھ ایئر کی طالبہ نائیلہ خالد نے امریکی خاتون اول سے پوچھا کہ امریکی طالبات کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ اس پر امریکہ کی خاتون اول نے کھل کر گفتگو شروع کی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی طالبات کا مسئلہ تعلیم کی مناسب سہولیات کا فقدان ہے، تعلیمی اداروں میں فنڈز کی کمی کا مسئلہ ہے مگر امریکہ میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں بغیر شادی کئے طالبات اور لڑکیاں حاملہ بن جاتی ہیں اس طرح بے چاری لڑکی ساری عمر بچے کو پالنے کی ذمہ داری نبھاتی ہے۔ ایک دوسری طالبہ وجیہہ جاوید نے کہا کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟ اس پر ہیلری کلنٹن نے کہا کہ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو خواہ وہ عیسائی ہوں یا مسلمان اپنے مذاہب اور معاشراتی اقدار سے بغاوت نہیں کرنی چاہئے، مذہبی و سماجی روایات اور اصولوں کے مطابق شادی کے بندھن میں بندھنا چاہئے، اپنی اور اپنے والدین کی عزت و آبرو اور سکون کو غارت نہیں کرنا چاہئے۔ مسز ہیلری کلنٹن نے کہا کہ وہ اسلام اور عیسائیت کے خلاف نہیں ہیں، انہوں نے کہا کہ پاکستان میں مذہبی روایات کا احترام کرتے ہوئے شادی ہوتی ہے اس لئے یہاں لڑکیوں کے مسائل کم ہیں (روزنامہ 'جنگ'، لاہور ۲۸ مارچ ۱۹۹۵ء)''

❑ اس پس منظر میں ہماری استدعا یہ ہے کہ مسلمانوں کے خاندانی معاملات کے

بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت اسلامی احکام وقوانین، معاشرتی روایات اور عدالتی نظائر کے ساتھ ساتھ مغربی معاشرہ میں ''فیملی سسٹم'' کی تباہی کے اسباب کو بھی سامنے رکھا جائے کیونکہ یہ کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہوگی کہ مغرب جس دلدل میں سے واپسی کے راستے تلاش کر رہا ہے ہم آزادی اور حقوق کے نام نہاد مغربی فلسفہ کی پیروی کے شوق میں قوم کو اسی دلدل کی طرف دھکیلنا شروع کر دیں۔ امید ہے کہ آپ ان معروضات پر ضرور توجہ فرمائیں گے۔ (یکم مئی ۱۹۹۶ء)

دستخط تائید کنندگان

مولانا عبدالرحمٰن اشرفی نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور،

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی مہتمم جامعہ نعیمیہ لاہور،

مولانا شاہد حسین نقوی، مفتی جامعہ منتظر لاہور (شعیہ جعفریہ)

مولانا شیر محمد علوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور (دیوبند)

مفتی غلام سرور قادری مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان،

خواجہ حفیظ اللہ ایڈووکیٹ سیکریٹری اسلامک ہیومن رائٹس فورم،

مولانا وکیل احمد شیروانی ناظم مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان،

حافظ محمد عثمان (اہلحدیث) نائب شیخ الحدیث مدرسہ غزنویہ لاہور،

شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک صدر اتحاد العلماء جماعت اسلامی پاکستان،

مولانا عبدالرؤف فاروقی خطیب مسجد خضراء سمن آباد لاہور،

حافظ عبدالسلام فتح پوری نائب شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ لاہور،

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، جنرل سیکریٹری عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت،[۱]

(۱) [ماہنامہ 'محدث' لاہور (جلد ۲۷ شمارہ ۸،۹/ص ۲۹ تا ۳۱)]

لڑکی کے لیے ولی کی شرط کیوں؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شادی بیاہ کے معاملے میں لڑکے کی بجائے صرف لڑکی کے لیے ولی کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی ہے؟...اس کا اصل جواب تو یہی ہے کہ یہ ایک خدائی فیصلہ ہے جس کی تعمیل ہمارے لیے از بس ضروری ہے اور اللہ کی شریعت پر عملدرآمد کرنے میں نہ صرف یہ کہ اخروی نجات مضمر ہے بلکہ دنیاوی کامیابی کا دارومدار بھی اسی میں ہے۔تاہم اگر اس شرعی حکم کی حکمت و مصلحت پر غور کیا جائے تو اس کی درج ذیل وجوہات سمجھ میں آتی ہیں:

1. اسلام نے مرد و زن کے منفی جذبات و احساسات کی بنا پر انہیں جن دو الگ اور مختلف دائروں میں تقسیم کیا ہے اس کے مطابق عورت کا بنیادی کام گھریلو ذمہ داریوں کا قیام ہے جب کہ مرد کے ذمہ گھر سے باہر کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ہے، خواہ یہ وسائل رزق سے متعلقہ ہوں یا دیگر معاشرتی معاملات سے۔اسلام کی تجویز کردہ اس تقسیم کی وجہ سے عورتوں کے لیے ممکن ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے شریک حیات کو معروف و باعزت طریقے سے تلاش کرنے اور فیصلۂ انتخاب سے پہلے ہر طرح کی چھان پھٹک کرنے میں کامیاب و مطمئن ہو سکیں۔جبکہ مردوں کے لیے اس مسئلہ میں کوئی بڑی مشکل آڑے نہیں ہوتی۔اس لیے اسلام عورتوں کی خیر خواہی کرتے ہوئے ان کے نکاح کی ذمہ داری ان کے اولیا پر ڈالتا ہے تا کہ معاشرے کے سرد و گرم سے بچشیدہ اور آزمودہ و تجربہ کار اولیا اپنے زیر ولایت لڑکیوں کے لیے مناسب رشتہ تلاش کر سکیں۔
2. مردوں کے لیے بذات خود اپنے رشتہ ازدواج کی بات چیت کرنا کوئی مشکل امر نہیں جبکہ عورتوں کے لیے فطری شرم و حیا کے سبب یہ انتہائی مشکل امر ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی سے نکاح کے لیے پیش کریں۔اگر بالفرض کوئی عورت اتنی جرأت کر بھی لے اور

دوسری طرف سے مرد اس کی پیش کش کو ٹھکرا دے تو ردعمل کے طور پر اس عورت کی کیا کیفیت ہوگی، اہل خرد ودانش اسے بخوبی جانتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے عورت کے نکاح کو ولی کی اجازت ورضامندی کے ساتھ مشروط ٹھہرا دیا ہے۔ اور یقیناً یہ عورت پر اسلام کا احسان ہے۔

3. علاوہ ازیں مرد کے مقابلہ میں عورت، قوت فیصلہ، قوت برداشت، توازن واعتدال اور ایسی ہی بے شمار صفات میں فطری وجبلی طور پر ناقص ہوتی ہے۔ اس لیے شادی بیاہ جیسے اہم ترین اور زندگی کے فیصلہ کن موڑ کی حیثیت رکھنے والے معاملے کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے لڑکی کی رضامندی کے ساتھ اس کے اولیا کی رضامندی کو بھی ضروری قرار دیا گیا۔

ولی کی اجازت کے ساتھ لڑکی کی رضامندی بھی ضروری ہے!

عورت کے لیے ولی کی شرط کا یہ معنی بھی نہیں کہ ولی جیسے اور جہاں چاہے اپنی زیر ولایت لڑکی (یا بیٹی) کا نکاح کر ڈالے، خواہ لڑکی اس نکاح پر کسی وجہ سے راضی ہی نہ ہو یا ولی کسی لالچ یا خوف کے پیش نظر لڑکی کا مستقبل تباہ کرنے پر تلا ہو...! بلکہ اسلام نے بالغ لڑکی کی رضامندی بھی صحت نکاح کے لیے ویسے ہی شرط قرار دی ہے جیسے کہ خود ولی کی اجازت۔ اس لیے لڑکی خواہ باکرہ ہو یا شوہر دیدہ، شادی کے لیے مطلوبہ شوہر کے حوالہ سے اس کی اجازت لینا بھی ضروری ہے بصورت دیگر لڑکی ایسا نکاح فسخ کرانے کے لیے عدالت سے رجوع کرنے کی مجاز ہے۔ حتی کہ بچپن میں کیے گئے نکاح کو اگر لڑکی بالغہ ہونے کے بعد پسند نہ کرے تو اسے بھی وہ فسخ کروا سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل روایات قابل مطالعہ ہیں:

❶ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"تستامر اليتيمة في نفسها فان سكتت فهو اذنها وان ابت فلا جواز عليها" (۱)

"کنواری عورت سے اس کے نکاح کے لیے پوچھا جائے اگر وہ (جواب میں) خاموش رہے تو یہی (خاموشی) اسکی اجازت ہے۔ اگر وہ انکار کر دے تو اس پر زبردستی نہ کی جائے۔"

❷ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"لاتنكح الايم حتى تستامر ولاتنكح البكر حتى تستاذن قالوا يا رسول الله وكيف اذنها ؟قال ان تسكت" (۲)

"بیوہ کے نکاح سے پہلے اس سے مشورہ کیا جائے اور باکرہ کے نکاح سے پہلے اس سے اجازت لی جائے۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! باکرہ کی اجازت کس طرح ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کہ اس کی خاموشی ہی اس کی طرف سے اجازت ہے۔"

❸ حضرت خنساء بنت خذامؓ فرماتی ہیں کہ میں بیوہ تھی اور میرے والد نے میرا نکاح کر دیا مگر مجھے وہ نکاح پسند نہ تھا۔ چنانچہ میں نبی اکرمؐ کے پاس آئی اور شکوہ کیا تو آپؐ نے میرا نکاح فسخ کرا دیا۔ (۳)

❹ حضرت قاسم فرماتے ہیں کہ جعفرؓ کی اولاد میں سے ایک عورت کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اس

---

(۱) [ابوداؤد: كتاب النكاح: باب في الاستئمار۔۔۔۔ (۲۰۹۳) ترمذی (۱۱۰۹) احمد (۲۵۹/۲) حاکم (۱٦٦/۲) ابن حبان (٤۰۷۹) بیهقی (۱۲۰/۷) ابن ابی شیبه (۱۳۸/٤) عبدالرزاق (۱۰۲۹۷)]

(۲) [بخاری: كتاب النكاح: باب لاينكح الاب وغيره البكر والثيب الابرضاهما۔۔۔۔ (۵۱۳٦) مسلم (۱٤۱۹) ابوداؤد (۲۰۹٤) ترمذی (۱۱۰۹) ابن ماجه (۱۸۷۱) نسائی (۸۷/٦) بیهقی (۱۲۰/۷)]

(۳) [بخاری: كتاب الاكراه: باب لا يجوز نكاح المكره (٦۹٤۵) ابوداؤد (۲۱۰۱) ابن ماجه (۱۸۷۳) نسائی (۸٦/٦) احمد (۳۲۸/٦)]

کا ولی (جسکی وہ زیر پرورش تھیں) اس کا وہاں نکاح کردے گا جہاں اس (عورت) کو پسند نہیں۔ چنانچہ اس نے قبیلہ انصار کے دو بزرگوں یعنی عبدالرحمٰن اور مجمع بن جاریہ کو اپنے اس خطرے سے آگاہ کیا۔ ان دونوں نے اسے تسلی دی کہ تم ڈرو نہیں کیونکہ خنساء بنت حذام کا نکاح اس کے والد نے وہاں کر دیا تھا جہاں اسے پسند نہ تھا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس نکاح کو فسخ قرار دے دیا تھا۔ (۱)

5 حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان کنواری لڑکی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا ہے مگر مجھے یہ نکاح پسند نہیں۔ تو نبی اکرمؐ نے اسے اختیار دیا (کہ چاہو تو نکاح رد کر دو اور چاہو تو برقرار رکھو) (۲)

6 حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ''ایک نوجوان لڑکی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے میرے ذریعہ اپنی ذلت مٹانے کے لیے یہ کام کیا کہ اپنے بھائی کے بیٹے کے ساتھ میرا نکاح کر دیا ہے۔ لیکن مجھے یہ نکاح پسند نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس لڑکی سے کہا کہ یہاں بیٹھی رہو حتی کہ اللہ کے رسول ﷺ تشریف لے آئیں۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے تو اس نے اپنا ماجرا آنحضرت ﷺ کو سنایا۔ آپؐ نے اس لڑکی کے والد کو بلایا اور اس کے سامنے اس کا معاملہ اس لڑکی کی رضامندی کیساتھ مشروط کر دیا (کہ اگر اسے یہ نکاح پسند ہے تو ٹھیک ورنہ اسے فسخ کیا جائے گا) اس پر وہ لڑکی

---

(۱) [دیکھیے: بخاری (۶۰۶۹)] اس لیے تمہاری رضامندی کے بغیر تمہارا ولی یہ نکاح نہیں کر سکتا۔ اگر اس نے کر بھی دیا تو رخصتی سے پہلے ہی قاضی کے ذریعے اسے فسخ کروایا جا سکتا ہے جس طرح حضرت خنساءؓ نے کروایا تھا۔]

(۲) [ابوداؤد: کتاب النکاح: باب فی البکر یزوجھا ابوھا ولا یستأمرھا ــــ (۲۰۹۶) احمد (۲۷۳/۱) ابن ماجہ (۱۸۷۵) دارقطنی (۲۳۴/۳)]

کہنے لگی کہ: اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے والد کے کیے ہوئے اس نکاح کو برقرار رکھتی ہوں۔ میں نے تو اس لیے آپؐ سے مسئلہ پوچھا تھا کہ مجھے معلوم ہو سکے کہ نکاح کے معاملے میں لڑکی کی رضامندی بھی شامل ہے یا نہیں۔ (اور اسے معلوم ہو گیا کہ واقعی نکاح کے لئے لڑکی کی رضامندی بھی ضروری ہے)''(۱)

❼ ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دیا تو وہ کہنے لگی:

" قد اجزت ماصنع ابی ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس الی الآباء من الامر شیء"(۲)

''میں اپنے والد کے کیے ہوئے اس نکاح کو برقرار رکھتی ہوں، میں تو اس لئے آپؐ کے پاس آئی تھی تا کہ میں دیگر عورتوں کو باخبر کرسکوں کہ نکاح کے معاملہ میں سارا اختیار اولیا ہی کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔''

(۱) [نسائی: کتاب النکاح: باب البکر یزوجها ابوها وهی کارهة (۳۲۷۱) احمد (۱۳۶/۶)]

(۲) [ابن ماجه: النکاح: من زوج ابنته وهی کارهة (۱۸۷٤)]

پسند کی شادی اور کورٹ میرج

پسند کی شادی کی جائز اور مستحب صورت

پسند کی شادی کا ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی مستقل بنیادوں پر معروف طریقے کے ساتھ عقد نکاح باندھیں، یعنی لڑکا اور لڑکی دونوں اس شادی پر رضامند ہوں۔ اور لڑکی کے ولی کی بھی اجازت و رضامندی موجود ہو۔ نیز گواہوں کی موجودگی اور مہر کے تعین کے ساتھ اسلامی طریقے سے نکاح پڑھایا جائے۔ جبکہ بنیادی طور پر لڑکا اور لڑکی شادی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھ چکے ہوں یا گھر والوں کی مدد سے ایک دوسرے کی عادات وصفات وغیرہ سے واقف ہوں اور شادی پر خوب راضی ہوں تو ایسی 'پسند کی شادی' نہ صرف جائز ہے بلکہ اسلام بھی اسے ہی پسند کرتا ہے۔ مثلاً لڑکے کے بارے میں ہے:

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ (النساء۔۳)

''ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند آئیں۔''

اور لڑکی کے بارے میں بھی اس کے اولیا کو اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی شادی سے پہلے اس کی اجازت و رضامندی حاصل کریں حتی کہ اگر لڑکی ایک رشتہ پسند نہ کر رہی ہو تو اسے جبر و کراہ کیساتھ اس کے لیے آمادہ کرنا اسلام کی نگاہ میں قطعاً منع ہے۔ اور اگر بالفرض لڑکی کا نکاح یا رخصتی بھی کر دی جائے تو لڑکی عدالت کے ذریعے ایسا نکاح فسخ کرنے کی مجاز ہے۔ (اس کے حوالہ جات پیچھے گذر چکے ہیں)

اسی طرح اگر کوئی لڑکی اپنے اولیا کے سامنے کسی لڑکے سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کرے تو اولیا کو چاہیے کہ لڑکی کی پسند کا احترام کرتے ہوئے معروف طریقے سے اس کی وہاں ہی شادی کر دیں۔ بشرطیکہ اس لڑکے سے شادی کرنے میں لڑکی کے لیے شرعی و اخلاقی طور پر یا مستقبل کے لحاظ سے کوئی خاص امر مانع اور وجۂ پریشانی نہ ہو۔ لڑکی کی پسند کا احترام

کرنے کے حوالہ سے حضرت معقل بن یسارؓ کا واقعہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بہن کا نکاح ایک آدمی سے کر دیا مگر کچھ عرصہ گذرنے کے بعد اس نے میری بہن کو طلاق دے دی۔ جب میری بہن کی عدت ختم ہوئی تو وہ دوبارہ نکاح کے ارادے سے آیا لیکن میں نے اپنی بہن دوبارہ اس کے نکاح میں دینے سے صریح وحلفیہ طور پر انکار کر دیا۔ حالانکہ میری بہن بھی دوبارہ اسی شخص (پہلے خاوند) سے مراجعت پر رضامند تھی۔ (واضح رہے کہ حضرت معقلؓ اپنی بہن کے ولی تھے اور اپنی بہن کی پسندیدگی و رضامندی کے باوجود اس نکاح کے خلاف تھے) حضرت معقلؓ فرماتے ہیں کہ میرے اس رویہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ (البقرۃ۔۲۳۲)

”نیز جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں اپنے پہلے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ معروف طریقے سے آپس میں نکاح کرنے پر راضی ہوں، جو کوئی تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اسی بات کی نصیحت کی جاتی ہے، یہی تمہارے لیے شائستہ اور پاکیزہ ہے (اور اپنے احکام کی حکمت) اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔“

حضرت معقلؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد میں نے کہا: اللہ کے رسول ا میں ضرور ان کا آپس میں نکاح کر دوں گا۔ چنانچہ میں نے اپنی بہن کا نکاح اس صحابی سے کر دیا (جس سے وہ راضی تھی) اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔[اس واقعہ کی تخریج ولی کی رضامندی کے ضمن میں گذر چکی ہے]

پسند کی شادی کی ناجائز اور قبیح صورت

لو میرج یا پسند کی شادی کی ایک صورت یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی چوری چھپے دوستی لگانے کے بعد شادی پر آمادہ ہو جائیں اور گھر والوں کی پسند ونا پسند، اجازت وعدم اجازت عزت و احترام اور وعظ ونصیحت سب کچھ بالا طائے طاق رکھتے ہوئے عدالت میں پہنچ جائیں اور لڑکی کے ولی کی اجازت وشمولیت یا رضامندی کے بغیر ہی نکاح کر لیا جائے۔ اسلام ایسے نکاح کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اسے' باطل قرار دیتا ہے اس لیے کہ یہ ولی کی اجازت ورضامندی کے بغیر ہوا ہے اور قرآن وحدیث کے واضح دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر ہونیوالا نکاح باطل ہے۔ [حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہو'' نکاح میں ولی کی رضامندی'']

علاوہ ازیں اسلام صرف اس نکاح ہی کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا بلکہ اس کے ساتھ ان تمام راستوں اور چور دروازوں کو بھی ناپسند کرتے ہوئے ختم کرنا چاہتا ہے جن کے ذریعے یہ نوبت آ پہنچی ہے کہ لڑکیاں آشناؤں کے ساتھ گھروں سے بھاگ نکلتی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو 'لو میرج' ایک ہی دن کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ لڑکی اور لڑکے کا آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنا، بات چیت کرنا، ملاقاتیں کرنا، تنہائی اور خلوت میں ایک دوسرے کو ملنا اور ایسے ہی بیسیوں راستوں سے گزر کر 'لو میرج' سے منہ کالا کرنے کا موقع آتا ہے۔ جبکہ اسلام نامحرموں کو دیکھنے سے لیکر خلوت وتنہائی میں ملنے تک، ہر چیز سے سخت منع کرتا ہے۔ اگر فی الواقع شروع ہی سے اسلام کے احکام پر عمل کیا جائے تو پھر نوبت 'ای جا نہ رسید' !!

اس سلسلے میں جہاں لڑکی اور لڑکے کا قصور ہے وہاں ان کے والدین کا قصور کہیں زیادہ ہیں جنھوں نے اولاد کی صحیح اسلامی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ نہ دی اور نہ ہی ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی۔ بلکہ جن گھروں میں ٹی وی، اور ویڈیو فلمیں وغیرہ کو زندگی کا حصہ

سمجھا جاتا ہے اور پھر عملی طور پر بھی بچوں اور بچیوں کو مخلوط اداروں میں تعلیم وتربیت کے لیے بھیجا جاتا ہے وہی لوگ ایسے مسائل سے زیادہ دوچار ہوتے ہیں خواہ وہ 'مذہبی' ہوں یا 'نیم مذہبی' یا غیر مذہبی!!

اس لیے والدین سے لیکر حکومتی ذمہ داروں تک ہر ایک کو چاہیے کہ وہ ملک میں اسلامی معاشرت اور اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاوفروغ کی طرف بھرپور توجہ کریں اور ایسے تمام راستوں کے سد باب کے لیے عملی کوششیں کریں کہ جس سے ہمارا معاشرہ واقعی صاف ستھرا، پاکیزہ اور اسلامی معاشرہ کہلانے حقدار بن سکے۔

ولی سے مفرور لڑکیوں کا انجام

آشناؤں کے ساتھ بھاگنے والی لڑکیوں کا مستقبل کیسے گذرتا ہے اس کے متعلق مولانا نعیم صدیقی کا مندرجہ ذیل طویل اقتباس لائق مطالعہ ہے:

''فاضل عدالت اپنی جگہ اور آزادیٔ نسواں اور ولی سے بغاوت والی لڑکیوں کی حامی خواتین اپنی جگہ یہ اعداد وشمار جمع کرسکتی ہیں کہ گھر سے بھاگنے یا خاندان سے بغاوت کرنے والی لڑکیاں بے والی وارث ہوکر جب کسی نوجوان کے سامنے خودسپردگی کرتی ہیں تو اس طریق منحوس کے ٹھوس نتائج کیا نکلتے ہیں، میں معاشرہ کے حالات پر جتنی نظر رکھ سکا ہوں، میرا اندازہ ہے کہ

❶ بہت سی ''گھر چھوڑ'' لڑکیوں کے عشق کے پھول ہفتے میں مرجھا کر پتیاں چرمر ہونے کے بعد بکھر جاتی ہیں اور لڑکی کے پاس آنسو رہ جاتے ہیں جنہیں پونچھنے کے لیے ماں کا آنچل اور باپ کی پگڑی کا شملہ نہیں ہوتا، بلکہ ان آنسوؤں کو لوگ دیکھ لیں تو گہرے نشتر چبھوتے ہیں، اس لیے یہ آنسو تکیوں میں جذب ہوجاتے ہیں۔

❷ لڑکی کے والدین اور اس کا گھر اتنے ستم رسیدہ ہوجاتے ہیں کہ اس گھر کی دوسری لڑکیوں بلکہ لڑکوں سے بھی کوئی شادی کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔

❸ لڑکیوں کی ایک تعداد معاشقہ کی راہ سے دوڑتی ہوئی جب محبوب تک پہنچتی ہے تو وہ شادی کے معاملے کو کچھ وجوہ واسباب بتا کر ٹالتا ہے، حتی کہ آخر ایک دن کہہ دیتا ہے کہ یہ تمہیں غلط فہمی ہوئی کہ میں تمہیں نکاح کے لیے لایا تھا۔ ابھی مل جل کر دنیا کے رنگ برنگے تماشے دیکھتے ہیں، ذرا سی آزادی رہے گی، پھر نکاح بھی ہوتا رہے گا۔ وہ بیچاری ہمہ تن دوسرے کے ہاتھ بے یار و مددگار ہوکر رہن ہوجاتی ہے، اس لیے دبے لفظوں میں کبھی کوئی بات کہہ بھی لے، تو اصرار نہیں کرسکتی۔ ورنہ معاملہ اور زیادہ خطرناک ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جلد ہی وہ دن آجاتا ہے

کہ اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیٹ میں کچھ ہے، اور اس حالت میں عاشق صاحب اسے رخصت کر دیتے ہیں کہ ''چڑھ جا بیٹا سولی، رام بھلی کرے گا'' پھر وہ سولی چڑھی ہوئی لڑکی ہزار منتیں کر کے اس کے گھر میں تکلیف کا زمانہ گزارنے کی اجازت مانگتی ہے۔ آخر وقت آنے پر وہ اسے ہسپتال داخل کرا کے غائب ہو جاتا ہے اور وہ تنہا بار گناہ کو اٹھائے ہوئے سوچتی ہے کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ پھر اس کا راستہ یا تو عورتوں کے تاجروں کی طرف جاتا ہے یا خودکشی کی طرف۔

④ کچھ ''گھر چھوڑ'' لڑکیاں آزادی کے مزے لیتے ہوئے جب عالیجاہ کے پاس پہنچتی ہیں تو شروع میں وہ ہوٹلوں، کیفے ٹیریا اور پارکوں میں اسے گھما کر خوب مدہوش کر دیتا ہے تب اس پر کسی سہیلی یا کالج کی سابق دوست کے ذریعے واضح ہوتا ہے کہ اس شخص کے تو کئی سیکنڈل چلتے رہتے ہیں۔ یہ تم کہاں آ پھنسی۔۔۔ یا اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحب کی پہلے سے برادری کی ایک مالدار مگر ذرا سادہ سی شکل وصورت کی بیوی جس کے چار بچے ہیں، وہ کہیں بھیجے ہوئے تھے جواب واپس آئے تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں بلکہ اب تو دل بھی پھٹ گیا کہ اس طوفان خیز مزاج کی مہارانی جس کے پیچھے ماں باپ، چار بھائی اور خاندان ہے اور جو برسوں سے راج کر رہی ہے، اس کی نوکرانی بن کے رہنا پڑے گا، محض ''صاحب'' کی اس ضرورت کے لیے کہ ذرا نئی عمر کی خوبصورتی کو وہ جوانی کو طول دینے کے لیے استعمال کر سکے۔ ع ''کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری !!''

⑤ پھر وہ بدنصیب بھی ہوتی ہیں کہ اچھی رہائش، ساز و سامان، زیور، ساڑھیاں، غرارے، خوشبوئیں اور تحائف وغیرہ اسے چاروں طرف سے گھیر کر زمین سے اٹھا کر آسمانوں پر لے اڑتے ہیں۔ سوچتی ہے کہ اس شاندار زندگی کے مقابلے میں والدین اور خاندان کی کیا اہمیت سینما ہے، ٹیلی وژن ہے، کیمرے، کھلنے کو کیرم بورڈ اور بیڈمنٹن کے سامان ہیں، کھانے کو تنوری مرغ، تکے اور کباب، قسم قسم کی پڈنگز ہوٹلوں سے آ رہی ہیں۔ لڑکی تو خوشی کے سمندر میں خوب

ڈبکیاں لیتی ہے۔لیکن ایک دن ایسا ہوتا ہے کہ وہ "شہزادہ عشق" اسے ہنس کر ڈیوٹی سونپتا ہے کہ میرا ایک بہت ہی عزیز دوست جو بڑا خوبصورت بھی ہے امریکہ سے آرہا ہے اس کے لیے چند اور دوستوں کی بھی ضیافت ہوگی۔اس کا سارا انتظام تمہیں کرنا ہے۔نوکر موجود ہے،وہ اس کام کو جانتا ہے،بہت اچھی طرح کرے گا۔ہاں خیال رکھنا میرا وہ دوست مچھلی کا بڑا شائق ہے،وہ ضرور منگوا کر ماما سے تیار کروالینا،مگر خیال رہے کہ عین دعوت کے وقت مجھے آج افسر نے دفتر میں بلایا ہے،تم انتظامات درست کردینا اور کام چلالینا،میں فارغ ہوتے ہی پہنچ جاؤں گا۔ہاں خیال رہے کہ اپنی کرسی مہمان کے ساتھ بچھانا،ہاؤس وائف،اوہ سوری!بیگم کا یہی مقام ہوتا ہے۔

ضیافت ہوئی،وہ امریکی مہمان کو دیکھ کر اپنے شہزادے کو تو بھول ہی گئی جیسے وہ چپڑاسی بننے کے قابل ہو۔اس کی دولت کا حال سنا،انڈسٹری سنی اور مشینری کی تفصیل سنی اور اس کی ڈگریوں سے آگاہ ہوئی،تب معلوم ہوا کہ دنیا تو اس سے بہت بڑی ہے جیسے اس نے سمجھا تھا۔اس کا جی چاہا کہ اس امریکی نوجوان سے رشتہ جوڑتی اور مہمان ہنس ہنس کر اس کے زیورات اور لباس اور اس کے بالوں کی تعریف کے ساتھ منہ لگا کر کرتا۔آخر اس نے یہ کہا کہ اگر تم مہربانی کرو تو دو اک روز کے لیے میرا غریب خانہ بھی دیکھ لو،تمہارے شہزادے سے میں پوچھ لوں گا۔

آخر وہ صاحب دفتر سے آگئے اور اپنے دوست سے ملنے اور خوشی کے کلمے کہتے ہوئے دعوت میں شریک ہوگئے،جواباً امریکی مہمان نے دوست سے کہا کہ یہ سنہری پری تم کہاں سے لائے،آنکھ اٹھا کے دیکھنا مشکل ہے،بات کرتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اندر سے بالکل فرشتہ ہے۔میری عاجزانہ درخواست ہے کہ بھاوج کو ایک دو روز کے لیے چھٹی دو تو میں بھی ان کی خدمت کر کے ثواب کماؤں۔چاہو تو تم خود بھی ساتھ چلو،یا ماما کو بھیج دو تا کہ ان کا دل لگا رہے،شہزادے نے ادھر ادھر کی گپ شپ کرتے ہوئے کہا کہ بیگم آج ہی تمہارے ساتھ جائیگی،ماما بھی جائیگی،اور جب یہ کہے تو اسے فوراً واپس کر دینا،میرے لیے ایک ایک منٹ گزارنا مشکل ہو جائے گا،ماما اس سارے سازشی کھیل کی بہت ٹرینڈ "کردار" ہے بلکہ ہیروئن!

امریکی نوجوان کے ہاں جا کر وہ حیرت میں پڑ گئی کہ ایک اور ہی ہوش ربا دنیا ہے۔ کھانے میں ہلکی سی آمیزش شراب بھی ہونے لگی۔ اسے بتایا گیا کہ یہ دوائی ہے جو تھکن اور سردرد سے بچاتی ہے۔ ایک دن ذرا مقدار زیادہ تھی، جب جادو چھا گیا تو اس نے کہا کہ وہ ہر چند میرے بھائی جیسا لاجواب دوست ہے، مگر وہ میرے لیے ہر قربانی کر سکتا ہے، میں تمہیں اس سے مانگ لیتا ہوں، طلاق نامہ بھی لے لوں گا، اور پھر چند روز بعد امریکہ چلنا ہوگا، خیر قصہ مختصر اس ڈرامہ کا ڈراپ سین یوں ہوتا ہے کہ سمندر پار کے کسی مکان پر وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ ٹھہرتا ہے۔ صبح سویرے اٹھ کر وہ میزبان کو بھی ساتھ لیتا ہے کہ ٹکٹ وغیرہ بنوانے ہیں اور کچھ چیزیں بیگم کے لیے لینی ہیں کچھ دیر بعد میزبان واپس آ گیا مگر اس نے بتایا کہ جہاز کے کپتان کے ساتھ کچھ جھگڑا ہو گیا ہے، مار کٹائی ہوئی اور اسے گرفتار کر کے B.O.A.C کی سروس لے گئی ہے۔ وہ تیز آدمی چھوٹ چھٹا کر آ جائے گا تم کوئی فکر نہ کرو، یہاں دس پانچ دن انتظار کرو۔

دراصل وہ شخص ''صاحبزادی'' کو بیچ کر منرور ہو گیا۔ دو دن بعد اس پر حقیقت کھلی تو میزبان نے کہا کہ میرے بیوی بچے ہیں، تم کو بطور لونڈی رہنا ہوگا، خریداری کی رسید میرے پاس موجود ہے۔ اب کوئی راہ نجات نہیں پھر چون وچرا پر مار کٹائی ہے۔ آسمان پر اڑتی ہوئی پری تپتے صحرا کی ریت پر آ گری!۔۔۔ تو ایک یہ انجام ہے!!

- بعض اسی طرح چکر کھا کر کسی بدکاری کے خفیہ اڈے میں اسیر ہو جاتی ہیں، بسااوقات تہ خانے میں۔ کچھ سیدھے سبھاؤ کسی بہانے سے بازار معصیت میں پہنچا دی جاتی ہیں۔
- ''گھر چھوڑ'' لڑکیوں کی خاصی تعداد خودکشی کر لیتی ہے۔
- بہت قلیل التعداد لڑکیاں ۲ فیصد از خود والدین کے پاس آ کر ان کے پاؤں پکڑ لیتی ہیں۔ کچھ وہ بھی ہوتی ہیں، یعنی دوڈھائی فیصد جو کچھ وقت ایک نوجوان کے ساتھ گزار کر کوئی بچہ لیے جب اپنے آپ کو (اور شوہر بھی) کٹی ہوئی پتنگ محسوس کرتی ہیں کہ نہ خوشی میں کوئی

شریک، نہ غم کا کوئی ساتھی تو جوڑی مل کر لڑکی کے والدین کو منانے جاتی ہے۔ مسئلہ بالعموم حل ہو جاتا ہے، والدین تب بھی محبت کے مارے، اپنی اولاد کو ہزار ذلتوں کے باوجود دل سے لگانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

9 سو فیصد کامیابی کی صورتیں پانچ فیصد سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ (1)

(۱) [" گھر سے مفرور لڑکیوں کے عشق بازانہ نکاح" از نعیم صدیقی (ص۲۰ تا ۲۳)]

فصل ہفتم

نکاح اور اس سے متعلقہ نکاح

ولی کی اجازت

یاد رہے کہ لڑکے کے نکاح کے لیے ولی یا سرپرست کی شرط نہیں جبکہ لڑکی کے لیے اس کے ولی کی اجازت ضوری ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر کیا جانیوالا نکاح باطل ہے جیسا کہ حدیث نبویؐ ہے:

" لانكاح الابولي "

''ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔''

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

''جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے۔''(۱)

واضح رہے کہ ولی کی موجودگی ضروری نہیں بلکہ اس کی اجازت و رضامندی ہی کافی ہے خواہ یہ بذات خود موجودگی و شمولیت کی صورت میں ہو یا اپنے وصی یا وکیل یا کسی تحریر وغیرہ کی شکل میں۔

لڑکی کی رضامندی

ولی کی اجازت کے ساتھ دلہن کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ اگر ولی کی اجازت کے باوجود لڑکی نکاح کے لیے رضامند نہ ہو تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر بالفرض جبر و اکراہ کے ساتھ اس کا نکاح کر بھی دیا جائے تو وہ لڑکی عدالت کے ذریعے فسخ نکاح کا اختیار رکھتی ہے۔(۲)

(۱) [مکمل تخریج اور مزید تفصیل کے لیے گزشتہ فصل ''نکاح میں ولی کی رضامندی'' کی طرف مراجعت فرمائیں]

(۲) [اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو گزشتہ فصل بذیل ''ولی کی اجازت کے ساتھ لڑکی کی رضامندی بھی ضروری ہے'']

گواہوں کی موجودگی

نکاح کے موقع پر دلہا کے علاوہ کم از کم دو نیک صالح اور عادل مسلمان گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے:

1. حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

   ''وہ عورتیں بدکارہ ہیں جو اپنا نکاح بغیر دلیل (گواہ) کے کرتی ہیں''۔(۱)

2. حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

   " لانكاح الا بولي وشاهدى عدل "(۲)

   ''نکاح تب منعقد ہوتا ہے جب ولی اور دو عادل گواہ موجود ہوں۔''

3. حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

   ''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں اور جس کا کوئی ولی نہ ہو حاکم وقت اس کا ولی ہوگا''۔(۳)

4. ابوزبیر مکی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک ایسا نکاح کا معاملہ پیش ہوا جس میں ایک آدمی اور عورت کے علاوہ کوئی گواہ نہ تھا، تو آپؓ نے فرمایا:

   ''یہ 'خفیہ نکاح' ہے جسے میں جائز قرار نہیں دے سکتا اگر تم اس میں مزید پیش قدمی کرتے تو میں رجم کی سزا تجویز کرتا''۔(٤)

واضح رہے کہ نکاح میں دو عادل گواہوں کی موجودگی پر دلالت کرنے والی روایتوں کی سندوں میں کچھ نہ کچھ ضعف ہے تاہم مجموعی طور پر اور بہت سے صحیح آثار صحابہ کے پیش نظر یہ

---

(۱) [ترمذی : کتاب النکاح :باب ماجاء لانکاح الا ببینة (۱۱۰۳) بیهقی (۱۲۵/۷)]

(۲) [مصنف عبدالرزاق (۱۰٤۷۳) دارقطنی (۲۲۵/۳) بیهقی (۱۲۵/۷)]

(۳) [صحیح ابن حبان (۱۲٤۸) ابو یعلی (٤٦۹۲) مسند طیالسی (۱۵۵۳)]

(٤) [موطا : کتاب النکاح :باب جامع مالا یجوز من النکاح (۲۵)]

بات قطعی درست ہے کہ نکاح میں دو عادل گواہ ضروری ہیں۔ اس سلسلہ میں امام ترمذی رقمطراز ہیں کہ

''صحابہ کرام، تابعین عظام اور دیگر اہل علم کا یہ فیصلہ ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح درست نہیں اور متقدمین میں سے کسی کا اس مسئلہ میں اختلاف نہیں۔ البتہ کچھ متاخر اہل علم نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور وہ اختلاف اس بات پر ہے کہ یکے بعد دیگرے دو گواہ پورے کر لیے جائیں (یعنی ایک ہی وقت میں دو گواہ موجود نہ ہوں بلکہ ایک آ کر چلا جائے پھر دوسرا آ جائے) تو کیا یہ کفایت کر جائے گا؟ اہل کوفہ اور انکے علاوہ بہت سے اہل علم کا کہنا ہے کہ عقد نکاح کے موقع پر بیک وقت دو گواہوں کی موجودگی ازبس ضروری ہے۔ اہل مدینہ میں سے بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ بیک وقت دو گواہ نہ ہوں بلکہ یکے بعد دیگرے دو گواہ شامل ہو جائیں تو نکاح درست ہے بشرطیکہ وہ اس نکاح کا اعلان کریں۔ اہل مدینہ میں سے یہ امام مالک اور اسحاق بن ابراہیم کا قول ہے۔ اسی طرح امام احمد اور اسحاق کا کہنا کہ نکاح کے موقع پر ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ کفایت کرتی ہیں''۔ (۱)

ایجاب وقبول

نکاح کے موقع پر دلہا و دلہن کا ایجاب وقبول ضروری ہے۔ دلہن کی طرف سے رضامندی وقبولیت کی ضمانت اس کا ولی دے گا جبکہ لڑکا بذات خود گواہوں کی موجودگی میں عقد نکاح پر رضامندی ظاہر کرے۔ خواہ یہ رضامندی قولی طور پر ہو یا عملی طور پر۔ یعنی اگر نکاح کروانے والا لڑکے کو یہ کہے کہ ''فلاں بنت فلاں کا نکاح، ان گواہوں کی موجودگی اور اتنے حق مہر کے عوض تمہارے ساتھ کیا، کیا تمہیں قبول ہے؟'' (یہ الفاظ ولی خود بھی کہہ سکتا ہے کہ میں نے اپنی زیر ولایت لڑکی یا بیٹی کا نکاح تم سے کیا، کیا تمہیں منظور ہے؟) تو لڑکے کا ''قبول ہے'' کہہ دینا یا اظہار رضامندی کے ساتھ سر ہلا کر اشارہ کر دینا یا نکاح فارم

(۱) [ترمذی: کتاب النکاح: باب ماجاء لانکاح الا ببینة]

پر دستخط کر کے رضامندی کا اظہار کر دینا، نکاح کے انعقاد کے لیے کافی ہے۔ البتہ سب سے مناسب صورت یہ ہے کہ لڑکا باآواز بلند 'قبول ہے' کہہ کر رضامندی کا اظہار کرے۔

نکاح کے لیے لڑکے کا اظہار رضامندی یا ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے، خواہ قولی طور پر ہو یا عملی طور پر، اس کے چند دلائل درج ذیل ہیں:

1. صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے نکاح کے لیے پیش کش کی۔ مگر آپؐ کافی دیر تک خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر آپ اس عورت سے نکاح کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تو میرا نکاح اس سے کر دیجئے۔۔۔۔ تو آنحضرت ﷺ نے (اس آدمی کا اس مہر پر کہ وہ اس عورت کو قرآن مجید کی چند سورتیں یاد کروائے گا، اس کا نکاح کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا:

"اذهب فقد انكحتكها بما معك من القرآن"

"جاؤ میں اس عورت کا تمہارے ساتھ اس مہر پر نکاح کرتا ہوں کہ جو قرآن تمہیں یاد ہے وہ اسے یاد کروا دینا۔"(1)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابی مذکور کے اس عورت سے اظہار نکاح پر آنحضرت ﷺ نے اس کا اس عورت سے نکاح کا اعلان فرما دیا اور نکاح کے وقت مرد سے ایجاب وقبول نہیں کروایا۔ کیونکہ وہ مرد تو پہلے ہی اظہارِ قبول کر چکا تھا۔

---

(1) [بخاری: کتاب النکاح: باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق (۵۱۴۹) مسلم (۱۴۲۵) ابو داود (۲۱۱۱) ترمذی (۱۱۱۴) نسائی (۱۱۳/۶) ابن ماجہ (۱۸۸۹) احمد (۳۳۰/۵) حمیدی (۹۲۸) عبدالرزاق (۷۵۹۲) ابن حبان (۴۰۹۳) بیہقی (۱۴۴/۷)]

● حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ام حکیم بنت قارظ سے کہا: کیا تم نے اپنے نکاح کے معاملہ میں مجھے مختار بنایا ہے کہ میں جس سے چاہوں تمہارا نکاح کردوں؟ تو ام حکیم نے کہا: ہاں، عبدالرحمن نے کہا کہ پھر میں نے خود تم سے نکاح کیا۔

یہ روایت حذف سند کے ساتھ (یعنی تعلیقا) امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری کی ''کتاب النکاح: باب اذا کان الولی هو الخاطب'' میں ذکر کی ہے۔اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروری نہیں 'قبول ہے' کا لفظ بول کر ہی نکاح کیا یا کروایا جائے بلکہ جس کسی بھی طرح رضامندی کا اظہار ہو جائے، نکاح ہو جائے گا۔حتی کہ اگر کوئی شخص گونگا ہو تو ہاں کے اشارہ کے ساتھ اس کا نکاح ہو جائے گا۔

خطبہ نکاح

نکاح کے موقع پر درج ذیل خطبہ پڑھنا مسنون ہے:

" اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ "

''بے شک ہر طرح کی حمد و تعریف اللہ تعالی ہی کے لیے ہے۔ہم اس کی تعریف بیان کرتے ہیں۔اس سے مدد مانگتے ہیں،اس سے معافی مانگتے ہیں اور اپنے نفس کی برائیوں اور برے کاموں سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کرتے ہیں۔جسے اللہ تعالی ہدایت سے نواز دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اللہ تعالی گمراہ کردیں پھر اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں''۔

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔'' (آل عمران۔۱۰۲)

﴿یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا﴾ (النساء۔۱)

''لوگو! اپنے اس رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اسی سے جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے (دنیا میں) بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور قریبی رشتہ داروں (کے معاملہ) میں بھی اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تم پر نظر رکھے ہوئے ہے۔''

﴿یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور بات سیدھی کیا کرو، اس (طرح) اللہ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔'' (الاحزاب۔۷۰۔۷۱) (۱)

(۱) [واضح رہے کہ مذکورہ بالا خطبہ مختلف روایات کا مجموعہ ہے جبکہ اکثر و بیشتر روایات میں ضعف بھی پایا جاتا ہے، تاہم روایات کا مجموعہ ان کے 'حسن' ہونے کو متقاضی ہے۔ شیخ ناصر الدین البانی ؒ نے نہ صرف یہ کہ خطبہ سے متعلق مختلف روایات کو مجموعی طور پر صحیح قرار دیا ہے بلکہ انفرادی طور پر بھی بعض روایات پر صحت کا حکم لگایا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ان کا کتابچہ بعنوان ''خطبة الحاجة التي كان رسول الله يعلمها الصحابة'' ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ خطبہ بھی موصوف کا ثابت کردہ ''نص الخطبہ'' ہے تاہم حوالہ جات کے لیے درج ذیل کتب احادیث بھی دیکھی جا سکتی ہیں:

ابو داود: کتاب النکاح: باب فی خطبة النکاح (۲۱۱۸) ترمذی (۱۱۰۵) نسائی (۱۰۴/۳) احمد حاکم (۱۸۲/۲) بیہقی (۱۴۶/۷) طیالسی (۳۳۸) مجمع الزوائد (۲۸۸/۴) ابو یعلی (۳۴۲/۱)]

نکاح پڑھانے کا طریقہ

مرد و زن کا نکاح پڑھاتے وقت سب سے پہلے مذکورہ بالا مسنون خطبہ پڑھا جائے پھر اس کے بعد نکاح پڑھانے والا اس طرح کہے کہ "میں فلاں بنت فلاں (لڑکی کا پورا نام لے) کا نکاح اس کے ولی کی اجازت و رضامندی سے فلاں بن فلاں (لڑکے کا پورا نام لے) کے ساتھ ان گواہوں کی موجودگی اور اتنے حق مہر کے عوض (جو بھی مہر مقرر کیا گیا ہو اسے بیان کرتے ہوئے) کرتا ہوں۔ پھر لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر پوچھے کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟ جب لڑکا یہ کہہ دے کہ قبول ہے، تو نکاح ہو جائیگا۔ البتہ لڑکی سے ایجاب وقبول کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کی وکالت اس کا ولی کرے گا۔ یاد رہے کہ ایجاب وقبول کا یہی جملہ سب سے اہم اور ضروری ہے اس لیے نکاح سے پہلے کسی کاغذ پر لڑکی اور لڑکے کا پورا نام اور مہر کی تفصیل لکھ لیں تا کہ ایجاب وقبول کراتے وقت کوئی غلطی نہ ہو۔

نکاح کے موقع پر خطیب کے لیے لوگوں کو، بالخصوص دلہا اور متعلقہ خاندان کے افراد کو وعظ و نصیحت کرنا مستحب ہے۔ یاد رہے کہ نکاح کے موقع پر دلہا اور دلہن کو کلمے پڑھانا صریح بدعت ہے، قرآن وحدیث میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس کی مزید تفصیل اگلے باب "شادی بیاہ کی رسومات اور اسلام" میں آئے گی۔

دلہا دلہن کو دعا

نکاح کے بعد دلہا اور دلہن کو برکت کی دعا دینی چاہیے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ شادی کرنے والے شخص کو ان الفاظ میں خیر و برکت کی دعا دیتے تھے:

"بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ وَبَارَکَ عَلَیْکَ وَ جَمَعَ بَیْنَکُمَا فِی خَیْرٍ"

''اللہ تعالی تمہارے لیے بہتری کریں اور تم پر برکت نازل فرمائیں اور تم دونوں (میاں بیوی) کے درمیان بھلائی پر اتفاق پیدا فرمائیں۔''(۱)

ٹیلی فون پر نکاح

نکاح دراصل گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کا نام ہے اس لیے اگر کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن کا کسی شخص سے نکاح کرنے کے لیے ٹیلی فون پر اظہار رضامندی کر دے اور دوسری طرف سے لڑکا یا اس کا وکیل دو عادل گواہوں کی موجودگی میں اس نکاح کو قبول کر لے تو یہ نکاح ہو جائے گا۔

لیکن واضح رہے کہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ لڑکی کا ولی، لڑکا اور کم از کم دو عادل گواہ ایک ہی مجلس میں روبرو جمع ہوں۔ البتہ اگر کسی مشقت کے پیش نظر ایسا کرنے میں مشکل ہو تو ٹیلی فون کے ذریعے نکاح کا ایجاب وقبول کروایا جا سکتا ہے تاہم اس کے باوجود یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ ایجاب وقبول کے سلسلہ میں کوئی دھوکہ بازی نہ ہو۔ اسی طرح ٹیلی فون کے ذریعے طلاق دی جائے تو وہ بھی مؤثر ہوگی۔ اس کی تفصیل طلاق کے بیان میں آئے گی۔ ان شاء اللہ!

عورت نکاح نہیں پڑھا سکتی!

اسلام کی رو سے نکاح پڑھانا مرد کے ذمہ ہے عورت کے ذمہ نہیں اور نہ ہی عورت کا پڑھایا ہوا نکاح، اسلام کی نظر میں جائز ہے جیسا کہ درج ذیل دلائل سے ثابت ہوتا ہے:

❶ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) [ابو داؤد: کتاب النکاح: باب ما یقال للمتزوج (۲۱۳۰) ترمذی: کتاب النکاح (۱۰۹۱) ابن ماجہ (۱۹۰۵) ابن حبان (۴۰۵۲) احمد (۳۸۱/۲) بیہقی (۱۴۸/۷) دارمی (۱۸۰/۲) عمل الیوم واللیلۃ للنسائی (۲۵۹) ولابن السنی (۶۰۷)]

" لاتزوج المرأة المرأة ولاتزوج المرأة نفسها فان الزانية هي التي تزوج نفسها "(۱)

" کوئی عورت کسی عورت کی شادی نہ کرے اور نہ ہی کوئی عورت خود اپنی شادی کرے اور جو عورت خود ہی اپنی شادی کر لیتی ہے وہ زانیہ ہے۔"

❷ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے بسند صحیح یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی کے بیٹوں (بھتیجوں) میں سے ایک بیٹے کے نکاح کا بندوبست کیا اور (غیر متعلقہ اور غیر محرم افراد سے) پردہ کی اوٹ میں بات چیت طے کی یہاں تک کہ جب عقد نکاح کے علاوہ دیگر تمام کام نمٹ گئے تو انہوں نے ایک مرد کو نکاح پڑھانے کا حکم دیا اور اس نے نکاح پڑھا دیا۔ پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

" ليس الى النساء نكاح ر" نکاح پڑھانا عورت کا کام نہیں ہے"(۲)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ

" لا تشهد المرأة يعني الخطبة ولاتنكح"

" عورت خطبہ نہ دے اور نہ ہی نکاح کرائے۔"(۳)

مقام نکاح مسجد یا ہوٹل؟

جس طرح شادی بیاہ کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں کہ دن یا رات کے فلاں فلاں اوقات ہی میں شادی کی جائے ، اسی طرح شادی بیاہ کے لیے شریعت نے خاص جگہ کی پابندی بھی عائد نہیں کی بلکہ گھر ، مسجد ، کھلے میدان یا ہوٹل وغیرہ میں جہاں بآسانی شادی کا انتظام ہوسکتا ہے ، وہاں شادی بیاہ کا انعقاد کیا جاسکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مکہ میں رہتے

(۱) [ابن ماجه : كتاب النكاح :باب لانكاح الابولى (۱۸۸۲) بيهقى (۱۱۰/۷) دار قطنى (۲۲۷/۳)]

(۲) [فتح البارى لابن حجرؒ (۱۸۶/۹) مصنف عبدالرزاق (۲۰۱/۶) نيز ديكهيے ابن ابى شيبه (۱۵۹۵۹)] (۳) [ابن ابى شيبه (۱۵۹۶۳)]

ہوئے بھی شادی کی (مثلاً حضرت خدیجہؓ سے شادی) اسی طرح مدینہ میں اقامت کے بعد جائے رہائش پر شادیاں کیں۔ حالت سفر میں کھلے میدان میں بھی شادی کی (مثلاً خیبر کے موقع پر حضرت صفیہؓ سے شادی) مسجد میں بھی صحابہ کرام کی شادیاں کیں۔

بعض لوگ مسجد ہی میں نکاح کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اس کی دلیل کے لیے یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدف"(۱)

''نکاح کا اعلان کیا کرو، اسے مساجد میں منعقد کیا کرو اور اس موقع پر دف بجاؤ۔''

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت بسند صحیح ثابت نہیں کیونکہ اس کی سند میں عیسی بن میمون نامی راوی ضعیف ہے اور خود امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وعيسى بن ميمون الانصاري يضعف الاحاديث"

''عیسی بن میمون احادیث روایت کرنے میں ضعیف ہے۔''

امام ترمذی کے علاوہ، امام بخاری، ابن معین، امام ذہبی، ابن عدی، امام نسائی، ابو حاتم، دارقطنی، علامہ زیلعی، حافظ ابن حجر، امام بیھقی حتی کہ ابن حبان وغیرہ بھی بلا تفاق اس راوی کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔(۲)

اس کے علاوہ بھی اس روایت کی کوئی سند صحیح نہیں۔ اگر بالفرض اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسجد میں نکاح کا بندوبست کرنا فرض ہے بلکہ اسے زیادہ سے زیادہ مستحب ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ عہد رسالت اور خیر القرون میں نکاح

---

(۱) [ترمذی: کتاب النکاح: باب ماجاء فیه اعلان النکاح (۱۰۸۹)]

(۲) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التاریخ الکبیر (۳/۳۲۵) تاریخ لابن معین (۸۹/۴) الکامل (۱۸۸۱) الضعفاء والمتروکین للدارقطنی (۴۱۴) وللنسائی (۴۲۵) میزان الاعتدال (۳/۳۲۵) تهذیب التهذیب (۸/۲۳۶) سلسلة الاحادیث الضعیفة (۲/۴۰۹) المجروحین لابن حبان (۲/۱۲۰)]

کے لیے مسجد کی پابندی کو انعقادِ نکاح کی شرط خیال نہیں کیا جاتا تھا۔لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ نکاح کے لیے مسجد کو درخورِ اعتنا ہی نہ سمجھا جائے یا اسے مسجد کے آداب کے منافی تصور کیا جائے بلکہ مسجد میں نکاح اس لحاظ سے باعث خیر و برکت ہے کہ مسجد بذات خود خیر و برکت والی جگہ ہے۔اس لیے دیگر مقامات کے مقابلہ میں مسجد کو انعقادِ نکاح کے سلسلہ میں ترجیح دینا چاہیے۔خیر و برکت کے علاوہ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ شادی بیاہ کے دیگر تکلفات مثلاً شامیانوں،قناتوں،قالینوں،صوفوں،کرسیوں اور قمقموں وغیرہ پر اٹھنے والے اخراجات یا ہوٹلوں میں بکنگ وغیرہ پر آنے والے غیر معقول اخراجات وانتظامات سے بھی خلاصی ہو جائیگی۔لیکن اگر کوئی اسلامی حدود میں رہتے اور فضولیات سے بچتے ہوئے ہوٹل وغیرہ میں نکاح کا انتظام کرتا ہے تو اس پر کوئی قدغن بھی نہیں لگائی جاسکتی۔

نکاح پر دف بجانا اور گیت گانا

شادی بیاہ کے موقع پر چھوٹی بچیوں کا ایسے گیت گانا جائز ہے جو کفر و شرک اور فسق و فجور پر مبنی نہ ہوں اور نہ ہی شہوانی خیالات اور جنسی جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والے فحش گیت ہوں۔اسی طرح دف بجانا بھی جائز ہے اور واضح رہے کہ دف پلیٹ یا پرات کی طرح صرف ایک طرف پر مبنی ایسا آلہ ہوتا ہے جس پر چوٹ سے کوئی سر اور تال پیدا نہیں ہوتی۔اس لیے ڈھولک یا کسی اور ایسے طبلے کو دف پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ جو دونوں طرف سے بند ہو یا ایک طرف سے بند ہونے کے ساتھ اس پر چوٹ لگنے سے سر اور تال نام کی کوئی چیز پیدا ہوتی ہے۔علاوہ ازیں دف بجانا مردوں کے لیے جائز نہیں بلکہ اس کے جواز کی حد صرف بچیوں تک محدود ہے حتی کہ عہدِ رسالت میں بچیوں یا لونڈیوں کے علاوہ معاشرے کی آزاد اور شریف خواتین بھی دف بجانے کے مشغلہ سے گریز کرتی تھیں۔شادی یا خوشی کے موقع پر دف بجانے اور گیت گانے کے جواز پر مبنی چند احادیث درج ذیل ہیں:

❶ حضرت محمد بن حاطبؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"فصل مابين الحرام والحلال الدف والصوت "(۱)

''حلال اور حرام نکاح کے درمیان فرق کرنیوالی چیز دف بجانا اور نکاح کا اعلان کرنا ہے۔''

❷ حضرت ربیع بنت معوذؓ فرماتی ہیں کہ میرے نکاح کے موقع پر نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور اس وقت ہماری چند بچیاں دف بجا رہی تھیں اور بدر کے موقع پر شہید ہونے والے میرے بزرگوں سے متعلق اشعار گا رہی تھیں۔ اسی دوران ایک بچی نے جب یہ مصرعہ گایا کہ

"وفينا نبي يعلم مافي غد"

''ہمارے درمیان ایسا نبی موجود ہے جو کل (غیب) کی بات جانتا ہے''

تو نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"دعي هذه وقولي بالذي كنت تقولين"

''یہ مصرعہ چھوڑ دے اور جو تو اس سے پہلے گا رہی تھی اسے ہی گاؤ۔''(۲)

❸ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک انصاری شخص کے لیے دلہن کو تیار کر کے لے گئی تو نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"یاعائشةؓ! ماكان معكم لهو فان الانصار يعجبهم اللهو"

---

(۱) [ترمذی: کتاب النکاح: باب ماجاء فی اعلان النکاح (۱۰۸۸) ابن ماجه (۱۸۹۶) نسائی (۱۲۷/۶) مسند احمد (۴۱۸/۳) (۳۵۹/۴) حاکم (۱۸۴/۲) بیهقی (۲۸۹/۷) شرح السنة (۳۹/۵)]

(۲) [بخاری: کتاب النکاح: باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة (۵۱۴۷) ابو داؤد (۴۹۲۲) ترمذی (۱۰۹۰) ابن ماجه (۱۸۹۷) مسند احمد (۳۵۹/۶) مسند عبد بن حمید (۱۵۸۹)]

''عائشہ! تمہارے پاس لہو (کھیل کی چیز یا دف بجانے والی) نہیں، انصار تو دف پسند کرتے ہیں۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''دف بجانے والی لونڈی بھی ساتھ ہوتی جو وہ دف بجاتی اور یوں گاتی:

'' اتیناکم اتیناکم فحینا وحیاکم ''

''ہم تمہارے ہاں آئے، تم کو اور ہم کو یہ شادی مبارک ہو۔''[2]

واضح رہے کہ بعض لوگ دف والی روایتوں پر قیاس کرتے ہوئے ڈھول ڈھمکے اور باجے گاجے کو بھی جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ بالکل حرام ہیں۔ان کی حرمت پر تفصیلی بحث اگلے باب ''نکاح کی جاہلانہ رسومات'' میں آئے گی۔ان شاءاللہ

شادی بیاہ پر تحائف

ایک دوسرے کو تحفہ بھیجنا نہ صرف پسندیدہ امر ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق اس سے باہمی محبت والفت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔حدیث نبویؐ ہے کہ

'' تھادوا تحابوا ''

''آپس میں تحفے دیا کرو اور اس طرح آپس میں محبت بڑھاؤ۔''[3]

خواہ یہ تحفہ شادی بیاہ کے موقع پر دیا جائے یا کسی اور خوشی اور عید وغیرہ کے موقع پر یا کسی بھی موقع محل کے بغیر محض محبت ومودت اور اسلامی اخوت کے پیش نظر دیا جائے۔امام بخاری نے اپنی صحیح، میں شادی بیاہ کے موقع پر تحفہ دینے کے جواز پر یہ عنوان قائم کیا ہے کہ

---

(۱) [بخاری (۵۱٦۲) احمد (٦/۲٦۹)]

(۲) [مسند احمد (۴/۷۷) ابن ماجه (۱۹۰۰) فتح الباری (۱۰/۲۸۲)]

(۳) [الادب المفرد (۵۹۴) بیهقی (٦/۱٦۹) تلخیص الحبیر (۳/۱۵۲) میں حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔]

["باب الهدية للعروس : دلہا، دلہن کو تحائف بھیجنے کا بیان"]

پھر اس کے تحت درج ذیل حدیث سے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے کہ

"حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار ایسا ہوا کہ آنحضرت ﷺ دولہا بنے اور حضرت زینب سے آپؐ نے نکاح کیا۔ میری والدہ (ام سلیمؓ) مجھ سے کہنے لگیں کہ اس وقت اگر ہم اللہ کے رسول ﷺ کو کوئی تحفہ بھیجیں تو یہ بہت اچھا ہوگا۔ میں نے بھی کہا کہ ہاں بڑا مناسب موقع ہے۔ چنانچہ میری والدہ نے کھجور، گھی اور پنیر ملا کر ایک برتن میں حلوہ تیار کیا اور میرے ہاتھوں نبی اکرمؐ کے پاس بھجوایا۔ میں وہ حلوہ لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے یہاں رکھو اور کچھ لوگوں کا نام لے کر فرمایا کہ انہیں بلا لاؤ اور ان کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص راستے میں مل جائے تو اسے بھی بلا لانا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں آپؐ کے حکم کے مطابق لوگوں کو دعوت دینے چلا گیا۔ جب لوٹ کر واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سارا گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اس حلوے پر رکھے اور جو کچھ اللہ کو منظور تھا، وہ زبان مبارک سے کہا (یعنی برکت کی دعا مانگی) پھر دس آدمیوں کو کھانے کے لیے بلانا شروع کیا۔ آپؐ ان سے فرماتے کہ اللہ کا نام لیکر اپنے اپنے آگے سے کھاؤ۔ حتی کہ تمام لوگ اس سے سیر ہو کر واپس گئے۔"[۱]

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ

"حضرت خدیجہؓ نے اپنی بیٹی زینبؓ کی شادی کے موقع پر انہیں بطور تحفہ ایک قیمتی ہار دیا تھا"۔[۲]

---

(۱) [بخاری: کتاب النکاح :باب الهدية للعروس (۵۱۶۳)]

(۲) [الفتح الربانی (۱۰۰/۱۴) سیرت ابن هشام (۳۵۹/۲) طبقات ابن سعد (۳۱/۸)]

نکاح کے موقع پر کھانے کا انتظام

نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے شادی میں شریک ہونے والے مہمانوں کے لیے کھانے کے انتظام کرنے میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں بلکہ مہمان نوازی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ ان کا اخلاقی فرض بھی ہے۔لیکن بعض لوگ نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے کھانے کا انتظام کرنے کو ناجائز سمجھتے ہوئے بدعت تک قرار دے دیتے ہیں حالانکہ یہ بھی اسی طرح ایک قابل مذمت انتہا ہے جس طرح یہ صورت قابل مذمت ہے کہ شادی کے موقع پر دور ونزدیک کے تمام لوگوں کا جم غفیر لیکر لڑکی والوں کے گھر کی طرف اس طرح کوچ کیا جاتا ہے کہ شاید کسی ملک کو فتح کرنے کا ارادہ ہے!اور پھر لڑکی والے بھی مجبور ہوتے ہیں کہ پورے لاؤلشکر کے لئے بہترین کھانے کا انتظام کریں۔

حالانکہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان توازن واعتدال ہی مبنی برحق صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ چند انتہائی قریبی اور متعلقہ افراد شادی کے موقع پر جمع ہوں اور حسب توفیق ان کی ضیافت کا انتظام بھی کردیا جائے۔ضروری نہیں کہ مرغن غذاؤں اور پر تکلف کھانوں ہی سے ان کی ضیافت کی جائے بلکہ جو چیز حسب توفیق اور باآسانی دستیاب ہو اسی سے مہمانوں کی تواضع کردی جائے کیونکہ مہمانوں کی عزت وتکریم اور ضیافت کے بارے میں نبی اکرمﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ“[1]

”جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت وتکریم کرے۔“

---

(۱) [بخاری: کتاب الادب :باب من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر......... (۶۰۱۹)مسلم(۱۴)ابوداؤد(۳۷۴۸)ترمذی (۱۹۶۷)احمد(۳۱/۴)]

دلہا اور دلہن کا بناؤ سنگھار

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین ۔ ہے کہ اسلام، زیبائش وآرائش اور خوبصورتی اختیار کرنے کی حوصلہ شکنی ہرگز نہیں کرتا بلکہ حدیث نبوی ہے:

" ان الله جميل يحب الجمال "(۱)

''اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔''

اس لیے مرد وزن کا عام حالات میں بھی خوبصورتی و پاکیزگی اور نظافت کا خیال رکھنا کوئی معیوب بات نہیں البتہ یہ چیز تب معیوب ہوتی ہے کہ جب خوبصورتی اور بناؤ سنگھار کے معاملے میں شریعت کی خلاف ورزی اور اسلامی حدود سے تجاوز کی راہ اختیار کی جائے۔ [عملی طور پر اس کی کیا کیا صورتیں ہیں اس کی تفصیل کے لیے اگلا باب ملاحظہ فرمایئے]

لہذا شرعی حدود میں رہتے ہوئے مرد وزن شادی کے موقع پر اپنی ظاہری زیبائش اور خوبصورتی سنوار سکتے ہیں ۔ حتیٰ کہ امام بخاری نے اس سلسلہ میں ایک حدیث (جس میں حضرت عائشہؓ نے حضرت اسمٰؓ سے بطور ادھار ایک ہار لیا) سے یہ استدلال کیا ہے کہ شادی بیاہ کرنیوالے کو تیار کرنے کے لیے کسی دوسرے سے کپڑے یا کوئی اور چیز ادھار لے کر استعمال کرنا بھی جائز ہے۔(۲)

اس کے علاوہ بناؤ سنگھار کی جائز صورتوں کے حوالہ سے درج ذیل احادیث سے بھی راہنمائی ملتی ہے:

❶ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" طيب الرجال ماظهر ريحه وخفي لونه وطيب النساء ماظهر لونه وخفي ريحه "(۳)

(۱) [مسلم : كتاب الايمان :باب تحريم الكبر (۹۱)مسند احمد(۱۳۳/٤)]

(۲) [بخاری : کتاب النکاح :باب استعارة الثياب للعروس وغيرها (٥١٦٤)]

(۳) [ترمذی : کتاب الادب :باب ماجاء فی طيب الرجال والنساء (۲۷۸۷)نسائی : کتا ب الزينة:باب الفصل بين طيب الرجال وطيب النساء (٥١١٧)]

''مردوں کے لیے (لائق استعمال) خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو نمایاں ہو اور رنگ غیر نمایاں ہو جبکہ عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ نمایاں ہو مگر خوشبو نمایاں نہ ہو۔''

❷ حضرت عروہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ایک انصاری شخص کی شادی کے لیے اس کی دلہن کا بناؤ سنگھار کیا تھا۔ (۱)

❸ حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

'' احل الذهب والحرير لاناث امتی وحرم علی ذکورها ''(۲)

''سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام کر دیا گیا ہے۔''

❹ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

'' ان احسن ماغیر به هذا الشیب الحناء والکتم ''(۳)

''بڑھاپے (کے سفید بالوں) کو بدلنے کے لیے مہندی اور وسمہ (سیاہ رنگ ملا کر) لگانا بہترین چیز ہے۔''

(۱) [بخاری: کتاب النکاح: باب النسوة التی یهدین المرأة.... (۵۱۶۲) احمد (۲۶۹/۶)]

(۲) [نسائی: کتاب الزینه: باب الکراهية للنساء فی اظهار الحلی والذهب (۵۱۵۱) ترمذی (۱۷۲۰) احمد (۳۹۲/۴) ابن ابی شیبه (۳۴۶/۸) بیهقی (۴۲۵/۲) شرح معانی الآثار (۲۵۱/۴)]

(۳) [ابو داؤد: کتاب الترجل: باب فی الخضاب (۴۲۰۱) ترمذی (۱۷۵۳) ابن ماجه (۳۶۲۲) نسائی (۱۳۹/۸) احمد (۱۴۷/۵) بیهقی (۳۱۰/۷)]

فصل ہشتم

دلہن اور دیگر خواتین کے لیے 'سونے' کے استعمال کی شرعی حیثیت

عورتوں کے لئے سونے کے زیورات کا استعمال اسلامی تاریخ میں شروع سے چلا آرہا ہے اور متقدمین کے ہاں اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف منقول نہیں لیکن آج سے چند سال پہلے عرب میں ایک نیا موقف سامنے آیا کہ عورت ہر طرح کا سونا استعمال نہیں کرسکتی بلکہ حلقہ دار سونا تو صریح حرام ہے اور زیادہ سے زیادہ غیر حلقہ دار اور معمولی قسم کا سونا ہی عورت پہن سکتی ہے۔ اس موقف کے بانی دنیائے حدیث کے نامور محدث شیخ ناصر الدین البانی ؒ تھے۔ جن کی خدمات حدیث کے پیش نظر انہیں 'شاہ فیصل' ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔

شیخ البانی ؒ کا یہ موقف بھی ان کے بعض دیگر تفردات کی طرح اگرچہ اتنا مستند نہیں تھا مگر موصوف چونکہ بلند پایہ محدث اور نامور عالم دین تھے اس لئے ان کا پیش کردہ موقف نہ صرف دنیائے عرب میں مقبول ہونے لگا بلکہ پاک وہند اور دنیا کے دیگر خطوں میں بھی ان کی آواز پر توجہ دی گئی۔ جبکہ ان کے رد میں بھی کبار علما نے باقاعدہ تحریریں لکھیں۔ انہی میں سے ایک معروف عالم اور سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ ابن بازؒ بھی ہیں جنہوں نے دلائل کے ساتھ شیخ البانیؒ کے موقف کی تردید فرمائی۔ آئندہ سطور میں ہم شیخ البانیؒ ہی کے پائے کے عالم یعنی شیخ ابن بازؒ ہی کا وہ فتوی (اردو ترجمہ میں) پیش کررہے ہیں جو شیخ البانی کے مذکورہ بالا موقف کی تردید میں ہے۔ اس فتوی کی اصل عربی کے لئے ملاحظہ ہو: **فتاوی المرأة المسلمة**: (ج ۱ ص ۴۵۳ تا ۴۵۷) بحوالہ **الفتاوی : کتاب الدعوة**: (ج ۱ ص ۲۴۲ تا ۲۴۷)

شیخ ابن بازؒ سے سوال:

شیخ ناصر الدین البانیؒ جو مشہور شامی محدث ہیں، انہوں نے اپنی کتاب ''آداب الـزفـاف'' میں حلقہ دار سونے کا استعمال مطلق طور پر حرام قرار دیا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ بعض عورتیں سونے کی حلت وحرمت کے حوالہ سے شک وشبہ میں مبتلا ہو گئی ہیں بلکہ بعض عورتیں تو بالفعل سونے کے استعمال سے رک گئیں ہیں۔ اور وہ ان عورتوں پر ضلالت وگمراہی کے فتوے عائد کرنے لگی ہیں جو سونا پہنتی ہیں۔ یہ مسئلہ چونکہ سنگین نوعیت اختیار کرتا جا رہا ہے اس لیے ہمیں آپ کے فتوے اور دلیل کی سخت ضرورت ہے اور اسی لیے ہم اس مسئلہ میں آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کے نزدیک عورتوں کے لیے حلقہ دار سونا پہننا جائز ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی مطلع فرمائیں۔ اللہ آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ کے علم میں اضافہ کرے۔ (آمین)

شیخ ابن بازؒ کا جواب:

عورتوں کے لئے ہر قسم کا سونا پہننا جائز ہے خواہ وہ حلقہ دار ہو یا غیر حلقہ دار جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کے عموم سے یہ ثابت ہوتا ہے:

﴿اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ﴾ (الزخرف۔۱۸)

''کیا (اللہ کے لیے وہ ہے) جو زیور میں پرورش پاتی ہے اور بحث ومباحثہ میں اپنا مدعا واضح نہیں کر سکتی؟''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ زیورات عورتوں کی صفات وعادات کا حصہ ہیں اور وہ زیورات خواہ سونے کے ہوں یا کسی اور چیز (مثلاً، چاندی، جواہرات وغیرہ) کے۔ اسی طرح امام احمد، امام ابوداؤد، اور امام نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ

" ان النبی ؐ اخذ حریرا فجعله فی یمینه واخذ ذهبا فجعله فی شماله ثم قال ان هذین حرام علی ذکور امتی "

" نبی اکرمؐ نے ریشم کو اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا اور بائیں ہاتھ میں سونا پکڑا پھر فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے میری امت کے مردوں کے لیے حرام کر دی ہیں "

امام ابن ماجہ نے اپنی روایت میں یہ زائد الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ "حل لا ناثهم" یعنی "عورتوں کے لئے یہ دونوں چیزیں حلال کی گئی ہیں۔"

اسی طرح امام احمد، نسائی، ترمذی، ابوداؤد، حاکم، طبرانی اور ابن حزم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے اور اس روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

" احل الذهب والحریر للاناث من امتی وحرم علی ذکورها "

" سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام قرار دیئے گئے ہیں۔"

اگرچہ اس روایت کے حوالے سے ایک وجہ ضعف یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور ان سے روایت کرنے والے راوی یعنی سعید بن ابی ھند کے درمیان انقطاع ہے لیکن اس علت کی کوئی ایسی دلیل نہیں جس پر اطمینان ہو سکے بلکہ اس کے برعکس ہم ان محدثین کا ذکر کر چکے ہیں جنہوں نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ تاہم اگر بالفرض مذکورہ بالا علت کی بنا پر اس روایت کو ضعیف بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی اس کا ضعف مضر نہیں کیونکہ دیگر صحیح اسناد کی موجودگی کی وجہ سے یہ ضعف دور ہو جاتا ہے۔ اور ائمہ محدثین کے ہاں یہ اضافہ مسلمہ حیثیت رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علمائے سلف نے اس روایت کو (اپنی تصنیفات میں) درج کیا ہے اور بے شمار علما و فقہا نے عورتوں کے لئے سونا پہننے کے جواز پر اجماع امت کا ذکر کیا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے ہم بعض علما کے اقوال درج کیے دیتے ہیں:

امام ابوبکر الجصاصؒ:

امام الجصاصؒ اپنی تفسیر میں سونے کے استعمال کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

" الاخبار الواردة فی اباحته للنساء عن النبیؐ والصحابة اظهر واشهر من اخبار الحظر فیه ودلالة الآیة ایضا ظاهرة فی اباحته للنساء وقد استفاض لبس الحلی للنساء منذقرن النبیؐ والصحابة الی یومنا هذا من غیر نکیر من احد علیهن ومثل ذلک لا یعترض علیه باخبار الآحاد"(۱)

''نبی اکرمؐ اور صحابہؓ سے مروی وہ روایات جن میں عورتوں کے لیے سونا پہننے کا جواز ہے ، یہ روایات ان دیگر روایات کی بلسبت کہیں واضح اور مشہور ہیں جن میں سونا پہننے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔اسی طرح مذکورہ بالا آیت (اومن ینشا فی الحلیة...) کا ظاہری مفہوم بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورتوں کے لیے سونا پہننا جائز ہے۔سونے کا استعمال نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے دور سے لے کر آج تک عورتوں میں مروج رہا ہے اور کسی نے بھی عورتوں پر سونے کے استعمال کے حوالے سے کوئی اعتراض نہیں کیا،اسی طرح اخبار آحاد کے ساتھ بھی اس کے جواز کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔''

الکیا الھراسیؒ:

امام الکیا الھراسیؒ اپنی تفسیر میں '' اَوَمَنْ یُنَشَّأُ فِی الْحِلْیَةِ.....الآیة '' کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

" فیه دلیل علی اباحته الحلی للنساء والاجماع منعقد علیه والاخبارفی ذلک لا تحصی "(۲)

(۱) [احکام القرآن(ج۳ ص۳۸۸)]

(۲) [تفسیر القرآن لز الکیا الھراسی (ج ٤ ص ۳۹۱)]

''اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کے لئے (سونے چاندی وغیرہ کے) زیورات پہننا جائز ہے اور اس جواز پر اجماع امت ہے اور اس کے جواز کے بارے میں بے شمار روایات موجود ہیں۔''

امام بیہقیؒ:

امام بیہقیؒ نے اپنی سنن میں وہ روایات نقل فرمائی ہیں جن میں عورتوں کے لیے سونے اور ریشم کے استعمال کی اباحت (جواز) کا ذکر ہے اور اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں کہ

'' فهذا الاخبار ومافي معناها تدل على اباحة التحلي بالذهب للنساء واستدللنا بحصول الاجماع على اباحته لهن على نسخ الاخبار الدالة على تحريمه فيهن خاصة ''

''یہ روایت اور اس جیسی دیگر روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عورتوں کے لئے سونے کے زیورات پہننا جائز ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لیے سونے کے جواز پر جو اجماع ہے، اس سے ہم نے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ روایات جن میں عورتوں کے لئے بھی سونے کے استعمال کو حرام قرار دیا گیا ہے، وہ سب منسوخ ہیں۔''

امام نوویؒ:

امام نوویؒ المجموع میں رقمطراز ہیں کہ

'' يجوز للنساء لبس الحرير والتحلي بالفضة وبالذهب بالاجماع للاحاديث الصحيحة ''(۲)

''عورتوں کے لیے سونے، چاندی کے زیورات کا استعمال صحیح احادیث کی بنیاد پر ہونے والے اجماع امت کی رو سے جائز ہے۔''

(۱) [السنن الكبرى (ج٤ ص ١٤٢)]

(۲) [المجموع شرح المهذب (ج٤ ص٤٤٢)]

ایک اور مقام پر امام نوویؒ رقمطراز ہیں کہ

" اجمع المسلمون علی انه یجوز للنساء لبس انواع الحلی من الفضة والذهب جمیعا کالطوق والعقد والخاتم والسوار والخلخال والدمالج والقلائد والمخانق وکل مایتخذ فی العنق وغیره وکل ما یعتدن لبسه ولا خلاف فی شیٔ من هذا "(۱)

''امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورتوں کے لیے سونے چاندی کے بنے ہوئے ہر طرح کے زیورات کا استعمال جائز ہے خواہ وہ گلوبند، ہار، انگوٹھی، کنگن، پازیب، بازوبند وغیرہ ہو یا گلوبند اور ہار وغیرہ کی طرح گردن میں ڈالے جانے والے زیورات ہوں یا ان کے علاوہ عورتوں میں متداول زیورات کی کوئی اور قسم ہو۔ یہ تمام قسم کے زیورات جائز ہیں اور ان کے جواز میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔''

اسی طرح امام نوویؒ صحیح مسلم کی شرح میں ایک مقام پر رقمطراز ہیں کہ

" اجمع المسلمون علی اباحة خاتم الذهب للنساء "(۲)

''مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سونے کی انگوٹھی عورتوں کے لیے جائز ہے۔''

حافظ ابن حجرؒ

حافظ ابن حجرؒ حضرت براء بن عازبؓ سے مروی اس حدیث:

" نهانا النبیؐ عن سبع؛ نهی عن خاتم الذهب "

''نبی اکرمؐ نے ہمیں سات چیزوں سے منع فرمایا...... آپؐ نے ہمیں سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔۔۔''

کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ

" نهی النبیؐ عن خاتم الذهب او التختم به مختص بالرجال دون النساء فقد نقل الاجماع علی اباحته للنساء "(۳)

(۱) [ایضاح ۶ص ۴۰] (۲) [شرح مسلم: کتاب: باب تحریم الذهب علی الرجال..]

(۳) [فتح الباری (ج ۱۰ ص ۳۱۷)]

"نبی اکرمؐ کے سونے کی انگوٹھی اور اس کے استعمال سے منع کرنے کا تعلق صرف مردوں کے لیے خاص ہے اور عورتیں اس سے مستثنٰی ہیں کیونکہ عورتوں کے لیے اس کے استعمال کی اجازت پر اجماع منقول ہے۔"

شروع میں بیان کردہ، دو احادیث اور اس کے بعد ذکر کردہ ائمہ کرام کے بیانات اور اجماع کے دعوے وغیرہ یہ سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ عورتوں کے لیے علی الاطلاق سونے کا استعمال جائز ہے خواہ وہ سونا حلقہ دار ہو یا غیرہ حلقہ دار۔ علاوہ ازیں درج ذیل احادیث سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے:

۱۔ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے عمرو بن شعیب (عن ابیہ عن جدہ) کی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت اپنی بیٹی سمیت آنحضرتؐ کے پاس آئی اور اس کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا:

انعطین زکاۃ هذا؟ کیا تم ان کی زکاۃ نکالتی ہو؟

اس نے کہا: جی نہیں! آپؐ نے فرمایا:

"ایسرک ان یسورک اللہ بهما یوم القیامة سوارین من نار؟"

کیا پھر تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کنگنوں کے بدلے روز قیامت تمہیں آگ کے دو کنگن پہنا دیں؟

چنانچہ اس نے وہ دونوں کنگن اتار کر اللہ کے رسول ﷺ کے آگے رکھ دیئے اور کہنے لگی کہ اب یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ (یعنی بیت المال) کے لیے ہیں۔"

نبی اکرمؐ نے اس عورت کے لیے یہ وضاحت تو ضرور فرمائی کہ ان کنگنوں میں زکاۃ ہے مگر آپؐ نے اس عورت پر یہ اعتراض ہرگز نہیں کیا کہ تم نے یہ کنگن کیوں پہن لیے؟ اس سے معلوم ہوا کہ سونا پہننا عورت کے لیے جائز ہے۔ اور یہ دونوں کنگن حلقہ دار سونے کی قسم سے ہیں۔ جبکہ یہ حدیث بسند صحیح ثابت ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے "البلوغ" میں اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۲۔ سنن ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نجاشی (شاہِ حبش) نے آنحضرت کی خدمت میں کچھ زیورات بھجوائے جن میں سیاہ نگینے والی سونے کی انگوٹھی بھی تھی۔ آپؐ نے لاپرواہی کے ساتھ اسے ایک لکڑی یا اپنی انگلی کے ساتھ اٹھایا اور ابوالعاصؓ کی بیٹی امامہ جو آپ کی بیٹی حضرت زینبؓ کی بھی بیٹی تھی، کو بلوایا اور فرمایا: بیٹی! اس انگوٹھی کو پہن لو۔ گویا آپؐ نے اپنی نواسی امامہ کو انگوٹھی دی جو حلقہ دار سونے پر مشتمل تھی اور آپ کا اسے یہ فرمانا کہ اسے پہن لو، یہ حلقہ دار سونے کے جواز پر بطور نص (پختہ دلیل) دلالت کرتا ہے۔

۳۔ ابوداؤد اور دارقطنی نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے جسے امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ بلوغ المرام میں بھی ہے کہ ''حضرت ام سلمہؓ سونے کے زیورات پہنا کرتی تھی۔ انہوں نے ایک مرتبہ آنحضرتؐ سے پوچھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ کنز (وہ خزانہ جس کی زکاۃ نہ دی جائے اور روز قیامت اس تپا کر اس کے مالک کو بطور سز اس سے داغا جائے گا) تو نہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ جب تو اس کی زکاۃ ادا کرتی ہے تو پھر یہ کنز نہیں۔

سونے کی ممانعت والی احادیث ضعیف ہیں:

البتہ وہ روایات جن کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورتوں کے لیے سونے کا استعمال جائز نہیں وہ تمام روایات شاذ (ضعیف کی ایک قسم) ہیں اور ان روایات کے خلاف ہیں جو ان سے کہیں زیادہ صحیح اور ثابت شدہ ہیں۔ ائمہ محدثین نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ اگر صحیح اسناد کے ساتھ کچھ ایسی روایات مروی ہوں جو اپنے سے صحیح تر روایات کے خلاف ہوں اور ان دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنا بھی ممکن نہ ہو اور نہ ہی ان کی تاریخ کے بارے میں کچھ معلوم ہو (کہ اس تاریخ کی بنیاد پر نسخ کا فیصلہ کیا جاسکے) تو ان میں سے

کم تر درجے کی صحیح روایات کو شاذ قرار دیتے ہوئے لائق اعتنا نہیں سمجھا جائے گا اور نہ ہی ان پر عمل کیا جائے گا۔ جیسا کہ حافظ عراقی اپنی کتاب 'الفیہ' میں فرماتے ہیں:

وذو الشذوذ ما یخالف الثقۃ

فیہ الملأ فالشافعی حققہ

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ اپنی اصول حدیث کی کتاب ''نخبۃ الفکر'' میں فرماتے ہیں کہ

فان خولف بارجح فالراجح

المحفوظ ومقابلہ الشاذ

دونوں اشعار کا حاصل یہ ہے کہ وہ روایت شاذ (ضعیف) قرار دی جائے گی جس میں کوئی ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کی مخالفت کرے۔ اس شاذ کے مقابلہ میں زیادہ ثقہ راویوں کی روایت محفوظ (یعنی قابل اعتماد) قرار پائے گی۔

محدثین نے صراحت کی ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ شاذ نہ ہو اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ روایات جن کی رو سے عورتوں کے لیے سونے کا استعمال حرام قرار پاتا ہے، اگر انہیں بالفرض صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان کے اور ان صحیح احادیث کے مابین جمع وتطبیق ممکن نہیں جن میں عورتوں کے لیے سونے کے استعمال کی اجازت مذکور ہے۔ اور ان دونوں طرح کی روایات کے بارے میں تاریخ کے حوالے سے اس بات کا علم بھی نہیں کہ ان میں سے پہلے کی روایات کون سی ہیں اور بعد کی روایات کون سی؟ لہٰذا ضروری ہے کہ اہل علم کے مذکورہ بالا قاعدے کی روشنی میں سونے کی حرمت سے متعلقہ روایات پر شاذ (ضعیف) اور عدم صحت کا حکم لگا دیا جائے۔

ہمارے بھائی شیخ البانیؒ نے جو ان دونوں طرح کی روایات میں جمع وتطبیق پیدا کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ۔۔۔۔ ''ممانعت والی احادیث کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس سونے کے پہننے کی ممانعت ہے جو حلقہ دار ہو اور اجازت (اباحت) والی احادیث کو اس

کے برعکس اس بات پر محمول کیا جائے گا اور اس سے مراد وہ سونا ہے جو حلقہ دار نہ ہو''۔۔۔۔

تو شیخ البانی کی یہ بات (توجیہ) غلط ہے کیونکہ جن روایات میں سونے کے جواز کی صراحت ہے ان میں سے بعض میں انگوٹھی، کنگن وغیرہ پہننے کا بھی ذکر ہے اور یہ چیزیں حلقہ دار ہیں۔ (گویا حلقہ دار سونا پہننا بھی جائز ہوا) اور اس سے ہمارا بیان کردہ موقف ہی ثابت ہوا یعنی یہ کہ ہر طرح کا سونا پہننا جائز ہے۔

علاوہ ازیں سونے کے جواز پر دلالت کرنے والی روایات مطلق ہیں مقید نہیں۔ لہذا ان کے اطلاق اور بسند صحیح ثابت ہونے کے پیش نظر مطلق طور پر ان پر عمل کیا جائے گا۔ اور اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہو جاتی ہے کہ مختلف اہل علم نے سونے کی حرمت والی احادیث کے منسوخ ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے اور ہمارا موقف ہی بلاشبہ مبنی برحق ہے اور اسی موقف کو اپنانے سے شکوک وشبہات زائل ہو جاتے ہیں اور یہ حکم شرعی نمایاں طور پر سامنے آتا ہے کہ بلاشبہ امت کی خواتین کے لیے سونے کا استعمال جائز اور مردوں کے لیے حرام اور ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے، اور ہر قسم کی حمد وثنا اسی رب العالمین کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں محمد ﷺ، انکی آل اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر۔ (آمین)

فصل نہم

حق مہر اور متعلقہ مسائل

دورِ جاہلیت میں عورت کے ساتھ انتہائی وحشیانہ اور ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا اور اسے اس کی بہت سی جائز ضروریات بلکہ بنیادی حقوق تک سے بھی محروم کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اسلام نے جہاں عورت کے حقوق کی پاسداری کی وہاں اسے عزت و تکریم سے نوازتے ہوئے یہ حق بھی عطا کیا کہ شادی کے موقع پر خاوند اسے نقدی اور مال و متاع وغیرہ کی صورت میں حسب حیثیت کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور عطا کرے، جسے شرعی اصطلاح میں عورت کا ''حق مہر'' کہا جاتا ہے۔

حق مہر کے سلسلے میں یہ گنجائش تو موجود ہے کہ اسے خاوند کی مالی حیثیت پر موقوف کیا گیا ہے، وہ اپنی خوشی سے تھوڑا یا زیادہ جتنا چاہے مہر مقرر کرے اور یہ رخصت بھی موجود ہے کہ عورت اپنی مرضی سے چاہے تو خاوند کو کچھ یا تمام مہر معاف کر دے۔ مگر یہ گنجائش ہرگز موجود نہیں کہ عورت کو اس کے اس حق سے یکسر محروم اور نظر انداز کر دیا جائے۔

ذیل میں حق مہر سے متعلقہ مسائل و دلائل کو بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے:

''مہر'' عوضانہ یا تحفہ؟

فقہا کا اس بات میں اختلاف ہے کہ عورت کو حق مہر کیوں دیا جاتا ہے؟ اس کی عزت و تکریم کے لئے یا خاوند کی طرف سے اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری کے اظہار کے لیے یا اس سے جنسی فائدہ حاصل کرنے کے عوض؟ اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں دونوں طرح کی آیات موجود ہیں۔ مثلاً ایک آیت میں ہے:

﴿ وَ احل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین فما

استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضة ﴾ [النساء: ۲۴]

''اور ان (محرم) عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو، برے کام سے بچنے کے لیے نہ کہ شہوت رانی کرنے کے لیے۔ اس لیے جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انھیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو۔''

اس آیت کی روشنی میں بعض فقہاء کا استدلال یہ ہے کہ مہر عورت سے جسمانی منفعت ولذت کا بدل ہے۔ جب کہ ایک آیت میں مہر کے بارے میں کچھ اس طرح ہے:

﴿ وَ آتوا النساءَ صدقاتهن نحلة ﴾ [النساء: ۴]

''عورتوں کو ان کے مہر، راضی خوشی دے دو۔''

اس آیت سے فقہا کے دوسرے گروہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ '' نحلہ'' لغوی طور پر اس عطیہ و ہدیہ کو کہا جاتا ہے جو کسی بھی قسم کے عوض اور بدلے سے خالی ہو۔ لہٰذا یہ عوضانہ نہیں بلکہ ایک تحفہ ہے جو ایک طرف عورت کی عزت و تکریم کا اظہار کرتا ہے اور دوسری طرف اس چیز کی نمائندگی کرتا ہے کہ خاوند عورت کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہے۔

مذکورہ بالا اختلاف کے پیش نظر 'مہر' کو عوضانہ قرار دینے کی بجائے تحفہ وعطیہ قرار دینا ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ اسے جسمانی منفعت کا بدل قرار دیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کئی صورتیں ایسی ہیں جن میں خاوند جسمانی منفعت تو حاصل نہیں کر پاتا (مثلاً نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے ہی طلاق دینے یا خاوند کے فوت ہونے کی صورت) مگر اس کے باوجود عورت کو مہر دینا اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔

اسی طرح یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جسمانی منفعت اگر وہ حاصل کرتا ہے تو عورت بھی اس میں برابر کی شریک ہوتی ہے۔ مگر یہ کیا بات ہوئی کہ جسمانی منفعت کے عوض مرد پر مہر کی ادائیگی فرض ہو اور عورت کو اس سے بری کر دیا جائے؟!

مہر کا تقرر:

یہ بات تو طے ہے کہ مہر عورت کا حق ہے اور وہ خاوند سے معاف نہیں ہو سکتا الا یہ کہ خود عورت اپنی خوشی سے اس حق سے دست بردار ہو جائے۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ مہر شادی کے موقع پر مقرر کیا جائے بلکہ شادی کے بعد بھی مہر مقرر کیا جا سکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ لا جناح علیکم ان طلقتم النسآء ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ و متعوھن علی الموسع قدرہ و علی المقتر قدرہ متاعا بالمعروف ﴾[البقرہ:۲۳۶]

''اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، ہاں البتہ انھیں کچھ نہ کچھ فائدہ دو۔ خوشحال اپنے انداز سے اور تنگدست اپنے حساب سے ، دستور کے مطابق انھیں اچھا فائدہ دے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ

1. ......مہر مقرر کیے بغیر بھی شادی ہو سکتی ہے۔
2. ......شادی کے بعد اگر وظیفۂ زوجیت ادا کرنے سے پہلے خاوند طلاق دے دے تو عورت کو مہر دینا خاوند پر فرض نہیں۔
3. ......اس کے باوجود اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ تحفہ و ہدیہ ضرور دے دیا جائے۔
4. ......خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دی جائے اور مہر بھی پہلے مقرر کیا جا چکا ہو تو پھر اس مہر کا نصف حصہ ادا کرنا خاوند پر فرض ہے جیسا کہ گذشتہ آیت ہی سے متصل بعد والی آیت میں ہے کہ

﴿ وَ اِن طلقتموھن من قبل ان تمسوھن و قد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفو الذی بیدہ عقدۃ النکاح و ان تعفوا اقرب للتقویٰ ﴾[البقرہ:۲۳۷]

''اگر تم نے انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو اور مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو پھر اس صورت

میں نصف مہر دینا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ عورتیں درگزر سے کام لیں (اور نصف مہر بھی معاف کردیں) یا وہ مرد جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے وہ درگزر سے کام لے (اور پورا مہر ہی دے دے) اور اگر تم (یعنی مرد) درگزر سے کام لو تو یہ تقویٰ و پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔''

5 ...... اگر حق مہر بھی مقرر ہو اور طلاق بھی ''خلوت'' کے بعد دی جائے تو پھر عورت کو پورا حق مہر دینا ہوگا۔

6 ...... اگر ہمبستری کے بعد طلاق دی جائے اور مہر مقرر نہ ہو تو پھر مہر مثل ہے، یعنی اتنا مہر جو اس عورت کے خاندان میں عام مروّج ہے۔

بیوہ کا حق مہر:

گزشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ مہر کی ادائیگی کے حوالے سے چار ممکنہ صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں:

1 ...... نہ مہر مقرر کیا گیا ہو اور نہ ہی قربت ہوئی ہو۔

2 ...... مہر تو مقرر ہو چکا ہو مگر قربت نہ ہوئی ہو۔

3 ...... مہر بھی مقرر رہا ہو اور خلوت بھی ہو چکی ہو۔

4 ...... مہر مقرر نہ ہوا ہو، مگر خلوت ہو چکی ہو۔

مطلقہ عورت کے حوالہ سے ان چاروں صورتوں کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اور یہی چار صورتیں بیوہ کے لیے بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ مگر بیوہ کے لیے شریعت نے یہ فرق رکھا ہے کہ مہر مقرر رہا ہو یا نہ ہوا ہو اور مرنے والے شوہر نے ہمبستری کی ہو یا نہ کی ہو بہر صورت بیوہ کو پورا مہر ملے گا۔ اگر مہر مقرر تھا تو اتنا ہی ملے گا، اور اگر مقرر نہیں تھا تو پھر مہر مثل ملے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا کہ اس نے کسی عورت سے نکاح کیا مگر حق مہر مقرر نہ کیا اور نہ ہمبستری کر سکا کہ اس کی وفات ہو گئی۔ (اب عورت کے مہر کا کیا حکم ہے؟) تو ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ اسے اس کے خاندان کی عورتوں کے مثل (برابر) مہر دیا جائے نہ اس سے کم ہو نہ زیادہ۔ اور وہ عورت عدت بھی گزارے گی اور (خاوند کی) میراث سے بھی اسے حصہ ملے گا۔ (یہ فیصلہ سن کر) حضرت معقل بن سنان اشجعی نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ سن کر ابن مسعودؓ بہت خوش ہوئے۔ (کہ ان کا فیصلہ نبوی فیصلے کے مطابق نکلا) (۱)

مہر کب ادا کیا جائے:

مہر کی ادائیگی کے بارے میں شریعت نے وسعت دی ہے۔ یعنی بوقت نکاح بھی مہر ادا کیا جا سکتا ہے۔ رخصتی سے پہلے یا رخصتی کے بعد بھی کسی وقت اسے ادا کیا جا سکتا ہے۔ حتی کہ اگر تاخیر کی وجہ سے خاوند فوت ہو جائے تو اس کے ترکے سے مہر کی ادائیگی کی جائے گی جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک شخص سے کہا کہ ''تم اس بات پر راضی ہو کہ میں فلاں عورت سے تمہارا نکاح کر دوں؟'' تو اس نے کہا ہاں راضی ہوں۔ پھر آپؐ نے عورت سے کہا کہ ''کیا تم راضی ہو کہ میں فلاں آدمی سے تمہارا نکاح کردوں؟'' اس نے کہا جی ہاں راضی ہوں۔ تو آپؐ نے ان دونوں کا نکاح کر دیا۔ اس آدمی نے عورت سے قربت بھی کی تھی جب کہ مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ پھر جب وہ شخص فوت ہونے

(۱) [ترمذی: کتاب النکاح: باب فی الرجل یتزوج المراۃ فیموت عنھا قبل ان یفرض لھا (۱۱۴۵) ابو داؤد: کتاب النکاح: باب فیمن تزوج و لم یسمّ صداقا (۲۱۱۵) ابن ماجہ (۱۸۹۱)، نسائی (۱۲۱/۶)، احمد (۴۸۰/۳)، ابن حبان (۴۱۰۰)، حاکم (۱۸۰/۲)، بیہقی (۲۴۵/۷)]

لگا تو اس نے کہا کہ اللہ کے رسولﷺ نے میرا نکاح فلاں عورت سے کیا تھا اور میں نے اس کا مہر بھی مقرر نہ کیا اور نہ (اب تک) اسے کچھ دیا ہے۔ اب میں اپنا وہ حصہ جو خیبر سے مجھے ملا اسے مہر میں دیتا ہوں، ان کی بیوی نے اپنا حصہ (مہر) وصول کر کے ایک لاکھ میں اسے بیچ دیا"۔ (۱)

بہر صورت مہر کے بارے میں مناسب طریقہ یہی ہے کہ شادی کے موقع پر ہی یا اس کے بعد جلد از جلد مہر ادا کر دیا جائے۔

مہر کی مقدار مقرر نہیں:

مہر کی مقدار کے حوالے سے شریعت نے کوئی پابندی عائد نہیں کی بلکہ اسے خاوند کی حیثیت پر موقوف کر دیا ہے اس لیے اگر کوئی شخص حسب توفیق گراں قدر مہر مقرر کرتا ہے تو اس کی بھی گنجائش موجود ہے اور اگر مالی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے چند روپے، ایک انگوٹھی یا چند قرآنی سورتیں مقرر کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

گراں قدر مہر کا ثبوت:

گراں قدر مہر کے حوالے سے خود قرآن مجید میں یہ اشارہ موجود ہے کہ:

﴿ وَ ان اردتم استبدال زوج مكان زوج و اٰتيتم احداهن قنطاراً فلا تأخذوا منه شيئًا ﴾[النساء:۲۰]

"اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ (بطور مہر) دے رکھا ہو تو اس میں سے کچھ نہ لو۔"

ظاہر ہے کہ عورت کو بطور مہر دیا جانے والا خزانہ بھاری مالیت ہی پر مشتمل ہو سکتا ہے تبھی تو اسے خزانہ کہا گیا اور پھر اس کی نفی یا کراہت بھی بیان نہیں کی گئی۔ حافظ ابن کثیرؒ

(۱) [ابو داؤد: کتاب النکاح: باب فیمن تزوج و لم یسمّ......(۲۱۱۷)، حاکم (۱۸۲/۲) امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔]

فرماتے ہیں کہ

" و فی ھذہ الایة دلالة علی جواز الإصداق بالمال الجزیل "[1]

"اس آیت سے ثابت ہوا کہ حق مہر کے لیے بڑی رقم بھی مقرر کی جا سکتی ہے۔"

بلکہ اس سلسلے میں حافظ ابن کثیر نے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ

"حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا اور لوگوں کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ تم عورتوں کے حق مہر بہت زیادہ مقدار میں کیوں مقرر کرتے ہو؟ اللہ کے رسول اور صحابہ کرام میں تو مہر چار سو درہم یا اس سے بھی کم ہوا کرتا تھا۔ اگر حق مہر زیادہ مقرر کرنا اللہ کے ہاں تقویٰ اور شرف کا معیار ہوتا تو پھر صحابہ کرام سے تم سبقت نہیں لے جا سکتے تھے۔ اس لیے چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا جائے۔ خطبے کے بعد حضرت عمرؓ منبر سے نیچے اترے تو ایک قریشی عورت نے آپؓ سے کہا کہ کیا آپ نے چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر کرنے پر پابندی لگا دی ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے کہا: ہاں! اس عورت نے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اس بارے میں قرآن مجید کا کیا فیصلہ ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا: کیا فیصلہ ہے؟ تو اس عورت نے کہا: کیا آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں سنی:

﴿ و اتیتم احداھن قنطاراً فلا تأخذوا منه شیئًا ﴾[النساء:۲۰]

"اگر تم نے کسی عورت کو خزانہ (بطور مہر) دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔"

اس پر حضرت عمرؓ بے ساختہ پکار اٹھے: یا اللہ! مجھے معاف فرما دے یہاں تو ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہ ہے۔ پھر آپ دوبارہ منبر پر چڑھے اور کہا: لوگو! میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے روکا تھا (میں اپنی اس رائے اور حکم کو واپس لیتا ہوں) لہٰذا تم میں سے جو شخص (حسبِ حیثیت) جتنا چاہے مہر مقرر کر سکتا ہے۔"[ایضاً]

اسی طرح کئی احادیث سے بھی کثیر مقدار میں مہر مقرر کرنے کی گنجائش ملتی ہے مثلاً:

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر، ص۷۰۳، ج:۱] حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: "اسنادہ جید قوی" اس کی سند بڑی عمدہ (صحیح) ہے۔" لیکن اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی کو دیگر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے تاہم مذکورہ آیت سے مقدار مہر کی کثرت کے ثبوت کا استدلال بالکل درست ہے۔]

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی بیویوں کا مہر کتنا تھا؟ تو انھوں نے فرمایا: بارہ اوقیہ چاندی اور نَش۔ پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو ''نش'' کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ تو کہنے لگیں ''نش'' سے مراد نصف اوقیہ ہے۔ اور یہ پانچ سو درہم (یعنی ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی) ہوا۔(۱)

واضح رہے کہ درہم (چاندی کا) ایک سکہ ہوتا تھا جس کا وزن 2.975 گرام چاندی کے بقدر تھا اور پانچ سو درہم کو اگر سونے کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے تو یہ 25 دینار بنتے ہیں۔ کیونکہ اس دور میں 20 درہم ایک دینار کے برابر ہوتے تھے اور ایک دینار 4.25 گرام وزنی سونے کا سکہ تھا۔ اس لحاظ سے 25 دینار تقریباً آٹھ تولے سونا بنتا ہے اور فی تولہ سونے کا موجودہ نرخ اگر 8 ہزار روپے مقرر کیا جائے تو یہ رقم تقریباً 64000 روپے بنتی ہے اور چاندی کی موجودہ مالیت کے حساب سے بھی اس کی قیمت 20/25 ہزار روپے کے لگ بھگ نکلتی ہے۔

مہر کی کم سے کم مقدار:

جس طرح مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار کی کوئی حد متعین نہیں، اسی طرح کم سے کم مہر کی بھی کوئی حد متعین نہیں، جیسا کہ درج ذیل صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی اور اس نے آپ کے لیے اپنا نفس ہبہ کرنے کا عندیہ ظاہر کیا۔ آپؐ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بیٹھ گئی۔ اتنے میں ایک صحابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر آپؐ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے تو پھر میری اس سے شادی کر دیں۔ آپؐ نے پوچھا کہ تیرے پاس (مہر دینے کے لیے) کچھ ہے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کچھ بھی نہیں ہے۔ آپؐ نے اسے کہا کہ گھر جا کر

---

(۱) [مسلم: کتاب النکاح، باب الصداق و جواز کونہ تعلیم القرآن......(۱۴۲۶)، ابوداؤد(۲۱۰۵)، ابن ماجہ(۱۸۸۶)، نسائی(۶/۱۱۶)، احمد(۶/۹۳)]

دیکھو، شاید کوئی چیز مل جائے۔ وہ گیا پھر واپس آ کر کہنے لگا: اللہ کی قسم یا رسول اللہ! گھر میں کچھ نہیں ہے۔ آپؐ نے اسے دوبارہ بھیجا اور کہا کہ دیکھو لوہے کی ایک انگوٹھی ہی مل جائے تو وہی لے آنا۔ وہ گیا اور واپس آ کر کہنے لگا: بخدا! لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ملی۔ البتہ یہ میری اِزار (شلوار کی جگہ استعمال ہونے والی چادر) ہے۔ [حضرت سہل (راوی) فرماتے ہیں، کہ اس کے پاس اوپر اوڑھنے والی چادر بھی نہیں تھی] میں اس سے آدھی (بطورِ مہر) اس عورت کو دے دوں گا۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ: ''یہ آدھی اِزار کا کیا کرے گی؟ اگر یہ پہنے گی تو تیرے پاس کچھ نہیں بچے گا اور اگر تم پہنو گے تو پھر یہ (چادر) اس کے قابل نہیں رہے گی۔ پھر وہ صحابی بیٹھ گیا اور کافی دیر بیٹھنے کے بعد پھر کھڑا ہوا (اور واپس چل دیا) اللہ کے رسول نے اسے واپس جاتے دیکھ کر بلایا اور کہا کہ تمہیں قرآن مجید کتنا یاد ہے؟ اس نے کہا فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ نبی اکرمؐ نے پوچھا کیا زبانی یاد ہیں؟ اس نے کہا ہاں زبانی یاد ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا:

'' اذهب فقد ملكتكها بما معك من القرآن ''

''جاؤ تمہیں قرآن مجید کی جو سورتیں یاد ہیں ان کے بدلے میں، مَیں نے اسے تمہارے نکاح میں دیا۔'' (یعنی تم اس عورت کو وہ وہ سورتیں یاد کرا دینا)[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوہے کی انگوٹھی جیسی ادنیٰ اور معمولی چیز بھی مہر میں مقرر کی جا سکتی ہے اور اگر اتنی معمولی چیز بھی نہ ہو تو پھر قرآن مجید وغیرہ کی تعلیم بھی بطورِ مہر مقرر کی جا سکتی ہے۔ واضح رہے کہ جس روایت میں ہے کہ ''مہر دس درہم سے کم نہ ہو'' اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں اس لیے وہ روایت صحیح نہیں۔

(۱) [بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب القراء ة عن ظهر القلب(۵۰۳۰)، مسلم (۱۴۲۵)، ابوداؤد (۲۱۱۱)، ترمذی(۱۱۱۴)، نسائی(۶/۱۱۳)، ابن ماجه(۱۸۸۹)، ابن حبان(۴۰۹۳)، مسند حمیدی(۹۲۸)، احمد(۵/۳۳۰)، عبدالرزاق (۷۵۹۲)، بیهقی (۷/۱۴۴)

مہر جتنا کم ہو اتنا ہی مستحب ہے:

گزشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ مہر کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کوئی مقدار مقرر نہیں بلکہ حسبِ حیثیت اس کا تقرر کیا جا سکتا ہے البتہ مہر میں کثرت کی بجائے قلت مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" ان اعظم النكاح بركة ايسره مؤونة "(۱)

''سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچہ (مہر وغیرہ) ہو۔''

اس کی سند میں ضعف ہے تاہم اگلی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کی ایک صحیح روایت میں ہے:

" خير النكاح ايسره "(۲)

''سب سے بہتر نکاح وہ ہے جو سب سے سستا ہو۔''

بعض روایات میں ہے ((خير الصداق ايسره)) سب سے بہتر مہر وہ ہے جو سب سے سستا اور کم ہو۔''(۳)

(32) روپے 'شرعی مہر' کی اصلیت:

ہمارے ہاں عجیب افراط و تفریط پائی جاتی ہے کہ شادی کے موقع پر رسم حنا، سامان جہیز، سامان بری، بارات اور ولیمے وغیرہ پر لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں مگر جب حق مہر کی باری آتی ہے تو کہتے ہیں کہ مہر 'شرعی' ہوگا اور شرعی مہر سے 32 روپے آٹھ آنے مراد ہوتی ہے۔ حالانکہ مہر سے متعلقہ مسائل میں کہیں 32 روپے یا اس کے مساوی مہر کا ذکر تک

---

(۱) [مسند احمد، (۶/ ۸۲، ۱۴۵) ، ابن ابی شیبہ :(۴/ ۱۸۹)، مجمع الزوائد(۴/ ۲۵۵) ، المعجم الأوسط(۹۴۵۱)]

(۲) [ابو داؤد ، كتاب النكاح، باب فيمن تزوج و لم يسم صداقا(۲۱۱۷) ، ابن حبان (۴۰۷۲) ، حاكم وصححه(۲/ ۱۸۱) ، بيهقى (۷/ ۲۳۲)]

(۳) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ارواء الغليل للالبانی (۱۹۲۴)]

نہیں ملتا۔ البتہ فقہائے احناف نے ایک ضعیف حدیث کہ ''دس درہم سے کم مہر مقرر نہ کرو'' سے استدلال کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہونا چاہیے اور اسی دس درہم کی جب برصغیر میں کسی دور میں قیمت نکالی گئی تو وہ 32 روپے آٹھ آنے نکلی۔ اور پھر اسے ہی زبان زد عام کردیا گیا کہ شرعی حق مہر 32 روپے آٹھ آنے ہے۔ حالانکہ

❶ ......اوّل تو دس درہم والی حدیث ہی بسند صحیح ثابت نہیں۔

❷ ......گزشتہ کسی دور میں تو دس درہموں کی مالیت 32 روپے ہوسکتی ہے مگر اب روپے (کرنسی) کی شرح گر جانے کی وجہ سے یہ مالیت تقریباً ایک ہزار روپے تک پہنچ چکی ہے۔ بلکہ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ

''معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ حساب کسی عالم نے اس دور میں لگایا ہوگا جب متحدہ ہندوستان میں 1 روپے کا چار سیر دیسی گھی مل جاتا تھا۔ ملازمین کی تنخواہ 2 روپے ماہوار سے لے کر 4 روپے تک ہوتی تھی اور سونے کا بھاؤ تقریباً 5 روپے تولہ ہوتا تھا۔ یعنی اس وقت بھی 32 روپے کا چھ سات تولے سونا آجاتا تھا (جواب 35، 40 ہزار روپے کا ہے۔ بلکہ اس سے بھی گراں!) اب صورتحال یہ ہوئی کہ روپے کی قیمت تو ہزار گنا گر چکی ہے۔ مگر 32 روپے لوگوں کو اسی زمانے کے یاد ہیں!''(۱)

❸ ......جن فقہاء نے دس درہم، مہر مقرر کیا ہے انھوں نے بھی یہ مہر کی کم از کم مقدار بتائی ہے ورنہ اس سے زیادہ مہر مقرر کرنے پر انھیں بھی کوئی اعتراض نہیں۔ مگر ہمارے ہاں زیادہ کی طرف توجہ تو کم ہی جاتی ہے البتہ کم از کم ہی کو ہم ''شرعی مہر'' سمجھ بیٹھتے ہیں۔

❹ ......اگر مسنون مہر کا حساب کیا جائے جو وہ پانچ سو درہم (چاندی) یا 25 دینار (سونا) ہے، تو اس کی مالیت تقریباً 60 ہزار روپے بنتی ہے۔ لیکن آنحضرتؐ نے خود تو اپنی اکثر بیویوں کا اتنا مہر مقرر کیا ہے مگر ہمارے لیے اسے فرض قرار نہیں دیا بلکہ امت پر شفقت فرماتے ہوئے اسے خاوند کی مالی حیثیت اور زوجین کی باہمی رضامندی پر موقوف کردیا۔

(۱) [تیسیر القرآن از عبد الرحمن کیلانی: (ج ۱ ص ۳۳۳)]

اس لیے خلاصہ کلام یہی ہے کہ مہر کی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ کوئی مقدار مقرر نہیں تاہم حسب حیثیت مہر مقرر کیا جائے اور اس کے باوجود کم مہر مقرر کرنا ہی پسندیدہ ہے۔

مختلف غلط رویے:

بعض لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ شادی کے موقع پر حیثیت سے کہیں زیادہ مہر مقرر کرتے یا کروا لیتے ہیں۔ شوہر کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میں نے کون سا مہر ادا کرنا ہے، بیوی سے کہہ کر معاف کرا لیں گے جب کہ دوسری طرف نیت یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہر مقرر کرا لیا جائے تاکہ شادی کے بعد طلاق وغیرہ کی صورت میں مہر برآمد کرایا جائے یا اسے بطور دھمکی استعمال کیا جائے تاکہ شوہر معقول وجہ کے باوجود طلاق نہ دے پائے۔ یا بعض لوگ زیادہ مہر اس لیے مقرر کرواتے ہیں کہ وہ مہر کی رقم تو خود سنبھال لیتے ہیں اور لڑکی کو اس میں سے ایک پائی بھی نہیں دیتے۔ ایسے لوگ عام طور پر لڑکی کی وہاں ہی شادی کرتے ہیں جہاں انھیں مہر زیادہ سے زیادہ مل رہا ہو، حتی کہ اس انتظار میں بعض اوقات لمبے عرصے تک لڑکی کو گھر بٹھائے رکھا جاتا ہے۔

یہ سب رویے سراسر غلط ہیں، اس لیے کہ اوّل تو مہر جتنا کم ہو اور شادی کے موقع پر بآسانی دیا جا سکتا ہو، اتنا ہی دینا چاہیے اور پھر یہ مہر عورت کا حق ہے نہ کہ اس کے اولیاء وغیرہ کا۔ ہاں البتہ اگر عورت اپنی رضا سے اس میں سے اپنے اولیاء کو بھی کچھ دینا چاہے تو دے سکتی ہے۔ اسی طرح خاوند کا دباؤ ڈال کر مہر معاف کرانا بھی درست نہیں بلکہ مہر بہر صورت ادا کرنا ہوگا الا یہ کہ عورت خود اپنی رضا مندی سے اس میں سے کچھ یا سارا مہر ہی معاف کر دے تو پھر اور بات ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فان طبن لكم عن شيء منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا ﴾ [النساء:4]

''عورتوں کو ان کے حق مہر بخوشی ادا کرو۔ ہاں اگر وہ (عورتیں) اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تمہیں چھوڑ دیں تو تم اسے مزے سے کھا سکتے ہو۔''

فصل دہم

سہاگ رات اور آدابِ مباشرت

بیوی کی دلجوئی

شادی کے موقع پر لڑکی خواہ کتنی ہی خوش کیوں نہ ہو مگر اس کے باوجود فطری طور پر اسے ایک گھبراہٹ ضرور ہوتی ہے کیونکہ وہ والدین کے گھر سے اب ایک نئے گھر میں نئے خاندان اور اجنبی شریکِ حیات کے ساتھ پوری زندگی کے لیے وابستہ ہونے کی نیت سے آئی ہے۔ خاوند کیسا ہو گا، سسرال والے کیسا برتاؤ کریں گے، نئے گھر کا ماحول کیسا ہو گا۔۔ ان سب چیزوں کے بارے میں اگر اسے زبانی کلامی علم ہو بھی تو عملی و واقعاتی طور پر ابھی وہ قطعی نابلد ہوتی ہے۔

پھر عورت ذات ہونے کے ناطے اس کی کیفیت طبعی شرم و حیا، خوف و گھبراہٹ، کمزور دلی و احساس کمتری کی وجہ ایسے اضطراب سے دو چار ہوتی ہے کہ شادی جیسا فرح و سرور کا موقع بھی بلا وجہ اس کے لیے غمگینگی و سراسیمگی پیدا کیے ہوتا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے مناسب طریقہ سے دلہن کی دلجوئی کی جائے۔ گھر کی عورتیں یا خاوند نئی نویلی دلہن کے لیے خوشی کا ماحول پیدا کریں۔ اس کے لیے اچھے اچھے کھانوں کا انتظام کریں۔ اس کی بلا وجہ کی گھبراہٹ، پریشانی، خوف اور سراسیمگی دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں حضرت عائشہؓ کی شادی کے واقعہ سے متعلقہ درج ذیل روایت قابل توجہ ہے۔

حضرت اسما بنت یزید بن سکن فرماتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی شادی کے موقع پر حضرت عائشہؓ کا بناؤ سنگھار کر لیا تو نبی اکرم ﷺ کو حضرت عائشہؓ کا دیدار کرنے کے لیے بلایا۔ آپ تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ کے پہلو کی طرف بیٹھ گئے۔ پھر دودھ کا ایک بڑا پیالہ لایا گیا اور آپ ﷺ نے اس سے دودھ تناول فرمایا پھر آپ ﷺ نے وہ پیالہ حضرت عائشہؓ کی

طرف بڑھا دیا لیکن حضرت عائشہؓ نے مارے شرم کے سر جھکا لیا حضرت اسماؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عائشہؓ کو جھڑکتے ہوئے کہا کہ نبی اکرمؐ سے پیالہ پکڑ لو۔ تو حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے پیالہ لے کر اس سے کچھ دودھ پیا۔ پھر آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اپنی سہیلی (یعنی اسما) کو پیالہ دے دو۔ مگر میں نے کہا اللہ کے رسولؐ پہلے آپ اس سے (مزید دودھ) پی لیجیے پھر آپؐ مجھے دیجیے گا۔ چنانچہ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اس پیالے سے دودھ تناول فرمایا اور پھر مجھے دیا اور میں نے بھی اسی پیالے سے دودھ پیا۔ اسکے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جو عورتیں تمہارے اردگرد جمع ہیں انہیں بھی اس سے دودھ پینے کی دعوت دو تو عورتیں (از راہ تکلف) کہنے لگیں کہ ہمیں طلب نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے (از راہ مزاح) فرمایا کہ جھوٹ اور بھوک ایک ساتھ جمع نہ کرو۔ (یعنی تمہیں طلب بھی ہے مگر اس کے باوجود تم انکار کر رہی ہو)[1]

سہاگ رات.... مباشرت سے پہلے دعائے برکت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا غلام خریدے تو اسے چاہیے کہ اس کی پیشانی (سر کے بالوں سمیت اگلا حصہ) پکڑ کر یہ دعا پڑھ لے:

" اللھم انی اسألک خیرھا و خیر ماجبلتھا علیه وأعوذ بک من شرھا وشر ماجبلتھا علیه "[2]

"یا اللہ میں تجھ سے اس (عورت) کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور جس طبیعت پر تو نے اسے

---

(۱) [مسند احمد (۶/۴۳۸، ۴۵۲، ۴۵۸) مسند حمیدی (۲/۶۱) الترغیب والترھیب (۴/۲۹) شیخ البانیؒ نے اس روایت کی سند کو قوی قرار دیا ہے۔ دیکھیے: آداب الزفاف (ص۔ ۲۰)]

(۲) [ابوداؤد: کتاب النکاح: باب فی جامع النکاح (۲۱۶۰) ابن ماجه (۱۹۱۸) خلق افعال العباد للبخاری (۲۷) عمل الیوم واللیلة للنسائی (۲۴۰، ۲۶۳) حاکم (۲/۱۸۵) بیھقی (۷/۱۴۸) اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اونٹ خریدے تو اس کی کوہان پکڑ کر یہی دعا پڑھے۔]

پیدا کیا ہے اس کی بھلائی کا بھی سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے اس عورت کے شر سے اور جس طبیعت پر تو نے اسے پیدا کیا ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔''

اس دعا میں چونکہ اہلیہ کی خیر و برکت کا سوال کیا جاتا ہے اس لیے یہ دعا بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ البتہ شوہر کو چاہیے کہ دعا پڑھنے سے پہلے دلہن کو بتا دے کہیں ایسا نہ ہو کہ دلہن اس دعا کے عمل سے ناواقفیت کی بنا پر کوئی برا تاثر لے لے۔

سہاگ رات اور اللہ کی عبادت

شادی کے پرمسرت موقع پر انسان کے جنسی جذبات میں تلاطم خیز ہیجان برپا ہوتا ہے مگر خلوت و تنہائی حاصل ہو جانے کے باوجود انہیں ضبط کرتے ہوئے شکر کے طور پر یا شادی کے بعد خیر و برکت کے نزول کے لیے نفلی نماز ادا کرنا ایک پسندیدہ عمل ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ زندگی کی تقریباً سب سے بڑی نعمت پر اللہ کا شکر ادا کر لیا جائیگا بلکہ اس کے ساتھ فی الواقع ازدواجی زندگی اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت سے معمور ہو جائیگی جیسا کہ سلف صالحین کے دور کے درج ذیل واقعہ سے اس کی تائید ہوتی ہے:

حضرت شقیقؒ فرماتے ہیں کہ ابوحریز نامی ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک کنواری جوان لڑکی سے شادی کی ہے اور مجھے خدشہ ہے کہ وہ مجھ سے نفرت کا اظہار کرے گی۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے فرمایا کہ یقیناً الفت و محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور بغض و نفرت شیطان کی طرف سے۔ شیطان یہ چاہتا ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہے، اسے تمہارے نزدیک ناپسندیدہ بنا دے۔ لہٰذا جب تمہاری دلہن تمہارے پاس آئے تو اسے حکم دینا کہ تمہاری اقتدا میں دو رکعت نفل ادا کرے (اس سے برکت ہوگی) ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے کہا کہ جب تمہاری بیوی تمہارے خلوت کدہ میں آئے تو تم یہ دعا مانگنا: یااللہ! میرے لیے

میری بیوی میں برکت عطا فرما اور میرے اہل و عیال کے لیے مجھ میں برکت عطا فرما۔ جب تک تو ہمیں جمع رکھے، خیر و بھلائی کے ساتھ جمع رکھ اور جب ہمارے درمیان جدائی ڈالنا چاہے تو پھر بھی خیر و بھلائی کے ساتھ جدائی ڈالنا۔'' (۱)

بیوی سے قربت اور جماع

بیوی سے قربت اور جماع سے پہلے ہمیشہ یہ دعا (جو آگے مذکور ہے) پڑھنی چاہیے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ہمبستری کے لیے اپنی بیوی کے پاس آئے تو یہ دعا پڑھے:

'' بسم الله اللهم جنبنا الشيطان و جنب الشيطان ما رزقتنا ''

''اللہ کے نام سے یا اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور اس اولاد کو بھی (شیطان سے محفوظ رکھ) جو تو ہمیں عطا فرمائے۔''

اس دعا کے بعد اگر اس ہمبستری کے دوران میاں بیوی کی قسمت میں اولاد لکھی ہے تو شیطان اسے کبھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ (۲)

بیوی سے قربت و مجامعت کے حوالہ سے یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس موقع پر عورت کی بنسبت مرد جنسی ملاپ کے لیے اس قدر بے تاب ہوتا ہے کہ جنسی و شہوانی جذبات سے مغلوب ہو کر فی الفور اپنا مطلب پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عورت محبت و الفت کے لحاظ سے تشنگی محسوس کرتی ہے کیونکہ اگر مرد جنسی اعتبار سے عورت

---

(۱) [مصنف عبدالرزاق (۶/۱۹۱) وابن ابی شیبہ والطبرانی بحوالہ آداب الزفاف (ص ۲۳، ۲۴)]

(۲) [بخاری: کتاب الوضوء: باب التسمیۃ علی کل حال وعند الوقاع (۱۴۱) مسلم (۱۴۳۴) ابوداؤد (۲۱۶۱) ترمذی (۱۰۹۲) ابن ماجہ (۱۹۱۹) عمل الیوم واللیلۃ للنسائی (۱۴۴)]

کا محتاج ہے تو عورت بھی مرد سے سکون حاصل کرتی ہے اور جنسی جذبات کی تسکین کے لیے وہ بھی مرد سے اسی چیز کی توقع رکھتی ہے جو مرد عورت سے رکھتا ہے۔ اس لیے خاوند کو چاہیے کہ فی الفور اپنی حاجت پوری کر کے عورت سے الگ ہو جانے کی بجائے اس بات کو یقینی بنائے کہ عورت کی حاجت بھی پوری ہو اور اسے کوئی تشنگی محسوس نہ ہو۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے تدریجی طور پر عورت کو قریب کرے۔ اس کی شرم وحیا کی کیفیت کو آہستہ آہستہ کم کرے ،اس سے ہنسی مذاق، بوس وکنار اور دل لگی کرے حتی کہ جب اسے اندازہ ہو جائے کہ عورت کے جنسی جذبات ابھر آئے ہیں اور وہ جماع کے لیے بالکل تیار ہے تو پھر اس سے قربت کرے اس طرح مرد وزن دونوں کو نہ صرف جنسی تسکین صحیح معنوں میں حاصل ہوگی بلکہ باہمی پیار ومحبت میں بھی بے حد اضافہ ہوگا۔

مباشرت کے سلسلہ میں ایک ڈاکٹر کی مفید تجاویز!

اس سلسلہ میں (یعنی ہمبستری کے حوالہ سے) ایک ڈاکٹر کی چند اہم تجاویز جو درج ذیل سطور میں آ رہی ہیں، قابل مطالعہ ہیں:

ڈاکٹر فریڈ ریک کھن اپنی کتاب ''ہماری جنسی زندگی'' میں رقم طراز ہے کہ بیوی کی جہالت اور شوہر کی بے خبری عین ممکن ہے کہ دونوں کو اس درجہ تکلیف دہ حالات سے دو چار کر دے کہ وہ دونوں حجلہ عروسی سے نکل کر سیدھے پاگل خانے پہنچ جائیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جوان عورت اتنی حساس ہوتی ہے کہ اس کی محبت کا اصل مرکز اس کی لطافت اور حسن اخلاق ہے۔ اس نے اپنی رضامندی سے شادی کی، حالانکہ وہ زوجیت کی زندگی سے قطعاً ناآشنا ہے ،جب کہ اس کے گھر والے اور اس کا شوہر بھی اس کی اس وقت کی ذہنی کیفیت کو سمجھنے سے عاری ہوتا ہے۔ شب زفاف کو اس کا شوہر اس سے اپنی فرمانبرداری کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن وہ اس سے بدک جاتی ہے۔ ادھر وحشی صفت شوہر اسے ڈانٹتا اور اس پر ٹوٹ پڑتا ہے تا کہ اس سے اپنا شرعی

حق وصول کرے۔ اس صورت حال سے وہ عورت خفا ہو جاتی ہے۔ پھر جلد ہی ایک ہنگامہ بپا ہو جاتا ہے۔ گھر کا سامان توڑ پھوڑ کی نذر ہو جاتا ہے۔ معاملہ پولیس تک پہنچ جاتا ہے، پولیس تھانے لے جاتی ہے۔ اور پھر ایسا ہونا عین ممکن ہے کہ جنون کی سی کیفیت پیدا ہو جائے اور انہیں پاگل خانے پہنچا دیا جائے۔

یوں تو معاملہ یہاں تک پہنچنے کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں، لیکن سب سے اہم سبب جنسی معاملات سے عدم واقفیت ہے۔ نہ مرد کو پورا ادراک ہوتا ہے اور نہ ہی عورت کو۔ کیونکہ لوگ جنسی معلومات سے گریز کرتے ہیں۔ جبکہ علم نفسیات کے ماہرین جوان تمام پہلوؤں سے آگاہ ہوتے ہیں، ان کا نکتہ نظر یہ ہے کہ اگر مرد اور عورت جنسیات کی نزاکتوں سے آگاہ ہوں اور اس علم سے ان کا ذہن خالی نہ ہو تو صورت حال بالکل اعتدال پر رہتی ہے۔ کہیں بگاڑ پیدا ہی نہیں ہوتا اور فریقین کو کسی قسم کی پریشانی کا شکار نہیں ہونا پڑتا۔

عام طور پر شادی شدہ جوڑے بکارت ٹوٹنے کے عمل سے ناواقف ہوتے ہیں اور انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ شادی کی پہلی رات یا ابتدائی چند راتوں میں کیا کرنا ہے؟ اور یہ طبعی اور فطرتی بات ہے۔ جبکہ ان کے دوست اور قریبی لوگ بھی انہیں تمام امور سے آگاہ نہیں کرتے۔ بس مذاق بازی، ہنسی تماشہ اور استہزا میں رہتے ہیں۔ یہ نہیں بتاتے کہ بکارت ٹوٹنے کا مرحلہ کتنا سخت اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اور اس مرحلے کو (کس طرح) خوش اسلوبی اور آرام سے طے کرنا چاہیے۔

مجھے بعض افراد نے بتایا کہ بعض دیہاتی لوگوں میں یہ غلط بات پائی جاتی ہے کہ اگر کوئی نوجوان شب اول، بکارت کے ازالے میں کامیاب نہ ہو سکے تو دوسرے دن اس کے نوجوان دوست اس کا مذاق اڑاتے اور اسے کمزور قرار دیتے ہیں۔ اور اگر وہ پہلی ہی رات ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو دلہن کی سہیلیاں اس پر طعن کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ شہوت کی ماری ہوئی ہے اور اس نے پہلی ہی رات شوہر کی فرمانبرداری قبول کر لی ہے۔ چنانچہ اگر شب اول کو

دلہن کی طرف سے انکار رہتا ہے تو دلہا صاحب بے چین ہو جاتے ہیں اور اسے مارنے کو دوڑتے ہیں۔اس لئے کہ انہیں اپنے دوستوں کے استہزا و تمسخر کا نشانہ بننے کا ڈر رہتا ہے۔

بکارت ٹوٹنے کے سلسلہ میں ہم درج ذیل باتیں بیان کرتے ہیں:

❶ جو چیزیں طویل مدت سے بند ہوں اور جن سے حسن بھی وابستہ ہو، انہیں آسانی سے نہیں توڑا جا سکتا۔ان کو توڑنے کے لئے زور لگانا پڑتا ہے۔یہی حال بکارت کا ہے، اس کے ٹوٹنے کے سلسلہ میں عورت کو بڑا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

❷ بکارت کے بعد خون جاری ہو جائے تو عورت کو چاہئے کہ آرام کرے اور کچھ دیر کے لئے دونوں رانیں ایک دوسری کے ساتھ اچھی طرح ملا لے۔۔۔اور شوہر کو چاہئے کہ جب تک خون بند نہ ہو جائے، عورت سے علیحدہ رہے۔

❸ بکارت ٹوٹنے کے بعد عورت کسی نرم ترین شے سے اس وقت تک صفائی کرتی رہے، جب تک کہ زخم بالکل ٹھیک نہ ہو جائے۔اور جب تک کمزوری رفع نہ ہو جائے، اور اس دوران جماع سے احتراز و اجتناب کرے۔

❹ یہ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ بیوی کی شرم گاہ کی صفائی کے لئے نہایت اچھی چیزیں مہیا کرے، مثلاً گلیسرین، ویزلین وغیرہ۔۔۔جب وہ یہ محسوس کرے کہ شادی کے بعد کی ابتدائی راتوں میں خطرہ ہے کہ بیوی تکلیف سے دوچار ہوگی تو اس کے لیے اسی قسم کی نرم چیزوں کا اہتمام کرتا رہے تاکہ وہ تکلیف (اور جماع) کے وقت بدن کے نازک حصے پر اسے لگا لے۔(بلکہ اگر بوقت جماع شوہر بھی اپنے آلۂ تناسل پر کوئی نرم چیز مثلاً تیل وغیرہ لگا لے تو اس سے عورت کی تکلیف میں کافی حد تک کمی آ جاتی ہے)

❺ اگر چند روز یا چند ہفتوں تک مرد بکارت توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو اسے طبیب کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور طبیب کی ہدایت کے مطابق کھانے پینے کا سلسلہ شروع کرنا چاہئے۔اور قوت باہ کی ادویات اور غذائیں استعمال کرنی چاہئیں۔مثلاً گوشت، انڈا، مچھلی

،پیاز ،کالی مرچ ،زنجبیل ،پرندوں کا گوشت ،دودھ ،مکھن ،بادام ،وغیرہ قسم کی جو چیزیں طبیب بتائے انہیں استعمال میں لانا چاہئے۔

❻ غم ،افسوس ،بیماری اور کسی معاملہ میں حد سے زیادہ انہماک سے بچنا چاہئے ،یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کی جنسی رغبت میں ضعف ،اور کمزوری پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں۔

❼ مرد کو چاہئے کہ اپنے آپ کو توانا وتندرست رکھے۔فکر پیدا کرنے اور غم واندوہ میں ڈالنے والے امور سے کنارہ کش رہے۔اسی طرح وضو ،نماز ،اور صفائی کا ترک بھی کمزوری کا باعث بنتے ہیں ------ یہ چند تدابیر ہیں۔اس کے باوجود اگر ازالہٗ بکارت کسی سختی یا درشتی کی وجہ سے دشوار ہو تو مرد کو اپنے معالج سے مشورہ کرنا چاہئے تاکہ کسی مناسب ذریعہ سے اس کا تدارک کیا جاسکے۔''

شوہر ہمبستری کیسے کرے؟

اس مسئلہ میں اسلام شوہر کو یہ اجازت تو دیتا ہے کہ وہ مباشرت کے لیے جس حالت وہیئت کو چاہے اختیار کرے مگر اس کے ساتھ اتنی پابندی ضرور عائد کی گئی کہ دخول صرف عورت کی فرج (پیشاپ کے راستہ) میں ہو دبر (پاخانے کے راستہ) میں ہرگز نہ ہو۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ (البقرۃ۔۲۲۳)

''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں ،اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ۔''

اس آیت سے بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ ''جس طرح چاہو آؤ'' میں تو دبر بھی شامل ہو جاتی ہے لہذا عورت کی دبر میں دخول جائز ہے حالانکہ یہ استدلال بالکل غلط ہے اول تو اس لیے کہ سیاق کلام اس کی نفی کر رہا ہے کیونکہ عورت کو مثلِ کھیتی قرار دیا گیا ہے اور جس طرح چاہو آؤ سے مراد یہ ہے کہ اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور کھیتی سے مراد

وہ جگہ ہے جہاں سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور وہ فرج (قبل) ہے دبر نہیں لہذا اللہ تعالی کی مراد یہی ہے کہ عورت کی فرج میں دخول کے لیے جو طریقہ بھی چاہو تمہیں اختیار ہے۔ اس کی تائید ان صحیح احادیث سے بھی ہو جاتی ہے جن میں عورت کی فرج میں دخول کرنے اور دبر میں دخول نہ کرنے کی صراحت مذکور ہے بطور نمونہ چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

❶ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ یہود یہ کہا کرتے تھے کہ جب آدمی عورت کے پیچھے سے (اسکی فرج میں) جماع کرے تو پیدا ہونے والا بچہ بھینگا ہوتا ہے۔ اس (کی تردید) پر اللہ تعالی نے یہ آیت (مذکورہ بالا) نازل فرمائی کہ "تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں لہذا اپنی کھیتیوں میں جہاں سے چاہو آؤ۔" بعض روایات میں مزید وضاحت ہے کہ "جماع آگے سے ہو یا پیچھے سے، ہر طرح درست ہے بشرطیکہ دخول فرج میں ہو۔"(۱)

❷ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"ملعون من اتی امرأۃ فی دبرھا"(۲)

"وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کی دبر میں دخول کرتا ہے۔"

❸ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ انصار کا فلاں قبیلہ جو بت پرست تھا، یہود کے اہل کتاب قبیلہ کے ساتھ مل جل کر رہتا تھا۔ یہود اپنے آپ کو علم وفضل میں افضل و برتر سمجھتے تھے اس لیے انصار اپنے بہت سے کاموں میں ان کی پیروی کیا کرتے تھے۔ اہل کتاب (یہود) کا ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی بیویوں سے کروٹ کے بل ہمبستری کیا کرتے تھے اور یہ طریقہ عورت کے لیے قدرے پردہ پوشی کا فائدہ بھی دیتا تھا۔ انصار

(۱) [بخاری: کتاب التفسیر: باب نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم (٤٥٢٨) مسلم: کتاب النکاح (١٤٣٥) ابوداؤد (٢١٦٣) عشرۃ النساء للنسائی (٧٦/١) بیھقی (١٩٥/٧) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آداب الزفاف للالبانی (ص ٢٧)]

(۲) [ابو داؤد: کتاب النکاح: باب فی جامع النکاح۔۔۔ (٢١٦٢) ابن ماجہ (١٩٢٣) احمد (٢٧٢/٢، ٣٤٤، ٤٤٤، ٤٧٩)]

نے بھی یہود کے اس طریقے کو اپنا رکھا تھا۔ جبکہ قریش قبیلہ کے لوگ اپنی بیویوں سے ہر طرح سے جماع کرتے تھے یعنی آگے سے، پیچھے سے اور چت لٹا کر، ہر طرح سے ان سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ جب مہاجرین مدینہ آئے تو ان میں سے ایک مرد نے ایک انصاری عورت سے نکاح کیا اور حسب منشا اس سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کی مگر عورت نے گریز کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ہاں کروٹ کے بل جماع ہوتا ہے اس لیے تم بھی اسی طرح مجھ سے ہمبستری کرو ورنہ مجھ سے پرہیز کرو۔ ان دونوں کی تلخ کلامی بڑھ گئی اور یہ بات اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ "تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں لہذا اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو، آؤ۔"(۱)

یعنی سامنے کی طرف سے جماع کرو یا پیچھے کی طرف سے یا چت لٹا کر بشرطیکہ دخول فرج (پیشاب اور بچے کی پیدائش کی جگہ) میں ہو۔

ہمبستری اور بے پردگی

ہمبستری کے وقت میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ستر کو دیکھنا، شرعی طور پر کوئی قبیح اور ممنوع امر نہیں کیونکہ جن احادیث میں میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ستر کے نہ دیکھنے کا ذکر ہے وہ محدثانہ اصولوں کے مطابق صحیح نہیں جبکہ انکے برعکس دیگر صحیح روایات میں میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ستر دیکھنے کا جواز موجود ہے جیسا کہ بہز بن حکیم اپنے باپ اور وہ انکے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ! ہم اپنے ستر کہاں ڈھانپ کر رکھیں اور کہاں نہ ڈھانپیں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"احفظو ا عورتک الامن زوجتک او ماملکت یمینک"

---

(۱) [ابوداؤد: ایضا (۲۱٦٤) احمد (۳۱۸،۳۱۰،۳۰۵/٦) ترمذی ابویعلی (۳۲۹/۱) بیہقی (۱۹۵/۷) اگرچہ اس روایت کی سند میں کچھ ضعف ہے تاہم نفس مسئلہ (یعنی دبر میں جماع کی حرمت و ممانعت) دیگر صحیح روایات کی رو سے ثابت ہے]

''اپنی بیوی اوراپنی لونڈی کے سوا ہرکسی سے اپنا مقام ستر چھپا کر رکھو''۔۔۔۔صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! جب مختلف لوگ (بیوی اور دیگر محرم رشتہ دار) جمع ہوں تو پھر کیا کیا جائے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمہارے لیئے اپنا ستر چھپانا جس قدر ممکن ہو، اسے چھپاؤ تاکہ تمہارا ستر کوئی نہ دیکھ سکے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ! جب ہم میں سے کوئی شخص اکیلا ہو تو اس وقت اس کے ستر کی کیا حدود ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالی سب لوگوں سے بڑھ کر اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے شرم کی جائے''۔ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کا آپس میں کوئی پردہ نہیں البتہ دیگر لوگوں سے اپنا ستر ڈھانپ کر رکھا جائے۔ بالخصوص ہمبستری کے وقت یہ کوشش کی جائے کہ غیر شخص نہ دیکھ سکے۔ علاوہ ازیں یہ مستحب ہے کہ تنہائی (یعنی غسل وغیرہ) کے وقت بھی بے پردگی سے بچا جائے مگر یہ فرض نہیں کہ کیونکہ اللہ تعالی سے کوئی بندہ پوشیدہ و مخفی نہیں خواہ وہ عریاں ہو یا کپڑے پہنے ہوئے۔

بلا عذر شرعی ہمبستری سے انکار نہ کیا جائے

میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کو جنسی جذبات کی تسکین کے لیے بلائے تو اسے بلا عذر شرعی ہرگز انکار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایسی صورت میں انکار کرنیوالے کے بارے میں نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور یہی نفرت آگے چل کر ازدواجی زندگی میں ناخوشگواری کو جنم دیتی ہے۔ نفرت اور ناخوشگواری کے سدباب کے لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

'' والذی نفسی بیدہ مامن رجل یدعوا امرأته الی فراشها فتابی علیه الا کان الذی فی السماء ساخطا علیها حتی یرضی عنها''

(۱) [ابوداؤد: کتاب الحمام: باب ماجاء فی التعری (۴۰۱۲) ترمذی (۲۷۶۹) ابن ماجه (۱۹۲۰)]

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب کوئی شخص اپنی بیوی کو (قربت) کے لیے بستر پر بلائے اور بیوی انکار کردے تو وہ ذات جو آسمانوں میں ہے اس (بیوی) سے اس وقت تک ناراض رہتی ہے جب تک کہ اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔''(۱)

دوسری حدیث میں ہے کہ

'' جب آدمی اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ (ہمبستری سے) انکار کردے، تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔''(۲)

ہمبستری پر اجروثواب

خوش قسمتی کی بات ہے کہ زنا سے بچنے کے لیے شادی کرنیوالے کو ہمبستری پر بھی اجروثواب حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ کچھ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ! امیر لوگ اجروثواب میں آگے بڑھ گئے ہیں کیونکہ وہ ہماری طرح نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور روزے بھی رکھتے ہیں۔ (البتہ ان میں یہ بات زائد ہے کہ) وہ اپنا اضافی مال اللہ تعالی کی راہ میں صدقہ کرتے ہیں۔ (جبکہ ہم غریب یہ نیکی کرنے سے محروم ہیں) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے لیے اللہ تعالی نے ایسی چیزیں نہیں رکھیں کہ ان کے ذریعے تم بھی صدقہ (کا ثواب حاصل) کر سکتے ہو! (مثلا) ہر بار سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور الحمدللہ کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے، بیوی سے ہمبستری کرنا صدقہ ہے۔ (جب آنحضرتؐ نے یہ بات کہی تو) بعض صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول

(۱) [مسلم: کتاب النکاح: باب تحریم امتناعها من فراش زوجها (۱۴۳۶)]

(۲) [بخاری: کتاب النکاح: باب اذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها (۵۱۹۳)؛ مسلم ایضا (۱۴۳۶)]

ﷺ ! ہم لوگ تو ہمبستری کے ذریعے اپنی شہوت پوری کرتے ہیں پھر اس میں بھی صدقہ (کا ثواب) کیسے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص حرام کاری کے ذریعے شہوت پوری کرے تو کیا اسے گناہ ہوگا؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا جی ہاں! تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسی طرح اگر وہ حلال طریقے سے شہوت پوری کرے گا تو اس پر اسے ثواب بھی ہوگا۔ (۱)

ہمبستری کا وقت

ہمبستری کے لیے شریعت نے کوئی وقت مقرر نہیں کیا بلکہ دن رات جس وقت طلب ہو قربت کی جا سکتی ہے بشرطیکہ بیوی حالت حیض یا نفاس میں نہ ہو۔ بعض لوگ ہمبستری کے لیے رات اور بعض دن اور بعض صبح کا وقت تجویز کرتے ہیں لیکن ہمبستری کا مناسب وقت وہی ہے جب انسان کو اس فعل کی طلب و آرزو پیدا ہو، اس وقت ہمبستری کرنا سب سے زیادہ مناسب اور پر لذت ہوتا ہے۔ چونکہ ہمبستری کی طلب خاوند کو دن کے وقت بھی ہو سکتی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

" لا یحل للمرأۃ ان تصوم وزوجھا شاھد الا باذنہ "

''عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں اسکی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے۔'' (۲)

جمعہ کی رات ہمبستری کرنا مستحب ہے

جیسا کہ درج ذیل احادیث سے اس کا اشارہ ملتا ہے:

(۱) [مسند احمد (۱۷۸،۱۶۷/۵) مسلم: کتاب الزکاۃ باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف (۱۰۰۶) ابو داؤد (۵۲۴۳)]

(۲) [بخاری: کتاب النکاح :باب لاتاذن المرأۃ فی بیت زوجھا لاحد الا باذنہ (۵۱۹۵) مسلم (۱۰۲۶) احمد (۳۱۶/۲، ۲۴۵) ترمذی (۷۸۲) ابن ماجہ (۱۷۶۱) ابن حبان (۳۵۷۳) حاکم (۱۷۳/۴) دارمی (۱۲/۲)]

1. حضرت اوس بن اوسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے روز غسل کرے اور (بیوی سے ہمبستری کر کے اسے بھی) غسل کرائے، (جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد میں) جلدی آئے اور خطبہ میں جلدی شریک ہو، خطیب کے قریب بیٹھے، خطبہ غور سے سنے اور خاموش ہو کر بیٹھا رہے، تو اسے (مسجد میں جانے اور آنے والے) ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزے اور ایک سال کے قیام (یعنی رات کی عبادت) کا ثواب ملے گا۔[1]

2. حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے روز غسل جنابت کرے پھر جمعہ کے لیے آئے تو گویا (اجر و ثواب کے لحاظ سے وہ ایسے ہے جیسے) اس نے ایک اونٹ کی قربانی دی۔ پھر جو دوسری گھڑی میں جمعہ کے لیے آئے وہ ایسے ہے جیسے اس نے گائے کی قربانی دی۔ پھر تیسری گھڑی میں آنیوالا ایسے ہے جیسے اس نے سینگ والے مینڈھے کی قربانی دی اور جو چوتھی گھڑی میں آیا اس نے گویا مرغی، اللہ کی راہ صدقہ کی۔ اور جو پانچویں گھڑی میں آیا اس نے گویا انڈہ اللہ کی راہ میں صدقہ کیا۔[2]

خلوت کی پر لطف باتیں بتانا حرام ہے

حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" ان من شر الناس عنداللہ منزلۃ یوم القیامۃ الرجل یفضی الی امرأتہ وتفضی

---

(۱) [ترمذی: کتاب الجمعۃ :باب ماجاء فی فضل الغسل یوم الجمعۃ (۴۹۶) ابو داؤد: کتاب الطھارۃ (۳۴۵) نسائی: کتاب الجمعۃ (۹۷/۳) ابن ماجہ (۱۰۸۷) احمد (۱۰۴،۹/۴) دارمی (۳۶۳/۱) ابن خزیمہ (۱۲۸/۳)]

(۲) [بخاری: کتاب الجمعۃ :باب فضل الجمعۃ (۸۸۱) مسلم: کتاب الجمعۃ (۸۴۹) ترمذی (۴۹۹) ابو داؤد (۳۵۱) نسائی (۹۸/۳) احمد (۴۶۰/۲) موطا (۱۰۱/۱)]

الیہ ثم ینشرھا "[۱]

" قیامت کے روز اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ برا شخص وہ ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور بیوی اس کے پاس آئے اور پھر وہ اپنی بیوی کے راز کی باتیں لوگوں کو بتائے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کو اپنی خلوت کی باتیں، ایک دوسرے کا حسن یا عیب اور آپس میں بیتنے والے جنسی واقعات کو دوسروں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے لیکن افسوس بعض مرد اپنے دوستوں اور بعض عورتیں اپنی سہیلیوں کو اپنے اور شوہر کے درمیان بیتے ہوئے ایسے واقعات بالخصوص سہاگ رات کی پر لطف باتیں بتانے میں مزہ محسوس کرتے ہیں حتی کہ بعض بے غیرت اور دیوث قسم کے لوگ اپنی بیوی کا حسن و جمال بھی غیروں کے سامنے عیاں کرتے ہیں جس سے ان کے دلوں میں بھی اس عورت کو دیکھنے، اس سے باتیں کرنے اور عشقیہ تعلقات قائم کرنے کے جذبات انگڑائیاں لینے لگتے ہیں، پھر اس کے نتیجہ میں جو المناک واقعات پیش آتے ہیں وہ بھی اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔

دوبارہ صحبت سے پہلے وضو یا غسل کرنا مستحب ہے

حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" اذا اتی احدکم اھلہ ثم اراد ان یعود فلیتوضاء "[۲]

" جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کر لے پھر وہ دوبارہ صحبت کا ارادہ کرے تو اسے وضو کر لینا چاہیے"۔

مستدرک حاکم میں ہے کہ " فانہ انشط للعود "۔

---

(۱) [مسلم: کتاب النکاح :باب تحریم افشاء سر المرأۃ (۱٤۳۷)ابوداؤد (٤۸۷۰)احمد(۳/٦۹)]

(۲) [مسلم :کتاب الحیض :باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء لہ (۳۰۸)ابوداؤد(۲۲۰)ترمذی (۱٤۱)بیھقی (۲۰۳/۱،۲۰٤)حاکم (۱۵۲/۱)]

''اس سے دوبارہ جماع کے لئے خوب چستی پیدا ہو جاتی ہے۔''

حضرت ابورافع ؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک دن تمام بیویوں کے پاس گئے اور ہر بیوی کے ہاں (صحبت کے بعد) غسل فرماتے رہے۔ میں نے اللہ کے رسول ؐ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ایک ہی بار (یعنی آخر میں) غسل کر لیتے؟ آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ اس طرح (یعنی ہر مرتبہ) غسل کرنا زیادہ پاکیزہ، صاف ستھرا اور بہتر ہے۔ (۱)

میاں بیوی کا اکٹھے غسل کرنا

جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور میں ایک ہی برتن سے غسل جنابت کر لیا کرتے تھے۔ (۲)

اس روایت سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ عورت کو محض چھونے (یعنی ہاتھ لگانے) سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ اگر اس طرح وضو ٹوٹتا ہے تو پھر مسنون غسل بالاولی ٹوٹنا چاہیے کیونکہ اس میں بھی وضو کیا جاتا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اکٹھے غسل کرنے سے ایک دوسرے کو ہاتھ تو ضرور ہی لگے گا اس لیے اگر ہاتھ لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہ ؓ اکٹھے غسل مسنون نہ فرمایا کرتے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ میاں بیوی ایک دوسرے کا ستر (یعنی مخفی مقامات) دیکھ سکتے ہیں کیونکہ اکٹھے غسل میں یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک دوسرے کے ستر پر نظر نہ پڑے اور ویسے

---

(۱) [ابو داؤد: کتاب الطھارۃ: باب فی الوضوء لمن اراد ان یعود (۲۱۹) ابن ماجہ (۵۹۰) احمد (۸/۶) عشرۃ النساء ... للنسائی (۷۹/۱) المعجم الکبیر (۹۶/۶) آداب الزفاف (ص ۳۶)]

(۲) [بخاری: کتاب الغسل: باب ھل یدخل الجنب یدہ فی الاناء ... (۲۶۳) مسلم: کتاب الحیض: باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ (۳۲۱) نسائی (۲۰۳/۱)]

بھی میاں بیوی کا آپس میں کوئی ستر نہیں ہوتا۔ البتہ وہ روایت جس میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ

" ما رایت عورۃ رسول اللہ قط "

"میں نے کبھی اللہ کے رسولؐ کی شرمگاہ نہیں دیکھی"

یہ روایت باطل اور جھوٹی ہے کیونکہ اس کی سند میں برکۃ بن محمد حلبی کذاب راوی ہے (۱)

ویسے بھی ازدواجی زندگی میں عملی طور پر یہ ممکن نہیں کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے ستر نہ دیکھیں۔ یاد رہے کہ ستر نہ دیکھنے کے بارے میں جتنی روایات مروی ہیں، شیخ البانی ان سب کو ضعیف بتاتے ہیں۔

غسل جنابت کا مسنون طریقہ

غسل جنابت کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے بہت سی روایات مروی ہیں اور ان میں سے ایک روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب غسل جنابت فرماتے تو اس طرح کرتے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ دھوتے پھر اسی طرح وضو فرماتے جس طرح نماز کے لیے وضو فرماتے ہیں پھر ہاتھوں کی انگلیوں سے سر کے بالوں کی جڑوں کو پانی سے تر کرتے پھر اپنے سر پر پانی کے تین چلو ڈالتے اور پھر سارے بدن پر پانی بہاتے پھر اپنے دونوں پاؤں دھو لیتے۔ (۲)

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آداب الزفاف للالبانی (ص ۳۷)]

(۲) [مسلم: کتاب الحیض: باب صفة غسل الجنابة (۳۱۶، ۳۱۷) نیز دیکھئے: بخاری: کتاب الغسل: باب الوضوء قبل الغسل (۲۴۹، ۲۴۹) باب الغسل مرة (۲۵۷) نیز دیکھئے: ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۸۴، ۲۷۶، ۲۸۱]

غسل جنابت سے متعلقہ تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ

1. سب سے پہلے شرمگاہ کو دھویا جائے اور جہاں کہیں نجاست لگی ہوا سے صاف کیا جائے۔
2. پھر مسنون وضو کیا جائے۔البتہ دونوں پاؤں وضو کے آخر یا غسل کے آخر دونوں طریقوں سے دھوئے جاسکتے ہیں۔
3. سر کے مسح کی بجائے تین مرتبہ چلو بھر کر سر میں ڈال کر بالوں کی جڑوں کو اچھی طرح تر کرنا چاہیے۔
4. عورت کے لیے غسل جنابت میں سر کے بال کھولنا ضروری نہیں البتہ حیض ونفاس کے غسل کے لیے بال کھولنا ضروری ہے۔
5. پھر آخر میں سارے جسم پر پانی بہالیا جائے۔

غسل جنابت سے پہلے سونا ہو تو وضو کر لینا مستحب ہے

ہمبستری کے بعد اور غسل جنابت سے پہلے سونے کا ارادہ ہو تو وضو کر لینا مستحب و پسندیدہ امر ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ

" كان النبيﷺ اذا اراد ان ينام وهو جنب غسل فرجه وتوضا للصلوة "

''جب نبی اکرمﷺ حالتِ جنابت میں سونا چاہتے تو اپنی شرمگاہ دھو کر نماز کی طرح وضو فرماتے اور سو جاتے۔''(۱)

حضرت عمرؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ ہم حالت جنابت میں (بغیر غسل کیے) سو سکتے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں سو سکتے ہو البتہ سونے سے پہلے وضو کر لو۔(۲)

(۱) [بخاری: کتاب الغسل: باب الجنب يتوضا ثم ينام (۲۸۸) مسلم: كتاب الحيض (۳۰۵)]

(۲) [مسلم: كتاب الحيض: باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له ....(۳۰۶) ابن حبان (۲۳۲)]

حالت حیض اور نفاس میں جماع کرنا حرام ہے

عورت حالت حیض میں ہو تو اس سے جماع کرنا حرام ہے تاوقتیکہ خون ختم ہو جائے اور عورت پاک ہو جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَيَسْـئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾ (البقرۃ۔۲۲۲)

''نیز وہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپ کہیے کہ وہ ایک گندگی ہے لہذا حیض کے دوران عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو لیں ان کے قریب تک نہ جاؤ جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جا سکتے ہو جدھر سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔اللہ تعالی توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حالت حیض میں بیوی سے جماع کرنا حرام ہے، علاوہ ازیں اس کی حرمت کی تائید درج ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے:

❶ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص حائضہ عورت سے صحبت کرے یا عورت کی دبر میں جماع کرے یا کاہن (نجومی وغیرہ) کے پاس آئے، تو اس نے گویا اس دین کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔[(۱)]

❷ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ''جب یہودیوں کے ہاں کوئی عورت حائضہ ہوتی تو وہ اسے گھر سے نکال (کر علیحدہ کر) دیتے اور اس سے کھانا پینا اور میل ملاپ بھی ختم کر دیتے۔جب آنحضرت ﷺ سے اس فعل کی شرعی حیثیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو سورۃ بقرۃ کی یہ آیت (مذکورہ بالا) نازل ہوئی اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا

(۱) [ترمذی: کتاب الطھارۃ: باب ماجاء فی کراھیۃ اتیان الحائض۔۔۔ (۱۳۵) ابوداؤد (۳۹۰۴) ابن ماجہ (۶۳۹) احمد (۲/ ۴۰۸) دارمی (۱/ ۲۵۹)]

کہ" حائضہ عورتوں کو گھروں ہی میں رکھو اور جماع کے علاوہ ان سے ہر طرح کا میل ملاپ قائم رکھو"[1]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت سے جماع کے علاوہ ہمبستری، بوس وکنار اور پیار ومحبت کی باتیں کی جا سکتی ہیں۔ اس کی مزید تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

● حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی حالت حیض سے ہوتی تو آنحضرت ﷺ اسے حکم دیتے اور وہ لنگوٹ باندھ لیتی اور آپؐ اس سے (جماع کے علاوہ) میل ملاپ کرتے۔[2]

حالت حیض میں چونکہ جماع (فرج میں دخول) حرام ہے اس لیے شادی کی تاریخ مقرر کرتے وقت یہ چیز مدنظر رکھی جائے کہ ان دنوں لڑکی حالت حیض سے نہ ہو۔ لیکن اگر بالفرض لڑکی کے ماہواری کے دن میں سہاگ رات آجائے تو پھر ہمبستری کے علاوہ جماع سے اجتناب کیا جائے۔

واضح رہے کہ حالت نفاس میں بھی جماع اسی طرح حرام ہے جس طرح حالت حیض میں۔ اس لئے ولادت کے بعد اس وقت تک عورت سے مقاربت نہ کی جائے جب تک کہ وہ نفاس کے خون سے پاک نہ ہو جائے اور یاد رہے کہ احادیث کی رو سے نفاس کا خون زیادہ سے زیادہ چالیس دنوں تک جاری رہتا ہے اور اگر بالفرض اس کے بعد بھی خون آتا رہے تو وہ نفاس کا خون متصور نہیں ہوگا۔ اور اگر چالیس دن پورے ہونے سے پہلے ہی یہ خون رک جائے تو پھر عورت سے جماع کیا جا سکتا ہے تاہم اس سلسلہ میں طبی لحاظ سے عورت کی صحت کو بھی مدنظر رکھا جائے۔

---

(۱) [مسلم: کتاب الحیض: باب جواز غسل الحائض رأس زوجها....(۳۰۲)ابوداؤد(۲۱۶۵)]

(۲) [بخاری: کتاب الحیض: باب مباشرة الحیض (۳۰۲)مسلم (۲۹۳)ابوداؤد (۲۶۸)ابن ماجه (۶۳۶)نسائی (۲۸۶)احمد(۵۵/۶)]

حالت حیض ونفاس میں جماع کرنے کا کفارہ

اگر کوئی شخص جنسی جذبات سے مغلوب ہو کر حالت حیض یا حالت نفاس میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھے تو اسے چاہیے کہ حدیث نبوی کے مطابق ''ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔''(۱)

عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

''جب (حیض یا نفاس والی عورت) کا خون سرخ ہو تو (جماع کرنے کا کفارہ) ایک دینار سونا ہے اور جب خون کا رنگ زرد ہو تو پھر (جماع کرنے کا) کفارہ آدھا دینار سونا ہے۔''(۲)

واضح رہے کہ حالت حیض ونفاس میں جماع کی ممانعت میاں بیوی ہی کے فائدہ کے لیے ہے کیونکہ طبی طور پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دوران حیض جماع کرنے سے ایک طرف عورت کی اندام نہانی میں سوزش پیدا ہوتی جس سے بیضہ دانی میں نقص پیدا ہونے اور عورت کے بانجھ ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے اور دوسری طرف مرد کے عضو تناسل میں حیض کا فاسد مواد اور گندے جراثیم پیوست ہو کر مختلف امراض (مثلاً آتشک، سوزک وغیرہ) کا سبب بنتے ہیں اور اگر کوئی زہریلا مادہ پیشاب کی نالی کے ذریعے خصیہ تک پہنچ جائے تو مرد کے بانجھ ہونے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ہی دنیوی واخروی کامیابی کا باعث ہے!

عزل جائز ہے مگر۔۔۔!

بوقت مباشرت مرد کا اپنا آلہ تناسل عورت کی شرمگاہ سے باہر نکال لینا تاکہ پانی فرج میں داخل ہو کر حمل کا باعث نہ بنے، عزل کہلاتا ہے۔ اب اس کی کئی نئی صورتیں پیدا ہو چکی

(۱) [ابو داؤد: کتاب النکاح: باب فی کفارۃ من اتی حائضا (۲۱٦۸) ترمذی (۱۳٦) احمد (۱/۲۲۹، ۲۸٦) ابن ماجه (٦٤۰) نسائی (۲۸۹) دارمی (۱/۲۰٤)]

(۲) [ترمذی: کتاب الطهارۃ: باب ماجاء فی الکفارۃ فی ذلك (۱۳۷) ابو داؤد (۲۱٦۹)]

ہیں۔ مثلاً آلہ تناسل پر ایک مخصوص خول یا لفافہ پہنا کر مباشرت کی جاتی ہے تا کہ مادہ منویہ لفافے میں جمع ہو اور عورت کے رحم میں نہ جا سکے، یا پھر اسی طرح عورت ایک مخصوص خول رحم کے منہ پر ڈال لیتی ہے تا کہ مادہ رحم میں نہ جا سکے۔ اسے لوپ یا چھلا کہتے ہیں۔ اگر عزل کسی طبی ضرورت کے تحت کیا جائے تو پھر اس کے جواز میں کوئی قباحت وکراہت نہیں لیکن اگر عزل طبی ضرورت کے علاوہ کیا جائے تو پھر بھی راجح پہلو اگرچہ اس کے جواز کا ہے مگر اس میں کراہت وناپسندیدگی ضرور پائی جاتی ہے۔ کیونکہ عہد رسالت میں لوگ کسی طبی ضرورت کے بغیر بھی عزل کیا کرتے تھے مگر آنحضرت ﷺ نے انہیں دوٹوک انداز میں منع نہیں کیا۔ جیسا کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ

"کنا نعزل علی عهد رسول الله فبلغ ذلک نبی الله فلم ينهنا عنه "(۱)

"ہم اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں عزل کیا کرتے تھے مگر آپؐ نے ہمیں اس سے منع نہ فرمایا، حالانکہ آپ کو ہمارے اس فعل کے بارے میں معلوم بھی ہو چکا تھا۔"

البتہ آنحضرت ﷺ نے اسے ناپسندیدہ سمجھتے ہوئے یہ ضرور فرمایا کہ

"ذاک الوأد الخفی "

"عزل تو گویا مخفی طریقے سے (بچے کو) زندہ درگور کرنا ہے۔"(۲)

اسی طرح جب کچھ لوگوں نے آپؐ سے عزل کے بارے میں کچھ دریافت کیا تو آپؐ نے اس کی بے مقصدیت کو اس طرح بھی واضح فرمایا کہ

" مامن نسمة كائنة الى يوم القيامة الا هي كائنة "(۳)

---

(۱) [مسلم: کتاب النکاح: باب حکم العزل (۱۴۴۰) نیز دیکھیے بخاری (۵۲۰۸) ترمذی (۱۱۳۷) احمد (۳۷۷/۳) بیہقی (۲۲۸/۷) ابو یعلی (۲۲۵۵) ابو داؤد (۲۱۷۳)]

(۲) [مسلم: کتاب النکاح: باب جواز الغیلة (۱۴۴۲) ابوداؤد (۳۸۸۲) ترمذی (۲۰۷۶) احمد (۳۶۱/۶) بیہقی (۲۳۱/۷) ابن ماجه (۲۰۱۱) موطا (۶۰۷/۲) نسائی (۱۰۶/۶) بیہقی (۴۶۵/۷)]

(۳) [بخاری: کتاب النکاح: باب العزل (۵۲۱۰)]

''قیامت تک جس جان کے پیدا ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے، وہ پیدا ہو کر رہے گی۔'' (خواہ کوئی عزل کرے یا نہ کرے!)

حالت حمل یا حالت رضاعت میں بیوی سے جماع کرنا

قرآن و سنت میں بیوی سے جماع کی ممانعت صرف اسی صورت میں بتائی گئی ہے جب وہ حالت حیض یا نفاس میں ہو، اس کے علاوہ دیگر صورتوں میں مباشرت پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی ماسوائے اس کے کہ عورت کو طبی طور پر کوئی رکاوٹ ہو۔ لہذا حالت حمل یا حالت رضاعت میں بیوی سے ہمبستری کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اسے کوئی تکلیف نہ ہو جیسا کہ نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ

" لقد هممت ان انهى عن الغيلة فنظرت في الروم وفارس فاذاهم يغيلون اولادهم فلا يضر اولادهم شيئا "(۱)

''میں نے ارادہ کیا تھا کہ لوگوں کو غیلہ (یعنی دوران رضاعت جماع کرنے) سے منع کر دوں مگر میں نے دیکھا کہ روم اور فارس کے لوگ غیلہ کرتے ہیں اور ان کی اولاد کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا (تو میں نے بھی غیلہ سے منع کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا۔)''

(۱) [مسلم: كتاب النكاح: باب جواز الغيلة ...(۱٤٤۲) ابو داؤد (۳۸۸۲) ترمذى (۲۰۷٦) ابن ماجه (۲۰۱۱) نسائى (٦/۱۰٦) موطا (۲/٦۰۷) احمد (٦/۳٦۱) دارمى (۲/۱٤٦)]

فصل یازدہم (11)

دعوتِ ولیمہ اور اس سے متعلقہ مسائل

ولیمہ کیا ہے؟

نکاح کے اگلے روز دلہا کی طرف سے کھانے کی جو دعوت کی جاتی ہے اسے ولیمہ کہتے ہیں۔ ولیمہ، ولم (و ل م) سے بنا ہے جس کا معنی ہے جمع ہونا۔ چونکہ میاں بیوی کے پہلی مرتبہ جمع ہونے کے بعد یہ دعوت کی جاتی ہے اس لیے اس دعوت کا نام ہی ولیمہ معروف ہو گیا ہے چونکہ ولیمہ ایک خوشی کی دعوت ہوتی ہے اس لیے اہل عرب کے ہاں ہر خوشی کی دعوت کو ولیمہ کہا جانے لگا۔ البتہ ازھری، خلیل، ثعلب، جوھری، ابن الاثیر وغیرہ جیسے لغت کے معروف ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب مطلق طور پر لفظ ولیمہ بولا جائے تو اس سے مراد شادی کی دعوت ولیمہ ہی ہے جسے "طعام العرس" بھی کہا جاتا ہے۔[1]

ولیمہ کی شرعی حیثیت

ولیمہ واجب ہے یا سنت، اس کے متعلق فقہا کا اختلاف ہے۔ بعض فقہا مثلاً اہل ظواہر اور بقول قرطبیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک ولیمہ کرنا واجب ہے۔[2]

اسی طرح امام شافعیؒ کی طرف منسوب ایک قول کے مطابق ولیمہ واجب ہے۔[3]

امام احمد بن حنبلؒ کی طرف بھی اسی طرح منسوب ہے مگر ابن قدامہؒ نے اس مسئلہ میں حنابلہ کی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ

---

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو القاموس، لسان العرب، تاج العروس بذیل مادہ "ولم" نیل الاوطار (۴/۹۵۲) المغنی (۱۰/۲۹۲) واضح رہے کہ شادی کی دعوت میں نکاح والے دن لڑکی والوں کی طرف سے اور شب زفاف کے بعد لڑکے والوں کی طرف سے دی جانے والی دونوں دعوتیں اس میں شامل ہیں]

(۲) [المحلی لابن حزم (۱۱/۲۲) نیل الاوطار (۴/۲۶۰)] (۳) [فتح الباری (۱۰/۲۸۸)]

"ولنا انها طعام السرور حادث فاشبه سائر الاطعمة والخبر محمول على الاستحباب"[1]

"ہمارے نزدیک دعوت ولیمہ دیگر خوشی کی دعوتوں کی طرح ایک عام خوشی کی دعوت ہے۔ "(یعنی جس طرح خوشی کی دیگر دعوتیں فرض نہیں اسی طرح دعوت ولیمہ بھی فرض نہیں) اور جس حدیث میں ولیمہ کرنے کا حکم ہے، اسے استحباب پر محمول کیا جائے گا"

علاوہ ازیں ابن قدامہ نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ

"اکثر اہل علم کا موقف یہی ہے کہ ولیمہ کی دعوت کرنا فرض نہیں۔"[2]

لیکن راقم الحروف کے خیال میں دعوت ولیمہ فرض ہے کیونکہ

1. جب عبدالرحمٰن بن عوف نے شادی کی تو نبی اکرمؐ نے انہیں حکم دیا:

   "اولم" عبدالرحمٰن ولیمہ کی دعوت کرو۔[3]

2. دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے اپنی ہر شادی کے موقع پر دعوت ولیمہ کا انتظام فرمایا ہے۔

3. عہد نبوی میں کوئی ایسا واقعہ دکھائی نہیں دیتا جس میں شادی کے بعد ولیمہ کی دعوت نہ کی گئی ہو۔

4. دعوت ولیمہ تکلیف مالا یطاق بھی نہیں ہے اس لیے ولیمہ کی دعوت ضروری کی جائے گی خواہ یہ دعوت، شربت کے ایک گلاس ہی سے کیوں نہ ہو۔

5. دعوت ولیمہ شادی کا ایک اعلان ہے اس لیے ضروری ہے کہ چند لوگوں کو دعوت دے کر یہ واضح کیا جائے کہ فلاں مرد کی فلاں عورت سے شادی قانونی طور پر طے پائی ہے۔

---

(۱) [المغنی (ص ۱۹۳ ج ۱۰)]

(۲) [ایضا]

(۳) [بخاری (۵۱۵۳) مسلم (۱٤٦٧)]

ولیمہ کا وقت

ولیمہ کی شرعی حیثیت کی طرح اس کے وقت کے تعین کے حوالہ سے بھی سلف میں اختلاف پایا جاتا تھا کہ ولیمے کا انعقاد، عقد نکاح کے وقت کیا جائے یا نکاح کے بعد؟، دخول کے وقت کیا جائے یا دخول کے بعد؟ یا عقد نکاح سے لے کر دخول تک کسی بھی وقت ولیمہ کیا جا سکتا ہے؟(۱)

اس سلسلہ میں اقرب الی السنۃ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میاں بیوی کی مباشرت کے بعد ولیمے کا بندوبست کیا جائے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا معمول یہی رہا ہے جیسا کہ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے شادی ہوئی تو....

" اصبح النبیﷺ بها عروسا فدعا القوم فاصابوا من الطعام ثم خرجوا.... "

پھر شب زفاف کی صبح آپ ﷺ نے لوگوں کو دعوت ولیمہ دی۔ لوگ جمع ہوئے اور کھانا کھانے کے بعد چلے گئے۔(۲)

اس لیے مناسب یہی ہے کہ زفاف کی صبح دعوت ولیمہ کی جائے البتہ کسی مجبوری کے پیش نظر دوسرے یا تیسرے روز بھی اس دعوت کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم!

ولیمہ کی دعوت کتنے دنوں تک جاری رکھی جا سکتی ہے؟

ولیمہ کی ایک دعوت تو ضروری ہے البتہ اگر اللہ تعالیٰ نے مال دولت سے نوازا ہو تو ایک سے زیادہ دعوتیں بھی کی جا سکتی ہیں۔ بشرطیکہ ریا کاری اور نمود و نمائش کا شائبہ نہ ہو۔ اس مسئلہ میں امام بخاری اپنا موقف ایک باب (عنوان) کی صورت میں بیان کرتے ہیں کہ

" باب حق اجابة الوليمة والدعوة ومن اولم بسبعة ايام ونحوه ولم يوقت النبیﷺ يوما ولا يومين "

---

(۱) [فتح الباری (۱۰/۲۸۸)]

(۲) [بخاری کتاب النکاح: باب الولیمة حق (۵۱۶۶) مسلم (۱۴۲۸)]

''اس چیز کا بیان کہ دعوت قبول کرنا حق ہے خواہ دعوت ولیمہ ہو یا کوئی اور دعوت۔ اور اس چیز کا بیان کہ کوئی شخص سات دن یا اس کے لگ بھگ کئی دن تک دعوت ولیمہ کو جاری رکھے اور اس چیز کا بیان کہ نبی اکرمؐ نے دعوت ولیمہ کو صرف ایک یا دو دن تک کے لیے خاص نہیں کیا''

پھر اس باب میں دعوت سے متعلقہ عام روایات سے اس موقف کو ثابت کیا ہے کہ کئی دنوں تک دعوت ولیمہ کرنا جائز ہے۔ تفصیل کے لئے ان کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

ولیمہ کس چیز سے کیا جائے؟

ولیمہ کے موقع پر حسب توفیق کسی بھی چیز سے مہمانوں کی تواضع کی جا سکتی ہے۔ اگر حالات اجازت دیتے ہوں تو گوشت کا انتظام کرنا سب سے مناسب ہے جیسا کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جب شادی کی تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

''اولم ولو بشاۃ''[1]

''دعوت ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی سے ہو۔''

اسی طرح آنحضرت نے جب حضرت زینبؓ سے شادی کی تو دعوت ولیمہ کے لیے گوشت کا انتظام فرمایا۔[2]

اگر حالات اجازت نہ دیتے ہوں تو پھر ضروری نہیں کہ قرض پکڑ کر پر تکلف دعوت ہی کی جائے بلکہ اندریں صورت گوشت کے علاوہ کسی بھی چیز سے ولیمہ کیا جا سکتا ہے خواہ یہ مٹھائی کی صورت میں ہو یا کسی مشروب کی صورت میں یا عام کھانے کی صورت میں۔ جیسا

---

(۱) [بخاری: کتاب النکاح: باب الصفرة للمتزوج (۵۱۵۳) مسلم (۱۴۲۷) ابوداود (۲۱۰۹) ترمذی (۱۹۳۳) ابن ماجه (۱۹۰۷) نسائی۔۔۔ (۶/۱۳۷) احمد (۳/۱۹۰، ۲۰۴، ۲۷۱) موطا (۵۴۵/۱) ابن حبان (۴۰۶۰)]

(۲) [بخاری: کتاب النکاح: باب الولیمة ولو بشاة (۵۱۶۸) مسلم: کتاب النکاح (۱۴۲۸) ابوداؤد (۳۷۴۳) احمد (۳/۲۲۷)]

کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے شادی کے موقع پر چند کھجوروں اور ستوؤں کے ساتھ دعوت ولیمہ فرمائی۔ (۱)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے اپنی ایک شادی کے موقع پر صرف دو مد جو (کم وبیش ایک کلو) کے ساتھ ولیمہ کیا۔ (۲)

غریب دلہا کی دعوت ولیمہ پر مدد کرنا

اگر کوئی شخص اتنا غریب یا مجبور ہو کہ معمولی قسم کی دعوت کرنے سے بھی عاجز ہو تو اہل ثروت مسلمانوں کو اس کی مدد کرتے ہوئے دعوت ولیمہ کا انتظام کرنا چاہیے کیونکہ یہ ان کا اخلاقی فریضہ ہے۔ کتب احادیث کی ورق گردانی سے ہمیں اس نوعیت کا یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے جنگ خیبر سے واپسی پر جب حضرت صفیہؓ سے شادی کی تو حالت سفر میں دعوت ولیمہ کے لیے آپؐ کے پاس کچھ نہیں تھا چنانچہ آپؐ نے اعلان فرمایا:

"من كان عنده شئى فليجئ به"

جس شخص کے پاس بھی کوئی کھانے کی چیز ہے وہ یہاں لے آئے۔

راوی کا بیان ہے کہ آپؐ نے ایک چمڑے کا دستر خوان بچھا دیا اور بعض صحابہؓ کھجوریں اور بعض گھی لے کر آ گئے جبکہ بعض ستو لے کر آ گئے۔ (مسلم کی روایت کے مطابق) بعض صحابہؓ پنیر لے کر پہنچ گئے۔ پھر خود ہی لوگوں نے ان کا حلوہ بنایا اور اسی حلوے سے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے دعوت ولیمہ کی گئی۔ (۳)

---

(۱) [ابو دائود كتاب الاطعمة:باب فى استحباب الوليمة (۳۷۴٤)ترمذى (۱۰۹۵)ابن ماجه (۱۹۰۹)احمد (۳/۱۱۰)ابو يعلى (۳۵۵۹)ابن حبان (٤۰٦۱)بيهقى (۷/٦۲۰)]

(۲) [بخارى :كتاب النكاح (۵۱۷٦)]

(۳) [بخارى :كتاب الصلاة:باب مايذكر فى الفخذ (۳۷۱)مسلم :كتاب النكاح :باب فضيلة اعتاقه امته ثم يتزوجها (۱۳٦۵)]

ولیمہ پر کتنے لوگوں کو بلایا جائے

دعوت ولیمہ پر حسب توفیق امیر وغریب ہر طرح کے لوگوں کو مدعو کیا جاسکتا ہے البتہ یہ خیال رہے کہ نیک صالح لوگوں کو دعوت طعام دی جائے جیسا کہ حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" لا تصاحب الامؤمنا و لایأکل طعامک الاتقی "(1)

"تم صرف مؤمن شخص کو دوست بناؤ اور تمہارا کھانا بھی وہی کھائے جو متقی ہو۔"

صرف امیر لوگوں کو دعوت دینا حرام ہے!

ولیمہ کے موقع پر قصداً امیر لوگوں کو مدعو کرنا اور غریب، فقیر و مستحق قسم کے لوگوں کو دعوت ولیمہ سے محروم کر دینا جائز نہیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" شر الطعام طعام الولیمة یمنعها من یأتیها ویدعی الیها من یأبها"(2)

"کھانوں میں سے بدترین کھانا، اس دعوت ولیمہ کا ہے جس میں کھانے کے خواہش مندوں (یعنی غریبوں) کو نہ بلایا جائے اور کھانے سے انکار کرنے والوں (یعنی امیروں) کو بلایا جائے۔"

ایک روایت میں اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ یہ الفاظ ہیں کہ

" شر الطعام طعام الولیمةیدعی لها الاغنیاء ویترک الفقرآء"

"کھانوں میں سے بدترین کھانا اس دعوت ولیمہ کا ہے جس میں مالدار لوگوں کو بلایا جائے اور فقیر لوگوں کو محروم رکھا جائے۔"(3)

(1) [ابوداؤد: کتاب الادب: باب من یؤمران یجالس (4864) ترمذی: کتاب الزهد (2395) دارمی (2/103) حاکم (4/267) احمد (3/38)]

(2) [مسلم: کتاب النکاح: باب الامر باجابة الداعی الی دعوة (1436/110)]

(3) [بخاری: کتاب النکاح: باب من ترک الدعوة فقد عصی الله ورسوله (5177) مسلم (1436) مؤطا (2/542) ابوداؤد (3746) ابن ماجه (1913) دارمی (2/105)]

دعوت ولیمہ قبول کرنی چاہیے اگرچہ روزہ ہو

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" اذا دعی احدکم الی الولیمة فلیاتها "(۱)

"جب تمہیں ولیمے کی دعوت دی جائے تو اسے ضرور قبول کرو۔"

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ

" فان کان صائما فلیصل وان کان مفطرا فلیطعم "

"(یعنی دعوت ولیمہ کو ضرور قبول کرو البتہ) اگر کوئی روزہ دار ہو تو روزہ پورا کرنا چاہیے اور اگر روزہ نہ ہو تو کھانا کھالینا چاہیے۔"

واضح رہے کہ نفلی روزہ توڑنے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اس کی قضا لازم ہے البتہ اگر کوئی شخص دعوت میں شامل ہونے کے باوجود روزہ جاری رکھنا چاہے تو اس کی گنجائش بھی موجود ہے۔

بلاوجہ دعوت قبول نہ کرنے والا نافرمان ہے!

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" ومن ترک الدعوة فقد عصی الله ورسوله "(۲)

"جس شخص نے دعوت ولیمہ کو قبول نہ کیا اس نے گویا اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کیا۔"

---

(۱) [مسلم: کتاب النکاح: باب الامر باجابة الداعی الی دعوة (۱۴۲۹) ابوداود: کتاب الاطعمة......(۳۷۳۸)]

(۲) [بخاری کتاب النکاح: باب من ترک الدعوة ...(۵۱۷۷) مسلم (۱۴۳۲) ابوداود (۳۷۴۲) ابن ماجه (۱۹۱۳) موطا (۲/۵۴۶) دارمی (۲/۱۰۵)]

کن صورتوں میں دعوت ولیمہ میں شرکت منع ہے؟

اگر چہ دعوت ولیمہ میں شرکت واجب ہے تاہم درج ذیل صورتوں میں شرعی عذر کی بنا پر دعوت ولیمہ سے اجتناب کرنا چاہئے:

1. اگر دعوت ولیمہ کے موقع پر ڈھول ڈھمکے، سارنگیاں طبلے، بینڈ باجے، رقص وسرود، گانے بجانے، فلم بنانے اور اس جیسی دیگر منکرات کا وجود ہو تو ایسی دعوت، مجلس اور مقام پر شرکت کی صرف یہی ایک صورت جائز ہے کہ متعلقہ لوگوں کو وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ کی جائے لیکن اگر اس کی قدرت نہ ہو تو پھر ایسی دعوت اور مجلس میں شرکت قطعی حرام ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴾ (النساء۔۱۴۰)

''اور اللہ تعالی تمہارے لئے اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالی کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو، تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو۔ یقیناً اللہ تعالی تمام کافروں اور سب منافقوں کو جمع کرنے والا ہے''

اسی طرح قرآن مجید کی ایک اور آیت میں ہے کہ

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾

''نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور زیادتی اور گناہ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔'' (المائدہ۔۲)

❷ اگر دعوت ولیمہ کے موقع پر حرام اور ناجائز اشیا مثلاً شراب وغیرہ کا اہتمام کیا گیا ہو یا صاحب دعوت کی کمائی حرام کی ہو تو اس کی دعوت میں شرکت کرنا منع ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يجلس على مائدة يدار عليها الخمر"(۱)

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور دورہ ہو۔''

❸ جہاں جاندار چیزوں کی تصویروں کا اہتمام ہو وہاں بھی شرکت درست نہیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹا سا گدا خریدا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ جب نبی اکرم ﷺ نے اسے دیکھا تو دروازے ہی پر رک گئے اور اندر تشریف نہ لائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار دیکھے تو عرض کیا:

اے اللہ کے رسولؐ! میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے توبہ کی درخواست کرتی ہوں، میں نے کیا غلطی کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ گدا کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اسے آپؐ کے لیے ہی خریدا ہے تاکہ آپؐ اس پر بیٹھیں اور اس پر ٹیک لگائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان تصویر بنانے والوں کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے تصویر سازی کی ہے اسے زندہ بھی کرو؟ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جس گھر میں تصویریں ہوں، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔(۲)

❹ ایسی دعوت ولیمہ میں بھی شرکت سے گریز کرنا چاہیے جہاں فخر وریا کاری کے لیے

---

(۱) [ترمذی: کتاب الادب باب ماجاء فی دخول الحمام (۲۸۰۱) ابوداود: کتاب الاطعمۃ (۳۷۷۰) احمد (۱/۲۰) حاکم (۴/۱۲۶) بیهقی (۷/۲۲۶)]

(۲)----

کھانے پینے کا انتظام کیا گیا ہو کیونکہ عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے لوگوں کی دعوت میں شرکت سے منع فرمایا ہے جو باہم فخر و ریاکاری کے لیے دعوت کا بندوبست کرتے ہیں۔ (۱)

❺ اگر دعوت ولیمہ میں کوئی خلاف شرع کام نہ ہو تو پھر اس میں شرکت ضرور کرنی چاہیے الا کہ کوئی قدرتی رکاوٹ پیدا ہو جائے مثلاً بارش، آندھی اور طوفان کی صورت یا سواری کا مسئلہ ہو یا کوئی بیماری اور حاجت ہو تو اندریں صورت دعوت ولیمہ میں شرکت نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

دعوت لیمہ میں شریک ہونے والے کے لئے آداب

❶ دعوت ولیمہ میں حاضر ہونے والے شخص کے لیے یہ مستحب ہے کہ وہ دلہا یا دلہن کے لیے حسب توفیق تحفہ پیش کرے کیونکہ تحائف سے محبت بڑھتی ہے۔ (۲)

❷ اسی طرح شادی کرنے والے کو خیر و برکت کی دعا دینی چاہیے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول شادی کرنے والے شخص کو ان الفاظ سے خیر و برکت کی دعا دیتے:

----(۲) [بخاری: کتاب النکاح :باب ھل یرجع اذارای منکر افی الدعوۃ (۵۱۸۱) بخاری کے اسی باب میں ہے کہ حضرت ابن مسعود ایک گھر سے محض اس لئے واپس چلے گئے کہ وہاں تصاویر تھیں اور یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ابو ایوب کی دعوت کی۔ ابو ایوب نے ان کے گھر میں تصویروں والا پردہ پڑا ہوا دیکھا (تو غصہ کا اظہار کیا) تو ابن عمر نے (معذرت کرتے ہوئے) کہا کہ اس مسئلہ میں عورتوں نے ہم کو مجبور کر دیا ہے۔ ابو ایوب نے کہا کہ کم از کم مجھے تم سے یہ امید نہ تھی۔ اور فرمانے لگے کہ مجھے اللہ کی قسم! میں تمہارے گھر میں کھانا نہیں کھاؤں گا اور یہ کہہ کر چل دیئے!"]

(۱) [ابوداؤد : کتاب الاطعمۃ:باب فی طعام المتباریین (۳۷۵۰)سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ(۲۶۷)]

(۲) [شادی پر تحائف دینے کے دلائل گزشتہ صفحات میں 'شادی بیاہ پر تحائف' کے ضمن میں گذر چکے ہیں]

" بارک الله لک وبارک علیک وجمع بینکما فی خیر "

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بہتری کریں، تم پر خیر وبرکت نازل فرمائیں اور تم دونوں (میاں بیوی) کے درمیان بھلائی پر اتفاق پیدا فرمائیں۔''(۱)

3 اسی طرح دعوت کرنے والے کو درج ذیل دعائیں دینی چاہییں:

" اللهم بارک لهم فیما رزقتهم واغفرلهم وارحمهم "(۲)

''یا اللہ! انہیں بخش دے ان پر رحم فرما اور ان کے رزق میں برکت نازل فرما۔''

" اللهم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی "(۳)

''یا اللہ! اس کو تو کھلا جسے مجھے کھلایا اور اس کو تو پلا جس نے مجھے پلایا۔''

شادی بیاہ کے موقع پر کھڑے ہو کر کھانا پینا

ہمارے ہاں عام رواج بن چکا ہے کہ شادی بیاہ یا دیگر تقریبات میں کھانے پینے کا انتظام اس طرح کیا جاتا ہے کہ شرکائے دعوت کو کھڑے ہو کر کھانا پڑتا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر عموماً اتنے افراد کو مدعو کیا جاتا ہے کہ جنہیں کسی ایک جگہ بٹھا کر کھانا کھلانا مشکل ہوتا ہے۔ بہر صورت شرعی اعتبار سے دیکھا جائے تو ہمیں دو طرح کی احادیث ملتی ہیں ایک تو وہ جس میں کھڑے ہو کر کھانے پینے کی شدید مذمت کی گئی ہے جبکہ دوسری طرف ایسی صحیح احادیث بھی ملتی ہیں جس میں کھانے پینے کی گنجائش پائی جاتی ہیں۔ اہل علم نے ان دو طرح کی روایات کو جمع کر کے یہ فیصلہ دیا ہے کہ کھڑے ہو کھانا پینا حرام تو

---

(۱) [ابوداؤد: کتاب النکاح: باب مایقال للمتزوج (۲۱۳۰) ترمذی (۱۰۹۱) ابن ماجه (۱۹۰۵) ابن حبان (۴۰۵۲) احمد (۲/۳۸۱) حاکم (۲/۱۸۳)]

(۲) [مسلم کتاب الاشربة: باب استحباب وضع النوی ... (۲۰۴۲) ابوداؤد (۳۷۲۹) ترمذی (۳۵۷۶) احمد (۴/۱۸۸) بیهقی (۷/۲۷۴) ابن ابی شیبه (۱۲/۱۵۸)]

(۳) [مسلم: کتاب الاشربة: باب اکرام الضیف وفضل ایثاره (۲۰۵۵) مسند احمد (۲تا۶/۵) طبقات ابن سعد (۱/۱۸۳)]

نہیں البتہ ناپسندیدہ ضرور ہے۔اس لیے مناسب یہی ہے کہ بیٹھ کر کھانے کا بندوبست کیا جائے تاہم اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر کھڑے ہو کر کھانے پینے کی گنجائش بھی موجود ہے۔نفس مسئلہ کو مزید واضح کرنے کے لیے پہلے ہم ممانعت اور جواز،دونوں طرح کی چند اہم احادیث لکھتے ہیں اور آخر میں ان میں تطبیق سے متعلقہ اہل علم کے فیصلے لکھیں گے۔

ممانعت کی احادیث

۱۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ

"ان النبیﷺ نهى عن الشرب قائما "(۱)

"حضور نبی اکرمﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا"

۲۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے فرمایا:

" انه نهى ان يشرب الرجل قائما قال قتادة فقلنا فالاكل ؟فقال ذاك اشر او اخبث"(۲)

"نبی اکرمؐ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا۔قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پوچھا کہ کھڑے ہو کر کھانے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟تو انہوں نے فرمایا کہ یہ تو اس سے بدرجہا بدتر ہے"۔

۳۔ حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

" لا يشربن احدمنكم قائمافمن نسى فليستقئ "(۳)

"تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہو کر نہ پیئے اور جو بھول کر (کھڑے ہو کر) پی لے تو وہ قے کردے۔"

(۱) [مسلم :كتاب الاشربة :باب فى الشرب قائما (۲۰۲۵/۱۱۵)مسند احمد (۴۵/۳/۳۲)

(۲) [مسلم ايضا(۲۰۲۴)ترمذى (۱۸۷۹)احمد (۱۳/۳/۱۱۸)ابوداؤد (۳۷۱۷)ابن ماجه(۳۴۲۴)]

(۳) [مسلم ايضا(۲۰۲۶)]

جواز کی احادیث

۱۔ نزال بن سبرۃ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کے خدمت میں مسجد کوفہ کے صحن میں حاضر ہوئے تو وہاں حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر پانی پیا اور فرمایا کہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ سمجھتے ہیں حالانکہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اسی طرح کھڑے ہو کر پانی پیتے دیکھا ہے جس طرح تم نے مجھے اس وقت کھڑے ہو کر پانی پیتے دیکھا ہے۔(۱)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ

"شرب النبی قائما من زمزم"(۲)

''نبی اکرمؐ نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔''

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ

"کنا ناکل علی عهد رسول الله ونحن نمشی ونشرب ونحن قیام"(۳)

''ہم اللہ کے رسولؐ کے دور میں چلتے پھرتے (کھانے والی چیز) کھا لیا کرتے اور کھڑے ہو کر پانی بھی پی لیا کرتے تھے''

۴۔ امام مالک نے اپنی موطا (ص ۸۰۵ ج ۲) میں چند صحابہؓ سے کھڑے ہو کر کھانے پینے کی روایتیں ذکر کی ہیں۔

دونوں طرح کی احادیث میں جمع و تطبیق

---

(۱) [بخاری: کتاب الاشربة: باب الشرب قائما (۵۶۱۵) ابوداؤد (۳۷۱۸) نسائی (۱/۸٤) احمد (۱/۱۲۳)]

(۲) [بخاری ایضا (۵۶۱۷) مسلم (۲۰۲۷) نسائی (۵/۲۳۷) ابن ماجه (۳٤۲۲)]

(۳) [ترمذی: کتاب الاشربة: باب ماجاء فی الرخصته فی الشرب قائما (۱۸۸۰) ابن ماجه (۳۳۰۱) احمد (۲٤/۱۲-۲۹-۱۰۸) ابن حبان (۵۲٤۳/۵۳۲۲) بیهقی (۷/۲۸۳) معانی الآثار (٤/۲۷۳) مسند عبد بن حمید (۵۸۷) ابن الجارود (۸۶۷)]

حافظ ابن حجرؒ امام مازریؒ کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

"اختلف الناس في هذا فمذهب المجهور الى الجواز....وايضا فان الامر في حديث ابي هريرة بالاستقاء لاخلاف بين اهل العلم في انه ليس على احدان يستقيئي ولا خلاف في الأكل قائما قال والذي يظهر لي ان احاديث شربه قائما تدل على الجواز واحاديث النهي تحمل على الاستحباب ...." (۱)

"کھڑے ہوکر کھانے پینے کے مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے اور جمہور علما اسے جائز سمجھتے ہیں ......اسی طرح ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث جس میں ہے کہ (جو شخص کھڑے ہوکر پیئے) وہ الٹی کردے تو اہل علم کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ الٹی کرنا اس کے لیے لازم نہیں ....اور کھڑے ہوکر کھانے کے جواز میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جن روایات میں کھڑے ہوکر پینے کا ذکر ہے وہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں اور ممانعت والی احادیث کو استحباب پر محمول کیا جائے گا۔"

حافظ ابن حجرؒ، امام نوویؒ کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ

"امام نووی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ سے متعلقہ احادیث کے حوالہ سے بعض اہل علم اشکالات وشبہات کا شکار ہوتے ہیں حتی کہ اس وجہ سے بعض علما نے باطل اقوال بھی کہے ہیں اور بعض نے تو ان احادیث ہی کو ضعیف قرار دیا ہے.....حالانکہ ان احادیث میں کوئی اشکال نہیں اور نہ ہی یہ احادیث ضعیف ہیں بلکہ درست بات یہ ہے کہ یہ احادیث نہی تنزیہی پر محمول ہیں اور کھڑے ہوکر (کھانا) پینا (کراہت کے ساتھ) جائز ہے۔ البتہ جنہوں نے ان احادیث کے منسوخ وغیرہ ہونے کا گمان کیا، وہ غلطی پر ہیں کیونکہ جب دونوں طرح کی احادیث میں جمع ممکن ہے تو پھر نسخ کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا خواہ ان (احادیث) کی تاریخ بھی معلوم کیوں نہ ہو۔ اور نبی اکرمؐ کا (کھڑے ہوکر پینے کا) فعل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ

(۱) [فتح الباری (ص ۸۲، ۸۳) ج ۱۰]

سرے سے مکروہ (بمعنی حرام) نہیں بلکہ جائز ہے۔ آپ ایک مرتبہ یا چند مرتبہ کوئی کام اس لیے کرتے ہیں تا کہ اس کا جواز بتایا جا سکے البتہ آپ کی ہیشگی اسی پر ہوتی ہے جو افضل ہو۔ اور بھول کر کھڑے ہو کر پینے کی صورت میں قے کرنے کا حکم بھی استحباب پر دلالت کرتا ہے (نا کہ فرضیت پر)'' [ایضا]

حافظ ابن حجرؒ مزید رقمطراز ہیں کہ

"وثبت الشرب قائما عن عمر اخرجه الطبری وفی المؤطا ان عمر وعثمان وعليا كالوا يشربون قياما وكان سعد وعائشه لايرون بذلک باسا وثبت الرخصة عن جماعة من التابعين "(ایضاص ۸۴)

''حضرت عمرؓ سے کھڑے ہو کر پینا بسند صحیح ثابت ہے جیسا کہ امام طبری نے روایت کیا ہے اور مؤطا میں ہے کہ حضرت عثمانؓ اور علیؓ کھڑے ہو کر پی لیا کرتے تھے اور حضرت سعدؓ اور حضرت عائشہؓ بھی اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں تابعین کی ایک جماعت سے بھی اس مسئلہ (یعنی کھڑے ہو کر کھانے پینے) میں گنجائش منقول ہے۔''

باب 3

شادی بیاہ کی جاہلانہ رسومات اور اسلام

- مائیوں بٹھانے کی رسم
- تیل مہندی کی رسم
- سہرہ بندی کی رسم
- دولہا دلہن کو سلامیاں دینے کی رسم
- گانی اور ہار پہنانے کی رسم
- بارات اور بینڈ باجوں کی رسم
- دولہا کو گھوڑی چڑھانے کی رسم
- دولہا دلہن کے لئے گاڑی سجانے کی رسم
- آتش بازی کی رسم
- دلہن کے منہ دکھائی کی رسم
- گود بٹھائی کی رسم
- 'وری' اور 'بد' لے جانے کی رسم
- جہیز کی رسم
- شادی پر تصویریں اتارنا اور فلم بنانا
- نیوتہ بازی (نیوندرا)
- دولہا دلہن کی مزار پر حاضری
- بھانڈ اور کنجروں کا ناچ گانا
- دولہا اور دلہن کو کلمے پڑھانا
- دولہا کے ساتھ 'چھیڑ چھاڑ'
- قرآن سے شادی کی ظالمانہ رسم!
- دولہا کا داڑھی منڈانا
- دلہن کا پلکنگ کرنا اور ناخن لمبے رکھنا
- دولہا کا سونے کی انگوٹھی پہننا
- شادی کے موقع پر مخلوط مجالس منعقد کرنا

فصل اول

شادی بیاہ کی رسومات

اگر خالص اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو معاشرتی لحاظ سے سب سے آسان، معمولی اور سستے، دو ہی مسئلے نظر آئیں گے ایک شادی بیاہ کا مسئلہ اور دوسرا مرگ اور وفات کا۔ لیکن دور حاضر میں یہی دو مسئلے تمام مسائل سے اہم، مہنگے اور مشکل بن چکے ہیں۔ اس کی وجہ محض گردش ایام نہیں بلکہ خود ہمارا رویہ ہے۔ ہم لوگوں نے خود ہی بیسیوں جاہلانہ رسومات کی پیوند کاری کر کے اپنے اور اپنے معاشرے کے لیے ان گنت مشکلات کا سامان پیدا کر رکھا ہے۔ شادی خواہ لڑکے کی ہو یا لڑکی کی، منگنی سے لے کر بارات اور ولیمے تک بلکہ ولیمے اور رخصتی کے بعد کی بھی جاہلانہ رسومات سے ''احسن طریقے'' سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بچے اور بچی کی پیدائش کے ساتھ ہی تیاریاں شروع کر دی جاتی ہیں۔ گویا بچوں کی بڑی دھوم دھام سے شادی کی 'مہم' کو سر کرنا ہی زندگی کا نصب العین سمجھا جاتا ہے اور جب تک مکمل وسائل اور لاکھوں روپے کا انتظام نہ ہو جائے تب تک بچوں کی شادی کی طرف مطلق توجہ ہی نہیں دی جاتی اور نہ ہی اس بات کی پرواہ کی جاتی ہے کہ زیادہ تاخیر سے شادی کرنے کی وجہ سے بچوں میں اخلاقی جرائم پنپنے لگتے ہیں اور وہ عمر رسیدہ بھی ہو جاتے ہیں۔

آئندہ صفحات میں ہم ان تمام باطلانہ و جاہلانہ رسومات سے پردہ اٹھائیں گے جس کی وجہ سے شادی بیاہ کا مسئلہ انتہائی پیچیدہ اور مشکل امر بن چکا ہے۔ البتہ سر دست یہ بات واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں ہمارے لیے راستہ بڑا آسان مہیا کیا ہے مگر ہم نے خود ہی اس راستے میں ان گنت رکاوٹیں کھڑی کر کے اپنے لیے مشکلات پیدا کر رکھی ہیں

تاہم اس کے باوجود اس مسئلہ کا حل ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اگر ہم اس راستے میں کھڑی کی گئی رکاوٹوں کو کلی طور پر ختم کر دیں اور آئندہ کے لیے بھی کسی نئی یا پرانی رکاوٹ کو از سر نو کھڑا نہ کرنے کا تہیہ و ارادہ کر لیں تو کم از کم شادی بیاہ کے حوالے سے ہماری معاشرتی مشکلات یقیناً رفع ہو جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

منگنی کی رسومات

نکاح کی بات چیت طے کرنے کا دوسرا نام منگنی ہے جسے عربی زبان میں "خِطبَہ" کہا جاتا ہے۔ منگنی کرنا بلاشبہ جائز ہے البتہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکا یا اس کے والدین لڑکی کے اولیا کے ساتھ شادی کی بات چیت اور تاریخ وغیرہ مقرر کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ اس لیے مہمان بن کر آنے کے ناطے ان کی مہمان نوازی تو حسب حیثیت ضرور کرنی چاہیے مگر ہمارے ہاں منگنی کے اس مختصر طریقے کو رسم و رواج کی بھینٹ چڑھا کر اتنا طویل، پیچیدہ اور مہنگا بنا دیا گیا ہے کہ ایک منگنی پر اٹھنے والے اخراجات سے بلا معاوضہ بیسیوں نکاح بآسانی کیے جا سکتے ہیں۔

منگنی کے موقع پر لڑکے والے مٹھائی کے ٹوکرے اور لڑکی اور اس کے اہل و عیال کے لیے دیگر بے شمار تحائف لے کر جانا ضروری سمجھتے ہیں۔ پھر تمام رشتہ داروں جن میں بہت سے غیر محرم بھی ہوتے ہیں، کی موجودگی میں لڑکے اور لڑکی کو سونے چاندی کی انگوٹھیاں پہنائی جاتی ہیں اور یہ رسم اتنی ضروری سمجھی جاتی ہے کہ اس کے بغیر منگنی، کو منگنی ہی نہیں سمجھا جاتا۔ حالانکہ منگنی کے باوجود لڑکی اور لڑکا غیر محرم ہیں الا یہ کہ ان کا نکاح ہو جائے اس لیے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بٹھانا اور پھر مختلف رسومات پوری کرنا صاف شریعت کی خلاف ورزی ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ اس کی ویڈیو بنوا کر ہر خاص و عام کو دکھائی جاتی ہے! اسی طرح یہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ لڑکی والے بھی اسی طرح لاؤ لشکر اور وسیع پیمانے پر

تحائف کے ساتھ لڑکے والوں کے ہاں جائیں ۔ حالانکہ اسلام ایسی فضولیات کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔

مائیوں بٹھانے کی رسم

شادی سے چند دن پہلے گھر کی عورتیں دلہن کو گھر کے ایک کونے میں محبوس کر دیتی ہیں اسے مائیوں بٹھانا کہا جاتا ہے جو کہ خالص ہندوانہ رسم ہے۔ اس رسم کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کو ایک چوکی پر بٹھلا دیا جاتا ہے اور اسے گھر کے کام کاج حتی کہ گھر والوں سے بول چال تک سے منع کر دیا جاتا ہے تاوقتیکہ اس کی شادی ہو جائے ۔ اسلام میں اس رسم کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔

تیل مہندی کی رسم

شادی سے کچھ دن پہلے لڑکے والوں کی طرف سے عورتیں دلہن کے لیے مہندی لے کر جاتی ہیں اسی طرح لڑکی والوں کی طرف سے دولہا کے لیے مہندی بھیجی جاتی ہے ۔ مہندی بھیجنے کا انتظام اسی طرح کیا جاتا ہے جس طرح بہت بڑے جلوس کا کیا جاتا ہے۔ پھر مہندی کی رسم میں ناچ گانے کا بھی بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے۔ اگر چہ دلہن کو مہندی لگانا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب بھی ہے لیکن اس کے لیے اجتماع ،کھانے پینے کا انتظام اور ناچ گانے کا اہتمام کرنا اسلامی تعلیمات کے صاف منافی ہے ۔ جبکہ دولہا (مرد) کے لیے بطور زینت مہندی کا استعمال درست ہی نہیں ، اس لیے دولہا کے ہاں مہندی کی رسم دلہن کی بلسبت زیادہ قبیح اور بدتر ہے۔

سہرہ بندی کی رسم

شادی کے روز خطبہ نکاح سے کافی پہلے ہی دولہا کو شاہانہ لباس پہنا کر اور سر پر سہرا سجا کر بٹھا دیا جاتا ہے۔ اور پھر سہرہ بندی کی رسم پوری کی جاتی ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رسم سب سے

پہلے ایران کے آتش پرستوں نے ایجاد کی۔ آتش پرست اسے پنجہ آفتاب کہتے تھے کیونکہ جب دولہا اپنے سر پر سہرا باندھتا تو اس کا چہرہ آفتاب کا پنجہ یعنی سورج کی آگ (روشنی) کے مشابہہ ہو جاتا۔ یہ رسم بڑھتے ہوئے جب بادشاہوں تک پہنچی تو وہ اپنی شادیوں پر سونے کی تاروں اور قیمتی نگینوں سے مرصع سہرے تیار کرنے لگے۔ پھر حالات کی تبدیلی کے ساتھ سہرے میں بھی تبدیلی واقع ہوتی چلی گئی اور اب تو سہرے کی جگہ ایسی ٹوپیاں تیار کی جاتی ہیں جو خوبصورتی کے علاوہ سستی اور ہلکی پھلکی ہونے کے ساتھ بیک وقت ٹوپی، پگڑی، (کلاہ) اور سہرے کا کام دیتی ہے۔ بہر صورت اس رسم سے شرک کی بو آتی ہے۔

دلہے کو ہار پہنانا

دولہا کو سہرے کے ساتھ اصلی قیمتی نوٹوں پر مشتمل ہار پہنایا جاتا ہے۔ حتی کہ دولہا کے دوست احباب اور عزیز واقارب بطور تحفہ روپوں پر مشتمل ہار لا کر دلہا کی گردن میں ڈال دیتے ہیں اور دلہن کے گھر پہنچنے، پھر نکاح کے بعد واپس پلٹنے تک دلہا ہاروں کے بوجھ تلے دبا رہتا ہے۔ سردی ہو یا گرمی، بارش ہو یا طوفان دلہا کو بہر صورت ہار پہننے کی جاہلانہ رسم کو پورا کرنا ہے۔ پھر یہ بھی کچھ بعید نہیں ہوتا کہ دلہا کو روپوں میں لدے پھدے دیکھ کر کوئی چور چکا، دلہا پر حملہ آور ہو کر اسے نقصان پہنچائے۔ بعض لوگوں نے ان ہاروں کی مشقت سے بچنے کے لیے قدرتی یا مصنوعی پھولوں کے چھوٹے چھوٹے ہار پہنانا شروع کر دیئے ہیں۔ تاہم ہار روپوں کا ہو یا پھولوں کا ہے تو یہ رسم بد!

دلہا یا دلہن کو سلامیاں دینا

شادی کے موقع پر ایک طرف دلہا کو اور دوسری طرف دلہن کو ان کے گھروں میں تیار کر کے بٹھا دیا جاتا ہے۔ پھر جتنے دوست احباب اور عزیز واقارب مہمان کی حیثیت سے آتے ہیں وہ کچھ نہ کچھ رقم دلہا یا دلہن کو دیتے ہیں اسے ''سلامی'' کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل

نیوتہ (نیوندرا) ہی کی شکل ہے جس میں انتہائی خست اور کمینگی پائی جاتی ہے اس کی وضاحت نیوتہ بازی کے ضمن میں ملاحظہ کریں۔

بارات کا لشکر

شادی کے موقع پر لڑکے والے حسب ضرورت چند ایک متعلقہ لوگوں کو لے کر لڑکی والوں کے گھر جا سکتے ہیں مگر سینکڑوں کی تعداد میں دور و نزدیک کے تمام رشتہ داروں اور دوستوں، بچوں، عورتوں پر مشتمل بسوں اور گاڑیوں کا قافلہ لے کر لڑکی والوں کے ہاں جانا اسلام کی سادہ و پاکیزہ تعلیمات کے یکسر منافی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ہندوانہ رسم ہے۔ باقی رہا چند لوگوں کا شادی کے موقع پر جمع ہونا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بینڈ باجے والے ساتھ لے کر جانا

بارات کے ساتھ گانے بجانے اور بینڈ باجے کا انتظام کرنا گناہ ہے۔ بینڈ باجے، سارنگیاں طبلے اور ڈھول ڈھمکے وغیرہ "لھو الحدیث" (یعنی فضولیات ولغویات) میں شامل ہیں جیسا کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے۔ (۱)

اور قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ (لقمان۔٦)

''اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو "لھو الحدیث" (یعنی لغو باتوں کو) خریدتے ہیں تاکہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کریں، اور اسے ہنسی مذاق بنائیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

دلہا کو گھوڑی چڑھانا یا گاڑی سجانا

اسے بھی شادی کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اس کی کوئی ضرورت ہے نہ کوئی تک۔ بلکہ

(۱) [تفسیر طبری (۲۱/٦۲) ابن کثیر (۳/٤۸٦) مصنف ابن ابی شیبۃ (٦/۳۱۰)]

اس میں ایک طرف اگر غیر قوموں کی مشابہت ہے تو دوسری طرف ریا کاری کا شائبہ۔ اس لیے اس سے بھی اجتناب بہر حال ضروری ہے۔

آتش بازی کرنا

آتش بازی خواہ شادی بیاہ پر کی جائے یا کسی اور موقع پر، اس میں اپنے سرمائے کو اپنے ہاتھ سے نذر آتش کرنے والی بات ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر بعض لوگ آتش بازی کا خصوصی مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات کوئی نہ کوئی شخص آتش بازی کی نذر بھی ہو جاتا ہے۔ بہر صورت اسلام ایسی مسرفانہ رسم کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

بھانڈوں، گویّوں اور کنجروں کا ناچ گانا

بینڈ باجوں کی طرح بھانڈوں، کنجروں اور گویوں کا ناچ گانا بھی شادی کا حصہ سمجھا جاتا ہے اور اگر ان کرم فرماؤں کو مدعو نہ بھی کیا جائے تو یہ از خود جمع ہو جاتے ہیں۔ حتی کہ بعض عورتیں بھی اس کام کے لیے خاص ہوتی ہیں۔ پھر ان کے ذریعے جس آوہ گوئی، بیہودگی و بے حیائی اور ناچنے گانے کا انتظام کیا جاتا ہے وہ اسلام کی نظر میں قابل سزا جرم ہے۔

شادی پر پیسے لوٹانا

جو لوگ شادی بیاہ میں پیسے نچھاور نہ کریں، انہیں کنجوس خیال کیا جاتا ہے حالانکہ دیگر قبیح رسموں کی طرح اس کی قباحت و شناعت بھی کچھ کم نہیں۔ اسی طرح دلہا کے سر پر پیسے گھما کر فقیروں کو دیے جاتے ہیں اور اسے دلہا کے لیے اچھا شگون خیال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس طرح کے شرکیہ ٹوٹکوں اور شگونوں کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

بوقت نکاح دلہا اور دلہن کو کلمے پڑھانا

اس رسم کی ادائیگی میں عوام کا اتنا قصور نہیں جتنا ان نام نہاد 'علما' کا ہے جنہوں نے

اسے دینی فریضہ متصور کر کے عوام پر مسلط کر رکھا ہے۔ حالانکہ اول تو قرآن و سنت میں دور دور تک اس کا کوئی نام و نشان نہیں کہ دولہا اور دلہن کو بوقت نکاح کلمے پڑھائے جائیں۔ باقی یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کلمہ تو اس شخص کو پڑھایا جاتا ہے جو دائرہ اسلام میں داخل ہو رہا ہو۔ اس لیے اگر تو دولہا دلہن پہلے غیر مسلم تھے اور اب انہیں مسلمان کیا جا رہا ہے تو پھر انہیں ضرور کلمہ پڑھوایا جائے لیکن پھر بھی ایک کلمہ پڑھایا جائے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں جتنے لوگ مسلمان ہوئے وہ ایک کلمہ شہادت ہی پڑھ کر مسلمان ہوئے۔ آپ نے کسی شخص کو چھ کلمے نہیں پڑھائے البتہ چھ کلموں کے الفاظ مختلف موقعوں کی دعائیں اور اذکار ہیں، لیکن انہیں یکجا کر کے چھ کلموں کا رنگ دینا اور پھر اسلامی شعار کے طور پر انہیں پیش کرنا، بلاشبہ کسی بدعت سے کم نہیں!

لڑکے والوں کا دلہن کے ہاں ''بد'' لے کر جانا

شادی بیاہ کے موقع پر چھواروں، باداموں اور دیگر میٹھی اور خشک چیزوں پر مبنی چھوٹے چھوٹے پیکٹوں پر مشتمل 'بد' لڑکے والے بارات کے ساتھ لے کر آتے ہیں اور نکاح کے بعد حاضرین میں اسے غیر مہذب طریقے سے تقسیم کرتے ہیں۔ یہ بھی رسم ہے جسے شادی کا ضروری حصہ سمجھ لیا گیا ہے اور اس قدر ضروری کہ سخت گرمی میں بھی چھوہارے ہی تقسیم کیے جاتے ہیں!

دلہا والوں کا 'وری' لے کر جانا

دلہا والے برات کے ساتھ کسی بڑے بیگ یا ٹرنک وغیرہ میں کچھ اشیا لے کر جاتے ہیں جنہیں 'وری' کہا جاتا ہے۔ اس میں دلہن کا سامان مثلاً شاہانہ لباس، زیورات، میک اپ کا سامان اور اس کے علاوہ بھی چھوٹی بڑی مختلف چیزیں ہوتی ہیں۔ شادی بیاہ میں شامل تمام لوگوں کے سامنے شہرت و ریاکاری کے لیے اسے کھول کر دکھایا جاتا ہے۔

نیوتہ بازی (نیوندرا)

ولیمہ کے موقع پر جو لوگ دعوت طعام میں شریک ہوتے ہیں ان سب سے پیسے وصول کیے جاتے ہیں جسے نیوتہ (نیوندرا) کہا جاتا ہے۔ یہ رسم اتنی ضروری سمجھ لی گئی ہے کہ نیوتہ وصول کرنیوالا باقاعدہ رجسٹر لے کر بیٹھتا ہے اور پیسوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ حالانکہ یہ انتہائی کمینگی کی بات ہے کہ آپ ایک شخص کو دعوت پر بلا کر کھانا کھلائیں اور کھانے کے بعد اس کی قیمت کا مطالبہ کریں لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ نیوتہ نہ دینے والے کو کمینہ اور خسیس سمجھا جاتا ہے اور اس پر اکثر لڑائی جھگڑا بھی پیدا ہوتا رہتا ہے حتی کہ نیوتہ نہ دینے والے کو برادری کے رجسٹر سے بھی کاٹ دیا جاتا ہے!

بعض لوگ نیوتہ کو تعاون کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بلا دلیل دل کو مطمئن کرنے والی بات ہے ورنہ تعاون کا یہ طریقہ تو اسلام نے مقرر نہیں کیا کہ کھانا کھلا کر اس کی قیمت وصول کی جائے اور پھر اس پر یہ کہا جائے کہ ہم نے تمہارے بچے کی شادی پر اتنا نیوتہ دیا تھا لہذا تم اس سے ڈبل یا کم از کم اتنا ہی واپس دو جبکہ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ (المدثر۔٦)

''اس نیت سے احسان نہ کرو کہ تم زیادہ طلب کرسکو''

البتہ اگر کوئی اپنی مرضی سے تحفہ کے طور پر کوئی چیز پیش کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ اسے نیوتہ نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اس کی بنیاد پر نیوتہ دینے والا، نیوتہ وصول کرنے کی غرض سے دوسرے کو مدعو کرے۔

دلہا کے ساتھ غیر اخلاقی حرکتیں

شادی کے موقع پر دلہا کے ساتھ بعض غیر اخلاقی حرکتیں بھی شادی کا حصہ بن چکی ہیں مثلاً دلہا کو ٹوٹی ہوئی چار پائی پر بٹھا کر گرایا جاتا ہے۔ اسے ایسا دودھ یا مشروب پیش کیا

جاتا ہے جس میں مرچیں یا بہت زیادہ نمک ملایا گیا ہو، اسی طرح دولہا کی جوتی چرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور جوتا واپسی کی رقم طلب کی جاتی ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ تمام حرکتیں دلہا کی سالیاں اور دوسری غیر محرم لڑکیاں کرتی ہیں۔

سربالہ

ہندوؤں کے ہاں شادی بیاہ کی رسومات میں چونکہ دولہا کے ساتھ مختلف شرارتیں کی جاتی تھیں اس لئے ایک سمجھدار بچے کو خصوصی طور پر دولہے کے ساتھ رکھا جاتا جسے سربالہ کا نام دیا گیا۔ اس کا کام یہ ہے کہ یہ دولہا کو ''خطرات'' سے آگاہ کرتا رہے مثلاً اگر دولہا کو دودھ کا گلاس پیش کیا گیا ہے تو پہلے سربالہ اس کا ذائقہ دیکھ کر دولہا کو ہاں یا ناں میں بتائے گا۔

اسلام چونکہ اس طرح کی غیر اخلاقی حرکتوں کی اجازت ہی نہیں دیتا اس لیے سربالے کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہتی یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں شادی بیاہ کے واقعات میں 'سربالہ' کا کوئی کردار دکھائی نہیں دیتا!

جہیز کی رسم

شادی بیاہ کے موقع پر لڑکی والوں سے جہیز کے سامان کا مطالبہ کرنا بھی ہندوانہ رسم جہیز سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے اور مسلمان اس رسم بد میں جس قدر مبتلا ہیں اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ لڑکے والوں کی طرف سے سب سے پہلی شرط اور مطالبہ ہی جہیز کا ہوتا ہے حتی کہ اگر لڑکی والوں کے والدین جہیز دینے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو بیٹی کا نکاح کرنا ان کے لیے دنیا کا سب سے بڑا اور مشکل ترین معاملہ بن جاتا ہے۔ علاوہ ازیں شادی کے موقع پر جہیز کے سامان کی نمائش کرنا اس کے ماسوا ہے۔ (جہیز کی تفصیلی بحث آئندہ فصل میں آرہی ہے۔)

قرآن مجید کے سائے تلے رخصت کرنا

دولہا اور دلہن کو رخصت کرتے وقت گھر کے عمر رسیدہ افراد میں سے کوئی شخص قرآن مجید لے کر ان کے سروں کے اوپر اٹھائے رکھتا ہے اور اس سے یہ شگون لیا جاتا ہے کہ یہ شادی بابرکت انجام پائے۔ حالانکہ خیر و برکت تو اس آسمانی کتاب کے احکام پر عمل کرنے میں ہے نہ کہ اس کا محض سایہ حاصل کرنے میں!!

دروازے کی چوکھٹوں پر تیل

دلہن کو رخصت کرتے وقت اور دوسری طرف دولہا اور دلہن کے نئے گھر میں داخل ہوتے وقت دردوازے کی چوکھٹوں پر تیل ڈالا جاتا ہے۔ یہ بھی جاہلانہ رسم ہے جس کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔

دولہا اور دلہن کو کنگنا (گانی) باندھنا

یہ بھی ایک فضول اور جاہلانہ رسم ہے۔

دلہا دلہن کی مزار پر حاضری

شرک کے پھیلنے کی وجہ سے ہمارے ہاں عوام یہ سمجھتی ہے کہ بزرگوں، ولیوں اور نبیوں کی قبروں پر جانے سے فیض ملتا ہے بلکہ اس سے بھی آگے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر انکی قبروں اور مزاروں پر حاضری نہ دی جائے تو یہ ناراض ہوتے ہیں اور مشکل کے وقت کام نہیں آتے۔ اسی تو ہم پرستی کی وجہ سے دولہا اور دلہن کی شہر یا گاؤں کے کسی بڑے مزار پر حاضری دلوائی جاتی ہے۔ حالانکہ خیر و شر اور نفع و نقصان سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے ساری کائنات مجبور محض ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص سے بھلائی کا ارادہ رکھتا ہو تو ساری دنیا مل کر بھی اس شخص کو اس بھلائی سے نہیں روک سکتی اور اگر اللہ تعالیٰ

نے کسی شخص کی قسمت میں نقصان اور شر کا فیصلہ کر رکھا ہو تو پھر انس وجن مل کر بھی اسے اس نقصان اور شر سے نہیں بچا سکتے۔ لہذا جب خیر وشر صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہی میں ہے تو ہر انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق استوار کرے اور اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں شعوری یا غیر شعوری طور پر غیروں کو شریک کر کے شرک کا مرتکب نہ بنے۔ باقی رہے نیک لوگ، اولیا اور انبیاء وغیرہ تو ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ہم سے مانگو اور مرنے کے بعد بھی ہماری قبروں پر آ کر سجدے اور دعائیں کرو بلکہ انبیا سمیت نیک لوگوں کی ہمیشہ یہ دعوت رہی ہے کہ اسی خالق ومالک کے سامنے سر جھکاؤ جس نے پیدا کیا ہے اور اسی کے سامنے دست سوال دراز کرو جو بلا مانگے بھی ہزاروں لاکھوں نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اور خود بھی یہ تمام انبیا واولیا وغیرہ اپنی مشکلات میں اسی مالک الملک کے سامنے دست سوال دراز کرتے رہے ہیں۔

منہ دکھائی کی رسم

جب بارات دلہن کو لے کر واپس دلہا کے گھر آتی ہے تو اسے ایک کمرے میں بٹھا دیا جاتا ہے اور عورت کا منہ دیکھنے کے لیے عزیز واقارب کی عورتیں جمع ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے ساس یا خاندان کی کوئی بوڑھی عورت بہو کا منہ دیکھتی ہے اور اس کے ساتھ بہو کو منہ دکھلائی کی کوئی چیز پیش کرتی ہے۔ پھر اسی طرح دیگر عورتیں بہو کا منہ دیکھتی ہیں اور کوئی نہ کوئی چیز پیش کرتی ہیں جس کے پاس منہ دکھلائی کے لیے کچھ نہ ہو اسے منہ نہیں دکھلایا جاتا۔ پھر اس میں ایک بیہودگی یہ بھی ہے کہ بعض غیر محرم مثلاً لڑکی کے دیور، جیٹھ، وغیرہ بھی منہ دکھلائی کی رسم میں شریک ہوتے ہیں! اسی طرح خاوند کے لیے بھی مباشرت سے پہلے منہ دکھلائی کا کوئی نہ کوئی تحفہ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

گود بٹھائی کی رسم

پھر اس کے بعد کسی کا بچہ بہو کی گود میں بٹھاتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ نئی دلہن کی گود میں

بچہ اس لیے بٹھایا جاتا ہے کہ اس کی گود بھی ہری ہو اور دلہن بانجھ نہ نکلے۔ حالانکہ ایسے شگون لینے سے اسلام نے منع کیا ہے۔ بہر صورت اب تو نوبت ایں جا رسید کہ دیور یا جیٹھ دلہن (بھابھی) کی گود میں بٹھایا جاتا ہے اور جب تک دلہن اسے کوئی تحفہ نہ دے وہ 'بے غیرت' اس کی گود نہیں چھوڑتا۔ حالانکہ اسلام تو غیر محرم کا چہرہ دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا اور یہاں رسومات پوری کرنے کے لیے غیر محرم کو گود میں بٹھایا جارہا ہے! استغفر اللہ !!

'چوتھی' کی رسم

بعض لوگ شادی کے دوسرے روز اور بعض چوتھے روز دلہن کو واپس اپنے گھر لے آتے ہیں اور کچھ دن اسے گھر رکھنے کے بعد خاوند کو واپس اپنے گھر لے جانے کی اجازت دیتے ہیں حالانکہ یہ بھی فضول رسم ہے۔ شادی کے بعد ضروری نہیں کہ دلہن کو دوسرے روز یا چوتھے روز میکے روانہ کیا جائے بلکہ یہ خود دولہا کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ جیسے مناسب سمجھے شادی کے بعد دلہن کو اس کے والدین سے ملاقات کے لیے جانے کی اجازت دے دے بلکہ اگر دولہا کسی وجہ سے طویل عرصہ تک دلہن کو اس کے والدین سے ملنے کی اجازت نہ دے تو پھر بھی دلہن پر اپنے شوہر کی اطاعت فرض ہے۔ کیونکہ اب اس کے ذمہ دار اس کے والدین نہیں بلکہ اس کا شوہر ہے۔

قرآن سے شادی .....تصویر کا دوسرا رخ!

گزشتہ سطور میں ان رسومات کا ذکر کیا گیا ہے جو شادی بیاہ کے ضروری پھندے کی صورت میں ہم نے اپنی گردنوں میں باندھ رکھی ہیں اور انہیں پورا کرنے کے لئے لاکھوں روپیہ ضائع کیا جاتا ہے۔ تاہم اسی مسئلہ کی دوسری انتہا یہ بھی ہے کہ پاکستان کے بعض قبائلی لوگ مادی مفادات کی خاطر اپنی بچیوں کا نکاح ہی نہیں کرتے اور اسے ساری عمر گھر میں بٹھائے رکھنے پر مطمئن کرنے کے لیے اس کا نکاح 'قرآن' سے کر دیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں اور کس طرح کیا جاتا ہے اس کی تفصیل ہفت روزہ ''تکبیر'' [۲۹ جون ۱۹۹۵] کے حوالے سے آئندہ سطور میں درج کی جاتی ہے۔

قرآن سے شادی...... سندھ کی ایک ظالمانہ رسم!

’’کئی وڈیرے اور نام نہاد پیر وراثت سے محروم رکھنے کے لئے اپنی بیٹیوں کو اس رسم کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں‘‘!!

انسان جب عبدالدنیا بن جائے تو وہ شرف انسانیت سے محروم ہو کر حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اور ایسے کام کرنے پر تل جاتا ہے کہ انسانیت بھی شرما کر رہ جائے۔ سندھ کے بعض بڑے زمیندار اور گدی نشین جو زمین کو اپنا سب کچھ اور جھوٹی شان کو روحانیت سمجھتے ہیں، وہ اپنی جاگیر اور جھوٹی شان کو بچانے اور برقرار رکھنے کے لئے اپنی لخت جگر تک کو ظلم کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ اول تو دائیوں، طبی معائنہ کاروں اور کاہنوں کی معلومات کے ذریعے لڑکیوں کی پیدائش روکنے کے لئے بھر پور سعی کی جاتی ہے تاکہ لڑکیاں پیدا ہو کر کل جاگیر کا حصہ دوسرے کے پاس نہ لے جائیں یا گدی نشین کی جھوٹی آن کسی کو داماد بنانے سے متاثر نہ ہو۔ ان بڑے زمینداروں اور نام نہاد روحانی گدی کے حامل پیروں کی زندگی پر نظر دوڑائیں تو ان کی شہوت رانیوں اور خرمستیوں کے سیاہ باب ہر سو بکھرے نظر آئیں گے۔ یہ اپنے شرعی حق سے کہیں زیادہ وصول کرتے ہیں اور اپنی بیٹیوں کو ان کا شرعی حق دینے کو بھی تیار نہیں ہوتے۔ ان کی بیٹیاں والدین کے گھر کی دہلیز پر جوانی خاک میں ملاتی اور اپنے خاندان کی عزت کو بچاتی ہوئی قبر کی راہ تکتی نظر آئیں گی۔

حیران کن بات ہے کہ عورتوں کی شادی کے شرعی حق کو پامال کرنے کے لئے بھی قرآن جیسی مقدس کتاب کو استعمال کیا جاتا ہے۔ بیٹی جب جوان ہوتی ہے تو وڈیرا اور نام نہاد پیر ایک رسم ادا کرتے ہیں جو ’’حق بخشوانے کی رسم‘‘ کہلاتی ہے، ہوتا یوں ہے کہ لڑکی کے بالغ ہونے پر یہ ظالم اپنی برادری کے چیدہ چیدہ افراد کو جمع کر کے انہیں اطلاع دیتا ہے کہ اس کی فلاں لڑکی اپنے نکاح کا حق فلاں روز قرآن کو بخشے گی۔ مقررہ تاریخ اور وقت پر

لڑکی کو خوب ہار سنگھار کر کے سرخ عروسی جوڑا پہنایا جاتا ہے، ہاتھوں پر مہندی لگائی جاتی ہے ،ڈھولک پر گیت گائے جاتے ہیں ،لڑکی کو گھونگھٹ نکال کر، گردن جھکا کر بوڑھیوں کے جلو اور سہیلیوں کے جرمٹ میں بٹھایا جاتا ہے۔اس کے برابر میں ریشمی جزدان میں سجا ہوا قرآن رحل میں رکھا جاتا ہے،عود اور کافور سلگایا جاتا ہے، درباری مُلّا ،لڑکی کے والدین کی موجودگی میں چند الٹے سیدھے جملے پڑھتا ہے ،اور بڑی بوڑھیاں قرآن اٹھا کر دلہن کی جھولی میں رکھ دیتی ہیں ۔لڑکی قرآن کو اٹھا کر ہاتھ میں لیتی ہے اور اس کو بوسہ دیتی ہے، پھر بڑی بوڑھیاں دلہن سے کہتی ہیں کہ وہ اقرار کرے کہ اس نے اپنا حق قرآن کو بخش دیا اور اس طرح اکثر بزور یہ اقرار کرایا جاتا ہے ۔لوگ اٹھ کر ظالم وڈیرے اور مظلوم دلہن کو مبارک باد دیتے ہیں ،شور وغل بپا ہوتا ہے ،آنے والوں کی تواضع کی جاتی ہے، چونکہ لڑکی قرآن کو اپنا حق بخش چکی ہوتی ہے اس لئے اس کی شادی کسی مرد سے حرام قرار دے دی جاتی ہے ۔اور اس کو قرآن کی مار کا خوف دلایا جاتا ہے کہ اگر تو نے شادی کا مطالبہ کیا تو قرآن کی پھٹکار پڑے گی اور قرآن تمہاری دنیا اور آخرت دونوں بگاڑ دے گا۔

قرآن سے شادی اور اپنے شادی کے حق سے دستبرداری کے بعد یہ لڑکی ''بی بی'' بن جاتی ہے اور روحانیت کے درجہ پر فائز ہو جاتی ہے۔ گاؤں کی تمام عورتیں دم کرانے کے لئے اپنے بچوں کو اس کے پاس لانے لگتی ہیں اور نذرانہ اس کے قدموں میں نچھاور کرتی ہیں ،اس طرح وڈیرے اور نام نہاد گدی نشین کی جان ،وراثت کا حق دینے سے چھوٹ جاتی ہے اور اس کی جھوٹی آن برقرار رہتی ہے۔یہ ''بی بی'' ہمیشہ کے لئے سفید لباس پہنتی ہے جو اس کے ارمانوں کا کفن بن کر جزو بدن بن جاتا ہے ،یہ زندہ درگور لڑکیاں جب جذبات سے مغلوب ہوکر ہسٹریا کی مریضہ بن جاتی ہیں تو اس کو روحانیت میں ترقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔سندھ کے بڑے بڑے زمینداروں کی بڑی بڑی حویلیوں میں اور پیر صاحبان کی گدیوں میں چند خوف خدا کے حامل اور انسانیت کی رمق رکھنے والوں کے علاوہ بیشتر حویلیاں اور گدیاں زندہ درگور بیٹیوں کی قبریں نظر آئیں گی۔

اس ظالمانہ رسم سے جہاں بے شمار لڑکیاں چلتی پھرتی لاشیں بن جاتی ہیں وہیں بعض اوقات اس ناانصافی کے ردعمل میں برائیاں بھی جنم لیتی ہیں۔ اس قرآن کی شادی کے حوالے سے ایک ایسا واقعہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ ایک بدبخت نے اپنی بیٹی کی شادی قرآن سے کرادی، بیٹی قرآن سے نکاح پر حق سے دستبرداری کے وعدہ کا پاس نہ رکھ سکی اور اس کے ہاں اولاد ہوگئی۔ جب باپ اور بھائی اس کے قتل کے لئے لپکے تو اس لڑکی نے ان کو یہ کہہ کر لاجواب کردیا کہ ''تم نے میرا نکاح قرآن سے کروایا، میرا شوہر قرآن ہے، اس کی اولاد کو قتل کروگے تو قرآن کے غیظ وغضب سے نہیں بچ سکو گے!'' باپ اور بھائی قرآن کی مارے خوف زدہ ہوگئے، انہوں نے سیانوں سے مشورہ کیا، زرخرید ملاؤں سے رابطہ کیا گیا، جنہوں نے سال بھر کے دانوں پر وڈیرے کی خوشنودی کے لئے من گھڑت دلائل اور منطق سے اس کو کرامت قرار دے کر لوگوں کی زبانیں بند کردیں۔

قرآن سے نکاح اور حقِ نکاح سے دستبرداری کا یہ تمام معاملہ جبر اور خوف کی بنا پر ہوتا ہے۔ ابتداء میں لڑکیاں ان دونوں کی وجہ سے فیصلہ تسلیم کرلیتی ہیں مگر جب وہ ان بھٹیوں میں سلگ کر بڑی آزمائشوں کا شکار ہوتی ہیں تو پھر وہ پھٹ پڑتی ہیں۔ ضلع نواب شاہ کے ایک بہت بڑے زمیندار کا واقعہ ہے کہ جب اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تو اس نے تمام عزیز واقارب کو جمع کیا اور کہنے لگا کہ ''اب وقتِ جدائی ہے، مجھ سے جو خطائیں ہوئی ہیں وہ معاف کردو'' تمام عزیز واقارب نے معافی دے دی۔ ایک بیٹی جس کو ''بی بی'' بنادیا گیا تھا اس نے کہا کہ ''ابا حضور میں نے آپ کے تمام قصور معاف کردیئے مگر ایک قصور کا میں روزِ محشر آپ سے حساب لوں گی؛ وہ ہے میرا قرآن سے نکاح اور حق زوجیت سے دستبرداری کا ظلم!'' یہ میں کبھی معاف نہیں کرسکتی کیونکہ میں نے اس ظلم کی بدولت جو عذاب جھیلا ہے وہ تمام عذابوں پر بھاری ہے۔ والد نے خوب معافی مانگی، عزیز واقارب نے دباؤ ڈالا، مگر بی بی نے معافی نہ دی، وڈیرے کے وفات کے بعد یہ بی بی پراسرار موت کا شکار ہوگئی۔''

فصل دوم

شادی پر گناہوں کا ارتکاب!

داڑھی منڈانا

شادی کے موقع پر دولہا خصوصی طور پر شیو کر کے داڑھی صاف کراتا ہے حالانکہ شادی کا موقع ہو یا عام حالات، داڑھی منڈانا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ اس کی حرمت کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی خلق (پیدائش) بدلنے کی مذموم کوشش ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی بجائے صرف مرد کے چہرے پر داڑھی اگائی ہے، اس لیے داڑھی مرد کی تخلیق میں شامل ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں کو بدلنا شیطانی کام ہے۔ شیطان نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم کھا کر یہ بات کہی تھی کہ

﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ (النساء۔۱۱۹)

''میں انہیں حکم دوں گا اور یہ اللہ کی خلق کو بدلیں گے''

حرمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں نبی اکرمؐ کے حکم کی خلاف ورزی ہے کیونکہ آپؐ نے داڑھی رکھنے کا پُر زور حکم دیا ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

'' خالفوا المشرکین و وفروا اللحی واحفوا الشوارب''[1]

''تم مشرکوں کی (اس طرح) مخالفت کرو کہ داڑھی (اپنے حال پر) چھوڑ دو اور مونچھیں کترواؤ۔''

اس کے علاوہ بھی داڑھی رکھنے کے بارے میں متعدد احادیث مروی ہیں جیسا کہ امام

(۱) [بخاری: کتاب اللباس: باب تعلیم الاظفار (۵۸۹۲) مسلم (۲۵۹) ترمذی (۲۷۶۳) نسائی (۱/۱۶) ابن ابی شیبہ (۸/۳۷۶) طحاوی (۴/۲۳۰)]

نووی ''صحیح مسلم کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ

''اس سلسلے میں پانچ طرح کی روایات مروی ہیں جن میں '' اعفوا ، اوفوا، ارخوا،ارجوا، ووفروا'' کے الفاظ ہیں ان سب کا معنی یہ ہے کہ داڑھی کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔''(۱)

حرمت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں کفار سے مشابہت پائی جاتی ہے۔اور گزشتہ روایت میں اس مسئلہ میں کفار کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے بلکہ ان کی مخالفت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔اور حرمت کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس میں عورتوں سے بھی مشابہت پائی جاتی ہے اور عورتوں سے مشابہت کرنیوالے مردوں پر نبی اکرمؐ نے لعنت فرمائی ہے۔(۲)

ابرو کے بال کم کرنا اور پلکنگ

شادی کے موقع پر دلہن ہی نہیں بلکہ شادی میں شرکت کرنے والی دیگر عورتیں بھی خوبصورتی کے لیے پلکوں اور ابروں کے بالوں کو کاٹتی اور باریک کرتی ہیں حالانکہ یہ عمل سخت گناہ اور میک اپ سے متعلقہ اسلامی حدود سے تجاوز کے مترادف ہے۔جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے (خوبصورتی کے لیے جسم پر بیل بوٹے وغیرہ) بھرنے اور بھروانے والی عورتوں پر بھنویں اور چہرے کے بال اکھاڑنے والی عورتوں پر،خوبصورتی کے لیے دانت کشادہ کرنے یا کروانے والی عورتوں پر ،اللہ تعالیٰ کی خلق کو بدلنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے تو پھر میں ان پر لعنت کیوں نہ کروں؟(۳)

---

(۱) [شرح مسلم (۱/۱۲۹)]

(۲) [بخاری کتاب اللباس : باب اخراج المستشبهین بالنساء من البیوت (۵۸۸۶) مسند احمد (۲۲۵،۲۲۷،۲۳۷)]

(۳) [بخاری: کتاب اللباس:باب المتفلجات للحسن (۵۹۳۱) مسلم (۲۱۲۵) ترمذی (۲۷۸۲) نسائی (۸/۱۴٦) بیهقی (۷/۳۱۲) ابن حبان (۵۵۰۴)]

ناخن لمبے رکھنا

غیر مسلم عورتوں دیکھا دیکھی اب مسلمان عورتوں میں بھی ناخن لمبے رکھنے کا رواج چل پڑا ہے حالانکہ یہ نہ صرف دینی لحاظ سے برا کام بلکہ طبی لحاظ سے بھی نقصان دہ فعل ہے۔ ناخن جونہی بڑے ہوں انہیں جلد از جلد کاٹ لینا چاہیے۔ اگر کسی وجہ سے ناخن کاٹنے میں تاخیر ہو رہی ہو تو اس تاخیر کا دورانیہ کسی طرح بھی چالیس دنوں سے زیادہ نہ ہو کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

" وقت لنا في قص الشارب وتعليم الاظفار ونتف الابط وحلق العانة ان لانترك اكثر من اربعين ليلة "(۱)

"(اللہ کے رسول ﷺ نے) ہمارے لیے مونچھیں کتروانے، ناخن کاٹنے، بغلوں کے بال اکھیڑنے اور زیر ناف بال مونڈنے کے لیے زیادہ سے زیادہ چالیس (۴۰) دنوں تک کا وقت مقرر کیا ہے"۔

دلہا کا سونے کی انگوٹھی پہننا

کسی بھی مرد کے لئے سونا استعمال کرنا منع ہے خواہ سونا تھوڑی مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں، کیونکہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"سونے اور ریشم کا استعمال میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام ٹھہرا دیا گیا ہے۔"(۲)

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

---

(۱) [مسلم: كتاب الطهارة: باب خصال الفطرة (۲۵۸) ترمذی (۲۷۵۹) ابن ماجه (۲۹۵) ابو داود (۴۲۰۰) احمد (۳/۱۲۲، ۲۵۵) ابو يعلى (۴۱۸۵) بیهقی (۱/۱۵۰)]

(۲) [صحيح سنن نسائي للالباني (۴۷۵۴) ترمذی: كتاب اللباس (۱۷۲۰) احمد (۴/۳۹۲) ابن ابی شیبه (۸/۳۴۶) بیهقی (۲/۴۲۵) طحاوی (۴/۲۵۱)]

"نهى عن خاتم الذهب"

"نبی اکرمؐ نے (مردوں کے لیے) سونے کی انگوٹھی پہننا حرام قرار دیا۔"[(۱)]

ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے اتروا پھینکا اور فرمایا:

کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے ہاتھ میں آگ کا انگارہ لینا پسند کرے گا؟ (یعنی سونے کی انگوٹھی ہاتھ میں ڈالنا گویا آگ کا انگارہ پکڑنے کے مترادف ہے)[(۲)]

شادی پر تصویریں اتارنا اور فلم بنانا

شادی کے موقع پر نہ صرف دولہا اور دلہن کی خوب تصویریں اتاری جاتی ہیں، بلکہ شادی میں شریک مختلف لوگ بھی ایک دوسرے کی تصویریں اتارتے ہیں حتی کہ غیر محرم مرد اور عورتیں اکٹھے کھڑے ہو کر تصویریں اترواتے ہیں۔ اسی طرح شادی کی فلم بنائی جاتی ہے جس میں غیر محرم مردوں اور عورتوں کی شادی میں شمولیت کو مکمل طور پر محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ پھر شادی کے بعد مختلف مواقع پر اسے دیکھا جاتا رہتا ہے حتی کہ دوست احباب اور شادی میں شریک نہ ہو پانے والے مختلف لوگوں کو بھی شادی کے سارے مناظر دکھائے جاتے ہیں حالانکہ اس طرح کی بے پردگی، بے حیائی اور مخلوط مجالس کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

بدقسمتی کی بات ہے کہ شادی کے موقع پر ہمارے ہاں لڑکیوں کا ڈانس ایک معمول کی کارروائی بن چکا ہے، اور فلمیں بنانے والے چونکہ ان تمام "مناظر" کو محفوظ کر لیتے ہیں، اور پھر وہ بھی نہ صرف اپنے دوستوں کو ان "مناظر" سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کرتے ہیں، بلکہ اس طرح کی مختلف ویڈیو فلموں میں سے منتخب ڈانس جمع کر کے ان کی الگ سے فلمیں تیار کر کے کمائی کرتے ہیں۔ گزشتہ کچھ عرصہ میں اس طرح کی کئی فلمیں

(۱) [بخاری کتاب اللباس (۵۷۶۳) مسلم (۲۰۶۶)]

(۲) [مسلم: کتاب اللباس: باب تحریم خاتم الذهب علی الرجال (۶۰۹۰)]

مارکیٹ میں آئی ہیں۔ انہی میں سے ایک فلم ''شریفوں کا مجرا'' کے نام سے جب منظر عام پر آئی تو اس پر انہی ''شریفوں'' کی طرف سے بڑا ہنگامہ برپا ہوا۔ حالانکہ غیرت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ شروع ہی سے اس طرح کی بے حیائی کا مظاہرہ نہ کیا جاتا۔ اور اسلام کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق ان تقریبات کو انجام دیا جاتا!

تنگ و باریک لباس اور بے پردگی

شادی کے موقع پر نوجوان لڑکیاں ہی نہیں بلکہ عمر رسیدہ بوڑھی عورتیں بھی خوب سج دھج اور بناؤ سنگھار کے ساتھ بے پردگی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ اور ایسا لباس زیب تن کیے ہوتی ہیں جن سے جسمانی ساخت خوب نمایاں ہو رہی ہوتی ہے۔ حالانکہ عورت کے لیے نامحرموں سے اپنا وجود چھپانے اور پردہ کرنے کا سخت تاکیدی حکم ہے اور جو عورتیں تنگ و باریک لباس پہن کر بے پردہ مردوں میں گھومتی پھرتی ہیں ان کے بارے میں نبی اکرمؐ نے فرمایا:

''دو قسم کے جہنمی لوگوں کو میں نے (ابھی تک) نہیں دیکھا: ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کے پاس بیل کی دموں جیسے کوڑے ہوں گے اور ان کے ساتھ وہ لوگوں پر ظلم و تشدد کریں گے، جبکہ دوسری قسم ان عورتوں کی ہے جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوتی ہیں اور وہ (برائی کے لیے) مائل ہونے والی اور مائل کرنے والی ہیں۔ ان کے سر بختی اونٹ کی کوہان کی طرح ٹیڑھے ہیں۔ ایسی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو پاسکیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو تو بڑی لمبی مسافت سے بھی آجاتی ہے''۔ (۱)

مردوزن کی مخلوط مجالس

شادی بیاہ پر نہ صرف بے پردگی خوب ہوتی ہے بلکہ اکثر و بیشتر مردوزن کی مخلوط مجالس

(۱) [مسلم: کتاب الآداب: باب النساء الکاسیات العاریات...(۲۱۲۸) احمد (۲/۳۵۵، ۴۴۰) ابو یعلی (۱۲/۶۶۹۰) ابن حبان (۷۴۶۱) شرح السنة (۲۵۷۲) بیهقی (۲/۲۳۴)]

کا بھی اہتمام ہوتا ہے جن میں غیر محرموں کا ایک دوسرے کو دیکھنا، آپس میں باتیں کرنا، ایک دوسرے کو چھونا، آپس میں گھلنا ملنا، دل لگی کی باتیں کرنا اور ایسی ہی بے شمار فواحش ومنکرت کا ظہور ہوتا ہے جبکہ اسلام ایسی مخلوط مجالس کے مضر اثرات کے پیش نظر نامحرم مرد وزن کے ایک دوسرے کو دیکھنے، آپس میں بات چیت اور ملاقات کرنے کو حرام قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث نبویؐ ہے:

''.....(آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں) ان کا زنا (غیر محرم کو) دیکھنا ہے۔ (کان بھی زنا کرتے ہیں) کانوں کا زنا (غیر محرم کی باتیں) سننا ہے (زبان بھی زنا کرتی ہے) زبان کا زنا (غیر محرم سے) باتیں کرنا ہے۔ (ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں) ہاتھ کا زنا پکڑنا (اور چھونا) ہے۔ (پاؤں بھی زنا کرتے ہیں) پاؤں کا زنا (غیر محرم کی طرف) چل کر جانا ہے۔ (دل بھی زنا کرتا ہے) دل کا زنا (بری) خواہش کرنا ہے۔ اور شرم گاہ ان سب باتوں کو یا تو سچ کر دکھاتی ہے یا جھوٹ۔''[1]

واضح رہے کہ فتنہ کے خوف سے اسلام تو اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی عورت خوشبو لگا کر غیر محرم مردوں کے پاس سے گذرے[2]۔ تو پھر پہلی رات کی دلہن کی طرح سج دھج کر غیر محرموں کے پاس بیٹھنے اور باتیں کرنے کی اجازت کیسے ممکن ہے؟

❁....❁....❁

(۱) [مسلم: کتاب القدر: باب قدر علی ابن آدم حظه من الزنی وغیر (۲۶۵۷_۲۱) بخاری: کتاب القدر: باب وحرام علی قریة اهلکناها....(۶۶۱۲) کتاب الاستیذان ...(۶۲۴۳)]

(۲) [دیکھئے صحیح سنن نسائی (۴۷۳۷)]

فصل سوم

رسم جہیز کی شرعی حیثیت

اور افراط وتفریط کا تحقیقی جائزہ

ہمارے آباؤ اجداد نے ہندوؤں کے ساتھ ایک طویل عرصہ گذارنے کی وجہ سے ہندو معاشرے کی بہت سی رسوم وروایات کو غیر شعوری طور پر اپنالیا جس میں سے ایک خوفناک رسم ''جہیز'' ہے جسے ہندو ''کنیادان'' سے موسوم کرتے ہیں۔اس رسم کے معاشرتی ،دینی اور اخلاقی اعتبار سے سامنے آنے والے ان گنت نقصانات سے مجال انکار نہیں۔سامان جہیز کے عدم دستیابی کی وجہ سے لڑکیوں کی شادیاں بروقت نہ ہو پانا ،جہیز کی وجہ سے دو خاندانوں میں ناختم ہونیوالی چپقلش چل نکلنا ،جہیز نہ لانے پر بہو کا پُراسرار قتل وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جنکے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جب بھی لفظ جہیز کانوں میں سنائی دیتا یا آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو اس کا یہ خوفناک پس منظر بھی ساتھ ہی ذہن میں گردش کرنے لگتا ہے۔

ہمارے ہاں جہیز کے بارے میں لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں ،کچھ لوگوں نے جہیز کو شادی کا بنیادی حصہ قرار دے رکھا ہے اور پھر حلال وحرام کی تمیز کیے بغیر ہر طرح سے جہیز کا سامان جمع کرنے کو ''اولین'' فرض تصور کر رکھا ہے جبکہ جہیز کی معاشرتی خرابیوں اور بگاڑ کی وجہ سے کچھ لوگوں نے جہیز کو بلا استثنا ''لعنت'' اور ''حرام'' وغیرہ جیسے القابات سے نوازنا شروع کردیا ہے ۔ہمارے خیال میں یہ دونوں صورتیں انتہائی درجہ کے ردعمل کا مظہر ہیں۔جہیز کے جواز کی اگرچہ کچھ محدود صورتیں بھی شریعت میں موجود ہیں لیکن ان حدود سے تجاوز کرکے خالصتاً ہندوانہ رسم جہیز کو جلا بخشنے سے ہمیں بہت سے معاشرتی مسائل میں

رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس لیے ہم جہیز کے دونوں پہلوؤں کا جائزہ لے کر اس نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں کہ اس ہندووانہ رسم کے خاتمے اور اس کے جواز کی انتہائی آسان اور محدود صورتوں پر عمل کرنے میں ہی دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اپنی گزارشات کو ذرا تفصیل سے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ!

جہیز کیا ہے؟

جہیز دراصل عربی زبان کا لفظ ہے جو (ج۔ہ۔ز) سے مشتق ہے اور اسکا معنی ہے 'تیار کرنا' انتظام کرنا' یعنی سامان سفر تیار کرنا یا کفن دفن کا سامان تیار کرنا یا جہیز کا سامان تیار کرنا۔[1] قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ ﴾ (سورة یوسف۔۵۹)

''جب اس نے ان کے لیے انکا سامان تیار کر دیا''۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ

'' من جهز غازيا في سبيل الله فقد غزا ''[2]

''جس نے کسی مجاہد کا ساز و سامان تیار کر کے دیا، اس نے گویا خود جہاد میں حصہ لیا''۔

عرف عام میں جہیز سے مراد وہ سامان اور اثاثہ منزل ہے جو دلہن کی طرف سے دولہا کے ہاں پہنچایا جاتا ہے۔ جہیز کا کم سے کم سامان بھی اس قدر ضرور ہوتا ہے کہ دولہا میاں کا ''لائف ٹائم'' اسی پر پورا ہو جاتا ہے اور اسے اپنی جیب ڈھیلی کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ انسان چونکہ طبعی طور پر بخیل اور لالچی ہے اس لیے شادی بیاہ کے موقعوں پر جہیز سے بھرے ٹرک دیکھ کر انسان کی حرص وطمع کی رگ پھڑک اٹھتی ہے اور ہر آدمی ایسے ہی

---

(۱) [لسان العرب مادہ جهز وغیرہ]

(۲) [بخاری: کتاب الجهاد: باب فضل من جهز غازيا ۔۔۔(۲۸۴۳) مسلم: کتاب الامارة: باب فضل اعانة الغازی ۔۔۔(۱۸۹۵)]

رشتے کو ترجیح دیتا ہے جس سے اسے دلہن کے ساتھ کوٹھی مع اثاثہ جات بھی نصیب ہو جائیں بلکہ اب یہ مسئلہ اس قدر گھناؤنی صورتحال اختیار کر چکا ہے کہ جہیز کے بغیر شادی کا تصور بھی ''ناممکنات'' کو چھونے لگا ہے۔ چنانچہ ان لڑکیوں کے ہاتھ 'پیلے' ہو جاتے ہیں جن کے والدین کسی نہ کسی طرح ہزاروں، لاکھوں کا سامان تیار کرنے میں کامیاب ٹھہرتے ہیں اور اس کے برعکس ایسی بیشمار بچیاں شادی کی خوشیاں دیکھنے، اور بیوی، ماں، بہو کا درجہ حاصل کرنے کی حسرت بھری امیدیں لیے ہی دنیا سدھار جاری ہیں یا پھر چار و ناچار ان جرائم کی مرتکب قرار پاتی ہیں جو ناقابل بیان ہیں!

لیکن ٹھہریے! اس کا ذمہ دار کون ہے ---؟ وہ بچیاں جو جہیز نہ ہونے کی وجہ سے شادی کے فریضے سے سبکدوش نہ ہو سکیں ---؟ یا وہ والدین جو اپنی بچیوں کے لیے جہیز فراہم نہ کر سکے ---؟ یا پھر وہ سسرال جن کی طرف سے جہیز کی 'میٹر' لمبی فہرست جو شادی کی پہلی شرط کے طور پر لڑکی والوں کے گھر روانہ کی گئی ---؟؟ یا وہ معاشرہ جس کی رسومات کو بہر حال پورا کرنا ناگزیر تھا ---؟؟ یا پھر اسلامی ممالک کے ارباب اقتدار جنہوں نے اس رسم قاتل پر قابو پانے کی کوئی سبیل نہ کی ---؟؟؟

مذکورہ بالا تمام سوالوں کے تفصیلی جوابات سے پہلے ہمیں جہیز کی شرعی حیثیت کا جائزہ بھی لے لینا چاہیے۔ تاکہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے نفس مسئلہ کی گہرائی تک پہنچا جا سکے۔

رسم جہیز کی شرعی حیثیت

لڑکے یا اس کے گھر والوں کی طرف سے لڑکی والوں کے سرپرستوں سے جہیز (خواہ سامان کی شکل میں ہو یا جائیداد اور نقدی وغیرہ کی شکل میں) کا مطالبہ کرنا یا جہیز کو شادی کی بنیادی شرط سمجھنا (خواہ وہ شرط لڑکے والوں کی طرف سے ہو یا لڑکی والوں کی طرف سے) بالکل ناجائز، سراسر باطل اور شریعت کی خلاف ورزی ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے

اپنے یا کسی صحابی کے کسی نکاح پر ایسی شرائط کو لاگو نہیں کیا اور حضور نبی کریم ا کی زندگی کو قابل اطاعت سمجھنا ہی ایمان کی پہلی سیڑھی ہے جیسا کہ

❶ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ﴾

''تم میں سے ہر وہ شخص جو اللہ اور یوم آخرت کی امید (ایمان) رکھتا ہے، اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی بہترین نمونہ ہے''۔ (احزاب۔۲۱)

چونکہ سنت رسول میں کہیں جہیز کی شرط نظر نہیں آتی، اس لیے یہ باطل شرط ہے کیونکہ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے کوئی ایسی شرط طے کی جو کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے تو اس شرط کا کوئی اعتبار نہیں خواہ ایسی سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں''۔(۱)

اس لئے اگر بالفرض کوئی نکاح کم علمی کی وجہ سے جہیز کی شرط پر منعقد ہو بھی جائے تو مندرجہ حدیث کی رو سے اس شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں! حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ ؓ کی شادیوں میں کہیں جہیز کو لازمی شرط یا شادی کا حصہ نہیں بتایا گیا بلکہ اکثر و بیشتر جہیز کا تذکرہ بھی کتب احادیث میں مذکور نہیں لہذا ہمیں بھی اسی دین پر عمل پیرا ہونا چاہیے جو حضور اور آپ کے جانثاروں کا تھا۔

❷ شادی بیاہ کے جملہ مسائل اور شادی کے بعد بیوی اور اولاد کے نان ونفقہ کے تمام مسائل کا بوجھ اور ذمہ داری خاوند کے ذمہ ہے بیوی کے ذمہ نہیں۔ اگر چہ بیوی مالدار ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ (النساء۔۳۴)

---

(۱) [(بخاری۔٤٥٦)]

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالی نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔''

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ حق مہر کا مسئلہ ہو یا گھریلو ضروریات درپیش ہوں یا نان ونفقہ کا بوجھ ہو۔۔۔ یہ سب بوجھ اور ذمہ داریاں شرعی طور پر خاوند کے کندھوں پر ہیں۔ اس لیے بیوی یا سسرال سے اس طرح کا کوئی مطالبہ خواہ 'جہیز' کی شکل میں ہو یا کسی اور روپ میں۔۔۔۔ دینی واخلاقی ہر لحاظ سے ناروا اور غیر مناسب ہے۔ البتہ بیوی یا سسرال مالدار ہوں اور اپنی خوشی سے کوئی تحفہ دیں یا خاوند صاحب احتیاج ہو اور سسرال والے بطور اعانت کچھ دینا چاہیں، تو اس میں بہر حال گنجائش بھی موجود ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

3 علاوہ ازیں جہیز ایک ہندووانہ رسم ہے جس میں لڑکی کو وراثت سے محروم کر کے شادی کے موقع پر ہی حسب حیثیت سامان مہیا کر دیا جاتا ہے اور لڑکی کو بھی علم ہوتا ہے کہ اب میں حق وراثت سے محروم ہوں۔ حالانکہ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود میں تجاوز ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ..... تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴾ (النساء۔ ۱۱ تا ۱۴)

''اللہ تعالی تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو (یا دو) سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا (مال) ہے۔۔۔۔ یہ اللہ کی حدیں

ہیں جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرے گا اس کو وہ (اللہ) ایسی جنت میں داخل کریگا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کریگا تو وہ (اللہ) اسے جہنم میں داخل کریگا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

جہیز ایک ہندوانہ رسم

شادی بیاہ کی بیشتر رسومات ہندوانہ کلچر سے مسلمانوں نے اخذ کی ہیں کیونکہ برصغیر میں مسلمانوں کی فتوحات اور آمد سے پہلے ہندوؤں کا راج تھا جو کروڑوں خداؤں کے پجاری، اربوں، کھربوں رسومات میں جکڑے ہوئے اور کسی بھی سماوی دین سے کوسوں میل دور تھے حتیٰ کہ بے شمار ہندوؤں کے اسلام میں داخل ہونے کے باوجود ان کی ہندوانہ چھاپ کے اثرات محو نہ ہو سکے اور بے شمار قبیح رسومات اور فضول روایات مسلسل ان میں چلی آتی رہیں۔ علاوہ ازیں تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمان انہی ہندوؤں کے ساتھ بود و باش اختیار کیے رہے، اگرچہ مسلمانوں نے ہمیشہ اسلامی تشخص کا امتیاز برقرار رکھنے کی کوششیں کیں لیکن تالاب میں ڈبکی لگا کر خشک ہی باہر آ جانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن سی بات ہے۔ بہرحال میں اس گہرائی میں نہیں جانا چاہتا کہ مسلمان ان ہندوانہ رسومات کے تالاب میں لوٹ پوٹ ہو کر کس قدر ''کیچڑ'' اپنے ساتھ پاکستان لیکر آئے۔ تاہم جہیز کی رسم اس کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے جو ہندوانہ معاشرے سے بطور ''تحفہ'' مسلمان اپنے ساتھ لائے ہیں۔

دراصل ہندوانہ معاشرے میں والدین اپنی لڑکیوں کو وراثت میں شامل نہیں کرتے بالکل اسی طرح جس طرح دور جاہلیت میں اہل عرب اپنی لڑکیوں کو وراثت سے محروم کر دیتے تھے بلکہ دور جاہلیت کے اہل عرب میں وراثت کا حقدار صرف سب سے بڑا لڑکا ہوتا تھا جو باپ کی وراثت کے ساتھ اپنی سوتیلی ماں کا بھی 'وارث' قرار پاتا تھا! لیکن جب حضور نبی کریمؐ اس معاشرے میں تشریف لائے تو دین اسلام کی سچی، نکھری اور سادگی پر مبنی

تعلیمات کے ذریعے دور جاہلیت کے تمام طوقوں کو آپ ﷺ نے کاٹ پھینکا اور ان تمام رسومات سے لوگوں کو آزادی دی جن کی وجہ سے معاشرے کا ایک بہت بڑا حصہ ظلم وستم میں گراہ رہا تھا۔اسی احسان عظیم کی طرف قرآن مجید نے اس طرح اشارہ فرمایا:

''وہ (نبیؐ) انہیں نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے انکو دور کرتے ہیں۔لہذا جو لوگ اس نبی پر ایمان لا کر انکی حمایت اور مدد کرتے ہیں اور اسی نور (ہدایت) کی پیروی کرتے ہیں جو اسکے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔'' (الاعراف۔۱۵۷)

حضور ﷺ نے لوگوں کو امن وامان اور سکون و راحت بہم پہنچانے کے لیے جن سنہری احکام کا اجرا کیا ان میں سے ایک حق وراثت تھا یعنی بیٹی بھی باپ کے اثاثہ میں حقدار اور صاحب نصاب ہے۔اس کے برعکس ہندووانہ معاشرے میں آج بھی یہ رسم قاتل موجود ہے کہ بیٹی کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے لیکن اسکا فطری ردعمل یہ ہے کہ شادی کے موقع پر والدین زیادہ سے زیادہ سامان مہیا کر کے بیٹی کو رخصت کرنے کا اظہار کرتے ہیں کہ اب اس کا ہمارے ساتھ ہر طرح کا تعلق منقطع ہو رہا ہے تو اس کی دلجوئی کے لیے کچھ نہ کچھ سامان ضرور ہونا چاہیے۔جسے ہندو ''دان'' (خیرات) سے موسوم کرتے ہیں اور مسلمانوں نے اسے ''جہیز'' کا نام دے لیا۔یہ صرف لفظی مغایرت ہے وگرنہ معنوی طور پر دان اور جہیز میں کوئی فرق نہیں۔

یہ بات حرف آخر ہے کہ جو لوگ انفرادی یا اجتماعی طور پر کتاب وسنت کی شاہراہ پر گامزن رہیں گے وہی دنیا وآخرت میں کامیاب ہوں گے اور اگر دین اسلام کی سچی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا جائے تو دور جاہلیت کے ان گنت مسائل ومصائب از سر نو اسلامی معاشروں میں در آئیں گے اور فی الواقع اب ایسا ہو رہا ہے۔اس سلسلہ میں جہیز ہی کے معاشرتی نقصانات سے اس بات کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

رسم جہیز کے نقصانات

رسم جہیز کے دینی نقصانات

جہیز کے نقصانات لاتعداد ہیں جن میں سے چند ایک سنگین نقصانات کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ کی نزاکت کا صحیح احساس ہو سکے۔

❶ رسم جہیز کو 'حیات' بخشنے والے گھرانے سب سے پہلے سنت رسول کی حرمت وعظمت کو تار تار کر کے ایک بدعت اور ہندوانہ رسم کی طرح ڈالتے ہیں اور یقیناً یہ کوئی معمولی گناہ نہیں!

❷ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

" تنكح المرأة لاربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"[(۱)]

''عورت سے چار بنیادوں پر شادی کی جاتی ہے ایک اس کے مال کی وجہ سے، دوسری اس کے حسب (برادری) کیوجہ سے۔ تیسری اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور چوتھی اسکے دین داری کی وجہ سے۔ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں، تم دین والی کیساتھ کامیابی حاصل کرو''۔

نبی کریمؐ کے حکم اور نصیحت کے مطابق دیندار وبااخلاق عورت سے شادی کرنی چاہیے۔ تاکہ رفیقہ حیات اخروی نجات کے لیے دنیوی زندگی کو حکم الٰہی کے پابند رکھنے میں صحیح معاون ثابت ہو اور میاں بیوی کی زندگی کی گاڑی صحیح راستے پر گامزن ہو جبکہ جہیز کی رسم کیوجہ سے اس حکم رسول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایسی لڑکی کا انتخاب بھی برداشت کرلیا جاتا ہے جو دین واخلاق سے عاری، تعلیم وتربیت سے کوری، تہذیب وتمدن سے ناآشنا اور شکل وصورت سے ناقابل اعتنا ہی کیوں نہ ہو، یہ سب قباحتیں صرف اس لیے لیاقتیں مان لی جاتی ہیں کہ لڑکی کے جہیز کی فہرست بڑی لمبی چوڑی ہے!

(۱) [بخاری (۵۰۹۰)مسلم(۱۴۶۶)ابوداؤد(۲۰۴۷)ابن ماجه (۱۸۵۸)ابو یعلی (۶۵۷۸)]

3. جہیز چونکہ ہندووانہ رسم ہے اور ہندوؤں نے یہ رسم اس لیے جاری کی کہ انکے ہاں لڑکی وراثت کی حقدار نہیں بن سکتی لہذا اس حق وراثت کی تلافی کسی طرح شادی کے موقع پر جہیز کی شکل میں کی جاتی ہے اور اب مسلمانوں نے بھی اس رسم کی بجا آوری میں ہنود کی خوب تابعداری فرمائی کہ لڑکیوں کو حق وراثت سے محروم کر دیا اور اس کے بدلے جہیز کو رواج دیا حالانکہ اللہ تعالی نے عورت کو بھی وراثت کا حقدار بنایا ہے اور عورت کے اس خداوندی عطیہ (یعنی حق وراثت) کو ختم کرنا اللہ کی حدود کی صریح مخالفت ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ (النساء۔۱۳۔۱۴)

”یہ اللہ کی حدیں ہیں جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرے گا اس کو وہ (اللہ) ایسی جنت میں داخل کرے گا جسکے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اسکی حدوں سے تجاوز کرے گا تو وہ (اللہ) اسے جہنم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اسکے لیے رسوا کن عذاب ہے۔“

رسم جہیز کے معاشرتی نقصانات

1. جہیز ایک ایسی معاشرتی رسم کی شکل اختیار کر چکی ہے کہ اس کے بغیر شادی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا! حتی کہ خود لڑکی والے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ اگر بچی کی شادی تک جہیز کا سامان تیار نہ ہوا تو ہم بچی کے ہاتھ پیلے نہیں کر پائیں گے چنانچہ بچی کی پیدائش کیساتھ ہی والدین کو جہیز کی فکر کھانے لگتی ہے اور وہ پیٹ کاٹ کاٹ کر بچی کے جہیز کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ والدین ایک بچی کے فریضے سے ابھی سبکدوش نہیں ہوتے کہ انہیں دوسری بچی کے جہیز کی فکر کھانے لگتی ہے۔ یقیناً یہ غریب والدین پر ظلم ہے اور اللہ تعالی ظلم کو پسند نہیں کرتے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَمَا يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ ﴾ (غافر۔۳۱)

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتے۔''

﴿ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (التوبۃ۔۳۶)

''یہی درست دین ہے لہذا تم ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔''

حدیث قدسی ہے کہ ''اے میرے بندو! بلاشبہ میں نے اپنے لیے ظلم حرام کرلیا ہے اور تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کردیا ہے۔ لہذا آپس میں ظلم نہ کرو۔''(۱)

❷ جہیز کی وجہ سے معاشرے میں نمود ونمائش کی ایک ریت چل نکلی ہے۔ جو والدین بچی کی شادی کے موقع پر خوب جہیز تیار کرنے میں فتح حاصل کرلیتے ہیں وہ عین شادی کے موقع پر رشتہ داروں کو جمع کر کے جہیز کا سامان بڑے فخر وارمان کے ساتھ دکھاتے ہیں کہ دیکھیے جی ہم نے بچی کے لیے فرنیچر کا انتظام کیا ہے، فریج ،کولر، ٹی وی، بیڈ،صوفہ سیٹ بھی خرید کردیا ہے۔ آخر بچی پرائے گھر جارہی ہے اس کے لیے کراکری اور شیشے کے سیٹ ،بستر، کپڑے ،وغیرہ سب کچھ خریدلیا ہے حتی کہ برات سے پہلے ہی محلے کی عورتیں جہیز دیکھنے دکھانے کا بھرپور انتظام کرتی ہیں حالانکہ اسلام اس طرح کی نمود ونمائش اور فخر وریا کی قطعا اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآؤُوْنَ ﴾

''ان نمازیوں کے لیے ہلاکت (اور ویل نامی جہنم کی وادی) ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں اور جو ریاکاری کرتے ہیں۔'' (الماعون ۴تا۶)

❸ حدیث نبوی ہے کہ ''بے شک میں تمہارے بارے میں جن چیزوں کا خوف کھاتا ہوں ان میں سب سے زیادہ شرک اصغر یعنی ریاکاری کا خوف کھاتا ہوں۔''(۲)

---

(۱) [مسلم(۲۵۷۷)] (۲) [احمد(۴۲۸/۵)ابن کثیر(۴۴۳/۴)الترغیب (۶۸/۱)شرح السنۃ(۳۲۴/۱۴)مجمع الزوائد(۱۰۷/۱)السلسلۃ الصحیحۃ(۹۵۱)]

❹ بہت سے باپ اور بھائی اپنی بیٹی اور بہن کی ڈولی رخصت کرنے اور معاشرے کی جھوٹی انا وعزت کے لیے ناجائز ہتھکنڈے اختیار کر کے کسی نہ کسی طرح جہیز کا سامان پورا کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں، اسے خواہ انکی مجبوری کہیے یا معاشرے میں زندہ رہنے کی ضرورت! لیکن اس کی بنیادی وجہ ''جہیز'' ہے جو انسان کے ڈاکو بننے، رشوت لینے، خیانت کرنے جھوٹ بولنے، سود لینے اور ہر طرح کے حرام کاروبار کرنے پر ابھارنے میں مؤثر کردار ادا کرتا ہے حالانکہ کوئی بھی سلیم الفطرت مذکورہ جرائم کی قباحت سے انکار نہیں کرسکتا۔ اور مال کمانے کے مذکورہ بالا طریقوں کی اسلام بھی سخت مذمت کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ ﴾ (البقرة۔۱۸۸)

''ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو اور نہ ہی حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے ہتھیاؤ۔''

اسی طرح حکم خداوندی ہے:

﴿ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوٰا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ... يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوٰا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﴾ (البقرة۔۲۷۵تا۲۷۹)

''اللہ تعالی نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے۔ جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ تعالی کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لیے وہ (معاف) ہے جو گذر چکا اور اس کا معاملہ اللہ تعالی کی طرف ہے اور جس نے اعادہ کیا وہ جہنمی ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ اس (جہنم) میں رہیں گے ۔۔۔۔ اے اہل ایمان! اللہ تعالی سے ڈر جاؤ اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم واقعی

ایمان والے ہو لیکن اگر تم ایسا نہیں کرتے (یعنی سود سے کنارہ کشی اختیار نہیں کرتے تو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ!''

5 جن لوگوں کے پاس بچی کو جہیز دینے کی استطاعت نہ ہو یا وہ جہیز کو ہندوانہ رسم سمجھ کر جہیز نہ دینے کا اعلان کر دیں تو لوگ اس گھر کا راستہ بھول جاتے ہیں! انکی بچیوں کی شادی ایک المیہ بن جاتی ہے! بلکہ بسا اوقات تو وہ مظلوم زندگی بھر شادی کے بندھن سے محروم رہ جاتی ہیں حالانکہ ایک فطری اور معاشی ضرورت ہونے کی وجہ سے جوان بچی کی شادی والدین کا فریضہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ ﴾

''تم میں سے جو مرد وزن بے نکاح ہیں ان کا ضرور نکاح کر دو''۔ (النور۔۳۲)

لہذا بے نکاح بالغ افراد کا نکاح ایک دینی و اخلاقی فریضہ ہے۔لیکن اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ یہ رسم جہیز اس فریضے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے!

6 اولاد اللہ کی نعمت ہے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی کیونکہ لڑکا یا لڑکی دینے کا اختیار صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَايَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ اِنَاثًاوَيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ اَوْيُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴾ (الشوریٰ۔۴۹۔۵۰)

''اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے (صرف) بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا انہیں جمع کر دیتا ہے۔(یعنی) بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے''۔

لیکن بہت سے والدین بچیوں کو صرف اس لیے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ ان کے جہیز کے لیے والدین رقم کا بندوبست کیسے کریں گے! اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ

بچیاں شفقت پدری سے کما حقہ مستفید نہیں ہو پاتیں اور تعلیم و تربیت کے معاملے میں انہیں وہ توجہ نہیں دیجاتی جو کم از کم ان کا ضروری حق ہے۔ اگرچہ ایسے والدین اللہ کے ہاں مجرم ہیں لیکن سوچئے کہ اس جرم کا سب سے بڑا محرک کون ہے؟ کیا اس کا جواب 'جھیز' نہیں!

ایک مشرکانہ عادت

﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾

''ان (مشرکوں) میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دیجاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں میں چھپا چھپا پھرتا ہے سوچتا ہے کہ کیا اس ذلت کو لیے ہی رہے یا اس (بچی) کو مٹی میں دبا دے۔ آہ! کیا ہی برے یہ فیصلے کرتے ہیں۔'' (النحل۔۵۸۔۵۹)

❼ کئی والدین لڑکی پیدا ہوتے ہی اسے مار ڈالتے ہیں تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری! حالانکہ بچے کو قتل کرنا اللہ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴾ (الاسراء۔۳۱)

''مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ انہیں اور تمہیں ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ یقیناً ان کو قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔''

ایک صحابی نے نبی کریمؐ سے پوچھا کہ ''کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو''۔ (۱)

(۱) [بخاری (۶۸۶۱) مسلم (۸۶)].

8 اگر کوئی بچی بدقسمتی سے جوانی کی دہلیز پر پہنچ جائے لیکن والدین جہیز کا سامان تیار کرنے کے قابل نہ ہوں تو ایسے موقعوں پر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جوان بچیوں کو کسی حادثے کا شکار بنا کر خلاصی کی راہ نکالنے کے لئے والدین یہ کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اگر والدین میں اتنی ہمت نہ ہو تو بسا اوقات جوان بچیاں ہی اپنی زندگی ختم (خودکشی) کر لیتی ہیں۔ کبھی کوئی اونچی عمارت سے چھلانگ لگا دیتی ہے، کبھی کوئی گلے میں پھندا لگا کر چھت سے لٹک جاتی ہے، کبھی کوئی زہر کھا کر ہمیشہ کی نیند سونا چاہتی ہے حالانکہ خودکشی حرام ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ﴾ (النساء۔۲۹)

''اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔'' لیکن انصاف سے بتایئے کہ اس خودکشی کا محرک کون بنا؟؟

9 اگر غلط فہمی سے کسی لڑکی کا بلا جہیز کے نکاح ہو بھی جائے تو معاشرے میں اس کا انجام کبھی اچھا برآمد نہیں ہوا۔ لڑکی میں ہزار خوبیاں ہی کیوں نہ ہوں مگر اس ''غلطی'' کی اب کوئی معافی نہیں کہ وہ اپنے میکے سے ''خالی ہاتھ'' کیوں آئی ہے؟ کیا شوہر، کیا سسر، کیا ساس، کیا نانائیں سبھی تو اسے کوسنے والے، طعنہ دینے والے، اس کی تحقیر کرنے والے، اسے کچوکے لگانے اور مار پیٹ کرنے والے ہوتے ہیں۔ بات صرف اتنی نہیں بلکہ ''فرد جرم'' ثابت ہونے پر اسے خانہ بدر کیا جا سکتا ہے، شوہر سے علیحدگی کا قوی امکان ہے بلکہ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھیں تو اس بیچاری کو اپنی زندگی کا شدید خطرہ ہے اور فی الواقع ایسے بے شمار واقعات آئے دن اخبارات کی زینت بنتے ہیں کہ 'جہیز نہ لانے پر بہو نذر آتش'، 'چولہا پھٹنے سے بہو جاں بحق'، 'بہو کی پراسرار موت' وغیرہ

آخر یہ سب کچھ ہمیشہ بہو کے ساتھ ہی ہوتا ہے، ساس یا نند (نانان) کے بارے میں کبھی اس طرح کی خبر پڑھنے اور سننے میں نہیں ملتی! اور پھر یہ سب حادثات قدرتی نہیں بلکہ مصنوعی ہوتے ہیں اور ان کا 'سہرا' شوہر نامدار کے سر ہوتا ہے۔ اگر اسے یہ سہرا سجانے میں

ہچکچاہٹ ہو تو خاندان کے دیگر افراد اس ''خدمت'' کے لیے پیش پیش ہوتے ہیں!! بتایئے کیا یہ ظلم نہیں۔۔۔؟ پھر اس ظلم کا ذمہ دار کون ہے۔۔۔؟ اور اس ظلم کا خاتمہ کیسے ممکن ہے۔۔؟؟

ظلم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

❶ ﴿ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴾ (غافر۔۳۱)

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔''

❷ ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴾ (النساء۔۹۳)

''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر (قصداً) قتل کر ڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

⓾ معاشرے میں جو لوگ جہیز کی رسم کے قائل ہیں انہیں دو حیثیتوں سے اس رسم بد کو گلے لگانا پڑتا ہے؛ اگر وہ لڑکے والے ہونے کے ناطے جہیز وصول کرتے ہیں تو انہیں اپنی کسی لڑکی کی شادی کے وقت اپنے ہی اصول و قواعد اور رسوم و روایات کی پاسداری کے مطابق جہیز بہر حال دینا بھی پڑتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کا زاویہ حد اعتدال پر آ ہی جائے لیکن وہ بیچارے کدھر جائیں جن کی محض بچیاں ہی بچیاں ہیں! یہ تو پھر بدقسمت ہی ٹھہرے! اور انکی قسمت جاگ اٹھی جن کے لڑکے ہی لڑکے ہیں!!! اور پھر تو یہ بچیوں والوں کے لئے سراسر ظلم ہے! اور بلاشبہ اس ظلم کا ''کریڈٹ'' (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو جائیگا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ظالم کہنے میں حق بجانب ہو جائیں گے جنہیں اللہ نے صرف بچیاں ہی عطا کی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ رائی برابر بھی ظلم نہیں کرتے! ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ (یونس۔۴۴)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتے لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔''

جہیز کے لیے بھیک مانگنا!

رسم جہیز نے معاشرتی اقدار و اخلاقیات کو اس حد تک پامال کر دیا ہے کہ بہت سے غیرت مند لوگ بھی مجبور ہو کر بھیک مانگنے پر اتر آئے ہیں۔آپ نے بیسیوں مرتبہ مساجد میں نماز کے بعد ایسے مجبور افراد کو لوگوں کے سامنے ذلت کے ساتھ ہاتھ پھیلا کر یہ مطالبہ کرتے سنا ہوگا کہ مجھے بچی کی شادی کرنے اور جہیز دینے کے لیے ''مدد'' کی ضرورت ہے۔

حالانکہ جہیز کے لیے چندہ مانگنا، بھیک مانگنا اور لوگوں کے سامنے دامن پھیلانا اسی طرح قبیح عمل ہے جس طرح جہیز کے لیے زبردستی لوگوں کا مال لوٹنا یا چوری کرنا، رشوت لینا، خیانت کرنا یا سود لینا قبیح جرم ہے۔اگرچہ ان جرائم کے مرتکب گنہگار ہیں لیکن غور کیجئے کیا انہیں اس گناہ کے ارتکاب پر ابھارنے کی بنیادی وجہ یہی ہندوانہ رسم،.......جہیز نہیں؟!

بلا جواز بھیک مانگنے والے کی سزا

حضور نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اے قبیصہؓ (صحابی کا نام تھا)! صرف تین آدمیوں کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔ایک وہ جس نے ضمانت اٹھائی۔اس کے لیے ضمانت ادا ہو جانے تک سوال کرنا جائز ہے اس کے علاوہ وہ سوال نہ کرے۔دوسرا وہ آدمی جسے کوئی آفت پہنچی اور اس کا مال واسباب ہلاک ہو گیا تو اس کے لیے مانگنا درست ہے یہاں تک کہ اسے اتنا (مال) مل جائے کہ اس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے اور تیسرا وہ شخص جسے سخت فاقہ پہنچے حتی کہ اس کی قوم کے تین معقول آدمی اس بات کی گواہی دیں کہ فلاں شخص کو سخت فاقہ پہنچا ہے لہذا اس کے لیے مانگنا جائز ہے یہاں تک کہ اسے اتنا مل جائے کہ اس کی ضرورت پوری ہو سکے یا آپؐ نے فرمایا کہ اس کی حاجت مندی دور ہو سکے۔اے قبیصہ! ان تین صورتوں کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے اور ایسا سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔(۱)

---

(۱) [مسلم (۱۰۴۴)]

رسم جہیز کے طبی نقصانات

1. جہیز کی وجہ سے والدین بچیوں کو گھروں میں بٹھائے رکھتے ہیں اور وہ بچیاں گھروں میں بیٹھی بیٹھی صرف اس لیے بڑھاپے تک جا پہنچتی ہیں کہ بد قسمتی سے وہ ایسے ماں باپ کے گھر پیدا ہوگئی ہیں جوان کے لیے جہیز فراہم نہیں کر سکتے ۔اب بے شمار بچیاں ساری عمر کنواری رہ جاتی ہیں جس سے ان کے جسم کو طبی طور پر نہایت مضر اثرات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے ۔مثلاً ''اختناق الرحم ،جنون ،مرگی اور برسام کے امراض بھی اسی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ،رعشہ ،وجع المفاصل اور نقرس جیسی مہلک امراض بھی بعض دفعہ جنسی تقاضے کے حبس کرنے سے جنم لیتے ہیں ۔''(۱)

2. بچی کے بالغ ہونے کے بعد جلد از جلد اس کی شادی کر دینا اس کے لیے طبی اصولوں کے مطابق نہایت مفید رہتا ہے لیکن جس قدر شادی میں تاخیر کی جاتی ہے اسی قدر لڑکی کی خانگی زندگی کا سکون درہم برہم ہوتا جاتا ہے ،ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ﴾ (الروم ۔۲۱)

''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی۔''

اخلاقی نقصانات

انسانی زندگی میں ایک خاص موقع پر انسان کے اندر شہوانی خیالات انگڑائیاں لیتے ہیں جو فی الحقیقت جسد خاکی کا ایک فطری خاصا ہے اور خالق قدرت نے ان شہوانی جذبات

---

(۱) [تذکرہ انطاکیہ (ج ۲/ص ۶۱) بحوالہ ''شادی کی جاہلانہ رسمیں'' (ص ۳۹) از مولانا ابو الخیر اسدی]

کی تسکین کے لیے باضابطہ شادی کی نہ صرف گنجائش رکھی بلکہ قابل استطاعت مرد وزن پر اسے ایک دینی فرض ٹھہرادیا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ ﴾ (النساء۔۳)

''جوعورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔''

اسی طرح حدیث نبوی ہے:

''یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء''(۱)

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہو وہ ضرور شادی کرے اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزوں کی پابندی کرے کیونکہ یہ روزے اس کے لیے (گناہ سے) ڈھال بن جائیں گے۔''

عورتوں کے نگران چونکہ مرد حضرات یعنی باپ اور بھائی وغیرہ ہیں اس لیے بالغ عورتوں کی شادی کے متعلق انہی سرپرستوں اور نگرانوں کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ

﴿ وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ ﴾ (النور،۳۲)

''اور تم میں سے جو مرد وزن بے نکاح ہیں ان کا نکاح کرو۔''

لیکن اگر لڑکیوں کے سرپرست جہیز کے سامان جمع کرنے کی وجہ سے بالغ لڑکیوں کے نکاح میں خاصی تاخیر کرنے لگیں یا جہیز کی عدم دستیابی کی وجہ سے بچیوں کا نکاح کرنے سے گریز کی راہیں تلاش کرلیں تو اس سے بے شمار اخلاقی نقصانات جنم لیتے ہیں مثلاً

❶ انسانی خواہشات سے مغلوب ہو کر زنا کا ارتکاب جو معمولی گناہ نہیں! اس کی سنگینی کا اندازہ اس کی سزا سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کیونکہ جس قدر گناہ سنگین ہوگا اسی قدر اس کی سزا شدید ہوگی اور زنا کی سزا کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ

---

(۱) [بخاری (٥٠٦٦) مسلم (١٤٠٠)]

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (النور۔۲)

''زنا کار مرد وزن میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ان پر اللہ کے دین (کی حد قائم کرنے) میں تمہیں ہرگز رحم نہیں کھانا چاہیے، اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت جمع ہونی چاہیے۔''

❷ یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ شہوانی جذبات سے مغلوب ہر کر بے شمار لڑکیاں (زنا کے علاوہ بھی) ان گنت برے طریقوں سے اپنی خواہش بجھانے کی کوشش کرتی ہیں۔حالانکہ ایسے فحش اور گندے کاموں کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ (النور۔۱۹)

''یقیناً جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزو مند ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔''

❸ بعض جوان لڑکیاں بروقت شادی نہ ہونے کی وجہ سے کبھی فحش لٹریچر دیکھ کر اپنی طبعی ضرورت کو دبانے کی سعی لاحاصل کرتی ہیں۔بعض بیہودہ گانے سن کر اپنا 'شوق' پورا کرنے کی جدوجہد کرتی ہیں۔اس کے علاوہ ایسے لاتعداد غیر اخلاقی افعال کے ذریعے 'گناہ' مول لیے جاتے ہیں جو ناقابل بیان ہیں۔لیکن یہ بات یاد رہے کہ انسان کا ہر عضو بدن، زنا جیسے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''ان اللہ کتب علی ابن آدم حظۃ من الزنا ادرک ذالک لامحالۃ فزنا العین

النظر وزنا اللسان المنطق والنفس تمنی وتشتھی والفرج یصدق ذلک کلہ او یکذبہ "(۱)

"اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے معاملہ میں زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے جس سے وہ لامحالہ دوچار ہوگا۔ لہذا آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے، دل کا زنا یہ ہے کہ وہ خواہش اور آرزو کرتا ہے پھر شرمگاہ اس خواہش کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کر دیتی ہے۔"

جہیز کی گزشتہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

1. رسم جہیز کا شرعی احکام سے کوئی تعلق نہیں۔
2. جہیز کو شادی کی بنیادی شرط سمجھنا غلط ہے۔
3. جہیز کا مطالبہ کرنا ایک غیر اسلامی عمل اور اخلاقی جرم ہے۔
4. جہیز کے بدلے میں لڑکی کو وراثت سے محروم کرنا اللہ کی حدود کی خلاف ورزی ہے۔
5. جہیز ایک ہندوانہ رسم ہے۔
6. عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ میں جہیز کی یہ صورت بالکل نہیں تھی جو آج ہمارے معاشرے میں نظر آتی ہے۔
7. رسم جہیز پر مجبوراً عمل کرنا یا زبردستی عمل کروانا دینی اعتبار سے بالکل جائز نہیں۔
8. جہیز کے بے شمار معاشرتی نقصانات ہیں جن سے کوئی صاحب بصیرت بے خبر نہیں۔
9. جہیز کے طبی اور اخلاقی نقصانات بھی کچھ کم نہیں۔
10. جہیز کا اگرچہ یک طرفہ مالی فائدہ بھی ہے لیکن اس کے ان گنت مضر اثرات کے مقابلے میں اس معمولی فائدے کو اہمیت نہیں دی جا سکتی۔

---

(۱) [بخاری (۶۲۴۳) مسلم (۶۶۹۶) ابو داؤد (۲۱۵۲)]

ہندو بھی جہیز جیسی رسم 'قاتل' سے چیخ اٹھے!

''شادی کی نسبت کے وقت لڑکے والوں کی طرف سے ہونے والا مطالبہ یا لڑکی والوں کی طرف سے پیش کش اور وعدہ اور مروجہ جہیز کا لین دین یہ ایک ایسی سماجی برائی اور معاشرتی خرابی ہے کہ اس پر پابندی عائد کرنے کے لیے ہندوستان کی مختلف ریاستیں مثلاً بہار، اڑیسہ، مغربی بنگال، ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش وغیرہ بہت پہلے سے قانون بنا چکی ہیں اور مرکزی (ہندو) حکومت نے بھی ایک مبسوط اور جامع قانون بنانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے باوجود یہ سماجی برائی کم نہیں ہو رہی بلکہ ہندوستان کے تقریباً تمام فرقوں میں بڑھتی جا رہی ہے۔ اس قسم کی برائیاں محض قانون بنا لینے سے ختم نہیں ہوسکتیں جب تک کہ قانون پر عمل کرنے میں سختی سے کام نہ لیا جائے اور قانوں پر عمل کروانے والے دیانت دار اور اور مخلص نہ ہوں۔''(۱)

جہیز کے حوالے سے چند شبہات اور ان کا ازالہ

کیا جہیز لعنت ہے؟

گزشتہ صفحات میں جس قدر جہیز کے نقصانات مذکور ہیں ان سے مجال انکار نہیں لیکن ان نقصانات کی بنیاد پر جہیز کے بارے میں کوئی ایسا حکم صادر کرنا کہ جس کے پیچھے قرآن وحدیث کی کوئی مضبوط دلیل موجود نہ ہو، کسی طرح بھی جائز نہیں۔ لہذا جہیز کو ''لعنت'' سے موسوم کرنے کے لیے بہر حال کسی واضح دلیل کی ضرورت ہے جو قرآن وحدیث میں موجود نہیں البتہ جہیز کی موجودہ رسم (جسے شادی کا بنیادی حصہ بنا دیا گیا ہے) خالصتاً ایک ہندووانہ رسم ہے جبکہ غیر مسلموں کی رسموں اور مخصوص اشعار کی نقالی سے ہمیں منع کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث نبوی ہے کہ

''من تشبہ بقوم فھو منھم''

''جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے''(۲)

---

(۱) [ماھنامہ "محدث" بنارس، ھند۔(اپریل ۱۹۸۵ء)]

(۲) [ابو داؤد: کتاب اللباس :باب فی لبس الشھرۃ (٤٠٢٦)مسند احمد(٥٠/٢)]

البتہ اگر جہیز کو شادی کی شرط اور جزو تسلیم کیے بغیر چند مخصوص شرائط کے ساتھ تسلیم کیا جائے تو اس میں کسی حد تک گنجائش بھی موجود ہے جس کی تفصیل آگے ذکر کی جا رہی ہے۔

کیا جہیز تمام مسائل کی جڑ ہے؟

بعض لوگ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ جہیز تمام خرابیوں اور مسائل ومصائب کی بنیاد اور کل مسائل کی جڑ ہے اگر جہیز کا کلی خاتمہ کر دیا جائے تو سب بگاڑ اور فساد درست ہو جائیں گے لہذا یہی صراط مستقیم ہے اور اسے نصب العین سمجھتے ہوئے اپنی تمام تر توانائیاں جہیز کے خلاف صرف کر دینی چاہییں ـــــ!

حالانکہ اس رسم قاتل کے ہزار ہا نقصانات کے باوجود اسے کل مسائل کا حل قرار دینا محض غلط فہمی ہے کیونکہ یہ تو صرف ایک مسئلہ ہے اور وہ بھی معاشرتی پہلو سے تعلق رکھنے والا۔ جس میں اگرچہ غلو کی وجہ سے ہزار ہا نقصانات معاشرے کو بھگتنا پڑ رہے ہیں تاہم اس کے علاوہ دیگر پہلوؤں سے متعلقہ دین و دنیا کے ہزاروں مسائل ایسے ہیں جن سے امت مسلمہ بُری طرح دوچار ہے۔ لہذا جس طرح شادی بیاہ جیسے معاشرتی مسائل میں دینی ہدایات کی پاسداری ضروری ہے بالکل اسی طرح سیاست ومعیشت، ثقافت وتمدن اور تعلیم وتربیت وغیرہ میں بھی دینی اقدار اور شرعی ہدایات کو مدنظر رکھنا ہی باعث نجات ہے۔

کیا حضورؐ نے اپنی بیٹیوں کو جہیز دیا تھا؟

واضح رہے کہ حضور نبی کریمؐ کی کل چار بیٹیاں تھیں جن میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ پھر رقیہؓ پھر ام کلثومؓ اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمہؓ تھیں۔ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کی شادیوں پر حضور نبی کریمؐ سے جہیز دینے کا کوئی ثبوت کتب احادیث میں موجود نہیں۔ آپؐ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح اپنے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کیا تھا۔ لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ آپ کی نبوت صادقہ کی مخالفت کے پیش نظر ابولہب نے اپنے

بیٹے سے کہلوا کر حضرت رقیہؓ کو طلاق دلوادی تھی۔ پھر نبی کریمؐ نے اپنی اس بیٹی کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کردیا۔ ۲ھ میں غزوہ بدر کے دنوں میں حضرت رقیہؓ اکیس (۲۱) سالہ عمر میں اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ اسی طرح ام کلثومؓ کا نکاح بھی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا لیکن حضرت رقیہؓ کی طرح ام کلثومؓ کو بھی ابولہب نے طلاق دلوادی تھی۔ نبی کریمؐ نے حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے کردیا اور یوں حضورؐ کی دو صاحبزادیوں کے خاوند بننے کے شرف وسعادت کی وجہ سے آپؓ کو ''ذوالنورین'' کا خطاب ملا۔ (۱)

حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ کے نکاح کے موقع پر آپؐ نے انہیں کوئی جہیز نہیں دیا اور اس جہیز نہ دینے کی ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ خوب مالدار اور غنی صحابی تھے اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس قدر مال ودولت سے نواز رکھا تھا اس کے اندازہ کے لئے یہ ایک واقعہ ہی کافی ہے:

''جنگ تبوک میں لشکر کی تیاری کے لیے نبی کریمؐ نے صحابہ کے درمیان جہاد فنڈ کا اعلان کیا تو حضرت عثمانؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ ایک سو اونٹ، پالان اور کجاوے سمیت میں اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ نبی کریمؐ نے دوبارہ جہاد فنڈ کی ترغیب دلائی تو پھر حضرت عثمانؓ کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اللہ کی راہ میں دو سو اونٹ، پالان اور کجاوے سمیت میں (مزید) دیتا ہوں۔ نبی کریمؐ پھر صدقہ کی ترغیب دلائی تو حضرت عثمانؓ نے مزید تین سو اونٹ مع پالان وکجاوے پیش کرنے کا عندیہ دیا۔'' ایک روایت میں ہے کہ ''حضرت عثمانؓ نے اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونا) بھی حضورؐ کی آغوش میں بکھیر دیا۔ اور رسول اللہؐ انہیں الٹتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انہیں کوئی ضرر نہیں۔'' (۲)

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ (۳/۳۰۸تا۳٤۰) فتح الباری (۳/۱۵۱تا۱۵۸)]

(۲) [ترمذی: کتاب المناقب، (۳۶۹۹، ۳۷۰۰، ۳۷۰۱)]

آپؐ نے اپنی تیسری بیٹی حضرت زینبؓ کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے کیا جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے، ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے۔ لیکن اس نکاح کے موقع پر بھی حضورؐ سے کسی جہیز کا ثبوت نہیں ملتا البتہ یہ بات معتبر کتب احادیث میں موجود ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے اس نکاح کے موقع پر اپنی بیٹی زینبؓ کو ایک قیمتی ہار (بطور تحفہ) عطا کیا تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

''جب مکہ والوں نے (جنگ بدر) کے قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ بھیجا تو حضرت زینب بنت رسول اللہؐ نے بھی اپنے خاوند ابوالعاص بن ربیع (جو حالت کفر میں قیدی کر لیے گئے تھے) کے فدیے کے لیے کچھ مال اور ایک ہار بھیجا جو حضرت خدیجہؓ نے (اپنی بیٹی) زینبؓ کی شادی کے موقع پر انہیں عطا کیا تھا۔''(۱)

اس واقعہ سے کم از کم اتنا جواز ضرور مہیا ہوتا ہے کہ نکاح کے پرمسرت موقع پر والدین اگر بطور تحفہ اپنی بیٹی کو کچھ دینا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اسے بطور رسم نہ کیا جائے اور نہ ہی فخر و مباہات اور نمود و نمائش کا ذریعہ بنایا جائے۔

کیا حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کو جہیز دیا تھا؟

ہمارے ہاں یہ بات بڑی مشہور ہو چکی ہے کہ نبی کریمؐ نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہؓ کو جہیز دیا تھا لہذا جہیز دینا نبی کی سنت ہے ۔۔۔ لیکن اس واقعہ کا پس منظر اور اصل حقیقت بہت ہی کم لوگ جانتے ہوں گے، اس لیے ہم اس کی قدرے تفصیل پیش کیے دیتے ہیں تا کہ واقعاتی پس منظر میں یہ معلوم کیا جا سکے کہ آپ نے جو سامان دیا تھا وہ جہیز کا سامان تھا یا کچھ اور!

امام نسائیؒ اپنی سنن میں کتاب النکاح کے ضمن میں ایک باب کا یہ عنوان ذکر کرتے ہیں:

''باب جهاز الرجل ابنته / ''آدمی کا اپنی بیٹی کو جہیز دینا''

اور اس عنوان کے تحت یہ حدیث ذکر کرتے ہیں:

(۱) [الفتح الربانی (۱۴/۱۰۰) ابن ہشام (۳۵۹/۲) ابن سعد (۳۱/۸)]

" عن علیؓ قال جھز رسول اللہ فاطمۃ فی خمیل وقربۃ ووسادۃ حشوھا لیف "

"حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی لخت جگر فاطمہ" کو ایک سفید اونی چادر، ایک مشکیزہ اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی، بطور جہیز دیا تھا"[1]

علاوہ ازیں امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں:

" عن علیؓ ان رسول اللہ لما زوجہ فاطمۃ بعث معہ بخمیلۃ ووسادۃ من أدم حشوھا لیف ورحیین وسقاء وجرتین "[2]

"جب نبی کریمؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا تو ایک چادر، ایک اذخر گھاس بھرا تکیہ، ایک چکی اور دو مٹکے (یعنی کل اتنا سامان) اس کے ساتھ روانہ کیا"

اسی طرح سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ

" عن علیؓ ان رسول اللہ اتی علیا وفاطمۃ وھما فی خمیل لھما قد کان رسول اللہ جھز ھما بھا ووسادۃ محشوۃ اذخر وقربۃ "[3]

"حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور وہ (علی) اور فاطمہؓ ایک سفید اونی چادر لیے ہوئے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ چادر، ایک اذخر گھاس بھرا تکیہ اور ایک مشکیزہ انہیں بطور جہیز عنایت کیا تھا۔"

مذکورہ روایات سے ظاہری طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنی لخت جگر کو جہیز دیا تھا اگرچہ وہ نہایت معمولی نوعیت ہی کا تھا لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ جہیز رسول کریمؐ نے نہیں دیا تھا بلکہ حضرت علیؓ ہی کی طرف سے بطور مہر ملنے والی جنگی زرہ کو آپؐ نے بیچ کر یہ سامان اپنی بیٹی کے ہمراہ کیا تھا گویا یہ جہیز نہیں تھا بلکہ حضرت علیؓ کے پیش کردہ مہر سے خریدا گیا سامان تھا جیسا کہ کتب احادیث میں موجود دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے مثلاً حضرت علی ﷺ سے مروی ہے کہ

---

(۱) [نسائی (۳۳۸٦)] (۲) [مسند احمد (۱/۱۰٦)]

(۳) [ابن ماجہ (۴۱۵۲)]

❶ "تزوجت فاطمة فقلت يا رسول الله ابن بی قال اعطها شيئا قلت ماعندی من شیء قال فاين درعک الحطمية قلت هی عندی قال فاعطها اياه "(۱)

''میں نے جب حضرت فاطمہؓ سے نکاح کیا تو اللہ کے رسول ﷺ سے ان کی رخصتی کا تقاضا کیا۔آپؐ نے فرمایا کہ اسے (بطور مہر) کچھ دو۔میں نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری وہ حطمی زرہ کہاں ہے؟ میں نے کہاہاں، وہ تو میرے پاس موجود ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ وہ (بطور مہر) فاطمہ کو دے دو''۔

❷ حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ

" اردت ان اخطب الی رسول الله ابنته فقلت مالی من شیء فكيف ؟ثم ذكرت صلته وعائدته فخطبتها اليه فقال هل لک من شیء؟ قلت لا! قال فاين درعک الحطمية التی اعطيت يو م كذا و كذا ؟قال هی عندی قال فاعطها قال فاعطيتها اياه "(۲)

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی (فاطمہؓ) سے نکاح کا ارادہ کیا تو میں نے سوچا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں پھر یہ (نکاح) کیسے ممکن ہے؟ لیکن میں نے آنحضرتؐ کی صلہ رحمی دیکھ کر آپؐ کے سامنے نکاح کا عندیہ ظاہر کر دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ کچھ ہے؟ میں نے کہانہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ حطمی زرہ کہاں ہے جو میں نے فلاں موقع پر تمہیں دی تھی۔میں نے کہا کہ وہ میرے پاس ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ وہ فاطمہ کو (بطور مہر) دے دو تو میں نے وہ فاطمہؓ کے مہر کے لیے آپؐ کو دے دی''۔

❸ عن انسؓ قال جاء ابو بكر ثم عمر يخطبان فاطمة الى النبیؐ فسكت

---

(۱) [نسائی (۳۳۷۷)ابوداؤد(۲۱۲۵)]

(۲) [احمد (۸۰/۱)ابو داؤد(۲۱۲۵)نسائی (حمدی ۳۸)]

فلم يرجع اليهما شيئا فانطلقا الى على يامرانه يطلب ذلك قال على فنبهاني لأمر فقمت أجر ردائي حتى اتيت النبي ﷺ فقلت تزوجني فاطمة قال عندك شيء فقلت فرس وبدني قال أما فرسك فلابدلك منها واما بدنك فبعها فبعتها باربع مائة وثمانين فجئته بها فوضعت في حجره فقبض منها قبضة فقال اى بلال ابتع بها لنا طيبا وأمرهم ان يجهزوها فجعل لها سرير مشروط ووسادة من أدم حشوها ليف "[1]

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہؓ سے عقد نکاح کے لیے ابو بکرؓ اور عمرؓ نے یکے بعد دیگرے پیغام بھیجا مگر حضورؐ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ان دونوں حضرات نے حضرت علیؓ کو نکاح کی پیش کش کا کہا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب ان دونوں نے مجھے اس طرف متوجہ کیا تو میں فوراً چادر گھسیٹتا ہوا حضورؐ کے پاس حضرت فاطمہؓ سے نکاح کی درخواست لیے جا پہنچا۔ آپؐ نے کہا کہ کچھ (مہر کے لیے) ہے؟ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے۔ آپؐ نے مجھے فرمایا کہ گھوڑے کی تمہیں (جنگوں کے علاوہ عام سواری کے لئے بھی) ضرورت رہے گی البتہ زرہ بیچ آؤ۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے چار سو اسی (۴۸۰) درھم میں وہ زرہ (حضرت عثمانؓ) کے پاس بیچی اور درہم لا کر رسول کریمؐ کی جھولی میں ڈال دیئے۔ آپ نے کچھ درہم حضرت بلالؓ کو دیکر فرمایا کہ اس کی خوشبو وغیرہ خرید کر لاؤ۔ پھر آپ نے کچھ سامان تیار کرنے کا حکم دیا تو ایک بان کی چارپائی، ایک چمڑے کا تکیہ جس میں اذخر گھاس کا بھراؤ تھا (انہی دراہم سے) حضرت فاطمہؓ کے لیے تیار کیا گیا۔"

(۱) [شرح زرقانی علی المواهب (۴/۲) دلائل النبوة (۱۶۰/۳) البداية والنهاية (۳۰۲/۳) اسد الغابة (۲۲۰/۸)]

مذکورہ روایات اور دیگر قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سامان اس زرہ کی قیمت سے خریدا گیا تھا جو حضرت علیؓ کی طرف سے بطور 'مہرِ معجل' (ایڈوانس مہر میں) دی گئی تھی لیکن اگر بالفرض اس کے برعکس یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خود حضورؐ نے اپنی طرف سے یہ سامان اپنی بیٹی کو دیا تھا تو تب بھی چند باتیں پیش نظر رہیں:

1. نبی کریمؐ نے یہ معمولی سا گھریلو سامان اس لیے دیا ہوگا کہ حضرت علیؓ بھی اسی طرح آپؐ کی کفالت میں تھے جس طرح خود آپ مکہ میں حضرت علیؓ کے والد ابو طالب کی کفالت میں رہے تھے۔ علاوہ ازیں نبی کریمؐ نے ہجرت کے بعد مؤاخات کے موقع پر بھی حضرت علیؓ ہی کو اپنا دینی بھائی بنایا تھا (دیکھئے مجمع الزوائد ج۹رص۱۱۰) گویا حضرت علیؓ کی شادی کے موقع پر ضروری انتظامات خود نبی کریمؐ کے ذمہ تھے، اس لیے اگر آپؐ نے اپنی طرف سے یہ سامان دیا بھی تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

2. حضرت علیؓ کی معاشی حالت خاصی تنگ تھی اس لیے حضورؐ نے بطور اعانت انہیں یہ چند چیزیں مہیا کی ہوں گی۔ شرعی نکتہ نظر سے ایسی اعانت محمود ہے مذموم نہیں۔ حضرت علیؓ کی معاشی حالت کی ترجمانی گزشتہ احادیث سے واضح ہے البتہ مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی اس حقیقت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے:

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ میں کنوئیں سے پانی کھینچتے کھینچتے اپنے سینے میں درد محسوس کرنے لگا ہوں جبکہ تمہارے والد (حضورؐ) کے پاس کچھ قیدی آئے ہیں لہٰذا تم جا کر کوئی قیدی ہی مانگ لاؤ۔ چنانچہ حضرت فاطمہ حضورؐ کے پاس گئیں تو حضورؐ نے پوچھا: بیٹی کیا کام ہے؟ حضرت فاطمہؓ کو خادم مانگنے سے شرم آئی اور کہا کہ سلام دعا کے لیے حاضر ہوئی تھی اور بلا مطالبہ واپس چلی آئیں۔ حضرت علیؓ نے پوچھا: پھر کیا بنا؟ فرمانے لگیں کہ مجھے خادم مانگنے سے شرم آتی ہے۔

پھر حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ دونوں حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے اور علیؓ نے عرض کی

یارسول اللہ! کنویں سے پانی کھینچنے کی وجہ سے میں اپنے سینے میں تکلیف محسوس کرنے لگا ہوں۔ فاطمہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم چکی پیستے پیستے میرے ہاتھ بھی گھس گئے ہیں اور آپ کو اللہ تعالی نے قیدی عطا کر کے وسعت بخشی ہے۔ آپ ہمیں بھی ایک خادم عطا فرما دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں ان اصحاب صفہ کو چھوڑ کر تمہیں خادم دوں جو رات کو بھوکے سوتے ہیں جب کہ میرے پاس انہیں دینے کو کچھ بھی نہیں ہوتا! اس لیے میں یہ قیدی غلام بیچ کر ان کی قیمت اصحاب صفہ پر خرچ کروں گا۔

بالآخر حضرت علیؓ اور فاطمہؓ واپس تشریف لے گئے۔ پھر حضورؐ رات کے وقت ان کے پاس تشریف لے گئے جبکہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے سونے کی تیاری میں ایک چادر اوڑھ رکھی تھی (اور وہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اگر) اس سے سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں ننگے رہ جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر ننگا رہ جاتا۔ حضورؐ کو دیکھ کر دونوں نے اٹھنا چاہا تو آپؐ نے فرمایا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو اور فرمایا: کیا میں تمہیں غلام سے بہتر چیز کے بارے میں آگاہ نہ کروں؟ دونوں نے کہا: کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا کہ یہ چند کلمات مجھے جبریل نے بتائے ہیں کہ ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر کا ورد کر لیا کرو اور جب سونے کے لیے لیٹو تو چونتیس (۳۴) مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمدللہ اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ نے یہ کلمات سکھائے ہیں میں نے انہیں کبھی ترک نہیں کیا۔"(۱)

علاوہ ازیں حضرت علیؓ کے پاس رہائش کے لیے ذاتی مکان بھی نہیں تھا تو حضرت حارثہؓ نے اپنا ایک گھر خالی کر کے بطور اعانت آپ کے سپرد کر دیا۔(۲)

لہٰذا اگر حضورؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کو اپنی جیب سے کچھ سامان دیکر رخصت کیا بھی ہے تو پھر یہ بطور اعانت تھا بطور رسم یا بطور جہیز پھر بھی نہیں تھا!!

---

(۱) [احمد(۱/۱۰٦)ابن ابی شیبہ(۱۰/۲۳۲)البزار(۷۵۷)ابن سعد(۸/۲۵)]

(۲) [ابن سعد (۸/۲۲)الاصابۃ(۸/۲٦٤)]

• اعانت کی طرح ایک دوسرے کو ہدیہ وتحفہ دینا بھی مستحب ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"تھادوا تحابوا" "آپس میں تحائف دیا کرو اس سے باہمی محبت بڑھتی ہے"(۱)

اسی طرح حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

"کان رسول الله ﷺ یقبل الهدیة ویثیب علیها"(۲)

"اللہ کے رسول ﷺ ہدیہ قبول کرتے تھے اور اس کے بدلے میں بھی تحفہ دیا کرتے تھے۔"

اس لیے یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ نے بطور تحفہ یہ چیزیں عنایت کی ہوں اور بطور تحفہ دولہا یا دلہن کو کوئی چیز دینا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب بھی ہے۔ البتہ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ فخر وریا اور نمود ونمائش کی نیت سے ایسا نہ کیا جائے۔

مذکورہ بالا احادیث کی جمع وتطبیق سے معلوم ہوا کہ

۱۔ حق مہر کا پیشگی مطالبہ کیا جا سکتا ہے لیکن پیشگی مطالبے کو نکاح کی شرط بنا لینا درست نہیں۔

۲۔ مہر میں نقدی کی بجائے کوئی بھی قیمت والی چیز مقرر کی جا سکتی ہے۔

۳۔ مہر عورت کا حق ہے۔

۴۔ حضرت فاطمہؓ کا جہیز گمان غالب کے مطابق مہر کی رقم سے بنایا گیا تھا۔

۵۔ اگر بالفرض یہ جہیز کی رقم کے علاوہ خود حضور نے ذاتی طور پر دیا ہے تو پھر اس کی بنیادی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ حضرت فاطمہؓ کی طرح حضرت علیؓ کے بھی کفیل تھے۔

۶۔ داماد اگر غریب اور مستحق ہو تو اسے بطور اعانت کچھ ضروری سامان مہیا کر دینا جائز ہی نہیں بلکہ ایک اخلاقی فریضہ بھی ہے۔

۷۔ دولہا یا دلہن کو شادی کے موقع پر تحفہ وہدیہ دینا مستحب ہے۔

۸۔ لیکن یہ تحائف بطور فخر ومباہات یا احسان جتلانے کی نیت سے نہ ہوں۔

۹۔ اور ان تحائف کے باوجود لڑکی کو اس کے حق وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

۱۰۔ لڑکے والوں کی طرف سے جہیز کا مطالبہ کرنا انتہائی قبیح اور غیر اخلاقی حرکت ہے۔

---

(۱) [الادب المفرد(۵۹٤) البیهقی (۱٦۹/٦) تلخیص الحبیر (۱۵۲/۳)]

(۲) [بخاری(۲۵۸۵)]

حضرت ام حبیبہ (ام المؤمنینؓ) کا جہیز

حضرت ام المؤمنین ام حبیبہؓ رملہ بنت ابی سفیانؓ عبیداللہ بن جحش کے عقد میں تھیں اور انہی کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئی تھیں لیکن عبیداللہ نے وہاں جا کر عیسائی مذہب قبول کر لیا اور اسی ارتداد کی حالت میں جاں بحق ہو گیا جبکہ ام حبیبہؓ دین اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ نبی اکرمؐ نے محرم ۷ھ میں عمرو بن امیہ ضمری کو اپنا خط دیکر نجاشی کے پاس بھیجا اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ نجاشی ام حبیبہؓ کا آپؐ سے نکاح کر دے۔ نجاشی نے بخوشی یہ پیغام منظور کر لیا اور ام حبیبہؓ کا نکاح نبی کریمؐ سے کر دیا جبکہ مہر اور جہیز کا بندوبست بھی خود نجاشی نے اپنی طرف سے کیا تھا۔ امر واقعہ سے متعلقہ روایات درج ذیل ہیں:

❶ " ان رسول اللہ تزوج ام حبیبة وانها بارض الحبشة زوجها اياه النجاشي ومهرها اربعة آلاف ثم جهزها من عنده وبعث بها الى رسول الله مع شرحبيل بن حسنة وجهازها كله من عند النجاشي ولم يرسل اليها رسول الله بشيء "(۱)

"نبی کریمؐ نے ام حبیبہؓ سے نکاح کے لیے پیغام بھیجا جبکہ آپؓ حبشہ میں تھیں تو نجاشی نے آپؐ کا ام حبیبہؓ سے نکاح کروایا اور انہیں چار ہزار درہم بطور مہر دیا پھر اپنی طرف سے ہی ام حبیبہؓ کو جہیز دیا اور انہیں شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ ام حبیبہؓ کے جہیز کا کل سامان نجاشی کی طرف سے تھا جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ام حبیبہؓ کے پاس کوئی چیز نہ بھیجی تھی۔"

❷ طبقات ابن سعد میں یہ تفصیلی واقعہ اس طرح مرقوم ہے کہ ام حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں اپنے خاوند عبیداللہ کو انتہائی قبیح صورت میں دیکھا جس سے میں گھبرائی اور میں نے (تعبیر کرتے ہوئے) کہا کہ اس کی حالتِ (اسلام) متغیر ہوگئی ہے۔ صبح

(۱) [احمد (٤٢٧/٦) حاکم (٢٢/٤)]

ہوتے ہی عبید اللہ نے کہا: ام حبیبہؓ! میں نے مختلف ادیان پر غور وفکر کیا اور میں عیسائیت کو سب سے عمدہ خیال کر کے اس کے قریب آ گیا، پھر میں نے محمد ﷺ کے دین کو اختیار کیا لیکن اب پھر میں عیسائی بن گیا ہوں۔

میں نے کہا: بخدا! اس (عیسائیت) میں تمہارے لیے خیر نہیں پھر میں نے اسے اپنا خواب سنایا لیکن اس نے خواب کی پرواہ نہ کی اور شرابی بن کر اسی (کفر کی) حالت پر فوت ہوا۔ پھر میں نے خواب دیکھا کہ کوئی مجھے ام المؤمنین کہہ کر پکار رہا ہے۔ گھبراہٹ سے میر آنکھ کھل گئی اور میں نے اس خواب کی تعبیر یہ سمجھی کہ مجھ سے اللہ کے رسول ﷺ نکاح کریں گے۔ ابھی میری عدت کا اختتام ہی تھا کہ دروازے پر نجاشی کا قاصد اجازت مانگ رہا تھا اور اس کی ایک ابراہہ نامی لونڈی جو اس کے لباس اور عطریات وغیرہ کی نگران تھی، میرے پاس آکر کہنے لگی کہ بادشاہ نے آپکو یہ پیغام بھیجا ہے کہ اسے (نجاشی) نبی کریمؐ کی طرف سے یہ پیغام آیا ہے کہ میں (نجاشی) تمہارا نکاح حضورؐ سے کردوں۔ خادمہ (ابراہہ) نے کہا کہ بادشاہ نے آپکو اپنا وکیل مقرر کرنے کا کہا ہے۔ ام حبیبہؓ نے خالد بن سعید کو اپنا وکیل مقرر کیا اور اس پیغام کی خوشی میں ابراہہ کو اپنے دونوں کنگن، دونوں پازیب اور چاندی کی انگوٹھیاں عنایت کردیں۔

نجاشی نے سب لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ میں حضورؐ کا نکاح آپ (ام حبیبہؓ) سے کردوں۔ میں اس حکم کی بجا آوری میں ام حبیبہؓ کو چار سو دینار مہر اپنی طرف سے پیش کرتا ہوں اور وہ دینار سب لوگوں کے سامنے رکھ دیئے۔ پھر خالد بن سعید نے اسی طرح خطبہ دیکر کہا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے ام حبیبہؓ کا نکاح حضورؐ سے کرتا ہوں۔۔۔ دوسرے دن ابراہہ (خادمہ) میرے پاس عود، عنبر، ورس اور بہت سی کستوری وغیرہ لیکر آئی اور میں یہ ساری چیزیں حضورؐ کے پاس لیکر حاضر ہوئی تو آپؐ نے میرے پاس یہ ساری چیزیں دیکھیں لیکن کچھ نہیں کہا۔ (1)

(1) [طبقات ابن سعد (۸/۹۷، ۹۸)]

مذکورہ واقعہ سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ شادی کے موقع پر تحائف وغیرہ کی صورت میں جہیز کا سامان دینا عرب اور حبشہ وغیرہ میں بھی معروف تھا۔

۲۔ حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح کے موقع پر حق مہر اور جہیز کا سامان شاہ حبش، یعنی اصحمہ نجاشی نے اپنی طرف سے دیا تھا۔

۳۔ حضرت ام حبیبہؓ نے جب نجاشی سے ملنے والا سامان حضورؐ کے سامنے پیش کیا تو آپؐ نے اس پر خاموشی اختیار کی جس سے جہیز کی کسی حد تک گنجائش معلوم ہوتی ہے۔تاہم اس کے باوجود اس کی نوعیت موجودہ رسم جہیز سے سراسر مختلف تھی۔لہٰذا اسے موجودہ رسم جہیز پر قیاس کرنا درست نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر بغیر مطالبہ کے کوئی جہیز دے دیتا ہے تو اسے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن شادی سے پہلے جہیز کی شرط لگانا یا جہیز کا مطالبہ کرنا بالکل درست نہیں ہے۔

جہیز سے متعلقہ ساری بحث کا ملخص اور کچھ تجاویز

۱۔ جہیز ایک معاشرتی رسم ہے جس کا شرعی احکام سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ جہیز کو شادی کی شرط سمجھنا حماقت ہے۔

۳۔ جہیز کے بدلے میں لڑکی کو حق وراثت سے محروم کرنا اللہ کی حدود کی صریح خلاف ورزی ہے

۴۔ جہیز کا مطالبہ کرنا ایک غیر اسلامی عمل اور اخلاقی جرم ہے۔

۵۔ جہیز کی رسم پر مجبوراً عمل کرنا یا زبردستی عمل کروانا ایک غیر شرعی امر ہے۔

۶۔ عہد نبویؐ وعہد صحابہ میں جہیز کی یہ صورت بالکل نہیں جو آج ہمارے معاشرے میں ہندوؤں کی دیکھا دیکھی سرایت کر چکی ہے۔

۷۔ رسم جہیز کے بے شمار معاشرتی، اخلاقی اور دینی نقصانات پیدا ہو چکے ہیں جن سے کسی بھی صاحب فہم کو مجال انکار نہیں۔

۸۔ رسم جہیز کے نقصانات کے پیش نظر اگر کوئی حکومت اپنے زیرِ انتظام علاقے میں تدبیری امور کے تحت اس پر پابندی عائد کر دے اور خلاف ورزی کرنے والوں پر تاوان لاگو کرے، تو اس کی گنجائش موجود ہے۔

۹۔ رسم جہیز کو اگر شادی کی لازمی شرط سمجھا جائے تو پھر چونکہ یہ اسلامی آدابِ نکاح میں ایک اضافہ ہے جس کی بنا پر اسے 'بدعت' سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

۱۰۔ جہیز کو بلا استثنا لعنت یا حرام کہنا یا اسے تمام معاشرتی اور غیر معاشرتی مسائل کی جڑ قرار دینا، یقیناً غلو، مبالغہ اور ایک دوسری انتہا ہے۔

۱۱۔ مہر کی رقم سے جہیز کا سامان تیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۲۔ داماد اگر غریب اور مستحق ہو تو لڑکی والے حسب حیثیت اس کی اعانت کرتے ہوئے اپنی بیٹی کو ضروری اشیا مہیا کر سکتے ہیں۔

۱۳۔ شادی کے موقع پر والدین اپنی بیٹی کو اگر بخوشی تحفہ دینا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۱۴۔ جہیز کا سامان فخر و تکبر، نمود و نمائش اور شہرت بڑھانے کی نیت سے ہرگز نہ دیا جائے۔

۱۵۔ قرض اٹھا کر، بھیک مانگ کر یا کسی ناجائز طریقے سے جہیز جمع نہ کیا جائے۔

۱۶۔ اگر کچھ دینا ہی ہے تو اپنی حیثیت سے بڑھ کر تحائف دینے کی کوشش نہ کی جائے۔

۱۷۔ اگر کوئی سامان دینا ہی ہو تو کوشش کی جائے کہ شادی کے بعد کسی مناسب موقع پر دیا جائے تاکہ ہندووانہ رسم سے مشابہت نہ ہو۔

۱۸۔ اگر گھریلو سامان کی بجائے حسب حیثیت نقدی دے دی جائے تو اس کے فوائد زیادہ ہیں مثلاً:

(۱) شادی کے موقع پر اس ہندوانہ نمائشی رسم کا خاتمہ ہوگا۔

(۲) نقدی مالیت سے خاوند بیوی اپنی فوری مطلوبہ ضرورت پوری کر سکیں گے۔

(۳) نقدی کی صورت میں کئی غیر ضروری اشیا اور اسراف و تبذیر سے بھی جان چھوٹ جائے گی۔

(۴) اگر لڑکی اس نقدی سے ضرورت سے زائد رقم کو اللہ کی راہ میں خیرات کرنا چاہے تو اس کے لیے سہولت ہوگی۔

(۵) نقدی سے کاروباری ضروریات پوری کرنے میں بھی سہولت ہے۔

۱۹۔ لڑکی والوں کی بنسبت لڑکے والوں کو اس رسم سے چھٹکارے کی زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ لڑکی والوں کو ایک حد تک مجبوری بھی ہوتی ہے۔

۲۰۔ جہیز کے بارے میں افراط وتفریط کی بجائے راہ اعتدال ہی دنیوی واخروی نجات کی بنیاد ہے۔

باب 4

زوجین، نومولود اور سسرال کے حقوق و فرائض

- حقِ زوجیت
- خاوند کی خدمت
- حق مہر
- حق طلاق
- حق خلع
- بیوی کی ڈانٹ ڈپٹ
- خاوند کی شکرگزاری
- تعدُّدِ ازواج کا حق
- بیوی سے حسن سلوک
- بیوی کو نیکی کی تلقین کرنا
- نومولود کے حقوق
- تربیت اولاد
- حقِ وراثت
- خاوند کی اطاعت
- خاوند کے مال ومتاع کی حفاظت
- بیوی کی عزت وناموس کی حفاظت
- خاوند کی اجازت کے بغیر باہر نہ نکلے
- خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے
- بیوی کو اس کا حق رہائش مہیا کرنا
- بیویوں میں عدل وانصاف کرنا
- شادی کے بعد بیرونِ ملک.....!
- نان ونفقہ کا بندوبست کرنا
- نومولود کے لئے ناموں کی منتخب فہرست
- ساس، سسرال اور بہو کے حقوق وفرائض

فصل اول

خاوند کے حقوق

اسلام کی رو سے شادی چونکہ ایک ذمہ داری کا نام ہے اس لیے شادی کے بعد خاوند پر بیوی کے اور بیوی پر خاوند کے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں جنہیں پورا کرنا دونوں پر فرض ہے۔ اس فصل میں خاوند کے حقوق پر بحث کی جائے گی جبکہ آئندہ فصل میں بیوی کے حقوق پر اظہار خیال کیا جائے گا۔

خاوند کے حقوق کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

" والذی نفس محمد بیده لا تؤ دی المرأة حق ربها حتی تؤدی حق زوجها ولو سالها نفسها وهی علی قتب لم تمنعه" (۱)

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عورت اس وقت تک اپنے رب کا حق ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔ اگر شوہر اسے اپنے پاس بلائے تو اسے انکار نہیں کرنا چاہیے اگرچہ وہ اونٹ پر سوار ہو''

ایک حدیث میں خاوند کے حقوق کی اہمیت کو اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ

" حق الزوج علی زوجته ان لو كانت به قرحة فلحستها ماادت حقه" (۲)

''خاوند کا حق بیوی پر اس قدر ہے کہ اگر خاوند کو زخم آجائے اور بیوی اس کو چاٹ لے تب بھی وہ خاوند کا حق ادا نہیں کر سکتی''۔

---

(۱) [ابن ماجه : كتاب النكاح :باب حق الزوج علی المرأة(۱۸۵۳)مسند احمد(۶/۷۶)]

(۲) [صحیح الجامع الصغیر للالبانی (۳۱۴۳)مجمع الزوائد (۴/۳۱۰)مسند بزار(۱۴۶۵)]

جبکہ ایک حدیث میں اس طرح ہے کہ

" لو كنت آمرا احدا ان يسجد لاحد لامرت المراءة ان تسجد لزوجها "(۱)

''اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے''۔

حقِ زوجیت

اللہ تعالیٰ نے فطرتی طور پر انسان میں پیدا ہونیوالی جنسی خواہشات کی تسکین کے لیے شادی کو ایک جائز ذریعہ قرار دیا ہے۔اس لیے جب خاوند اپنی بیوی کو اس جائز خواہش کی تسکین کے لئے بلائے تو بیوی پر فرض ہے کہ وہ خاوند کی اس خواہش کا بھرپور احترام کرے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

حضرت طلق بن علیؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" اذا دعا الرجل زوجته لحاجته فلتاته وان كانت على التنور "(۲)

''جب خاوند اپنی بیوی کو ہمبستری کے لیے بلائے تو اسے فورا آنا چاہیے خواہ وہ تنور (مراد باورچی خانہ ہے) پر ہی کیوں نہ ہو''

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

" اذا دعا الرجل امرأته الى فراشه فابت فبات غضبان عليها لعنتها الملائكة حتى تصبح "(۳)

''جب خاوند بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور بیوی انکار کردے جس کے نتیجے میں خاوند بیوی سے ناراض ہو کر رات گذارے تو صبح ہونے تک اس عورت پر فرشتے لعنت بھیجتے رہتے ہیں''۔

(۱) [ترمذی : كتاب الرضاع باب ماجاء فی حق الزوج على المرأة (۱۱۵۹) ابن ماجه (۱۸۵۳) ابن حبان (٤١٧١) احمد (٤/٣٨١) بیهقی (٧/٢٩٢)]

(۲) [ترمذی : ایضا (۱۱٦۰) مسند احمد (٢٢/٤) تحفة الاشراف (٥٠٢٦)]

(۳) [بخاری : كتاب بدء الخلق :باب اذا قال احدكم امين ..(٣٢٣) مسلم : كتاب النكاح باب تحريم امتناعها من فراش زوجها (١٤٣٦)]

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ بنی اکرمؐ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جس عورت کو اس کا خاوند بستر پر بلائے مگر وہ انکار کردے تو وہ ذات جو آسمان میں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) اس عورت سے اس وقت تک ناراض رہتی ہے جب تک کہ خاوند اس عورت سے راضی نہ ہو جائے۔''(۱)

واضح رہے کہ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ

''جب تک خاوند بیوی سے ناراض رہے تب تک عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی۔''(۲)

خاوند کی اطاعت

بیوی پر فرض ہے کہ خاوند کی مکمل اطاعت کرے کیونکہ خاوند کو اس کی مردانہ ساخت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے گھر کا حاکم مقرر کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم ﴾ (النساء۔۳۴)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے (بھی) کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں''

لہٰذا جس طرح عوام حاکم کی مطیع ہوتی ہے اسی طرح عورت اپنے خاوند کی مطیع ہے اور اگر وہ خود حاکم بن کر خاوند کو مطیع بنانے کی کوشش کرے تو گھر کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے جبکہ خاوند کی اطاعت سے گھر کا نظام مستقل بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔ خاوند کی اطاعت کرنے والی عورت کے بارے میں حدیث نبویؐ ہے کہ

" اذا صلت المرأۃ خمسھا وصامت شھرھا وحصنت فرجھا واطاعت بعلھا دخلت من ای ابواب الجنۃ شاء ت "(۳)

(۱) [مسلم ایضا(۱۴۳۶۔(۱۲۱)]

(۲) [صحیح ابن خزیمہ (۹۴۰)ابن حبان (۵۳۵۵)بیھقی (۱/۳۸۹)]

(۳) [صحیح ابن حبان : کتاب النکاح : باب ذکر ایجاب الجنۃ للمرأۃ اذا اطاعت زوجھا..(۴۱۶۳)صحیح الجامع الصغیر لالبانی (۶۸۳)]

''جب عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے گی۔''

ایک روایت میں ہے کہ جس عورت کی وفات اس حال میں ہوئی کہ اس کا خاوند اس سے راضی تھا تو وہ عورت جنت میں داخل ہوگی۔ (۱)

حضرت حصین بن محصنؓ سے مروی ہے کہ مجھے میری پھوپھی نے بتایا کہ وہ کسی کام سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آنحضرتؐ نے پوچھا:

''یہ کون ہے؟ کیا شوہر دیدہ عورت ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! پھر آپؐ نے پوچھا کہ تیرا اپنے شوہر کے ساتھ رویہ کیسا ہے؟ میں عرض کیا کہ میں نے کبھی اس کی اطاعت میں کمی نہیں کی ،سوائے اس کے جو میری استطاعت میں نہ ہو۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: (یہ دیکھو کہ) خاوند کی نگاہ میں تم کیسی ہو؟ کیونکہ وہی تمہاری جنت یا جہنم ہے!'' (۲)

خاوند کی خدمت کرنا

جس طرح خاوند پر فرض ہے کہ بیوی کے نان ونفقہ کا بندوبست کرے اسی طرح بیوی پر فرض ہے کہ خاوند کی حتی المقدور خدمت بجالائے۔ کھانا پکانے، کپڑے دھونے اور دیگر گھریلو کام کاج سنوارنے کے لیے پوری کوشش کرے۔۔ عہد رسالت میں صحابہ کرامؓ کی بیویاں پوری جانفشانی سے خاوندوں کی خدمت اور گھر کے کام کاج کیا کرتی تھیں حتی کہ نبی اکرمﷺ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ چکی پیسنے سے ان کے ہاتھ پر زخموں سے

(۱) [ترمذی (۱۱۶۱) ابن ماجه (۱۸۵٤)]

(۲) [مصنف ابن ابی شیبة (٧/٤٧) عشرة النساء للنسائی (١٠٦-١٠٩) احمد (٤/٣٤١) ابن سعد (٨/٤٥٩) المعجم الاوسط (٧/٢٩١) امام منذری فرماتے ہیں کہ اس روایت کو احمد اور نسائی نے جید سند سے روایت کیا۔ دیکھئے: الترغیب والترهیب (٣/٧٤) امام حاکم اور ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مستدرك حاكم (٢/١٨٩)]

نشان پڑ گئے تھے۔اور جب انہوں نے نبی اکرمؐ سے خادم کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے انہیں یہ فرمایا کہ بستر پر لیٹنے کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے (گویا اس سے جسمانی تھکاوٹ جاتی رہے گی)(۱)

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ

''زبیر بن عوامؓ نے مجھ سے شادی کی تو ان کے پاس ایک اونٹ اور گھوڑے کے سوا روئے زمین پر کوئی مال، کوئی غلام اور کوئی چیز نہ تھی۔میں ہی ان کا گھوڑا چراتی، پانی پلاتی، ان کا ڈول سیتی اور آٹا گوندھتی، میں اچھی طرح روٹی پکانا نہیں جانتی تھی چنانچہ کچھ انصاری لڑکیاں جو بڑی سچی تھیں، میری روٹیاں پکا جاتی تھیں۔زبیرؓ کی وہ زمین جو اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں دی تھی، میں اس زمین سے کھجور کی گھٹلیاں سر پر لاد کر لایا کرتی تھی جبکہ یہ زمین گھر سے دو میل دور تھی۔۔۔۔اس کے بعد میرے والد (حضرت ابوبکر صدیقؓ) نے ایک غلام میرے پاس بھیج دیا جو گھوڑے کی دیکھ بھال کا سب کام کرنے لگا اور میں بے فکر ہوگئی گویا والد ماجد نے (غلام بھیج کر) مجھ کو آزاد کر دیا۔''(۲)

واضح رہے کہ شادی کے بعد حق استمتاع سے اگر خاوند مستفید ہوتا ہے تو بیوی بھی اس سے محروم نہیں رہتی لہذا ایک دوسرے سے جنسی فائدہ اٹھانے میں تو دونوں برابر ہیں جبکہ عورت اور بچوں کا نان ونفقہ اور دیگر تمام اخراجات صرف خاوند ہی پر فرض ہیں بیوی پر نہیں۔ اس لیے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ خاوند کے اس زائد عمل کے بدلہ میں عورت پر بھی کچھ زائد فرض عائد ہو اور وہ یہی ہے کہ عورت اپنے خاوند کی مکمل خدمت کرے، اس کے لیے کھانے پکانے کا انتظام کرے، اس کے کپڑے صاف کرے اور ایسے ہی دیگر گھریلو خدمات

---

(۱) [بخاری : کتاب النفقات : باب عمل المرأة فی بیت زوجها(٥٣٦١)مسلم : کتاب السلام (٢١٧٢)]

(۲) [بخاری : کتاب النکاح : باب الغیرة۔۔۔ (٥٢٢٤)مسلم : کتاب السلام : باب جواز ارداف المرأة ۔۔۔(٢١٨٢)احمد(٥٢٢٤)]

بجالائے۔ لیکن اگر اس کے برعکس خاوند ہی پر بیوی کی تمام خدمات کا بھی بوجھ ڈال دیا جاتا تو اس سے ایک طرف خاوند کی ذمہ داریاں ڈبل ہو کر اس کے لیے پریشانی کا سبب بنتیں اور دوسری طرف بیوی ہر طرح کی ذمہ داری سے آزاد ہو کر عضو معطل ہو کر رہ جاتی۔ جبکہ اسلام نے ذمہ داریوں کو تقسیم کر کے دونوں کو راہِ اعتدال پر ڈال دیا ہے۔

خاوند کے مال ومتاع کی حفاظت کرنا

عورت پر فرض ہے کہ خاوند کی عدم موجودگی میں اس کے مال ومتاع کی مکمل حفاظت کرے اور کسی طرح کی خیانت کا ارتکاب نہ کرے۔ قرآن مجید میں نیک عورتوں کی دیگر خصوصیات کے ساتھ اسے بھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فالصالحات قانتات حافظات للغيب بما حفظ الله ...﴾ (النساء ۳۴)

''پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبرداری کرنے والی ہیں، اور خاوند کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت میں (مال وآبرو) کی حفاظت کرنے والیاں ہیں''

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ رقمطراز ہیں کہ

''اس آیت میں عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے خاوند کی اطاعت کرے اور خاوند کی عدم موجودگی میں اس کے مال اور اپنی عزت کی حفاظت کرے۔''(۱)

حضرت ابوامامہ باھلیؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے حجۃ الوداع کے موقع ارشاد فرمایا:

'' لاتنفق امراة شيئا من بيت زوجها الا باذن زوجها قيل يا رسول الله ولا الطعام ؟قال ذالك افضل اموالنا''(۲)

''کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز خرچ نہ کرے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ غلہ اور اناج بھی نہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ تو افضل قسم کا مال ہے۔''

واضح رہے کہ جن روایات میں عورتوں کا اپنے خاوندوں کے مال سے صدقہ خیرات

(۱) [تفسير قرطبي (۵/۱۶۲)]

(۲) [ترمذي : كتاب الزكاة :باب ماجاء في نفقة المرأة من بيت زوجها(۶۷۰)ابن ماجه : كتاب التجارات : باب مالِلمراة من مال زوجها(۲۲۹۵)]

کرنے کی فضیلت مذکور ہے وہ خاوند کی پیشگی اجازت اور رضا مندی کے ساتھ مشروط ہیں حتیٰ کہ اگر عورت کا ظن غالب یہ ہو کہ خاوند کے مال سے صدقہ کرنے پر وہ ناراض نہیں ہوگا تو پھر عورت کے لیے خاوند کی طرف سے کسی تحریری اجازت نامے کی ضرورت نہیں بلکہ خاوند کے رویے ہی کو اس کی اجازت سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر اس کی طبیعت اس کے منافی ہو اور وہ اپنی اجازت کے بغیر صدقہ کرنے پر برہم ہوتا ہو تو پھر بلا اجازت صدقہ کرنا درست نہیں بلکہ امام نووی مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

''بیوی اور خادم کے لیے اشد ضروری ہے کہ وہ (خاوند اور) مالک کی اجازت سے صدقہ کریں ورنہ انہیں صدقہ کرنے پر اجر تو در کنار، روز قیامت اس کا برابر حساب دینا ہوگا۔''(۱)

خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے

قرآن مجید میں ہے کہ

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ (الاحزاب۔۳۳)

''اور وہ (عورتیں) اپنے گھروں میں قرار پکڑیں اور پہلے دور جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھریں''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کا اصل مستقر اس کا گھر ہے اور کسی خاص ضرورت کے علاوہ گھر سے باہر نکلنا عورت کے لیے جائز نہیں۔ تاہم ضرورت کے لیے بھی گھر کی چار دیواری سے باہر نکلنے کے لیے اپنے خاوند کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے آنحضرتؐ کے پاس آ کر دریافت کیا کہ خاوند کا عورت پر کیا حق ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ

'' حق علیها ان لا تخرج من بیتها الا باذنه فان فعلت لعنها الله و ملائكة الرحمة

(۱) [شرح مسلم للنووی(ج۷ص۱۱۳)]

وملائكة الغضب حتى تتوب اوترجع "[۱]

''اس کا (ایک) حق یہ (بھی) ہے کہ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے باہر نہ نکلے، اگر وہ ایسا کرے گی تو اس پر اللہ تعالی، اور رحمت اور عذاب کے فرشتے اس وقت تک لعنت کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلے اور واپس نہ لوٹ آئے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

''عورت کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے۔ اگر وہ خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے تو وہ باغی ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمان ہے اور سزا کی مستحق ہے۔''[۲]

عزت وآبرو کی حفاظت کرے

عورت پر فرض ہے کہ وہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔ عورت کی عزت ہی دراصل خاوند کی عزت ہے لہذا خاوند کے علاوہ کسی غیر محرم کے سامنے نہ اپنی زینت کا اظہار کرے اور نہ ہی خاوند کی عزت میں خیانت کا ارتکاب کرے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے

﴿ وقل للمؤ منات يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن ﴾ (النور۔۳۱)

''اور آپ اہل ایمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نظریں جھکا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں''۔

زنا اور بدکاری تو بہت دور کی بات، قرآن مجید تو اسے بھی پسند نہیں کرتا کہ عورت غیر محرم سے لوچ دار باتیں کرے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ولا تخضعن بالقول فيطمع الذى فى قلبه مرض وقلن قولا معروفا ﴾

''(کسی بھی غیر محرم سے) دبی زبان سے گفتگو نہ کرو، ورنہ جس شخص کے دل میں بیماری ہے وہ

---

(۱) [ابو داؤد طیاسی (۱۵۱۹) تاریخ دمشق (۷/۲۶۷)]

(۲) [مجموع الفتاوی (۳۲/۲۸۱)]

کوئی غلط توقع لگا بیٹھے گا۔ لہذا صاف سیدھی بات کرو" (الاحزاب۔۳۲)

عورت کے لیے اپنے خاوند ہی کی عزت اور اپنے جسم کی حفاظت کس قدر اہم ہے، درج ذیل احادیث سے بھی اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"جو عورت پانچ وقت نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ (عزت) کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے، اسے (روز قیامت) کہا جائے گا کہ جنت کے (آٹھوں) دروازوں میں سے جس سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔"(۱)

۲۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

"ولکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم احدا تکرھونہ"(۲)

"تمہارا عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر (اور گھر میں) کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔"

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"ایما امرأۃ ادخلت علی قوم من لیس منھم فلیست من اللہ فی شئی ولن یدخلھا اللہ الجنۃ"(۳)

"جس عورت نے غیر شخص سے تعلقات قائم کیے اس کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں اور اسے اللہ تعالیٰ ہرگز جنت میں داخل نہ کریں گے۔"

---

(۱) [صحیح الجامع للالبانی (٦٧٣) صحیح ابن حبان (٤١٦٣)]

(۲) [مسلم: کتاب الحج: باب حجۃ النبی (١٢١٨) ترمذی (١١٦٣۔٣٠٨٧) ابن ماجہ (١٨٥١۔٢٦٦٩۔٣٠٥٥)]

(۳) [ابو داؤد: کتاب الطلاق: باب التغلیظ فی الانتفاء (٢٢٦٣) صحیح ابن حبان (١٣٣٥) مسند دارمی (٢/١٥٣)]

خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" لا تصوم المرأة وبعلها شاهد الا باذنه "(۱)

"جب عورت کا شوہر گھر پر موجود ہو تو وہ اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے۔"

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں کہ

"خاوند کا حق نفلی عبادات سے زیادہ تاکید والا ہے۔ کیونکہ خاوند کا حق واجب ہے اور واجب نفل پر مقدم ہوتا ہے"۔(۲)

حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت نبی اکرمؐ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ جب میں (نفلی) نماز پڑھتی ہوں تو میرے خاوند صفوان بن معطلؓ مجھے مارتے ہیں، جب میں نفلی روزہ رکھتی ہوں تو میرے خاوند میرا روزہ تڑوا دیتے ہیں اور خود ان کا یہ حال ہے کہ دن چڑھے صبح کی نماز پڑھتے ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ صفوان بھی آنحضرتؐ کے پاس موجود تھے۔ آنحضرتؐ نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو وہ کہنے لگے:

اے اللہ کے رسول! یہ جو کہتی ہے کہ میں اسے (نفلی) نماز پڑھنے سے مارتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز میں دو دو سورتیں ملا کر پڑھتی ہے حالانکہ میں نے اسے لمبی قرأت سے منع کیا ہے۔ تو نبی اکرمؐ نے (صفوان کی بیوی) سے فرمایا: ایک سورت بھی پڑھی جائے تو یہ بھی لوگوں کے لیے کافی ہے۔

پھر صفوان نے کہا کہ یہ جو کہتی ہے کہ میں اس کا روزہ تڑوا دیتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ

---

(۱) [بخاری: کتاب النکاح: باب صوم المرأة باذن زوجها تطوعا (۵۱۹۲) مسلم (۱۰۲۶) احمد (۲/۳۱۶) ابن حبان (۳۵۷۲) ترمذی (۷۸۲) ابن ماجہ (۱۷۶۱)]

(۲) [فتح الباری (۹/۶۰۷)]

(نفلی) روزے رکھنا شروع کرتی ہے تو رکھے چلی جاتی ہے حالانکہ میں جوان آدمی ہوں اور صبر نہیں کرسکتا۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کو نفلی روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ پھر صفوان نے کہا کہ یہ جو کہتی ہے کہ میں دن چڑھے صبح کی نماز پڑھتا ہوں تو حضور ﷺ! ہمارے گھرانے کی یہ خرابی (کمزوری) سبھی جانتے ہیں کہ ہم سورج نکلنے سے پہلے اٹھ نہیں پاتے۔ تو نبی اکرمؐ نے فرمایا: صفوان! جب سو کر اٹھو، تبھی نماز پڑھ لیا کرو۔ (۱)

ایک روایت میں ہے کہ

" لاتصوم المرأة وزوجها شاهد يوما من غير شهر رمضان الا باذنه" (۲)

"عورت کا شوہر گھر پر موجود ہو تو عورت اس کی اجازت کے بغیر ماسوائے رمضان کے کوئی اور روزہ نہ رکھے"۔

خاوند کی شکر گزاری

خاوند کی آمدن تھوڑی ہو یا زیادہ، بہر صورت عورت کو اپنے خاوند کا ہمیشہ احسان مند اور شکر گزار رہنا چاہیے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر و بیشتر عورتیں شوہروں کے حسن سلوک اور گھریلو خوشحالی کے باوجود ان کی ناشکری ہی کرتی رہتی ہیں جیسا کہ حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" يا معشر النساء تصدقن فاني اريتكن اكثر اهل النار فقلن وبم يا رسول الله؟ قال تكثرن اللعن وتكفرن العشير " (۳)

(۱) [ابو داؤد: كتاب الصيام: باب المرأة تصوم بغير اذن زوجها (۲۴۵۶) مسند احمد (۳/۸۰،۸۵)]

(۲) [ترمذی: كتاب الصوم: باب ماجاء في كراهية صوم المرأة الا باذن زوجها (۷۸۲) ابن ماجه (۱۷۶۱) حاكم (۴/۱۷۳) ابن حبان (۳۵۷۳) حميدی (۱۰۱۶) دارمی (۱۲/۶) احمد (۲/۲۴۵،۴۶۴)]

(۳) [بخاری: كتاب الحيض: باب ترك الحائض الصوم (۳۰۴) مسلم: كتاب الايمان: باب بيان نقصان الايمان ...(۱۳۲)]

"اے عورتو! صدقہ خیرات کیا کرو کیونکہ میں نے (معراج کی رات) دیکھا ہے کہ تم عورتیں ہی جہنم میں بکثرت ہو۔ عورتوں نے کہا: اللہ کے رسول! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوندوں کی ناشکری کبیرہ گناہ اور جہنم میں لے جانے کا باعث ہے اس لیے یہی کوشش کرنی چاہیے کہ اچھے برے حالات میں صبر و اثبات کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔

بیوی کی ڈانٹ ڈپٹ

اگر بیوی سرکشی و نافرمانی کرے تو اسے راہ راست پر لانے کے لیے سب سے پہلے وعظ و نصیحت کی جائے۔ اگر وعظ و نصیحت کارگر نہ ہو تو پھر دوسرا قدم یہ اٹھایا جائے کہ اس کا بستر جدا کر دیا جائے اور اگر اسکے باوجود اسکی روش نہ بدلے تو پھر اسے کسی حد تک مارنے کی اجازت بھی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم فالصالحات قانتات حافظات للغيب بما حفظ الله والتى تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فى المضاجع واضربوهن فان اطعنكم فلاتبغوا عليهن سبيلا﴾ (النساء۳۴)

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبرداری کرنے والی ہیں، اور خاوند کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو) کی حفاظت کرنے والیاں ہیں۔ اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بدد ماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں سمجھاؤ (نہ سمجھیں) تو خواب گاہوں میں ان سے الگ رہو (پھر بھی نہ سمجھیں تو) انہیں مارو پھر اگر وہ مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر زیادتی کے بہانے تلاش نہ کرتے پھرو"۔

حضرت عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ

''اگر تمہاری عورتیں سرکشی کریں تو ان کے بستر جدا کر دو اور (پھر بھی باز نہ آئیں تو) انہیں ہلکی مار مارو۔ البتہ اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر ان پر زیادتی کی راہ تلاش نہ کرو۔''(۱)

مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورتوں پر بلاوجہ ہاتھ اٹھانا درست نہیں بلکہ اگر وہ کوئی غلطی یا سرکشی کریں تو سب سے پہلے وعظ ونصیحت ہی کرنی چاہیے اور اگر بار بار سمجھانے بجھانے کے باوجود ان کا یہ رویہ نہ بدلے تو پھر انہیں مارنے کی اجازت ہے مگر یہ مار بھی زیادہ سخت نہیں ہونی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زمعہؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی کرمؐ نے فرمایا:

'' لا یجلد احدکم امراته جلد العبد ثم یجامعها فی اخر الیوم ''(۲)

''کوئی شخص اپنی بیوی کو غلاموں کی طرح نہ مارے کہ پھر دوسرے دن (یا دن کے آخری حصے میں) وہ اس سے ہمبستری کرے گا۔''

حقِ طلاق

اگر عورت کی سرکشی حد سے بڑھ جائے اور خاوند کو یقین ہو جائے کہ اب اس کے ساتھ نباہ ناممکن ہے تو پھر بحیثیتِ حاکم، خاوند کو اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنا حق طلاق استعمال کرے اور عورت کو طلاق دیکر احسن طریقے سے جدا کر دے۔ طلاق کے شرعی طریقے اور اس سے متعلقہ جملہ مسائل کو ہم آگے چل کر مستقل طور پر بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ!

تعددِ ازواج اور عدل وانصاف

اسلام نے مرد وزن میں سے صرف مرد کو یہ حق دیا ہے کہ وہ بیک وقت ایک سے زائد

---

(۱) [ترمذی (۱۱۶۳۔ ۳۰۸۷) ابن ماجہ (۱۸۵۱۔۲۶۶۹۔۳۰۵۵)]

(۲) [بخاری: کتاب النکاح: باب مایکرہ من ضرب النساء (۵۲۰۴) مسلم (۲۸۵۵)]

بیویاں رکھ سکتا ہے۔البتہ ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں خاوند پر فرض ہے کہ وہ ان کے نان ونفقہ اور رہائش وغیرہ سے متعلقہ جملہ امور میں عدل وانصاف کرے۔اس کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں ''تعدد ازواج'' کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

حق وراثت

خاوند کی زندگی میں بیوی فوت ہو جائے تو خاوند کو اس کے کل ترکے سے نصف حصہ وراثت میں ملے گا بشرطیکہ اس بیوی سے اولاد نہ ہو لیکن اگر اولاد ہو تو پھر خاوند کو اس کے مال کا چوتھائی حصہ ملے گا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولدفان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن﴾ (النساء۔۱۲)

''اور اگر تمہاری بیویوں کی اولاد نہ ہو تو ان کے ترکہ سے تمہارا نصف حصہ ہے اور اگر ان کی اولاد ہو تو پھر ان کے ترکہ سے تمہارا چوتھا حصہ ہے۔''

فصل دوم

بیوی کے حقوق

جس طرح خاوند کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح بیوی کے بھی اسلام نے کچھ حقوق مقرر کیے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف ﴾ (البقرة ـ ۲۲۸)

''عورتوں کے بھی معروف کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان مردوں کے ان پر ہیں''۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرتؐ نے لوگوں سے فرمایا:

''الا واستوصوا بالنساء خيرا فانما هن عوان عندكم ...الا ان لكم على نسائكم حقا ولنسائكم عليكم حقا'' (۱)

''خبردار! عورتوں کے حق میں خیر اور بھلائی کی بات قبول کرو، وہ تو تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں... آگاہ رہو کہ عورتوں پر تمہارے حقوق (ویسے ہی) ہیں جیسے تم مردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بکثرت عبادت کیا کرتے تھے۔ جب آنحضرتؐ کو اس بات کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

''اے عبداللہ! مجھے بتایا گیا ہے کہ تم بلا ناغہ روزہ رکھتے ہو اور مسلسل رات کا قیام کرتے ہو؟ عبداللہ فرماتے ہیں کہ جی ہاں اللہ کے رسول ﷺ! میں ایسے ہی کرتا ہوں۔ تو آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو بلکہ روزہ رکھا بھی کرو اور چھوڑا بھی کرو۔ رات کو آرام بھی کیا کرو کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے۔ تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے۔ اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے''۔ (۲)

(۱) [ترمذی : كتاب الرضاع :باب ماجاء فى حق المرأة على زوجها (۱۱۶۳ـ۳۰۸۷) ابن ماجه (۱۸۵۱)]

(۲) [بخاری : كتاب النكاح : باب لزوجك عليك حق (۵۱۹۹) مسلم : كتاب الصيام :باب النهى عن صوم الدهر (۱۱۵۹ـ۱۸۲)]

جو خاوند اپنی بیوی کے حقوق پورے نہیں کرتا ، روز قیامت اس کا سخت محاسبہ کیا جائے گا جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" لتؤدن الحقوق الی اهلها یوم القیامة حتی یقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء"(۱)

''روز قیامت تمہیں ایک دوسرے کے حقوق ضرور ادا کرنا ہوں گے حتی کہ (اگر سینگ والی بکری نے بے سینگ والی بکری کو مارا ہوگا تو) سینگ والی بکری سے بے سینگ والی بکری کا بدلہ لیا جائے گا''۔

واضح رہے کہ جانوروں کے لیے عذاب اور ثواب والا معاملہ نہیں تاہم قیامت کے روز بتقاضائے عدل جانوروں کو زندہ کر کے ایک دوسرے کے حقوق دلوائے جائیں گے۔ اس لیے اگر جانوروں کے حقوق کی اتنی اہمیت ہے تو پھر انسانوں کے حقوق کی اہمیت تو کہیں زیادہ ہونی چاہیے اور حق تلفی کے سلسلے میں مجرموں کو عذاب بھی ملنا چاہیے۔

حق زوجیت

جنسی استمتاع جس طرح خاوند کا حق ہے اسی طرح بیوی کا بھی حق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف﴾ (البقرۃ۔۲۲۸)

''عورتوں کے بھی معروف کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان مردوں کے ان پر ہیں''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بکثرت عبادت کیا کرتے تھے حتی کہ بکثرت عبادت کی وجہ سے بیوی کا حق زوجیت بھی ادا نہ کر پاتے چنانچہ عبداللہ خود ہی روایت کرتے ہیں کہ

(۱) [مسلم کتاب البر والصلة باب تحریم الظلم (۲۵۸۲) سنن ابن ماجه للالبانی: (۲۹٦۷) ترمذی (۲٤۲۰)]

''میرے والد حضرت عمرو بن عاصؓ نے ایک شریف خاندان کی عورت سے میرا نکاح کر دیا اور ہمیشہ خبر گیری کرتے اور اس عورت سے اس کے خاوند (یعنی میرے) بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔ میری بیوی کہتی کہ عبداللہ بہت اچھا آدمی ہے البتہ جب سے میں ان کے نکاح میں آئی ہوں انہوں نے اب تک میرے بستر پر قدم بھی نہیں رکھا اور نہ میرے کپڑے میں کبھی ہاتھ ڈالا۔ (مراد ہمبستری تھی) جب اسی طرح کئی روز گزر گئے تو میرے والد محترم نے مجبور ہو کر اس کا تذکرہ نبی اکرمؐ سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ عبداللہ کو مجھ سے ملواؤ۔ چنانچہ میں آنحضرتؐ سے ملا تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ روزہ کس طرح رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ روزانہ ہی رکھتا ہوں۔ پھر آپؐ نے پوچھا کہ قرآن مجید کس طرح ختم کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہر رات۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر مہینے مین تین دن روزہ رکھا کرو اور پورا قرآن ایک مہینے میں ختم کیا کرو۔ عبداللہ فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر دو دن چھوڑ کر ہر تیسرے دن روزہ رکھو میں نے عرض کیا کہ میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر وہ روزہ رکھو جو سب سے افضل ہے یعنی حضرت داؤدؑ کا روزہ اور وہ اس طرح کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن ناغہ کرو۔ اور قرآن مجید سات دن میں ختم کرو۔ (بعض روایات میں ۳ اور بعض روایات میں ۵ دن میں قرآن ختم کرنے کا ذکر ہے)[(۱)]

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہؓ بڑھاپے میں بھی اس پر عمل کرتے رہے اور کہا کرتے تھے کہ کاش! میں اللہ کے رسول ﷺ کی رخصت (یعنی ایک ماہ میں قرآن ختم کرنے اور ایک ماہ میں تین روزے رکھنے) کو قبول کر لیتا مگر آپؐ سے وعدہ کر لینے کے بعد حضرت عبداللہ مشقت کے باوجود اس پر عمل کرتے رہے۔''(۱۔ایضا)

بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے انہیں فرمایا کہ ''تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے''۔[(۲)]

(۱) [بخاري : كتاب فضائل القرآن باب في كم يقرأ القرآن (۵۰۵۲)]

(۲) [بخاري (۵۱۹۹) مسلم (۱۱۵۹۔۱۸۲)]

حضرت سلمان اور ابو درداؓ کو آنحضرتؐ نے ہجرت مدینہ کے موقع پر بھائی بھائی بنا دیا۔ حضرت سلمان ایک روز ابو درداء کے گھر گئے تو ان کی بیوی کو پراگندہ حال میں دیکھ کر اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ تیرے بھائی کو میری ضرورت ہی نہیں۔ (کیونکہ وہ نماز روزے ہی میں مشغول رہتا ہے) حضرت سلمانؓ نے ابو درداؓ کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:

"ان لربک علیک حقا ولنفسک علیک حقا ولاھلک علیک حقا فاعط کل ذی حق حقه"

"تم پر تمہارے رب کا بھی حق ہے، تمہاری جان کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ لہٰذا ہر ایک کا حق ادا کرو۔"

پھر حضرت سلمانؓ نے ابو درداؓ کی یہ بات آنحضرتؐ کے سامنے پیش کی تو آپؐ نے فرمایا: "صدق سلمان / سلمان نے سچ کہا ہے"۔ (۱)

شادی کے بعد بیرونِ ملک۔۔۔!

واضح رہے کہ کئی لوگ شادی کے بعد دنیا کمانے بیرونِ ملک چلے جاتے ہیں اور کئی کئی مہینوں بلکہ سالوں تک بیوی سے دور رہتے ہیں۔ اگرچہ کچھ عرصہ کے لیے بیوی بچوں سے دور رہا جاسکتا ہے۔ اور یہ عرصہ کتنا ہو اس میں اختلاف ہے۔ خود صحابہ کرامؓ کے بھی اس میں مختلف فیصلے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تو فوجی چھاؤنیوں کا قیام عمل میں لایا گیا جن میں مجاہد مسلسل قیام کرتے۔ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ انہیں چار ماہ بعد چھٹی دی جائے۔ بعض روایات میں چھ ماہ بعد چھٹی کا ذکر ہے۔ ان دونوں طرح کی روایات میں اہل علم نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ فوجیوں کو چار ماہ بعد چھٹی دی جاتی اور ایک ماہ جانے اور ایک ماہ آنے کے لیے سفر میں گذرتا اور اس طرح کل چھ ماہ خاوند بیوی سے دور رہتا۔ (۲)

(۱) [بخاری: کتاب الصوم: باب من اقسم علی اخیه۔۔۔(۱۹۶۸)]

(۲) [تفصیل کے لئے دیکھیے: احکام الزواج: از ابن تیمیه (ص ۲۲۰)]

اس سے معلوم ہوا کہ بیوی سے پانچ چھ ماہ تک کا عرصہ دور رہا جا سکتا ہے اور وہ بھی صرف اس وقت جب واقعی کوئی مجبوری ہو۔ اور اس سے زائد عرصہ کی جدائی میں اگر بیوی کو مشقت اور فتنے کا خوف ہو تو وہ جدائی (خلع) حاصل کر سکتی ہے۔

رہائش مہیا کرنا

شادی کے بعد ضروری ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو رہائش فراہم کرے اور جہاں خاوند رہے وہیں بیوی کو بھی اپنے ساتھ رکھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اسکنو هن من حيث سكنتم من وجدكم ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن ﴾

''تم اپنی حیثیت کے مطابق جہاں رہتے ہو وہاں اپنی بیویوں کو (بھی اپنے ساتھ) رکھو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔'' (الطلاق۔٦)

اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کی الگ الگ رہائش کا بندوبست کرنا بھی خاوند پر فرض ہے الا یہ کہ ایک سے زائد بیویاں ایک ہی گھر میں رہنے پر رضامند ہوں مگر بالعموم ایسا نہیں ہوتا اس لیے انہیں الگ الگ رہائش مہیا کرنا ہی مبنی بر انصاف ہے۔ بلکہ خود آنحضرتؐ نے بیک وقت جتنی بیویاں رکھیں اتنے ہی الگ الگ گھروں کا بندوبست بھی کیا گو کہ وہ چھوٹے چھوٹے حجرہ نما گھر ہی تھے مگر تھے جدا جدا۔ اسی لیے فقہا (مثلاً ابن قدامہ وغیرہ) کا کہنا ہے کہ

'' وليس للرجل ان يجمع بين امرأتيه في مسكن واحد .... ''

''خاوند اپنی دو بیویوں کو ان کی رضامندی کے بغیر ایک ہی گھر میں اکٹھا رکھنے کا مجاز نہیں خواہ وہ گھر چھوٹا ہو یا بڑا۔ کیونکہ سوکنوں کی باہمی عداوت اور غیرت کی وجہ سے فساد پیدا ہوتا ہے اور انہیں ایک ہی گھر میں رکھنا گویا انہیں ایک دوسرے کے خلاف لڑائی جھگڑے پر ابھارنے کے مترادف ہے۔''(١)

(١) [المغنی لابن قدامه (١٠/٢٣٤)]

نان ونفقہ کا بندوبست کرنا

بیوی اور اولاد کے نان ونفقہ اور ضروریات زندگی سے متعلقہ تمام اخراجات خاوند کے ذمہ ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وعلى المولود له رزقهن و كسوتهن بالمعروف ﴾(البقرۃ۔۲۳۳)

''ماں اور بچے کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری اس (یعنی باپ) پر ہے کہ وہ یہ خرچ معروف طریقے کے مطابق انہیں دے۔''

معروف طریقے سے مراد یہ ہے کہ جس معیار کا کھانا اور کپڑے عورت کے خاندان یا معاشرے میں متعارف ہوں ویسا ہی کھانا اور کپڑے اسے دیئے جائیں۔ البتہ اگر کوئی شخص تنگدست ہو تو حسب توفیق اپنی ذمہ داری پوری کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لينفق ذو سعة من سعته و من قدر عليه رزقه فلينفق مما اتا ہ الله ﴾

''خوش حال کو چاہئے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچہ دے اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق خرچ دے'' (الطلاق۔۷)

حضرت معاویہؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ بیویوں کے کون سے حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں؟ تو نبی اکرمؐ نے فرمایا:

'' ان تطعمها اذا طعمت وتكسوها اذا اكتسيت او اكتسبت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الافى البيت ''(۱)

''یہ کہ تم انہیں بھی کھلاؤ جب تم کھاؤ اور انہیں بھی پہناؤ جب تم پہنو اور ان کے چہرے پر نہ مارو، انہیں برا بھلا نہ کہو اور انہیں گھر سے نہ نکالو۔''

اسی طرح کی ایک روایت میں ہے کہ

'' ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف ''

(۱) [ابو داؤد کتاب النکاح :باب فی حق المراۃ علی زوجها (۲۱٤۲) ترمذی (۱۱٦۳) ابن ماجه (۱۸۵۰)]

"تمہاری بیویوں کا یہ تم پر حق ہے کہ تم انہیں معروف طریقے کے مطابق ان کا نان ونفقہ اور کپڑے (وغیرہ) مہیا کرو۔"(۱)

واضح رہے کہ اگر خاوند انتہائی کنجوس ہو اور بیوی کو نان ونفقہ مہیا نہ کرتا ہو تو بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر بھی اپنا حق وصول کر سکتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ھند بن عتبہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ!

" ان ابا سفیان رجل شحیح ولیس یعطینی ما یکفینی وولدی الا ما اخذت منه وهو لا یعلم فقال خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف "(۲)

"(میرا شوہر) ابوسفیان بخیل آدمی ہے اور مجھے اتنا خرچہ نہیں دیتا جس سے میرا اور میرے بچوں کا گزارا ہو سکے اور مجھے اس کی لاعلمی میں اس کے مال میں سے کچھ لینا پڑتا ہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا: تم دستور کے مطابق اس کے مال میں سے (اسے بتائے بغیر) اتنا لے سکتی ہو جتنا تمہارے اور تمہارے بچوں کے لیے کفایت کر سکے۔"

حق مہر

مہر عورت کا حق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ احل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فریضة ﴾ (النساء:۲۴)

"اور ان (محرم) عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں (بشرط) یہ کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو، برے کام سے بچنے کے لیے نہ کہ شہوت رانی کے لیے۔ اس لیے جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو۔"

(۱) [مسلم: کتاب الحج: باب حجة النبی (۱۲۱۸) ترمذی (۱۱۶۳)]

(۲) [بخاری: کتاب النفقات: باب علامة الرجل فی اهله (۵۳۶۴) مسلم (۱۷۱۴) ابو داود (۲۵۳۲) ابن ماجه (۲۲۹۳) نسائی (۸/ ۲۴۶) دارمی (۲/۱۵۹) حمیدی (۱/۱۱۸) ابن حبان (۲۴۴۱)]

﴿وَ آتوا النساءَ صدقاتهن نحلة﴾ (النساء:۴)

''عورتوں کوان کے مہر راضی خوشی دے دو۔''

ہمارے ہاں یہ غلط رویہ پایا جاتا ہے کہ مہر کی رقم یا تو لڑکی کے اولیا سنبھال لیتے ہیں یا پھر خاوند کسی نہ کسی طرح مہر معاف کروالیتا ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ عورت کو اس کا یہ حق ضرور ملنا چاہیے۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی سے اس مہر میں سے اپنے اولیا کو کچھ دے یا خاوند کو مہر معاف کردے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿فان طبن لكم عن شئی منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا﴾ (النساء۔۴)

''اگر وہ عورتیں اپنی خوشی سے مہر میں سے کچھ تمہیں چھوڑ دیں تو تم اسے مزے سے کھا سکتے ہو۔''

اس کی مزید تفصیل گزشتہ صفحات میں 'حق مہر اور متعلقہ مسائل' کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

بیوی سے حسن سلوک

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وعاشروهن بالمعروف﴾ (النساء۔۱۹)

''اور عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیوی کا حق ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا جائے اور بلاوجہ اس پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن زمعہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

'' لا يجد احدكم امراءته جلد العبد ثم يجامعها في آخر اليوم ''(۱)

''کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارے جس طرح غلاموں کو مارا جاتا ہے پھر وہ شخص دوسرے دن اپنی بیوی سے ہمبستری بھی کرتا ہے''۔ (یعنی مارتا بھی ہے اور پھر خواہش پوری کرنے کے لیے چومتا چاٹتا بھی ہے!)

(۱) [بخاری : کتاب النکاح : باب مایکره من ضرب النساء (۵۲۰۴) مسلم (۲۸۵۵)]

بیوی کو مارنا تو در کنار بلاوجہ اسے ڈانٹنا، برا بھلا کہنا یا اس سے بغض ونفرت رکھنا بھی جائز نہیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

" لا یفرک مؤمن مؤمنة ان کره منها خلقا رضي منها آخر "(۱)

''کوئی مومن مرد، مومنہ عورت (یعنی اپنی بیوی) سے بغض نہ رکھے کیونکہ اگر اسے اپنی بیوی کی ایک عادت ناپسند ہے تو کوئی دوسری اسے پسند بھی ہوگی''۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہلیہ کے لیے بہترین ہو اور (یاد رکھو) میں تم سب سے بڑھ کر اپنے اہل وعیال کے حق میں بہتر ہوں''۔(۲)

ایک روایت میں ہے کہ

''عورت پسلی کی طرح (ٹیڑھی) ہوتی ہے اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر فائدہ حاصل کرنا چاہو گے تو اس کی ٹیڑھ پن کی موجودگی کے ساتھ ہی فائدہ حاصل کرسکو گے''۔(۳)

بیویوں میں عدل کرنا

ایک سے زیادہ یعنی چار تک شادیاں کرنا مرد کا حق ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس حق سے مستفید ہوسکتا ہے جبکہ دوسری طرف ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کا حق یہ ہے کہ خاوند ان کے درمیان عدل وانصاف کرے یعنی تمام بیویوں کو برابر وقت، نان ونفقہ، رہائش اور

---

(۱) [مسلم: کتاب النکاح: باب الوصیة بالنساء...(۱٤٦٩) احمد (۳۲۹/۲)]

(۲) [ترمذی (۳۸۹٥) کتاب المناقب: باب فضل ازواج النبیؐ، دارمی (۱٥۹/۲) ابن حبان (٤۱۷۷)]

(۳) [بخاری: کتاب النکاح باب المداراة مع النساء...(٥۱۸٤) مسلم (۱٤٦۸) احمد (٤٤۹/۲-٤۹۷) ابن حبان (٤۱۷۹)]

لباس وغیرہ مہیا کرے۔قرآن مجید میں جہاں ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت ہے وہاں یہ بھی حکم ہے کہ

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوا﴾ (النساء:۳)

''عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں؛ دو دو، تین تین، چار چار تک نکاح کرلو لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے۔ یا پھر وہ کنیزیں ہیں جو تمہارے قبضے میں ہوں۔ بے انصافی سے بچنے کے لئے یہی (ایک) تمہارے لئے زیادہ مناسب ہے۔''

بیویوں میں عدل وانصاف کی یہاں تک اہمیت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

" من كانت له امرأتان فمال الى احداهما جاء يوم القيامة وشقه مائل "(1)

''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف جھک جائے (دوسری کی پرواہ نہ کرے) تو روز قیامت وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ گرا ہوا (یعنی فالج زدہ) ہوگا''

واضح رہے کہ جس بیوی کے بچے ہوں اسے بچوں کا بھی خرچہ دیا جائے گا جبکہ بے اولاد بیوی کو بچوں کا اضافی خرچہ نہیں دیا جائیگا اور جس کے جتنے زیادہ بچے ہوں گے، اتنا ہی اس کا خرچہ اور نان نفقہ زیادہ ہوگا یعنی تمام بیویوں کو تو باہمی طور پر مساوی نان ونفقہ وغیرہ دیا جائیگا البتہ صاحب اولاد بیویوں کو بچوں کی مناسبت سے اضافی خرچہ دینا خاوند پر فرض ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جب خاوند دوسری شادی کرے تو نئی دلہن کا حق ہے کہ خاوند شادی کے متصل بعد زیادہ دن اس کے پاس رہے، تاکہ اس کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی ہو۔ اگر نئی دلہن کنواری ہو تو اس کے پاس سات دن اور اگر شوہر دیدہ (مطلقہ یا بیوہ) ہو تو پھر

---

(۱) [ابوداود : كتاب النكاح : باب في القسم بين النساء(۲۱۳۳)ترمذی (۱۱۴۱)ابن ماجه (۱۹۶۹)نسائی (۳۳۹۴)احمد(۲/۴۷۱)حاکم (۲/۱۸۶)دارمی (۲/۱۴۳)ابن حبان (۴۲۰۷)بیهقی (۷/۲۹۷)]

تین دن مسلسل اس کے پاس رہے۔ پھر اس کے بعد دونوں بیویوں میں ان کی باری تقسیم کرنے کا عمل شروع کرے جیسا کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ

" السنة اذاتزوج البكر اقاما عندها سبعا واذاتزوج الثيب اقام عندها ثلاثا" (۱)

''سنت یہ ہے کہ جب آدمی کنواری لڑکی سے (دوسری) شادی کرے تو اس کے پاس سات دن رہے اور جب شوہر دیدہ سے (دوسری) شادی کرے تو اس کے پاس تین دن رہے''۔ (پھر اس کے بعد دونوں بیویوں میں باری مقرر کرے)

بیوی کو نیکی کی تلقین کرنا

قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ یاایھاالذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا﴾ (التحریم ـ ۶)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے اہل وعیال کو جہنم سے بچانا اور برے اعمال، شرکیہ عقیدے اور فسق وفجور کی ہر صورت سے نجات دلانا فرض ہے تاکہ وفات کے بعد جنت میں بھی وہ اس کی رفیقہ بن سکے۔ لیکن اگر خاوند اپنی بیوی کو نیکی وبھلائی کی تلقین اور اس کے عقائد کی اصلاح نہ کرے تو روز محشر اس کا بھی محاسبہ ہوگا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته والا ميرراع والرجل راع على اهل بيته والمراة راعيته على بيت زوجها وولده فكلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته (۲)

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار (حاکم) ہے اور ہر شخص سے اس کی ذمہ داری (رعیت، ماتحت) کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ امیر (اپنی رعایا کا) ذمہ دار ہے، مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں پر حاکم اور ذمہ دار ہے۔ لہذا تم میں سے ہر ایک ذمہ دار (حاکم) ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری (رعیت رماتحت) کے بارے میں سوال کیا جائے گا''

(۱) [بخاری : کتاب النکاح : باب اذ تزوج البکر علی الثیب (۵۲۱۳) مسلم (۱۴۶۱)]

(۲) [بخاری : کتاب النکاح : باب المرأة راعیته فی بیت زوجھا (۵۲۰۰)]

بیوی کی عزت وناموس کی حفاظت

بیوی کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کی عزت وآبرو کی حفاظت کی جائے۔ مخلوط مجالس اور غیر محرموں کے سامنے اسے نہ بٹھایا جائے اور اسے چادر اور چار دیواری کا پورا ماحول فراہم کیا جائے لیکن جو شخص اپنی بیوی کی عزت وآبرو کا خیال نہیں کرتا اسے 'دیوث' (بے غیرت) کہا گیا ہے اور ایسے شخص کے بارے میں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

" ثلاثة لا يد خلون الجنة العاق لو الديه والديوث ورجلة النساء "[1]

''تین شخص جنت میں داخل نہیں ہوں گے (۱) والدین کا نافرمان (۲) دیوث اور (۳) عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مرد۔''

ایک روایت میں ہے کہ

" والديوث الذى يقر فى اهله الخبث "[2]

''دیوث وہ ہے جو اپنے اہل وعیال میں خباثت وبے حیائی کو برقرار رکھتا ہے۔''

حق خلع

اگر خاوند کسی معقول وجہ سے بیوی کو ناپسند کرتا ہو تو اسلام اسے یہ حق دیتا ہے کہ وہ طلاق کے ذریعے اس عورت کو اپنے سے جدا کر دے۔ اسی طرح اگر بیوی، خاوند کو کسی معقول وجہ سے ناپسند کرتی ہو تو اس مقصد کے لیے اسلام اسے خلع کا حق دیتا ہے۔ خلع کا یہ معنی نہیں کہ عورت اپنے خاوند کو طلاق دے ڈالے جس طرح یورپی معاشرے میں قانونی

---

(۱) [صحيح الجامع الصغير للالبانى (۳۰۵۸) حاكم (۱۴۶/۴-۱۴۷) شعب الايمان (۷۸۷۷-۷۸۳۰) مسند احمد (۶۹/۲-۱۲۸-۱۳۴) بزار (۱۸۷۶) ابو يعلى --- (۵۵۵۶) طبرانی كبير (۱۳۱۸۰)]

(۲) [مجمع الزوائد (۱۴۷/۸)]

طور پر ایسا ہوتا ہے بلکہ خلع کا معنی یہ ہے کہ عورت علیحدگی حاصل کرنے کے لیے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے اگر خاوند عورت کا مطالبہ تسلیم نہ کرے تو عورت عدالت کی طرف رجوع کرے اور عدالت بھی خاوند کو طلاق دینے کا حکم دے اور اگر خاوند عدالتی حکم بھی نہ مانے تو عدالت نکاح فسخ کر دے اور مہر خاوند کو واپس لوٹا دے۔اس طرح نکاح ٹوٹ جائے گا اور عورت خلع کی عدت پوری کر کے جہاں چاہے نکاح کرواسکتی ہے۔حق خلع سے متعلقہ دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ ولا يحل لكم ان تاخذوا مما اتيتموهن شيئا الا ان يخافاالا يقيما حدود الله فان خفتم الا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به ﴾(البقرة۔۲۲۹)

''(اے خاوندو!) تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم نے ان (عورتوں) کو جو (مہر) دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لو، ہاں البتہ یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو، اس لیے اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں (میاں بیوی) اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت (جدائی کے لیے) کچھ (یعنی مہر واپس) دے ڈالے تو اس میں دونوں پر گناہ نہیں۔''

۲۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ثابت بن قیسؓ کی بیوی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ثابتؓ کے دین واخلاق پر نکتہ چینی اور عیب جوئی نہیں کرتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند نہیں کرتی۔(یعنی خاوند کو پسند نہیں کرتی، اس لیے اس کی ناشکری اور حق تلفی کر بیٹھوں گی) تو نبی اکرمؐ نے فرمایا: کیا تم ثابت کا باغ (جو انہوں نے بطور مہر دیا تھا) اسے واپس کرتی ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں، تو آپؐ نے ثابت سے کہا کہ باغ واپس لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو''۔[1]

(۱) [بخاری: کتاب الطلاق: باب الخلع وکیف الطلاق فیه (۵۲۷۳) ابن ماجه (۲۰۵۶) دارقطنی (۳/۴۶) نسائی (۶/۱۶۹) شرح السنة (۵/۱۴۱)]

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ جب ثابت بن قیسؓ کی بیوی نے اس سے خلع لیا تو نبی اکرمؐ نے اسے ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا۔ (۱)

خلع طلاق ہے یا فسخ نکاح؟

خلع طلاق ہے یا فسخ نکاح، اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ قرآن وسنت کے قریب تر موقف یہی ہے کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے اور اس کے اپنے الگ احکام ہیں یعنی:

۱۔ خلع کے بعد خاوند کو رجوع کا حق حاصل نہیں۔

۲۔ خلع میں نکاح کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے چاہے تو خلع کے ذریعے نکاح فسخ کرا لے اور چاہے تو خلع نہ لے۔

۳۔ اور اگر چاہے تو خلع لینے کے بعد دوبارہ اسی خاوند سے نکاح کر لے۔

۴۔ خلع والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔

۵۔ خلع بذریعہ طلاق بھی ہو سکتا ہے اور بذریعہ فسخ بھی۔

واضح رہے کہ اگرچہ عورت کو خلع کا حق دیا گیا ہے مگر اس کے ساتھ یہ سخت تاکید بھی کر دی گئی ہے کہ عورت بغیر کسی معقول عذر کے خاوند سے علیحدگی کا مطالبہ نہ کرے جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

" ایما امراء ۃ سألت زوجها طلاقا في غیر ما باس فحرام علیها رائحة الجنة " (۲)

''جس عورت نے بلا وجہ اپنے خاوند سے طلاق (خلع) کا مطالبہ کیا، اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔''

---

(۱) [ابو داؤد : كتاب الطلاق: باب في الخلع (۲۲۲۶) ترمذی : كتاب الطلاق: باب ماجاء في الخلع (۱۱۸۵)]

(۲) [ابو داؤد : كتاب الطلاق : باب في الخلع (۲۲۲۶) ترمذی (۱۱۸۷) ابن ماجه (۲۰۵۵) احمد (۵/۲۷۷-۲۸۳) ابن حبان (٤١٨٤) بیهقی (۷/۳۱٦)]

حق وراثت

دور جاہلیت میں عورت کو وراثت سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا جبکہ اسلام نے اس جاہلانہ رسم کا خاتمہ کرتے ہوئے عورت کو بھی وراثت کا حقدار بنا دیا۔ لہذا عورت خواہ بیٹی ہو یا بیوی، ماں ہو یا بہن مختلف حالتوں میں اس کے مختلف حصے اسلام نے مقرر کر رکھے ہیں۔ اگر بیوی کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کے متروکہ مال میں بیوی کا حق وراثت چوتھائی حصہ ہے بشرطیکہ فوت شدہ خاوند بے اولاد ہو اور اگر وہ صاحب اولاد ہو تو پھر بیوی کا حق وراثت آٹھواں حصہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لكم ولد فان كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم...... ﴾ (النساء۔۱۲)

''اور جو تم (ترکہ) چھوڑ جاؤ اس میں ان (بیویوں) کے لیے چوتھائی حصہ ہے بشرطیکہ تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔''

فصل سوم

نومولود کے حقوق

بچے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار

نومولود بیٹا ہو یا بیٹی، اس کی پیدائش پر خوشی کا اظہار ایک فطری امر ہے لیکن افسوس کہ بعض لوگ بیٹے کی پیدائش پر حد سے بڑھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں جبکہ بیٹی کی پیدائش پر خوشی کی بجائے رنج وغم کا اظہار کرنے لگتے ہیں حتی کہ بعض اوقات عورت کو محض اسی جرم کی پاداش میں طلاق بھی دے دیجاتی ہے کہ اس نے بیٹی کو جنم کیوں دیا۔ حالانکہ یہ سراسر غلط رویہ ہے کیونکہ اول تو بیٹے یا بیٹی کی پیدائش خود عورت کے اختیار میں نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَايَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ أَوْيُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ عَقِيْمًا إِنَّهُ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴾

''اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے (صرف) بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے (صرف) بیٹے دیتا ہے یا انہیں جمع کردیتا ہے (یعنی) بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی۔ اور جسے چاہے بانجھ کردیتا ہے۔ وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے''۔ (الشوریٰ۔۴۹۔۵۰)

پھر دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خود یہ رویہ سراسر ناپسند ہے۔ دور جاہلیت میں بھی عربوں کے ہاں ایسا ہی رویہ پایا جاتا تھا کہ وہ لوگ بیٹی کی پیدائش پر نہ صرف رنج وغم کا اظہار کرتے بلکہ نومولود بچی کو زندہ ہی درگور کردیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرز عمل کی شدید

مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ‌ يَتَوَارٰى مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡۤءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ‌ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ‌ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴾

''ان (مشرکوں) میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں میں چھپا چھپا پھرتا ہے، سوچتا ہے کہ کیا اس ذلت کو لیے ہی رہے یا اس (بچی) کو مٹی میں دبا دے۔ آہ! کیا ہی برے فیصلے یہ کرتے ہیں۔'' (النحل۔۵۸۔۵۹)

تیسری بات یہ ہے کہ خود انسان کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ بیٹا اس کے حق میں بہتر ثابت ہوگا یا بیٹی۔ بسا اوقات تو بیٹا ہی بہتر ثابت ہوتا ہے جبکہ بسا اوقات بیٹا پرلے درجے کا نافرمان اور گستاخ ثابت ہوتا ہے جبکہ بیٹی موجب رحمت ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ روزمرہ کے مشاہدے میں ایسے بیسیوں واقعات دیکھنے، سننے میں آتے ہیں تاہم اس سلسلے میں خود قرآن مجید میں انبیا کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک عمران نامی شخص کی بیوی کے حوالے سے بھی یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿ اذقالت امرأة عمران رب انی نذرت لک مافی بطنی محررا فتقبل منی انک انت السمیع العلیم فلما وضعتها قالت رب انی وضعتها انثی والله اعلم بما وضعت ولیس الذکر کالانثی ﴾ (آل عمران۔۳۵۔۳۶)

''جب عمران کی بیوی نے یہ دعا مانگی: ''اے میرے رب! میں نے منت مانی ہے کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے، اسے میں تیرے لئے وقف کروں گی، سو میری منت قبول فرمالے۔ بلاشبہ تو سننے والا، جاننے والا ہے''۔ پھر جب بچی پیدا ہوئی تو کہنے لگی: ''میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہوگئی ہے۔'' حالانکہ جو اس نے جنم دیا اسے اللہ خوب جانتا تھا اور اگر لڑکا ہوتا تو اس لڑکی جیسا نہ ہوتا۔''

واضح رہے کہ یہی بچی حضرت مریم تھیں پھر آگے ان کے بطن سے حضرت عیسیٰ جیسے برگزیدہ پیغمبرِ خدا پیدا ہوئے۔ گویا لڑکی ہی بابرکت ثابت ہوئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہی کو اپنے حق میں بہتر سمجھنا چاہیے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ بعض اوقات کسی طبی وجہ سے بیٹا پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں بلکہ اکثر و بیشتر مرد کے مادہ تولید میں موجود نر جرثوموں کے کمزور یا ناپید ہونے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں علاج معالجے اور دعا کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔ مگر اس کا یہ حل بھی نہیں ہے کہ تعویذ گنڈے کا سہارا لیا جائے بلکہ ایسا کرنا نہ صرف جہالت ہے بلکہ شرک کے زمرے میں بھی شامل ہے۔ البتہ بسا اوقات عورت کو آسیب زدگی اور جناتی تکلیف کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی ایسا مسئلہ ہو تو کسی نیک صالح اور باعمل معالج سے اس کا روحانی علاج معالجہ کروانا چاہیے۔ ✿

علاوہ ازیں اگر وسائل اجازت دیتے ہوں تو اولاد کے حصول کے لئے پہلی بیوی کو طلاق دیئے بغیر دوسری شادی بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی کو طلاق دے ڈالنا انتہائی نامناسب اور قابل مذمت رویہ ہے۔ اور خود خاوند سمیت وہ تمام لوگ ملامت کے لائق ہیں جو ایسی عورت کو طلاق دینے پر اسے مجبور کر دیتے ہیں۔ تاہم یہاں پہلی بیوی کو بھی چاہئے کہ وہ برداشت سے کام لے اور دوسری شادی کو خاوند کا حق سمجھتے ہوئے قبول کرے بلکہ ممکن ہو تو ازخود اپنے خاوند کے لئے ایسی عورت کا انتخاب کرے جو اس کی سوکن ہونے کے باوجود اس کے جائز حقوق سے اسے محروم کرنے والی نہ ہو۔

✿ [روحانی علاج معالجہ اور جادو، جنات سے تحفظ اور ان کے توڑ کے لئے راقم الحروف کی کتاب ''کاہنوں، عاملوں، جادوگروں اور ایذا دینے والے جنات کا پوسٹ مارٹم'' بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے مریض اپنا علاج خود بھی کرسکتا ہے۔ ان شاء اللہ!]

نومولود کے کان میں اذان کہنا

نومولود کے کان میں اذان کہنے کا عمل گزشتہ چودہ صدیوں سے امت مسلمہ کے ہاں تواتر سے چلا آ رہا ہے۔ اسے ایک طرف اگر اجماع امت حاصل ہے تو دوسری طرف اس کی پشت پر بعض احادیث بھی موجود ہیں۔ گوکہ ان کی اسناد میں کلام ہے۔ تاہم اجماع امت سے انہیں تائید حاصل ہو جاتی ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں کسی نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا لیکن اب کچھ عرصہ سے اس مسئلہ میں بعض اہل علم شکوک وشبہات کا اظہار کرنے لگے ہیں اور نومولود کے کان میں اذن واقامت سے متعلقہ احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے اس عمل سے اجتناب کا فتوی بھی دینے لگے ہیں۔

اس سلسلہ میں جماعۃ الدعوۃ کے مفتی جناب مبشر احمد ربانی صاحب کی تحقیق بھی یہی ہے۔ انہوں نے اس مسئلہ میں جب ایک نئی رائے پیش کی تو اس پر ملک کے طول وعرض میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی اور ان کے اس موقف پر اہل علم نے تنقیدی تبصرے بھی کیے۔ آئندہ سطور میں ان کا اسی سلسلہ میں ایک فتوی پیش کیا جا رہا ہے اور اس کے بعد ان کی تردید میں شائع ہونے والا ایک مضمون بھی شامل اشاعت ہے۔ جبکہ آخر میں راقم الحروف نے اپنا ترجیحی موقف پیش کر دیا ہے۔

'بچے کے کان میں اذان اور اقامت مسنون نہیں' از مولانا مبشر احمد ربانی صاحب

سوال: جب مسلمانوں کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہتے ہیں کیا رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے؟

جواب: راقم الحروف کے علم کی حد تک اس کے بارے کوئی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں اس سلسلہ میں جو تین روایات پیش کی جاتی ہیں وہ قابل استناد نہیں۔ ایک روایت ابو رافعؓ سے مروی ہے کہ

"رأيت رسول الله ﷺ أذّن في اذن الحسن ابن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة"

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے حسن بن علیؓ کے کان میں نماز والی اذان کہی جب اسے فاطمہؓ نے جنم دیا۔"

[ترمذی ابواب الاضاحی (١٥١٤) مسند احمد (٩/٦، ٣٩١، ٣٩٢) شعب الایمان (٨٦١٧، ٨٦١٨) مستدرک حاکم (١٧٩/٣) بیهقی (٣٠٥/٩)]

اس روایت کی سند میں عاصم بن عبیداللہ راوی ہے جس کے ضعف پر تقریباً تمام محدثین متفق ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ تلخیص الحبیر: کتاب العقیقه: رقم (١٩٨٥) ٣٦٧/٤ ط جدید میں رقمطراز ہیں:

"ومداره على عاصم بن عبيدالله وهو ضعيف / اس روایت کا دارومدار عاصم بن عبیداللہ پر ہے اور وہ ضعیف راوی ہے"۔ عاصم پر کلام کے لیے دیکھیں (تہذیب التہذیب ٣٥/٣، ٣٦)

بعض اہل علم نے اس روایت کی تقویت کے لیے عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ایک روایت پیش کی ہے کہ

"ان النبي ﷺ أذّن في اذن الحسن بن علي يوم ولد واقام في اذنه اليسرى"

"بے شک نبی اکرم ﷺ نے حسن بن علیؓ کے کان میں اس کی ولادت کے دن اذان کہی اور بائیں کان میں اقامت کہی۔" (سلسلة ضعيفه ٣٣١/١ ارواء الغليل ٤٠١/٤)

اور اسے ابورافعؓ کی روایت کا شاہد ہونے کی امید ظاہر کی ہے۔

[نوٹ: اس سلسلہ ضعیفہ میں اس روایت کے یہ الفاظ طبع ہونے سے رہ گئے ہیں: فاذن في اذنه اليمنى / آپ نے حسنؓ کے دائیں کان میں اذان کہی]

امام بیہقیؒ نے اگرچہ اسے ضعیف قرار دیا ہے لیکن یہ ضعیف کی بجائے موضوع ہے کیونکہ اس میں محمد بن یونس الکدیمی ہے جس کے بارے میں امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں: "قد اتهم الكديمي بالوضع / یہ روایت گھڑنے کے ساتھ متہم ہے"۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں اس نے ہزار سے زائد روایات گھڑی ہیں۔ اسی طرح موسیٰ بن ہارون اور قاسم

المطرز نے بھی اس کی تکذیب کی ہے۔(میزان ۴/۴۷) امام دارقطنیؒ نے بھی اسے روایت گھڑنے کی تہمت دی ہے۔لہذا یہ روایت موضوع ہونے کی وجہ سے شاہد بننے کے قابل نہیں ہے۔اسی طرح اس میں کدیمی کا استاد اور استاد الاستاد بھی ضعیف ہیں۔

اسی طرح حسین بن علیؓ سے مرفوع روایت کہ

"من ولدله مولود فاذن فی اذنه الیمنی و اقام فی اذنه الیسری لم تضره ام الصبیان"

''جس کے ہاں بچہ پیدا ہو وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے تو اسے ام الصبیان (بیماری ہے) تکلیف نہیں دے گی''۔[شعب الایمان (۸۶۱۹)]

اس کی سند میں یحیٰی بن العلاء الرازی کذاب راوی ہے۔لہذا بچے کے کان میں اذان اور اقامت والی روایات نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں۔واللہ اعلم (۱)

'بچے کے کان میں اذان اور اقامت کا حکم' ایک تنقیدی جواب

سوال: کیا نومولود کے کان میں اذان کہنا درست نہیں؟

جواب: ماہنامہ مجلۃ الدعوۃ کے ماہ جون ۲۰۰۲ء کے شمارے میں فضیلۃ الشیخ مفتی مبشر احمد ربانی صاحب حفظہ اللہ کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے۔جس میں مفتی صاحب موصوف نے نومولود کے کان میں اذان اور تکبیر کہنے کی اجازت کو غیر ثابت قرار دیا ہے۔اس بارے میں ماہنامہ ''دعوت اہل حدیث'' کے چند قائلین نے خطوط لکھ کر اس مسئلہ کی وضاحت طلب کی ہے۔(جو پیش خدمت ہے)

(۱) [مجلۃ الدعوۃ جلد نمبر ۱۳، شمارہ نمبر ۶، جون ۲۰۰۲ صفحہ ۵۸]

نومولود کے کان میں اذان کہنے کے بارے میں تین مرفوع روایتیں ہیں:

۱۔حدیث ابی رافعؓ ملاحظہ ہو:[ابو داؤد،مع عون المعبود ۴/۴۸۸،ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۵/۱۰۷ طبع دار الفکر،مسند احمد ۶/۳۹۱،مستدرک حاکم ۳/۱۷۹،مصنف عبدالرزاق ۴/۳۳۶،شرح السنۃ ۱۱/۲۷۳،شعب الایمان بیھقی ۶/۳۹۰،المعجم الکبیر ۱/۳۱۵،۳/۱۸.۱۹]

۲۔حدیث حسین بن علیؓ ملاحظہ ہو:[شعب الایمان ۶/۳۹۰،مسند ابی یعلیٰ ۶/۱۸۱،عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی]

۳۔حدیث ابن عباسؓ ملاحظہ ہو:[شعب الایمان بیھقی ۶/۳۹۰]

پہلی حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام حاکمؒ نے صحیح کہا اور امام ابو داؤدؒ نے اس پر سکوت فرمایا ہے۔البتہ اس کی سند کے راوی عاصم بن عبید اللہ پر اکثر و بیشتر محدثین نے کلام کیا ہے۔لیکن امام حافظ احمد بن عبداللہ بن صالح العجلیؒ فرماتے ہیں۔"لاباس به"(تاریخ الثقات ص ۲۴۱،رقم الترجمہ ۷۴۰)اور امام ابن عدیؒ اس کے بارے میں فیصلہ کن بات یوں لکھتے ہیں:

" وقد روی عنه سفيان الثوری وابن عيينه وشعبة وغيرهم من ثقات الناس وقد احتمله الناس وهو مع ضعفه يكتب حديثه "[الكامل في ضعفاء الرجال (۵/۱۸۶۹)]

"عاصم بن عبید اللہ سے سفیان ثوریؒ،سفیان بن عیینہؒ،شعبہؒ اور دیگر لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں۔اور اسے (محدثین) لوگوں نے برداشت کیا۔اس میں ضعف کے باوجود اس کی حدیث لکھی جاسکتی ہے"۔

دوسری حدیث سنداً سخت ضعیف ہے۔جیسا کہ محترم الشیخ مبشر احمد ربانی صاحب حفظہ اللہ نے لکھا ہے۔البتہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے حسین بن علیؓ کی حدیث کے باعث

ابورافعؓ کی حدیث کو قوی قرار دیا ہے۔[ملاحظہ ہو۔ تحفة الاحوذی (۱۰۸/۵)]

تیسری حدیث بھی سنداً ضعیف ہے لیکن علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

" یمکن تقویة حدیث ابی رافع بحدیث ابن عباس الی ان قال ،فلعل هذا خیر من اسناد حدیث الحسن بحیث انه یصلح شاهد لحدیث ابی رافع"[سلسلة الاحادیث الضعیفه (۱/۱ ۳۳، رقم الحدیث ۳۲۱)]

"یعنی ابورافعؓ کی حدیث کی ابن عباسؓ کی حدیث سے تقویت ممکن ہے... یہ (ابن عباسؓ کی حدیث کی) سند، حسینؓ کی حدیث کی سند سے شاید بہتر ہے۔ اور ابورافعؓ کی حدیث کے لیے شاہد کی صلاحیت رکھتی ہے"۔

شیخ سعد بن عبداللہ بن عبدالعزیز آل حمید بھی لکھتے ہیں:

" قلت : فان كان ضعفه يسيرا فيكون الحديث حسنا لغيره والا فبقى على ضعفه "[تحقيق على مختصر المستدرک علی مستدرک ابی عبدالله الحاكم لابن الملقن(۱۶۹۹/۴)]

"میں کہتا ہوں اگر اس کا ضعف معمولی ہے تو یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔ ورنہ یہ ضعیف ہی ہے"۔

مختلف ائمہ حدیث کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ ابورافعؓ کی حدیث "حسن لغیرہ" کے درجہ میں ہے اور حسن لغیرہ بھی حجت ہے۔ علامہ الشیخ ابومحمد امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ نے بھی اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے:[ملاحظہ ہو: فتاوىٰ الدين الخالص (۲۲۷/۳)]

نیز اس روایت کو تعامل کی تائید بھی حاصل ہے۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وعليه العمل" (اور اسی پر لوگوں کا عمل ہے)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

" ان عمر بن عبدالعزيز كان اذا ولد له ولد اخذه كماهو فى خرقته فاذن فى اذنه اليمنى واقام فى اليسرى وسماه مكانه "[۳۳۶/۴]

"خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اسے اسی حالت میں لیتے۔اس کے دائیں کان میں اذان کہتے اور بائیں کان میں تکبیر (اقامت) کہتے ہیں اور اسی جگہ نام بھی رکھ دیتے۔"

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں:

"وروی عمر بن عبدالعزیز کان یؤذن فی الیمنی ویقیم فی الیسری اذا ولد الصبی "[شرح السنۃ (۱۱/ ۲۷۳)] (مراد وہی ہے جو اوپر گزرا ہے)

امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

" قال بعض اهل العلم يستحب للوالد ان يؤذن في اذن ابنه حين يولد ...."

"یعنی بعض اہل علم کہتے ہیں کہ والد کے لیے مستحب یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے کان میں اذان کہے"۔[المغنی (۸/ ۲۴۹)]

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

" السنة ان يؤذن في اذن المولود عند ولادته ذكرا كان اوانثى ويكون الاذان بلفظ اذان الصلوة ...قال جماعة من اصحابنا ان يؤذن في اذنه اليمنى ويقيم في اذنه اليسرى"[شرح المهذب (۸/ ۴۴۲)]

"نومولود خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔اس کے کان میں اذان کہنا سنت ہے اور اذان وہی کہی جائے جو نماز کے لیے کہی جاتی ہے۔ہمارے شوافع کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ دائیں کان میں اذان کہی جائے اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے"۔

امام ابن القیمؒ بھی نومولود کے کان میں اذان کو مستحب قرار دیتے ہیں۔انہوں نے (اپنی کتاب) "تحفة الودود" میں مستقل عنوان قائم کیا ہے:"الباب الرابع في استحباب التاذين في اذنه اليمنى والاقامة في اذنه اليسرى "

بعدازیں امام موصوفؒ اس موقع پر اذان دیئے جانے کے اسرار (حکمت) بیان کرتے

ہونے فرماتے ہیں کہ ایک انسان کے دنیا میں آنے کے بعد پہلی چیز جو اس کے کان سے ٹکرائے وہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کے کلمات ہونے چاہئیں۔ گویا اس انسان کے دنیا میں آنے پر اسلام کے شعار کی اسے تلقین کی جارہی ہے۔ جس طرح اس دنیا سے کوچ کرنے (یعنی بوقت نزع) کے وقت کلمہ توحید (لا الہ الا اللہ) کی تلقین کی جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہ اس نومولود کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین اسلام اور اس کی عبادت کی طرف دعوت، شیطان کی دعوت سے پہلے پہنچ جائے.......وغیرہ [ملاحظہ ہو: تحفة الودود باحكام المولود (ص ۲۳/ ۲۴)]

السید سابقؒ فرماتے ہیں:

"ومن السنة يؤذن في اذن المولود اليمنى ويقيم في الاذان اليسرى ليكون اول مايطرق سمعه اسم الله "[فقه السنة (۳/ ۲۲۳)]

"نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہنا سنت ہے۔ تاکہ پہلی چیز جو کان سے ٹکرائے وہ اللہ تعالیٰ کا نام ہو"۔

الدکتور وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

" يستحب للوالد ان يؤذن في اذن المولود اليمنى وتقام في الصلوة في اليسرى حين يولد ...ليكون اعلام المولود بالتوحيد اول مايقرع سمعه عند قدومه الى الدنيا كما يلقن عند خروجه منها ولما فيه من طرد الشيطان عنه فانه يدبر عنه سماع الاذان كما ورد في الخبر "[الفقه الاسلامي (۳/ ۶۴۰)]

"والد کے لیے مستحب ہے کہ نومولود کے دائیں کان میں اذان کہے اور بائیں میں اقامت کہے۔ تاکہ بچے کے دنیا میں آنے پر سب سے پہلی چیز توحید باری تعالیٰ کی اطلاع ہو۔ جس طرح دنیا سے کوچ کے وقت انسان کو اسی توحید کی تلقین کی جاتی ہے۔ اور دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ بچے کے کان میں اذان دے کر اس سے شیطان کو بھگا دیا جاتا ہے کیونکہ شیطان اذان سن کر بھاگ جاتا ہے۔"

ان دلائل اور حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ نومولود کے کان میں اذان کہنا مسنون اور معمول بہا ہے۔ اور روایۃ ودرایۃ' نقلا وعقلا، کوئی دلیل اور وجہ ایسی نہیں جس کے باعث اسے امر منکر تصور کیا جائے۔ (۱)

راجح موقف

راقم الحروف کے نزدیک یہی دوسرا موقف یعنی نومولود کے کان میں اذان دینے کے جواز کا پہلو ہی راجح اور مبنی براحتیاط ہے۔ اس لئے کہ اس مسئلہ پر گزشتہ چودہ صدیوں سے امت کا قولی وعملی اجماع رہا ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

"لا تجتمع امتی علی الضلالۃ"

''میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی۔'' (۲)

اس لئے یہ بات محال ہے کہ امت کے اس متواتر، معمول بہ اور اجماعی موقف کو یک لخت غلط قرار دے دیا جائے۔ باقی رہیں اذان اور اقامت سے متعلقہ احادیث، تو انہیں اگر بعض اہل علم ضعیف قرار دے رہے ہیں تو ان کے برعکس بہت سے اہل علم انہیں صحیح بھی قرار دینے والے موجود ہیں۔ اگر بالفرض انہیں ضعیف بھی تسلیم کرلیا جائے تو تب بھی اس مسئلہ کی شرعی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ ان احادیث کو اجماع امت سے تائید بھی حاصل ہو رہی ہے۔ اور ایسے بیسیوں مسائل کی نشاندہی کی جاسکتی ہے جن سے متعلقہ احادیث تو اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان پر چونکہ امت کا اجماع ہے اس لئے اجماع امت کے پیش نظر ان پر عمل کیا جاتا ہے اور ان کے بارے میں کبھی کسی نے شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا اور نہ انہیں چھوڑ دینا ممکن ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا مسئلہ میں بھی ایسے کسی شک وشبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں البتہ اگر اس سلسلہ میں یہ کمزور روایات بھی نہ ہوتیں تو پھر یہ مسئلہ ضرور محل نظر تھا۔

---

(۱) [ماہنامہ 'دعوت اہلحدیث' (جولائی ماگست ۲۰۰۲ ص۳۸تا۴۰) مضمون نگار حافظ محمد ایوب صابر صدر مدرس مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث، حیدرآباد، سندھ]

(۲) [صحیح ترمذی للالبانی(۱۷۵۹)]

بچے کو گڑھتی دینا

نومولود کو گڑھتی دینا مسنون ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اسے لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس چلے جاؤ چنانچہ بچہ لایا گیا آپ ﷺ نے بچے کو پکڑا اور فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں یہ چند کھجوریں ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے کھجوریں لے کر انہیں چبایا پھر (اس کا کچھ حصہ) اپنے منہ سے نکال کر بچے کے منہ میں رکھا، گویا اس طرح آپ ﷺ نے اسے گڑھتی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔(۱)

۲۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور کو اپنے دندان مبارک سے نرم کر کے اسے چٹایا اور اس کے لیے برکت کی دعا کی۔ پھر وہ بچہ مجھے پکڑا دیا۔(۲)

لڑکے کا ختنہ

نومولود اگر لڑکا ہو تو پیدائش کے بعد جتنی جلدی ہو سکے، اس کا ختنہ کروانا چاہیے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خمس من الفطرة الختان والاستحداد ونتف الابط وتقليم الاظفار وقص الشارب"(۳)

"پانچ چیزیں پیدائشی سنتوں میں سے ہیں اور وہ یہ ہیں: ختنہ کرانا، مونچھیں کم کرنا، موئے زیر ناف مونڈنا، بغل کے بال اکھاڑنا، ناخن ترشوانا۔"

(۱) [بخاری: كتاب العقيقة: باب تسمية المولود غداة يولد ... (٥٤٧٠) مسلم: كتاب الآداب: باب استحباب تحنيك المولود (٢١٤٤)]

(۲) [بخاری ایضا (٥٤٦٧) مسلم ایضا (٢١٤٥)]

(۳) [بخاری: كتاب اللباس: باب قص الشارب (٥٨٨٩)]

بچے کا نام کس روز رکھا جائے

بچے کا نام رکھنے کے حوالے سے عام طور پر کتب احادیث میں دو طرح کی روایات ملتی ہیں ایک تو وہ جن میں پیدائش کے ساتویں روز نام رکھنے کا ذکر ہے اور دوسری وہ جن میں پیدائش ہی کے دن نام رکھنے کا ذکر ہے۔ اس لیے بعض اہل علم نے پہلے روز اور بعض نے ساتویں روز نام رکھنے کو مستحب کہا ہے جبکہ بعض نے دونوں طرح کی احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ دیا ہے کہ پیدائش کے دن سے لے کر ساتویں دن تک کسی بھی وقت نام رکھا جا سکتا ہے اور یہی بات زیادہ معقول ہے۔ ذیل میں مزید تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

پیدائش کے روز نام رکھنے سے متعلقہ احادیث

۱۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ابوطلحہؓ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اسے لے کر آنحضرتؐ کے پاس چلے جاؤ چنانچہ بچہ لایا گیا آپؐ نے بچے کو پکڑا اور فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں یہ چند کھجوریں ہیں۔ نبی اکرمؐ نے کھجوریں لے کر انہیں چبایا پھر اپنے منہ سے نکال کر بچے کے منہ میں رکھا، گویا اس طرح آپؐ نے اسے گڑھتی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔[(۱)]

۲۔ حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے لیکر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اس کا نام ابراھیم رکھا اور کھجور کو اپنے دندان مبارک سے نرم کر کے اسے چٹایا اور اس کے لیے برکت کی دعا کی۔ پھر وہ مجھے پکڑا دیا۔[(۲)]

۳۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ اور حضرت فاطمہ بنت منذرؒ سے مروی ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی

(۱) [بخاری : کتاب العقیقة : باب تسمیة المولو د غداوة یولد ...(۵۴۷۰) مسلم : کتاب الآداب : باب استحباب تحنیك المولود (۲۱۴۴)]

(۲) [بخاری ایضا(۵۴۶۷)، مسلم ایضا(۲۱۴۵)]

بکرؓ جب ہجرت کر کے (مدینہ کے پاس) قبا نامی مقام پر پہنچی تو ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ اسے لے کر آنحضرتؐ کے پاس تشریف لائی تو آپؐ نے بچے کو اپنی گود میں لیا اور کھجور چبا کر اسے گڑھتی دی بچے سے پیار کیا، اسے دعا دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ (۱)

۴۔ حضرت سہیل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو اسیدؓ کے ہاں جب بیٹا پیدا ہوا تو وہ اسے لے کر آنحضرتؐ کے پاس گئے... آپؐ نے اس بچے کا نام منذر رکھا۔ (۲)

ساتویں روز نام رکھنے سے متعلقہ احادیث

۱۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ

" ان النبیؐ امر بتسمیة المولود یوم سابعه ووضع الاذی عنه والعق" (۳)

"نبی اکرمؐ نے بچے کا ساتویں روز نام رکھنے، اس پر سے اذیت (بال وغیرہ) دور کرنے اور اس کا عقیقہ کرنے کا حکم فرمایا۔"

۲۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" کل غلام رهينة بعقيقته تذبح عنه يوم سابعه ويحلق ويسمى " (۴)

"ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے (اس لیے پیدائش کے بعد) ساتویں روز اس کی طرف سے (جانور) ذبح کیا جائے۔ بچے کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے"۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: جب بچے کی پیدائش کا ساتواں دن ہو تو اس کی طرف سے خون بہاؤ (یعنی عقیقہ کا جانور ذبح کرو) اس پر سے اذیت (یعنی سر کے بال) دور کرو اور اس کا نام رکھو۔" (۵)

---

(۱) [مسلم ایضا (۲۱۴۶) بخاری ایضا (۵۴۶۹)] (۲) [مسلم ایضا (۲۱۴۹)]

(۳) [ترمذی: کتاب الادب: باب ماجاء فی تعجیل اسم المولود (۲۸۳۲)]

(۴) [ابو داؤد: کتاب الاضاحی: باب فی العقیقة (۲۸۳۰) ترمذی]

(۵) [فتح الباری (۹/۵۷۹) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ اسی طرح بیہقی کی السنن الکبری (۹/۲۹۹)، امام بخاری کی الادب المفرد (ص ۲۴۴) امام ہیثمی کی مجمع الزوائد (۸/۵۲) وغیرہ میں بچے کا نام رکھنے سے متعلقہ احادیث موجود ہیں]

دونوں طرح کی روایات میں تطبیق

دونوں طرح کی روایات میں ایک تطبیق تو محدثین نے یہ دی ہے کہ جس بچے کا عقیقہ نہیں کیا گیا اس کا نام پیدائش کے دن (یا اگلے دن) رکھا جائے اور جس کا عقیقہ کرنا ہے اس کا نام ساتویں دن (یعنی عقیقہ کے وقت) رکھا جائے۔ دوسری تطبیق یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلے سات دنوں میں سے کسی بھی وقت نام رکھ لیا جائے اور جتنی جلدی نام رکھا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ

''نومولود کا نام رکھنا اس کی ولادت کے دن بھی جائز ہے اور اسے تیسرے دن یا ساتویں دن تک مؤخر کرنا بھی درست ہے۔ عقیقہ سے پہلے یا اس کے بعد بھی نام رکھا جا سکتا ہے کیونکہ بچے کے نام رکھنے کے مسئلہ میں کافی وسعت پائی جاتی ہے۔''(۱)

واضح رہے کہ بچے کی پیدائش سے پہلے بھی اس کا نام رکھا جا سکتا ہے کیونکہ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ شادی اور باپ بننے سے پہلے بھی کنیت (بیٹے کے نام کے ساتھ ابو کا اضافہ جیسے ابو عمیر، ابوانس وغیرہ) رکھی جا سکتی ہے۔(۲)

نام اچھے معنی و مفہوم پر دلالت کرنے والا ہو

بچے کا نام رکھتے وقت یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ اس نام کا معنی و مفہوم اچھی بات پر دلالت کرتا ہو مثلاً محسن (احسان کرنے والا) حامد (تعریف کرنیوالا) عابد (عبادت کرنے والا) وغیرہ۔ اسی طرح یہی تینوں نام تائے تانیث کے اضافہ کے ساتھ لڑکیوں کے لیے بھی رکھے جا سکتے ہیں مثلاً محسنہ، حامدہ، عابدہ وغیرہ۔ اگر غلط فہمی یا کم علمی کی وجہ سے کسی کا نام غلط اور برے مفہوم پر دلالت کرنے والا رکھ دیا گیا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنا نام بدل کر اچھے معنی و مفہوم والا نام رکھ لے۔ خود نبی اکرم بھی قبیح معنی والے نام بدل کر اسکی جگہ اچھے معنی والے

(۱) ۔ [تحفۃ المولود لابن قیم ص۸۸]

(۲) [ملاحظہ ہو صحیح مسلم: کتاب الآداب: باب جواز تکنیۃ من لم یولد لہ و کنیۃ الصغیر(۲۱۵۰)]

نام رکھوایا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے حضرت عمرؓ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا (جس کا معنی ہے "نافرمان عورت") اللہ کے رسول ﷺ نے عاصیہ کی بجائے اس کا نام جمیلہ (یعنی خوبصورت عورت) رکھ دیا۔ (۱)

اسی طرح یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ نام رکھے جائیں جو انبیاء اوران کے خاندان کے نیک لوگوں کے نام ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ انبیا کے نام اچھے معانی پر دلالت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اگر چہ بعض انبیا کے ناموں کے معانی ہم نہیں جانتے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نام ان کے دور کی زبانوں کے مطابق تھے مگر آج ان میں سے اکثر وبیشتر زبانوں کا کوئی وجود نہیں ملتا۔

واضح رہے کہ ہر وہ نام رکھنا حرام ہے جس سے شرک کی بو آتی ہو مثلاً نبی بخش، پیر بخش، پیراں دتہ، فقیراں دتہ، عبدالنبی، غلام نبی، وغیرہ۔ اسی طرح اعداد کی رو سے نام رکھنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

سب سے پسندیدہ نام

اگر چہ ہر وہ نام رکھنا جائز ہے جس کا معنی اچھا ہو اور وہ شرک کے شائبہ سے پاک ہو۔ البتہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" ان احب اسمائکم الی الله عبدالله و عبدالرحمن " (۲)

"اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں"

آئندہ سطور میں چند اچھے ناموں کی فہرست دی جارہی ہے۔ واضح رہے کہ یہ فہرست مولانا فاروق اصغر صارم صاحب کی کتاب "پیارے نام" سے ماخوذ ہے۔

---

(۱) [مسلم : کتاب الآداب : باب استحباب تغییر الاسم القبیح الی حسن.... (۲۱۳۹) ابو داود (۴۹۵۲) السلسلة الصحیحة (۲۱۳)]

(۲) [مسلم : کتاب الآداب : باب النهی عن التکنی بأبی القاسم ... (۲۱۳۲) ترمذی (۲۸۳۳) ابن ماجه سنن دارمی (۲/۲۹۴) مسند احمد (۲/۲۴-۱۲۸)]

انبیاء کرام کے اسمائے مبارکہ

نام	معنی	نام	معنی
آدم	گندم گوں	نوح	آرام، بلند
شیث	کثرت	ادریس	پڑھا ہوا
ھود	توبہ کرنے والا	صالح	نیک
ابراھیم	خادم قوموں کا باپ	لوط	دلی محبت
اسحاق	ہنسنے والا	یعقوب	پیچھے آنے والا
یوسف	حسین۔ پاکباز	خضر	سرسبز
شعیب	حصہ۔ جمع وتفریق	موسیٰ	پانی سے نکالا ہوا
ھارون	سالار۔ قوی	یوشع	چڑھائی و بلندی
الیاس	قائم ودائم	یسع	فراخ
داؤد	عزیز دوست	سلیمان	زینہ۔ سلامتی
ایوب	رجوع کرنے والا	یونس	مانوس
ذوالکفل	ضامن	عزیر	تعاون کرنا
لقمان	دانا	زکریا	بھرنا۔ پر کرنا
یحییٰ	زندہ رہنے والا	عیسیٰ	زندگی والا
محمدؐ	تعریف کیا ہوا		

حضرت محمد ﷺ کے صفاتی نام

نام	معنی	نام	معنی
احمد	زیادہ تعریف والا	امین	امانت دار
بشیر	بشارت دینے والا	جواد	سخی
حامد	تعریف کرنیوالا	حبیب	محبوب
خلیل	دلی دوست	خطیب	بات کرنے والا
رشید	شریف، ہدایت یافتہ	سراج	چراغ
شفیع	شفاعت کرنے والا	شاھد	گواہ
صادق	سچا	صدیق	سچ بولنے والا
طاھر	پاک	عادل	انصاف کرنے والا
کلیم	کلام کرنے والا	عاقب	آخری
مبشر	خوشخبری دینے والا	قاسم	تقسیم کرنے والا
محمود	تعریف کیا گیا	مجتبیٰ	چنا ہوا
مرتضیٰ	پسندیدہ	مدثر	کپڑا اوڑھنے والا
مصطفیٰ	چنا ہوا	مزمل	کپڑا اوڑھنے والا
مصدق	تصدیق کرنے والا	مصباح	چراغ
منصور	مدد دیا گیا	منیر	روشن
نذیر	ڈرانے ولا	ناصر	مدد کرنے والا

ازواج مطہرات کے اسمائے مطہرہ

خدیجہ	ناتمام	عائشہ	زندگی والی
حفصہ	شیرنی	زینب	ایک خوشبودار، خوبصورت درخت
جویریہ	عہد وپیمان (لڑکی)	رملہ (ام حبیبہ)	ریت کا ٹیلہ
سودہ	مشک، نشان	صفیہ	منتخب
میمونہ	بابرکت	ھند (ام سلمہ)	جماعت، سونتنا

آنحضرت ﷺ کے اولاد واحفاد کے نام

ابراھیم	خادم، قوموں کا باپ	عبداللہ	اللہ کا بندہ
قاسم	تقسیم کرنے والا	حسن	اچھا، خوبصورت
حسین	خوبصورت	زینب	خوشبودار حسین درخت
رقیہ	ترقی	ام کلثوم	پرکشش
فاطمہ	دودھ چھڑانے والی	امامہ	مقصد، مراد

مشہور صحابہ کرام ﷡ کے نام

ابان	واضح، ظاہر	ابوذر	پھیلانا، بکھیرنا
ابوھریرہ	بلی کے بچے والا	احمد	لازم، ٹھہرنا

اربد	اقامت، ابرآلود	ارقم	تحریر۔نشان والا
احوص	محتاط	اسامہ	شیر، بلند
اشعث	بکھرا ہوا	اسعد	سعادت مند
اسمر	کہانی گو	اسید	چھوٹا شیر
اسیم	بلند	اقمر	زیادہ روشن
اقرع	کھلکھلانے والا۔بہادر	انیف	اچھوتا
انیس	پیارا	اویس	بھیڑیا
براء	بری	تمیم	کامل
ثعلبہ	لومڑی	ثمامہ	اصلاح
جابر	غالب، پرکرنے والا	جبیر	پرکرنے والا، غالب
جریر	کھینچنے والا	جلیب	ہانکنے والا
جنید	چھوٹا لشکر	حارثہ	محنتی۔کمانے والی
جندب	پروانہ	حارث	محنتی، کمانے والا
حذیفہ	آسانی و آرام	حذافہ	سہولت
حسان	خوبصورت	حازم	محتاط
حسیل	تیز رفتار	حصیب	کنکریاں مارنے والا
حضیر	شہری	حاطب	ایندھن جمع کرنے والا
حکیم	حکمت والا	حماد	تعریف کرنے والا
حماس	محافظ۔بہادر	حمزہ	شیر

حمید	تعریف والا	خالد (بن ولید)	ہمیشہ
خباب	بلند۔تیز رفتار	خبیب	بلند،اونچا
خذیمہ	ترتیب دینا	خلاد	سدا
خلید	ہمیشہ	خنیس	چھپنے والا
ابودجانہ	بارش	دحیہ	سربراہ فوج
درید	اختتام/ایک جانور	رافع	اٹھانے والا
ربیعی	باغ والا۔بہار والا	رزین	اصلی اقامت،رہائش
رسیم	نقش وتحریر کرنے والا	رشید	ہدایت یافتہ۔بھلامانس
رقیم	تحریر۔کتاب	رومان	وسط
راھر	چمکیلا	رویفع	بلند۔اونچا
زبیر	شیر،محرر	زرعہ	کھیتی۔بونا
زؤیب	چلنا۔نکلنا	سحبان	کھینچنے والا
سحیم	برسنے والا	سدلیس	چھوٹا،لڑکپن
سراقہ	چھپی چیز	سلکان	مرتب
سلمان	سلامت	سلیم	محفوظ
سلیط	اچھی نسل	سلیک	راہ گیر
سماک	مچھلی فروش	سنان	نیزے کا بھالا
سھیل	آسانی وسہولت والا	سیرین	قائد وراہنما
شبرمہ	عطیہ/شیر کا بچہ	شریح	وضاحت کرنے والا

شرید	الگ تھلگ	سمساس	چمکیلا۔خادم
صبیح	روشن	صفوان	چٹان
صہیب	سرخ پٹی مائل	ضحاک	ہنسنے والا
ضرار	صابر، دشمن کے لیے مضر	ضماد	معالج
ضمام	ملنا	ضمیر	پوشیدہ
طفیل	پیار بچہ/ذریعہ	ظہیر	غالب، مددگار
عازب	الگ	عاصم	بچانے والا
عاقب	آخری	عاقل	عقل والا
عائذ	پناہ لینے والا	عامر	آباد کرنے والا
عباد	عبادت گزار	عبدالرحمٰن	رحمٰن کا بندہ
عبیداللہ	اللہ کا عاجز بندہ	عتبان	ڈانٹنا
عَداس	نگران	عدی	بڑھنا
عرباض	مضبوط	عروہ	کڑا
عصیم	محفوظ	عکرمہ	کبوتر
عمرو	آبادی	عمیر	آباد کرنے والا
عمیس	طاقت ور	عویم	سال
عیاض	خلیفہ	غالب	طاقتور، غالب
فراس	فراست والا	فرزدق	پنیر۔روٹی
فضیل	فضل والا	فہد	چیتا

قتادہ	پلان/ایک درخت	قدامہ	پیشوا
قعقاع	اسلحہ کی جھنکار	قیس	اندازہ
کرز	ذہین/شریف	کریب	مشکل
کعب	اونچائی	لبید	کثیر
لیث	شیر	غنی	ملا ہوا
محصن	پاکباز	محمود	تعریف کیا گیا
مرثد	معزز/ترتیب شدہ	مرداس	پتھر
مسطح	فصیح، سطح	مسعود	سعادت مند
مصعب	دشوار	معاذ	پناہ یافتہ
معاویہ	چلانے والا	معتب	ڈانٹنے والا
مغیرہ	لوٹنے والی۔حملہ آور	مقداد	توڑنے کا آلہ
ملیل	اکتایا ہوا	منکدر	تیز رفتار
مھران	خوبصورت	نابغہ	فصیح وبلیغ
نعمان	سرخ پھول	نعیم	نعمت والا
نواس	پرسکون مقام	واقد	روشن کرنے والا
وسیم	چاندی	وقاص	توڑنے والا
ولید	بچہ	ہیثم	شیر
یامین	برکت وقوت	یزید	اضافہ

مشہور صحابیات رضی اللہ عنہن کے نام

نام	معنی	نام	معنی
اسماء	بلند، علامت	اثیلہ	اعلیٰ خاندان والی
اکیمہ	اونچی	آمنہ	امن والی
امیمہ	قصد وارادہ	انخشہ	بلاش/حاصل کرنا
انیسہ	پیاری	بدیلہ	عوض/بدلہ
بریدہ	ٹھنڈی	بریعہ	چمکیلی
بسیسہ	مٹھائی	تماضر	موٹی تازی
ثوبیہ	جزا	جعونہ	مجموعہ
جلیحہ	صاف/خالی	حبیبہ	پیاری
حسانہ	خوبصورت	حلیمہ	بردبار
حمنہ	سرح انگور	حمیدہ	تعریف والی
حمیمہ	گہری دوست	حولاء	تبدیلی
خالدہ	ہمیشہ	خلیدہ	سدا
خلیسہ	بہادر	خنساء	چھپنا۔ ہٹنا
خولہ	خادمہ	خیثمہ	توڑنا۔ سخت
خیرہ	پسندیدہ	دجانہ	بارش
رائعہ	عمدہ	رباب	ساز
ربیعہ	بہار	رجیلہ	مضبوط

رکانہ	مضبوط	رحیلہ	مسافرہ
رفیدہ	عطیہ	رقیقہ	نرم دل
ریطہ	کمبل/ربن	زرینہ	سونے کی چیز
زنیرہ	مالا	سانیہ	چمکیلی
ساعدہ	معاون	ساریہ	جاری
سبیعہ	ساتویں	سدرہ	بیری کا درخت
سدلیہ	جھکی ہوئی	سعدیٰ	خوشبودار پودا
سعیدہ	نیک بخت	سکینہ	سکون والی
سلامہ	سلامت	سمرہ	گندم گوں
سمیکہ	چھوٹی مچھلی	سمیہ	بلند/ہم نام
سنا	چمک	سھلہ	سہولت و آسانی
سھیمہ	حصہ دار	شفا	کنارہ۔صحت
شقیقہ	شریک۔سگی بہن	شمیلہ	اچھی عادات والی
شیماء	خوشبو/خصلت	صخرہ	چٹان
صماء	بند/مضبوط	ضباعہ	تیز رفتار
ضمرہ	ماہر۔پوشیدہ	طاھرہ	پاک صاف
عالیہ	اونچی	عجلہ	جلدی/بچھڑا
(ام)عطیہ	تحفہ	عفراء	سفید زمین

عفیرہ	صاف/خالی	عقیلہ	عقل والی
عمیرہ	آباد	عمارہ	آبادی
عنقودہ	گچھا انگورہ	عیینہ	چشمہ/سونے کا ٹکڑا
غزیلہ	ہرن/کثرت	فروہ	جلد
فریعہ	شاخ	فضالہ	بقیہ/فضیلت والی
فضہ	چاندی	فکیہہ	خوش طبع
کبشہ	سردار	کعیبہ	اونچی
قبیصہ	ڈھیر/کنکریاں	لبابہ	دانا
لبیبہ	عقل مند	لبنیٰ	دودھ
لبنیہ	دودھ کی طرح	لمیس	نرم ونازک
لیلیٰ	تاریک رات	مرجانہ	قیمتی پتھر
مرضیہ	پسندیدہ	مطیعہ	اطاعت گزار
ملیحہ	تحفہ	نائلہ	مقصد حاصل کرنے والی
نبیشہ	نشیب وگہری	نسیبہ	نسب والی
نفیسہ	صاف ستھری	نویلہ	عطیہ
نھدیہ	نمایاں	واثلہ	مضبوط رسی
وبرہ	بلی نما جانور/راون	ورقہ	پتا

عقیقہ اور اس سے متعلقہ مسائل

عقیقہ فرض ہے یا سنت؟

نومولود کا حق ہے کہ اس کی پیدائش کے ساتویں روز اس کے سر کے بال منڈوائے جائیں اور اس کی طرف سے عقیقہ (یعنی بکرا یا چھترا) ذبح کیا جائے۔عقیقہ کی شرعی حیثیت کے حوالہ سے فقہا کا ایک گروہ (جن میں امام ابن حزم، امام حسن بصری، لیث، داؤد ظاہری اور ابن سعد وغیرہ شامل ہیں) عقیقہ کو فرض قرار دیتے ہیں۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، فقہائے تابعین، مالک شافعی، احمد بن حنبل اور فقہا کی ایک بڑی تعداد عقیقہ کو سنت مؤکدہ قرار دیتی ہے جبکہ امام مالک اسے مندوب اور اہل الرائے یعنی فقہائے حنفیہ اسے دور جاہلیت کی ایک رسم قرار دیتے ہوئے اس کے سنت ہونے کا تو انکار کرتے ہیں البتہ اسے زیادہ سے زیادہ مباح قرار دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ ان تمام فقہا کے پاس اپنے اپنے موقف کے دلائل موجود ہیں البتہ ان میں سے مضبوط دلائل پہلے دو گروہوں کے پاس ہیں۔[1]

اس مسئلہ میں ہماری رائے یہ ہے کہ جس شخص کے پاس وسائل ہوں اسے عقیقہ ضرور کرنا چاہیے حتی کہ اگر لڑکے کی پیدائش پر دو جانور ذبح کرنے کی استطاعت نہ ہو تو ایک جانور بھی کفایت کر جائے گا لیکن اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو زندگی بھر جب توفیق ملے عقیقہ کر دیا جائے۔

عقیقہ میں کتنے جانور ذبح کیے جائیں؟

لڑکے کے عقیقہ میں دو جانور اور لڑکی کے عقیقہ میں ایک جانور ذبح کیا جائے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے:

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المجموع للنووی (۸/٤۳۵) بدائع الصنائع (۵/۵۹) حاشیہ ابن عابدین (۵/۲۱۳) نہایۃ المحتاج (۸/۱۳۷) الشرح الکبیر (۲/۱۲٦)]

۱۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"من ولد له ولد فاحب ان ینسک عنه فلینسک عن الغلام شأتان مکافئتان وعن الجاریة شاة"(۱)

"جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ قربانی کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے۔"

۲۔ حضرت ام کرزؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے ایک جیسی دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔"(۲)

۳۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرمؐ نے حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے عقیقہ میں دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔(۳)

اگر دو کی استطاعت نہ ہو تو پھر...؟

اگر دو جانور ذبح کرنے کی استطاعت نہ ہو تو پھر ایک جانور ذبح کرنا بھی جائز ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ پر ایک ایک مینڈھا ذبح کیا تھا۔(٤)

البتہ سنن نسائی میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے حسن و حسینؓ کے عقیقہ پر دو دو مینڈھے ذبح کیے تھے۔(٥)

(۱) [ابو داؤد : کتاب الاضحی :باب فی العقیقة(۲۸۳۹)]

(۲) [ابو داؤد : ایضا(۲۸۳۳)ترمذی (۱٥۱٦)نسائی (٤۲۱۷)ابن ماجه دارمی (۲/۸۱)]

(۳) [ترمذی : کتاب الاضاحی :باب ماجاء فی العقیقة(۱٥۱۳)]

(٤) [ابو داؤد : کتاب الاضاحی :باب فی العقیقة(۲۸۳۸)]

(٥) [نسائی: کتاب العقیقه:باب کم یعق عن الجاریة(٤۲۲٤)]

یہ دونوں روایتیں ہی صحیح ہیں ۔بعض اہل علم نے نسائی کی روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔جبکہ بعض نے ابوداؤد کی روایت کو۔حافظ ابن حجرؒ ان میں تطبیق دیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

" وعلی تقدیر ثبوت روایة ابی داؤد فلیس فی الحدیث ما یرد به الاحادیث المتواردة فی التنصیص علی التثنیة للغلام بل غایته ان یدل علی جواز الاقتصار وهو کذلک فان العدد لیس شرطا بل مستحب"[1]

"اگر ابوداؤد کی روایت کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس سے ان روایات کی تردید لازم نہیں آتی جن میں لڑکے کی طرف سے دو جانور ذبح کرنے کا ذکر ہے بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ عقیقہ میں ایک جانور بھی کفایت کرسکتا ہے اور یہ مسئلہ اسی طرح ہے کہ (لڑکے کے) عقیقہ میں دو کی تعداد واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔"

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی ثابت ہے کہ وہ عقیقہ کے لیے ایک ہی بکری ذبح کرتے تھے خواہ نومولود لڑکا ہو یا لڑکی۔[2]

اسی طرح حضرت عروہ بن زبیر بھی لڑکے اور لڑکی دونوں کے عقیقہ کے لیے ایک ہی بکری ذبح کرتے تھے۔[3]

عقیقہ کے جانور کی عمر، جنس اور نوع

عقیقہ کے لیے بکرا یا مینڈھا یا دنبہ مذکر ہو یا مؤنث دونوں طرح کی جنس جائز ہے البتہ اس کے علاوہ گائے، بھینس یا اونٹ وغیرہ کو عقیقہ میں ذبح کرنا جائز نہیں۔علاوہ ازیں عقیقہ کے جانور کی عمر کی کوئی شرط احادیث میں مذکور نہیں۔البتہ قربانی کے جانور کی شرائط کو اگر مدنظر رکھا جائے تو زیادہ مناسب ہے لیکن یہ واجب نہیں۔واضح رہے کہ حنفیہ، شافعیہ

(۱) [فتح الباری (ج۹ص۵۲۹)]

(۲) [موطا کتاب العقیقة باب العمل فی العقیقة(٤)] (۳) [ایضا]

اور ایک قول کے مطابق مالکیہ کے نزدیک عقیقہ کے لئے ہر وہ جانور ذبح کیا جاسکتا ہے جو قربانی کے لئے ذبح کیا جاسکتا ہے (مثلاً اونٹ، گائے وغیرہ) لیکن ہمیں ان کا یہ موقف اقرب الی السنۃ معلوم نہیں ہوتا۔ مزید تفصیل کے لیے چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت ام کرز ؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ؐ نے فرمایا: لڑکے کے عقیقہ پر دو بکریاں اور لڑکی کے عقیقہ پر ایک بکری ذبح کی جائے اور جانور مذکر ہو یا مؤنث اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۱)

۲۔ حضرت ابوبکر ؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو حضرت عائشہ ؓ سے کہا گیا:

"یاام المؤمنین اعقی عنه جزورا فقالت معاذالله ولکن ماقال رسول الله شاتان مکافئتان" (۲)

"ام المؤمنین! اس کے عقیقہ کے لیے اونٹ ذبح کیا جائے؟ تو حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: اللہ کی پناہ (اونٹ سے) جو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے وہی کیا جائے گا یعنی ایک جیسی دو بکریاں ذبح کی جائیں گی۔"

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ بھیڑ بکری کی جنس کے علاوہ گائے، بھینس اور اونٹ وغیرہ سے عقیقہ خلاف سنت ہے۔ بعض لوگ قربانی کے جانوروں میں عقیقہ کا حصہ شامل کر لیتے ہیں حالانکہ یہ بھی سنت کی خلاف ورزی ہے۔

عقیقہ کا مستحب وقت

سنت یہی ہے کہ عقیقہ پیدائش کے ساتویں روز کیا جائے جیسا کہ گزشتہ روایات سے ثابت ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص ساتویں روز عقیقہ نہ کرسکتا ہو تو پھر جب استطاعت ہو عقیقہ کردیا جائے اس سلسلے میں حضرت بریدہ ؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ؐ نے عقیقہ کے جانور کے بارے میں فرمایا:

(۱) [ابوداؤد ایضا(۲۸۳۲) ترمذی (۱۵۱۶) نسائی (۴۲۱۷)]

(۲) [شرح معانی الآثار للطحاوی (ص۴۵۷ ج ۱)]

"تذبح لسبع او لاربع عشرة او لاحدی وعشرين "(۱)

''عقیقہ کا جانور ساتویں روز ذبح کیا جائے یا پھر چودھویں روز یا پھر اکیسویں روز''

اسی طرح کی روایت حاکم میں حضرت عائشہؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے (۲)

ان روایات کی بنیاد پر بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ اگر ساتویں روز عقیقہ نہ کیا جاسکے تو پھر چوہودیں روز یا اکیسویں روز عقیقہ کرلیا جائے لیکن اگر پھر بھی نہ کیا گیا تو عمر بھر میں جب موقع ملے عقیقہ کرلیا جائے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت

بچپن سے نوجوانی تک بچوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش کی ذمہ داری والدین پر ہے۔ جوانی کی عمر میں ان کے مناسب رشتے کرنا بھی والدین کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات واضح رہے کہ بچوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت میں غیر مساوی سلوک نہ کیا جائے بلکہ عرف کے مطابق دونوں کے حقوق پورے کیے جائیں۔ بچیوں کے ساتھ چونکہ ہمیشہ ناروا سلوک کیا جاتا رہا ہے اس لیے آنحضرتؐ نے ان کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے خصوصی ترغیب دلائی جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

۱۔ حضرت صعصعہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی اور اسکے ساتھ ان کی دو بیٹیاں تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس عورت کو تین کھجوریں دیں اس نے دونوں بچیوں کو ایک ایک کھجور دی پھر تیسری کھجور بھی آدھی آدھی کر کے دونوں بچیوں کو دے دی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی اکرمؐ آئے تو میں نے یہ بات آپؐ کو بتائی۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم اس عورت کے رویہ پر تعجب کررہی ہو؟ یہ عورت (اپنی بیٹیوں سے حسن سلوک کی) وجہ سے جنت میں داخل ہوگی۔ (۳)

(۱) [السنن الکبری للبیهقی (۹/۳۰۳)] اس روایت کو بعض اہل علم نے ضعیف جبکہ شیخ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (۴۰۱۱)] (۲) [مستدرک حاکم (۴/۲۳۸)]

(۳) [ابن ماجه الآداب باب برالوالدین والاحسان الی البنات (۳۶۶۸)]

۲۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا کہ

" من كان له ثلاث بنات فصبر عليهن واطعمهن وسقاهن وكساهن من جدته كن له حجابا من النار يوم القيامة"(۱)

''جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ صبر و شکر کے ساتھ انہیں کھلائے پلائے اور اپنی حیثیت کے مطابق انہیں لباس مہیا کرے تو وہ روز قیامت اس کے لئے آگ سے ڈھال بن جائیں گی۔''

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

" مامن رجل تدرك له ابنتان فيحسن اليهما ماصحبتاه او صحبهما الا ادخلتاه الجنة "(۲)

''جس شخص کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ جب تک ان کے پاس رہے ان کی اچھی تربیت کرے تو وہ بچیاں اسے جنت میں لے جانے کا ذریعہ بن جائیں گی۔''

۴۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم القيامة انا وهو وضم اصابعه "(۳)

''جس نے دو بچیوں کو پال پوس کر جوان کیا وہ اور میں روز قیامت اس طرح اکٹھے ہوں گے۔ (آپؐ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر فرمایا) جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں۔''

(۱) [ابن ماجه ایضا ۳٦٦۹] (۲) [ابن ماجه ایضا ۳٦٧٠]

(۳) [مسلم : كتاب البر والصلة باب فضل الاحسان الى البنات (۲٦۳٠)]

تربیت اولاد کے حوالہ سے ایک منتخب مضمون ✿

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ﴾ (سورۃ التحریم۔٦)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔''

ماں، باپ، استاد اور سوسائٹی کا ہر فرد اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے نسل انسانی کی تربیت کے بارے میں جواب دہ ہے، انہوں نے اگر اس کو حسن تربیت سے آراستہ کر دیا تو اس کی سعادت مندی کے ساتھ ان کو بھی دنیا اور آخرت میں سرخروئی حاصل ہو جائے گی اور اگر اس کی تربیت کے سلسلہ میں ذرا برابر بھی ان کی جانب سے کوتاہی کا ارتکاب ہوا تو نسل نو کی شقاوت و بدبختی کا بوجھ ان سب کی گردنوں پر ہوگا یہی وہ بات ہے جس کو حدیث شریف میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

'' كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته'' (متفق علیہ)

''تم میں سے ہر ایک کی رعیت ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارہ میں باز پرس ہوگی۔''

پس وہ شخص جس نے اپنے آپ کو دوسروں کی تعلیم و تربیت پر لگا رکھا ہے اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں بشارت وخوشخبری ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:

'' فوالله لان يهدى الله بك رجلا واحدا خير لك من حمر النعم ''

''اگر اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ایک آدمی کو بھی ہدایت سے نواز دے تو یہ تمہارے حق میں بہت سارے سرخ اونٹوں کے مالک بن جانے سے بھی بہتر ہے'' (رواہ البخاری ومسلم)

والدین کے لیے بھی آنحضرت ﷺ کی مندرجہ ذیل صحیح حدیث میں بشارت کی نوید آئی ہے:

[✿ ماخوذ از ''تربیت اولاد کے اسلامی اصول'' از محمد جمیل زینو (مترجم، حافظ خالد حیات محمود)]

" واذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاث: من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله" (رواہ مسلم)

"جب انسان کو موت آلیتی ہے تو ہر قسم کے عمل کا تعلق اس سے کٹ جاتا ہے مگر تین قسم کے اعمال ایسے ہیں جن سے اس کو برابر ثواب پہنچتا رہتا ہے اور وہ یہ ہیں: صدقہ جاریہ، اور وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعائے خیر کرتی ہے۔"

دوسروں کی تربیت کے فریضہ کو سرانجام دینے والوں کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اس اصلاحی کام کی ابتداء اپنے آپ سے کریں۔ اس لئے کہ بچوں کی نظر میں اچھائی صرف وہ ہے جس کو والدین اور اساتذہ سرانجام دیتے ہیں اور ہر وہ چیز ان کی نگاہ میں گھٹیا ہے جس کے ارتکاب سے وہ احتراز کرتے ہیں اور یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ استاد اور والدین کا بچوں کے سامنے اعلیٰ کردار پیش کرنا ان کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

بچوں کی تربیت کے ضمن میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

۱۔ بچے کو چھوٹی عمر میں ہی کلمہ "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" کی صحیح ادائیگی سکھانا اور جب عمر بڑی ہو جائے تو کلمہ کا یہ معنی اور مفہوم اس کے ذہن نشین کرانا کہ "اللہ کے سوا کائنات میں کوئی سچا معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"

۲۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ساتھ ایمان کے بیج کو بچپن ہی سے بچے کے دل میں بو دینا چاہیے اور اس کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو صرف اکیلا بغیر کسی معاون کے ہمیں پیدا کرنے والا ہے، ہمارا روزی رساں اور مشکلات دور کرنے والا ہے۔

۳۔ جنت کے حصول کے لئے بچوں کے دل میں شوق پیدا کرنا اور ان کو یہ بتانا کہ جنت صرف اس کو ملے گی جو نماز ادا کرے، روزہ رکھے اور اپنے والدین کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اور ہر وہ کام کرے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہوں اور اسی طرح ان

کے دلوں میں جہنم کی آگ کی ہولناکیوں اور وحشتوں کا خوف پیدا کرنا چاہیے اور یہ بات ان کے علم میں لانی چاہیے کہ جہنم میں وہ شخص ہی جھونکا جائے گا جو نماز کی ادائیگی سے غفلت کا شکار رہا۔ والدین کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو مال لیا۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر انسانوں کے وضع کردہ نظاموں سے رہنمائی حاصل کی اور دھوکا، جھوٹ، سود اور دیگر ناجائز ذرائع سے لوگوں کے مال کو ہڑپ کیا۔

۴۔ نبی اکرمؐ نے اپنے چچیرے بھائی کو تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

" واذا سالت فاسال الله ،و اذا استعنت فاستعن بالله" (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

"یعنی جب تمہیں کسی چیز کے متعلق سوال کرنا ہو تو صرف اللہ ہی سے سوال کرو اور اگر تمہیں مدد درکار ہو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرو۔"

اس مندرجہ بالا حدیث کے مطابق بچوں کو اس بات کی تعلیم دینی چاہیے کہ وہ اپنی ضروریات اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی پیش کریں اور مشکلات میں پھنس جانے کی صورت میں صرف اسی کے حضور اپنے ہاتھ پھیلائیں۔

نماز رقرآن کی تعلیم وتربیت

ا۔ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کے لئے نماز کی تعلیم وتربیت کی ابتداء بچپن ہی سے کر دینی چاہے تاکہ وہ بڑے ہونے تک نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے کے خوگر بن سکیں۔ اس بات کو نبی اکرمؐ نے ایک صحیح حدیث میں یوں ارشاد فرمایا:

" علموا اولادكم الصلاة اذا بلغو سبعا ،واضربوهم عليها اذابلغوا عشرا ،وفرقوا بينهم في المضاجع" (صحیح رواہ احمد)

"تمہارے بچے جب سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو نماز پڑھنا سکھاؤ اور دس سال کی عمر کو پہنچ کر اگر وہ نماز میں کوتاہی برتیں تو ان پر سختی کرو اور عمر کے اس حصے کو پہنچنے کے بعد ان کی خوابگاہیں (یعنی سونے کے بستر) الگ کردو۔"

اس سلسلہ میں والدین اور استاد محترم کو چاہیے کہ وہ بچوں کے سامنے وضو کر کے نماز ادا کریں تا کہ بچے ان کو دیکھ کر وضو کرنے اور نماز پڑھنے کے صحیح طریقہ سے واقف ہو سکیں۔ اس کے علاوہ والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کو اپنے ساتھ مسجد میں لے جایا کریں اور گھر میں احکامِ نماز پر مشتمل کوئی کتاب لا کر رکھیں جس کے پڑھنے کا برابر ان کو شوق دلاتے رہیں تا کہ اس ذریعہ سے گھر کے تمام افراد نماز کے احکام سے متعلق ضروری معلومات حاصل کر سکیں۔ اور یاد رکھیں کہ تعلیمِ نماز کے ضمن میں والدین یا استاد کی طرف سے جو بھی کوتاہی سرزد ہوگی اس سے متعلق ان کو بہر حال خدائے بزرگ و برتر کے ہاں جواب دینا ہوگا۔

۲۔ بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دینا بھی ضروری ہے چونکہ قرآن پاک کی تلاوت نماز میں کی جاتی ہے اس لئے ابتدا میں سورہ فاتحہ کے ساتھ چھوٹی چھوٹی سورتیں اور تشہد (التحیات للہ۔۔۔) بچوں کو زبانی یاد کرانا چاہیے بچوں کے لئے کسی ایسے ٹیوٹر کا اہتمام بھی کرنا چاہیے جس سے وہ تجوید، حفظ قرآن اور حدیث شریف کی تعلیم حاصل کر سکیں۔

۳۔ نماز جمعہ اور دوسری تمام نمازوں کو مسجد میں مردوں کی صف سے پچھلی صف میں کھڑے ہو کر ادا کرنے کا شوق بچوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہیے اور اگر کبھی کبھار ان سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو ڈانٹ ڈپٹ اور سختی کا مظاہرہ کر کے ان کو خوف زدہ کرنے کی بجائے نہایت شفقت و محبت کے ساتھ ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جانی چاہیے تا کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری سختی کے نتیجہ میں وہ سرے سے نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیں اور ہم الٹا گنہگار ٹھہریں۔ اگر ہم بچپن کے زمانہ میں (اپنے) کھیل کود کے شوق کو یاد کر لیا کریں تو ان بچوں کے عذر کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

۴۔ سات سال کی عمر سے ہی بچوں کو روزہ رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیے تا کہ جب وہ بلوغت کی عمر کو پہنچیں تو روزہ ان کی زندگی کا معمول بن چکا ہو۔

محرمات (حرام اشیاء) سے پرہیز کی تلقین

۱۔ بچوں کو کفر کے ارتکاب، گالی گلوچ لعن وطعن، بکواس اور فضول وگھٹیا قسم کی گفتگو کرنے سے خبردار کرتے رہنا چاہیے اور نہایت شفقت وپیار کے انداز میں ان کو یہ باور کرانا چاہیے کہ کفر کا راستہ انسان کے لئے تباہی وبربادی کا راستہ ہے، یہ اس کو جہنم تک پہنچا کر ہی دم لیتا ہے۔ ہم بڑوں کو بھی چاہیے کہ ہم ان کے سامنے اپنی زبان کا استعمال نہایت محتاط انداز سے کریں تاکہ ہماری شخصیت ان کے لئے ایک مثالی انسان کی حیثیت اختیار کر سکے۔

۲۔ ہر وہ کھیل جسے جوئے کی مختلف شکلوں میں کھیلا جاتا ہے اس کے انجام بد سے بچوں کو آگاہ کرنا چاہیے۔ خواہ یہ کھیل ''لاٹری'' کی شکل میں ہو یا ''کیرم بورڈ'' کی شکل میں اور چاہے یہ کھیل محض تفریح طبع اور وقت گذاری کے لئے ہی کیوں نہ کھیلا جارہا ہو اس لئے کہ ایسے کھیل کی ابتداء تو شاید دل بہلانے کی غرض سے ہو لیکن آخرکار یہ ان کو باقاعدہ شرمیں لگا کر جوا کھیلنے کی عادت بھی ڈال سکتا ہے اور جوا، ایسی بری چیز ہے جو آپس میں دشمنیوں کو جنم دیتا ہے اور انسانی زندگی کو تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کرتا ہے۔ مال اور وقت کے ضیاع کا باعث ہوتا ہے یہاں تک کہ نمازیں بھی اسی جوئے کی نذر ہو جاتی ہیں۔

۳۔ فحش جنسی لٹریچر اور جاسوسی ناولوں کے پڑھنے، عریاں تصاویر سے لطف اندوز ہونے سے بچوں کو روکنا چاہیے۔ یہی نہیں بلکہ ان کو ایسی اخلاق باختہ فلموں کو سینما گھروں میں جا کر یا ٹی وی پر دیکھنے سے بھی باز پرس کرنا چاہیے کیونکہ اس سے ان کے اخلاق پر منفی اثرات مرتب ہوں گے اور ان کا مستقبل تباہ وبرباد ہو جائے گا۔

۴۔ بچے کو تمباکو نوشی کے اثرات بد سے بھی آگاہ کرنا چاہیے اور یہ بات اس کو ذہن نشین کرانا چاہیے کہ دنیا بھر کے حکماء اور اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ تمباکو نوشی انسانی جسم کے لئے نقصان دہ ہے۔ اس عادت سے جسم کینسر جیسی مہلک بیماری سے دوچار ہوتا ہے۔

اس سے دانتوں کی بیماریاں بھی جنم لیتی ہیں اور ہروقت منہ سے بدبو اٹھتی رہتی ہے۔ تمباکونوشی کا سرے سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ یہ سراسر انسانی زندگی کے لئے نقصان ہی کا باعث بنتی ہے۔اس لئے اس کا استعمال کرنا اور بیچنا حرام ٹھہرتا ہے۔تمباکونوشی سے روکنے کے ساتھ ساتھ بچوں کو پھل فروٹ اور دیگر اچھی اچھی خوش ذائقہ اور مفید چیزیں استعمال کرنے کی ضرورت پر زور دینا چاہیے۔

۵۔ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم بچوں کو قولی و عملی اعتبار سے سچائی کا عادی بنائیں اوراس کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہنسی مذاق کے انداز میں بھی جھوٹ بولنے سے گریز کریں چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

" آیة المنافق ثلاث:اذا حدث کذب ،واذاوعد اخلف واذاأتمن خان"

''منافق کی تین علامتیں ہیں :بات کرے تو جھوٹ بولے ، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے،اورامانت میں خیانت کرے۔''(متفق علیہ)

۶۔رشوت،سود،چوری اور دھوکا دہی کے ذریعہ کمائے ہوئے حرام مال سے اپنی اولاد کا پیٹ بھرنے سے ہمیں ہرصورت میں احتراز کرنا چاہیے ایسی خوراک ان کی شقاوت وبد بختی کا باعث بنے گی اوران میں نافرمانی وسرکشی کے جراثیم کوجنم دے گی۔

۷۔کسی صورت میں بھی بچوں کے لئے اپنی زبان سے ان کے تباہ وبرباد ہونے یاغیظ وغضب کا نشانہ بننے کے لئے بددعا نہ کریں۔اس لئے کہ کوئی گھڑی ایسی بھی ہوتی ہے جس میں جوبھی دعا یا بددعا کی جاتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ فوراً قبول فرمالیتے ہیں۔اس کے علاوہ بسااوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس قسم کا رویہ بچوں کو مزید گمراہی وسرکشی کے رستہ پر دھکیل دیتا ہے۔بہتر یہ ہے کہ ہم ایسی صورت میں ان کے لئے بددعا کرنے کی بجائے ان کے حق میں یہ دعائیہ کلمات کہیں:

أَصْلَحَكَ اللّٰہ ''یعنی اللہ کرے تو راہ راست پر آجائے''

۸۔بچوں کو شرک باللہ کے مہلک اثرات سے بھی خبردار کرنا چاہیے اور ان کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر فوت شدہ لوگوں کے سامنے اپنی حاجات کے لئے التجائیں کرنا اور مشکلات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے کیونکہ وہ تمام لوگ جن کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے وہ محض اللہ کے بندے ہیں اور وہ نفع ونقصان کے قطعاً مالک نہیں ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ولا تدع من دون الله ما لا ينفعك ولا يضرك فان فعلت فانك اذامن الظالمين﴾

''اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو مت پکارو جو تجھے نہ فائدہ دے سکتی ہے نہ نقصان پہنچا سکتی ہے اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں (مشرکوں) میں سے ہوگا''۔(یونس/۱۰۶)

حجاب وستر پوشی کی تعلیم وتربیت

۱۔لڑکی کو بچپن ہی سے اپنے جسم کو ڈھانپ کر رکھنے کی تلقین کرنا ضروری ہے تاکہ بلوغت کی عمر کو پہنچنے تک وہ ساتر لباس پہننے کی عادی ہو چکی ہو۔والدین کو بھی چاہیے کہ ان کو چھوٹی عمر ہی سے تنگ ومختصر لباس پہنانے سے گریز کریں اور شرٹ/پتلون پر مشتمل لباس ان کو ہرگز لاکر نہ دیں۔اس لئے کہ ایسا لباس مردوں کے لباس سے ملتا جلتا ہے اور مزید برآں نوجوان طبقہ کے بگاڑ اور فساد کا بھی باعث بنتا ہے اور بچی جب سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو دوپٹہ یا رومال وغیرہ سے سر کو ڈھانپ کر رکھنے کی اسے تلقین کرنی چاہیے اور بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے فوراً بعد اپنے چہرے کو ڈھانپنے اور ایک ایسا سیاہ رنگ کا لمبا، کھلا اور ساتر قسم کا لباس (بڑی چادر یا برقعہ) زیب تن کرنے کے لئے کہا جائے جو اس کی شرافت کا نگہبان اور اس کی شرم وحیاء کا محافظ ہو۔اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم تمام مومن عورتوں کو حجاب کی پابندی اختیار کرنے کی دعوت ان الفاظ میں دے رہی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يا ايها النبي قل لازواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن ذلك ادنى ان يعرفن فلايؤذين﴾(سورۃ الاحزاب)

''اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو ڈال لیا کریں یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں ستایا نہ جاسکے۔''

اور اللہ تعالیٰ مومن عورتوں کو بے پردگی اور بے جا زیب وزینت اختیار کرنے سے روکتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى﴾ (سورۃ الاحزاب)

''سابقہ دور جاہلیت کی سج دھج کے ساتھ ظاہر نہ ہوں''

۲۔لڑکی ہو یا لڑکا ہر ایک کو اس بات کی تلقین کرنی چاہیے کہ وہ اپنی جنس کے لئے بنا ہوا خاص لباس ہی استعمال کرے تاکہ وہ دوسری جنس کے افراد کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے محفوظ رہ سکے اس کے علاوہ بچوں کو اس بات کی بھی ہدایت کرنی چاہیے کہ وہ غیر مسلم قوموں کے ایجاد کردہ تنگ پتلون اور ایسے لباس، یونیفارم اور ان اخلاق باختہ فیشنوں سے اپنے آپ کو بچائیں کیونکہ وہ لوگ جو اس قسم کے کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں ان کے لئے حدیث میں یہ سخت وعید آئی ہے:

" لعن النبیؐ المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال ولعن المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء'' (رواہ البخاری)

''نبی کریمؐ نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ایسی عورتوں پر بھی لعنت بھیجی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور آپ نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی سی حرکتیں کرتے ہیں اور ایسی عورتوں پر بھی لعنت فرمائی جو مردوں کے طور طریقے اختیار کرتی ہیں''۔

ایک اور حدیث میں آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

" من تشبه بقوم فهو منهم '' (صحیح رواہ ابوداؤد)

''یعنی جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی کا ایک فرد سمجھا جائے گا''

بچوں کو اخلاق و آداب سکھائیں

۱۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق ہمیں اپنے بچوں کو اس بات کا عادی بنانا چاہیے کہ وہ کسی چیز کو لینے، دینے، کھانے، پینے اور اسی طرح لکھتے اور مہمان کی میزبانی کے فرائض ادا کرتے وقت ہمیشہ اپنا دایاں ہاتھ استعمال کریں۔ اس کے علاوہ ان کو اس کی بھی ہدایت کرنی چاہیے کہ وہ ہر کام شروع کرتے وقت " بسم اللہ "ضرور پڑھا کریں اور خاص طور پر کھانا کھانے یا پانی وغیرہ پینے سے پہلے اس کا ضرور خیال رکھیں اور ان کو اس بات کی بھی تلقین کرنی چاہیے کہ وہ جب کھانا کھانے لگیں، تو بیٹھ کر کھائیں اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد " الحمد للہ "ضرور پڑھا کریں۔

۲۔ بچے کو نظافت و پاکیزگی کا عادی بنانا چاہیے اس کو بتایا جائے کہ وہ باقاعدگی سے اپنے ناخن اتارا کرے۔ کھانے کھانے سے پہلے اور اس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ہاتھوں کو اچھی طرح دھویا کرے۔ اس کے علاوہ اس کو استنجا کرنے کی تعلیم بھی دی جائے اور یہ بات اس کے علم میں لائی جائے کہ وہ جب قضاء حاجت سے فارغ ہو جائے تو ٹشو پیپر (Tissue paper) اور پانی سے اچھی طرح صفائی کرے۔ کیونکہ اس طرح اس کی نماز بھی درست ہوگی اور کپڑے بھی ناپاک ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

۳۔ ہمیں بچوں کو نصیحت بڑی نرمی کے ساتھ علیحدگی میں کرنی چاہیے اور کسی کوتاہی کی وجہ سے دوسروں کے سامنے ان کی سرزنش کر کے ان کو رسوا کرنے سے گریز کرنا چاہئے اور اگر کبھی کبھار وہ روکنے کے باوجود نافرمانی کے راستہ پر چلنے سے باز نہ آئیں تو ان کے ساتھ ناراضگی کے انداز میں تین دن تک گفتگو کرنا چھوڑ دیں اور یہ اس لئے کہ تین دن سے زیادہ ناراضگی شرعاً جائز نہیں ہے۔

۴۔ بچوں کو خاموشی کے ساتھ اذان سننے اور موذن کے ساتھ جواب میں انہی کلمات کو دہرانے کے لئے کہا جائے اور جب اذان ختم ہو جائے تو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کے بعد مندرجہ ذیل دعا پڑھنے کی ہدایت کی جائے:

" اللهم رب هذه الدعوة التامة ،والصلاة القائمة آت محمدا ن الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودان الذی وعدته..."(رواہ البخاری)

''اے اللہ! اس پوری پکار کے رب اور کھڑی ہونے والی نماز کے مالک حضرت محمد ﷺ کو مقام وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو (شفاعت کے) مقام محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔''

۵۔ اگر ممکن ہو تو ہمیں ہر بچے کے لئے علیحدہ بستر کا انتظام کرنا چاہئے ورنہ ہر ایک کے لئے کم از کم علیحدہ لحاف تو ضرور ہونا چاہئے اور اگر گھر میں لڑکوں اور لڑکیوں کے علیحدہ علیحدہ کمروں کا بندوبست ہو جائے تو یہ بہت ہی بہتر ہوگا، یہ طریق کار یقیناً ان کے اخلاق کی درستگی اور ان کی صحت کی حفاظت کا ضامن ہوگا۔

۶۔ بچے کو اس بات کی عادت ڈالی جائے کہ راستے میں کسی گندی چیز کے پھینکنے سے باز رہے بلکہ اگر وہاں کوئی ایسی چیز ہو تو اس کو ہٹا دیا کرے۔

۷۔ غلط کار دوستوں کی رفاقت کے بد اثرات سے بچوں کو آگاہ کیا جانا چاہئے اور بازار اور گلیوں میں فضول کھڑے رہنے سے ان کو روکا جائے اور اس کے لئے ان کی کڑی نگرانی ہونی چاہئے۔

۸۔ جب بھی بچوں کے ساتھ آپ کا آمنا سامنا ہو چاہے گھر کے اندر ہو یا سرراہ پر یا کلاس روم میں، تو آپ ان کو مندرجہ ذیل الفاظ میں سلام کہیں "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "یعنی تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی، اس کی رحمت اور اس کی برکات نازل ہوں۔

۹۔ بچے کو اس بات کی تلقین کرتے رہیں کہ وہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور اپنی کسی حرکت سے ان کا دل نہ دکھائے۔

۱۰۔ بچے کو ایسی عادت ڈالیں کہ وہ مہمان کی بھرپور عزت وتکریم کرے۔

فصل چہارم

ساس (سسرال) اور بہو کے حقوق وفرائض ✿

ساس بہوایک ایسی حقیقت ہے جس کے سنتے ہی ذہن میں ایسے دو کردار ابھرتے ہیں جن کی صنف ایک ہے۔فطرت ایک ہے۔خواہشات وجذبات ایک ہیں۔دونوں یکے بعد دیگرے یکساں حیثیت کی حامل بنتی ہیں۔پھر بھی دونوں میں کشمکش جاری رہتی ہے۔

آج سے نصف صدی قبل تک ساس کی اکثریت کو برتری حاصل تھی اور بہو ساس کے رحم وکرم پر ہوتی تھی.....جیسے ہی ایجادات سامنے آئیں،روشن خیالی کی ہوا چلی،نئی نسل میں بغاوت انگڑائیاں لینے لگی،ذرائع ابلاغ نے جدید دنیا کو ہر فرد کے سامنے ننگا کر کے رکھ دیا تو صورت حال یکسر بدل گئی۔معاشرتی اقدار اکھاڑ پچھاڑ کا شکار ہوگئیں۔اور اب جہاں جہاں روشن خیالی اور ترقی پسندی قدم جمارہی ہے؛بہو،ساس پر برتری حاصل کرتی جارہی ہے۔

✿ [ساس اور بہو کے درمیان جو آویزش ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔اسی آویزش کا نتیجہ ہے کہ گھروں میں آئے دن لڑائی جھگڑا اور تلخ کلامی ہوتی رہتی ہے،ایک طرف بہو اور دوسری طرف تمام سسرالی رشتہ دار ہوتے ہیں جبکہ شوہر درمیان میں معلق ہو کر رہ جاتا ہے۔اور اگر وہ کسی ایک طرف کی حمایت کرے تو دوسری طرف متاثر ہوتی ہے اور بالآخر بہت سے گھر برباد ہو کر رہ جاتے ہیں!۔۔۔ایسا کیوں ہوتا ہے،اس کا پس منظر اور وجوہات کیا ہیں،اس سلسلہ میں بہتری اور گھریلو امن وامان اور سکون کیسے ممکن ہے؟۔۔۔ان تمام پہلوؤں پر ہم از خود روشنی ڈالنے کی بجائے ایک ایسی مصنفہ کی تحریر پیش کررہے ہیں جو نہ صرف یہ کہ خود بھی بہو اور ساس کے مراحل سے گزری ہیں بلکہ وہ دین کی عالمہ اور ایک معروف عالم دین ومفسر قرآن جناب محمد عبدہ مرحوم کی دختر نیک ہونے کا شرف بھی رکھتی ہیں۔میری مراد محترمہ ام عبد منیب ہیں جنہوں نے شادی بیاہ،سسرال،میکہ،دیور،جیٹھ،بہنوئی،ساس،سسر،وغیرہ کے باہمی حقوق وفرائض سے متعلقہ موضوعات پر کئی ایک کتب تصنیف کی ہیں۔یہ فصل ان کی کتاب''ساس اور بہو''سے ماخوذ ہے۔۔۔(بشکریہ۔مصنف)]

وہ ساس کے بیٹے کو بڑی چابکدستی سے اپنی من چلی خواہشات کی ۔۔۔اڑن طشتری میں بٹھا کر۔۔۔ایسی دنیا میں چلی جاتی ہے جہاں بیٹا اور والدین ایک دوسرے کی خیر خبر بھی نہ سن سکیں ۔۔۔۔یہ تو تھیں دو انتہاؤں کی بات ۔۔۔ایک ہندوانہ تہذیب کی انتہا تھی تو دوسری یورپین معاشرے کی بے لگام آزادی۔۔۔اس مسئلے پر معتدل نقطہ نظر کیا ہے؟ یہ جواب ہمیں دین عدل یعنی اسلام ہی مہیا کرسکتا ہے جس کے پاکیزہ نظام معاشرت کا طرہ امتیاز ہی اخوت ، ہمدردی ، ایثار ، احسان ، اخلاص ، تحمل ، عفو ، حسن ظن ، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے شفقت ہے۔

ہمارا المیہ:

ہمارا خطہ برصغیر ہے، ہم اس میں بود و باش رکھتے ہیں ۔ ہم سے قبل یہاں ہندووانہ تہذیب رائج تھی ۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اسلامی تہذیب کے بنیادی اصول تو اسلام ہی سے لیے لیکن جزئیات میں ہندوستانی معاشرت اختیار کرلی ۔ ہم اس غلط فہمی میں رہے کہ جزئیات ترک کرنے سے دین کا کون سا کوئی عضو معطل ہو جائے گا۔ لہذا اب صورت یہ ہے کہ ہندو ، سکھ ، عیسائی ، یہودی غرض کوئی تہذیت ایسی نہیں جس کی رسومات ، رواج اور اقدار کو ہم نے گلے کا پھندانہ بنالیا ہو ۔ ہم بھول گئے کہ نسخہ تب شفا اثر ہوتا ہے جب مکمل استعمال کیا جائے اور معالج کی بتائی ہوئی احتیاط اور پرہیز پر بھی عمل کیا جائے ۔

ہم نے معاشرت کو اسلامی بنیادوں پر ضرور اٹھایا لیکن اس کی تعمیر میں خام مال اغیار کی معاشرت سے لے کر استعمال کیا۔ اب اگر یہ تہذیبی عمارت مطلوبہ فوائد نہیں دیتی تو قصور اسلام کا نہیں ہمارا ہے۔ جنہوں نے خام مال باہر سے برآمد کیا۔

غیر اسلامی معاشرت کو اپنانے سے ساس بہو بھی زد میں آگئیں ۔ نت نئے مسائل پیدا ہوئے ۔ لڑکی کے لیے پرایادھن کا تصور۔۔۔ساس ۔ بہو، نند بھابھی کا جھگڑا۔۔۔اور

بھاری بھر کم جہیز اس کا شاخسانہ ہیں۔لڑکی نے جب یہ سب کچھ دیکھا،محسوس کیا تو اس کا منفی اثر لیا۔اسے نکاح کے بعد ساس کے گھر جانا ہوتا ہے۔ جہاں اس کی نندیں، دیور، جیٹھ اور بعض حالات میں ان کی اولاد بھی ہوتی ہے۔ایسے میں ہر بیوی ایک شعوری یا لاشعوری طور پر مخالفانہ، جارحانہ یا مصالحانہ رویہ اختیار کرتی ہے۔مصالحانہ بہت کم ہوتا ہے۔مخالفانہ عموماً اور جارحانہ بھی ہوسکتا ہے۔ادھر ساس اپنی پسند کی بہو تلاش کرتی ہے، منگنی کے دورانیے میں اسے تحائف سے نوازتی رہتی ہے۔ بہت چاؤ سے اسے بیاہ کر لاتی ہے۔کچھ دنوں تک فضا میں ساس کی محبت کی گھلاوٹ رہتی ہے لیکن آہستہ آہستہ یہ زائل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔بہو کو ساس کا یہ رویہ بد دل کر دیتا ہے۔اگر بہو کا مزاج جارحانہ ہو تو وہ سسرال پر اپنا تسلط قائم کر لیتی ہے۔سمجھ دار ہو تو مصالحت کی راہ اختیار کرتی ہے۔کمزور طبیعت ہو تو ساس کی ماتحت اور خدمتگار بن کر گزر راہ کرتی ہے۔

بے شک گنے چنے گھرانے ایسے بھی ہیں جہاں سمجھ دار ساس بہو ہیں۔ دونوں میں بظاہر ہم آہنگی بھی ہوتی ہے اور تعاون و ہمدردی کی فضا بھی۔لیکن اکثر گھرانے اس سرد جنگ کی لپیٹ میں ہیں۔آغاز میں ساس بہو میں معمولی معمولی باتوں پر بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں ۔۔۔اکٹھے رہنے کی وجہ سے ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔آہستہ آہستہ حسد و رقابت، چغلی ،دھوکہ، جھوٹ ،غیبت ، بدتمیزی اور ٹوہ لگانے کی نوبت آجاتی ہے۔بیٹے کی ذات دفترِ شکایات بن جاتی ہے۔ وہ ماں کو خوش رکھے تو بیوی ناراض اور بیوی کو خوش رکھے تو ماں ناراض۔گھر میں جتنے افراد زیادہ ہوں چپقلش زیادہ بڑھتی ہے۔کیونکہ ان کا رویہ بھی ساتھ ساتھ کام کرتا ہے۔اس کشیدگی کی بو اہل محلّہ تک بھی پہنچ جاتی ہے۔بعض گھرانوں میں یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ اس چپقلش کا راز دوسروں پر نہ کھلے۔آخر کار بیوی الگ گھر کا مطالبہ کرتی ہے۔اگر وہ مطالبے میں شدت کے گر جانتی ہو تو بادل نخواستہ مان لیا جاتا ہے ورنہ کوئی توجہ نہیں دی جاتی ۔ بہو کو الگ گھر مل جائے تو جھگڑے کچھ کم ہو جاتے ہیں لیکن گزشتہ بدگمانیاں موجود رہتی ہیں لہذا مکمل طور پر دل صاف نہیں ہوتے۔

جھگڑے کا حل؛ تین تدابیر:

ا۔ رضائے الٰہی کا حصول: ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت ہے۔ ہر کام، ہر مرحلے اور ہر سانس پر اس کا یقین وایمان ہوتا ہے کہ وہ علیم وبصیر اللہ کے سامنے ہے، اس کی نیت اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اسے ایک روز اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور اپنے اچھے برے عمل کا حساب دینا ہے۔ یہ ایمان جتنا مضبوط ہوگا انسان دوسروں سے برتاؤ کرتے ہوئے اتنا ہی محتاط رہے گا۔ وہ کسی کی حق تلفی، ناانصافی، زیادتی، غیبت، بدخواہی، دل آزاری، دھوکہ دہی سے دور رہے گا۔ اس کی کوشش ہوگی کہ اسلامی اخلاق فاضلہ میں بہترین نمبر حاصل کرے۔

لہٰذا وہ غصہ کے بدلے محبت ۔۔۔۔ بے مروتی کے بدلے ایثار ۔۔۔۔ بخل کے بدلے سخاوت ۔۔۔۔ ظلم کے بدلے احسان ۔۔۔۔ سختی کے بدلے نرمی ۔۔۔۔ برائی کے بدلے اچھائی ۔۔۔۔ بدگوئی کے بدلے مسکراہٹ سے جواب دے گا۔ اپنی ضرورت پر دوسرے کی ضرورت ۔۔۔۔ اپنے سکھ پر دوسرے کے سکھ اور اپنی خواہش پر دوسرے کی خواہش کو ترجیح دے گا:

﴿ ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ﴾ (الحشر۔۹)

''اور اپنے مقابلے میں (دوسروں پر) ایثار کرتے ہیں اگر چہ وہ خود فاقے سے ہوں۔''

وہ اپنے حقوق سے دستبردار ہو کر صرف حقوق ادا کرنے میں منہمک رہے گا۔ وہ احسان اور ایثار کرے گا تا کہ حسنات اس کی سیئات کا کفارہ بن جائیں۔ اگر ہمارے معاشرے کے افراد رضائے الٰہی کے حصول میں معاون صفات، عفت، تحمل، صبر، عفو، امانت، سچائی، ایثار، خلوص، خیر خواہی، ہمدردی، تعاون، سخاوت اور اخوت کو اپنا لیں تو ساس بہو ہوں یا میاں بیوی ۔۔۔۔ بہن بھائی ہوں یا والدین اور اولاد ۔۔۔۔ استاد شاگرد ہو یا آجر اور

اجیر۔۔۔حکومت اور عوام ہوں یا شہری اور دیہاتی سب کے باہمی جھگڑے مٹ کر محبت، پیار اور اعتماد کی خوشبو دلوں میں سرایت کر جائے گی۔ان شاء اللہ!

۲۔ جو اپنے لیے وہی دوسروں کے لیے: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''کوئی بندہ اس وقت تک ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔'' (بخاری۔مسلم)

اگر ساس بہو صرف اس حدیث کو اپنی سوچ اور اعمال کی جان بنالیں تو جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں

۳۔ مشترکہ رہائش: مشترکہ رہائش کو ہمارے یہاں عرف کی حیثیت حاصل ہے یعنی ایسا طریقہ جو معاشرے میں شروع سے رائج ہو۔اگر اسلام کے مطلوبہ مقاصد پر اس سے کوئی زد نہ پڑتی ہو تو درست ورنہ ترک کر دینے کے لائق ہے۔

اسلامی معاشرت کا اصل مقصد افراد کو مالی، جسمانی، نفسیاتی، معاشرتی، طبی اور تعلیمی غرض ہر طرح کا انصاف مہیا کرنا ہے۔ یہ تبھی ہوسکتا ہے جب افراد میں حقوق کی ادائیگی ایثار، احسان، مروت، تحمل، عفو اور تقوی جیسی صفات موجود ہوں ۔مادی ذرائع یا انسانی تدابیر کو اسلامی حکام واخلاق کے نفاذ میں مددگار رہنا چاہیے ۔ہم آئے روز دیکھتے ہیں کہ ساس، بہو کے جھگڑے میں مشترکہ رہائش ایک اہم محرک ہے۔ جو جھوٹ، چغلی، غیبت، بدتمیزی، ناانصافی، بدگمانی، لالچ، بڑوں کی بے ادبی اور چھوٹوں پر بے رحمی کا سبب بنتا ہے۔ ساس بہو کے ہر جھگڑے کی تان یہیں آکر ٹوٹتی ہے کہ بہو الگ گھر چاہتی ہے۔ بہو کا یہ مطالبہ ناجائز بھی نہیں کیونکہ یہ اس کی فطرت میں شامل ہے کہ اس کے پاس ایک ایسا گھر ہو جس کی ترتیب وسجاوٹ اور حق ملکیت میں وہ خود مختار ہو۔اس لیے اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے۔قرآن حکیم میں ہے:

'' وقرن فی بیوتکن .... اور اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو''۔(الاحزاب۔۳۲)

یعنی ہر عورت اپنے ذاتی گھر میں سکون وآرام سے رہے۔(اسی طرح ارشاد باری ہے)

﴿ اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن ﴾

''اور اپنی حیثیت کے مطابق ان (بیویوں) کو اس جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو اور تم انہیں نقصان میں مبتلا نہ کرو تاکہ ان پر تنگی کا راستہ نکالو۔'' (الطلاق۔٦)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''عورت اپنے خاوند کے گھر والوں اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔'' (صحیح بخاری)

مسئول وہی ہوتا ہے جس کے پاس اختیار ہو۔ معلوم ہوا کہ عورت کے پاس گھر کا اختیار ہونا چاہئے۔ احادیث اور فقہ اسلامی کی تمام کتب عورت کے الگ گھر کے حق کو تسلیم کرتی ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام از سلطان احمد اصلاحی) مشترکہ رہائش میں عورت بہت سے اسلامی تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہتی ہے جب کہ اسے نفسیاتی طور پر بھی بہت سی الجھنیں پیش آتی ہیں مثلاً:

عورت پر مرد کا حق زوجیت ہے اور وہ دن یا رات جب چاہے عورت سے یہ حق وصول کر سکتا ہے لیکن اکٹھے رہنے سے یہ ناممکن ہے۔

عورت پر دیور، جیٹھ، نندوئی اور سسرال کی دیگر خواتین کے محرم افراد سے پردہ کرنا فرض ہے جو مشترکہ رہائش میں ممکن نہیں۔

عورت مرد کا مزاج سمجھنے اور اس کی موافقت و موانست کی پابند ہے کیونکہ یہ اس کی ازدواجی زندگی کے لیے ضروری ہے لیکن مشترکہ رہائش میں عورت کو دیگر سسرالی افراد کا مزاج سمجھ کر ان سے بھی نباہ کرنا پڑتا ہے، اس طرح مرد کی موافقت و موانست کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

مشترکہ رہائش میں دونوں کھل کر نہ لڑ سکتے ہیں نہ پیار کا اظہار کر سکتے ہیں۔ دونوں ناراض ہوں تو حسب پسند تدبیر سے ایک دوسرے کو منا نہیں سکتے۔ بعض اوقات نتیجہ طلاق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے

جبکہ دوسری طرف مشترکہ رہائش کے حق میں بہت سے دلائل دیئے جاتے ہیں مثلاً مل کر رہنے سے خاندان مربوط رہتا ہے، محبت بڑھتی ہے، خرچ کم ہوتا ہے، برکت ہوتی ہے، دکھ سکھ میں شرکت آتی ہے، ایک دوسرے کے لیے ایثار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ الگ الگ رہائش مغرب کی تقلید ہے۔ اس سے ہمارے یہاں مغرب کی طرح شیرازہ بکھر جائے گا۔ افراد میں خودغرضی، اور لالچ پیدا ہوگا۔ آیئے اب ان دلائل کی گہرائی میں جا کر ان کا جائزہ لیں۔

دراصل مغرب کا شیرازہ الگ الگ رہائش کی وجہ سے نہیں بلکہ مذہب سے نفرت، اللہ سے بے خوفی، اور نئی نسل کی بغاوت کی وجہ سے بکھرا ہے۔ شراب، موسیقی، جنسی لذت اندوزی اس معاشرے کی بدترین وبا ہے۔ اولاد والدین کو دقیانوسی سمجھتی ہے۔ بیوی مرد کی مداخلت کو بے جا جانتی ہے۔ مرد بیوی کو بوجھ تصور کرتا ہے۔ اولاد کو پیدا ہوتے ہی ''گٹروں'' میں پھینک دیا جاتا ہے۔ جب کہ اسلامی معاشرت میں والدین، اولاد، میاں بیوی اور اقرباء کے حقوق کا ایک مربوط ومضبوط نظام موجود ہے جسے تقوی اور آخرت میں جوابدہی کے احساس کی فصیل نے تحفظ دے رکھا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گھر بنانا مشکل اور مہنگا کام ہے جس ملک میں لوگوں کو دووقت کی روٹی میسر نہیں وہاں ہر فرد کو الگ الگ گھر کیسے میسر ہوسکتا ہے۔ بے شک یہ درست ہے جب تک ہمارا نظام معیشت سود کے چنگل میں پھنسا رہے گا۔ جب تک ہم مادی تہذیب کے 'غلام معاشرے' کے معیار زندگی کو پسند کرتے رہیں گے، کسی عیال دار شخص کو کبھی اپنی چھت نصیب نہ ہوگی۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا معیار اسوہ حسنہ ہونا چاہئے۔ دونوں جہان میں سب سے اعلی، افضل، اور ممیز ہستی کے گھر کا نقشہ ملاحظہ کیجئے۔ اس گھر میں ڈرائنگ روم، کامن روم، ڈریسنگ روم، ٹی وی لاؤنج، بیڈروم، اسٹور، گیراج کا نام تک نہیں ۔۔۔ صرف ایک کمرہ ہے جس کی دیواریں کچی، چھت کھجور کے تنوں کی اور دروازے کا ایک پٹ ہے جو عموماً لکڑی یا ٹاٹ کا ہے۔ (بخاری)

ہم نکاح میں منگنی ، مہندی ، مایوں ، برات ، جہیز ، بری ، وڈیو فلم ، شادی ہال ، بینڈ باجے ، زنگارنگ زیور، کثیر مہمانوں کی تواضع اور انتہائی مہنگے میک اپ پر لاکھوں روپیہ خرچ کر سکتے ہیں ، ادھار لے کر کریں یا جیب سے لیکن ہر میاں بیوی کی بنیادی ضرورت ۔ان کے حقوقِ سکونت ، مکان (نبوی معیار کا ہی سہی) پر خرچ کرتے ہوئے مہنگائی کا رونا روتے ہیں۔

اگر مشترکہ رہائش مزعومہ برکتوں اور خوبیوں کی حامل ہوتی اور الگ الگ رہائش میں واقعی نقصانات ہوتے تو قرآن وحدیث میں اس کے حق میں کوئی اشارہ ہوتا۔عہد رسالت اور عہد صحابہؓ میں اس کی کوئی مثال ملتی ۔اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہر زوجہ کو الگ گھر دیا۔اپنی بیٹی فاطمہ ؓ کا علیؓ سے نکاح کیا تو انہیں مستعار مکان لے کر دیا اگر مشترکہ طرز رہائش بہتر ہوتی تو آپ علیؓ و فاطمہ ؓ کو اپنے گھر رکھتے جب کہ آپؐ ان کے سرپرست بھی تھے ،مربی بھی ،مواخاتی اور چچیرے بھائی بھی۔

اصل مقصد

میرا مقصد الگ رہائش کو بنیاد بنا کر مزید جھگڑے پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت کا اظہار تھا۔مشترکہ یا الگ رہائش کا گناہ وثواب سے کوئی تعلق نہیں ،اصل مقصد اسلامی احکام وآداب اور اخلاق کا نفاذ ہے۔استیذان ،حجاب ،ستر ،زوجین میں اسلام کا مطلوب ازدواجی تعلق اور والدین اور اقربا کے حقوق کی ادائیگی ،زبان ونظر کی حفاظت ،بچوں کی تربیت ،معاشی تعلیمی حقوق میں مساوات الگ یا مشترکہ طرز رہائش ....جس کو جیسے آسان محسوس ہوا اختیار کرے ،یہ ہر گھرانے کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔سر دست ہمارے سامنے اس ساس بہو کا مسئلہ ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے مشترکہ رہائش رکھتی ہیں ، ایسے میں وہ کون سا رد یہ اپنائیں جس سے پھیلتے ہوئے جھگڑوں کو سمیٹا جا سکے۔ساس بہو کے مسئلے میں چار افراد اثر انداز ہو سکتے ہیں بہو کے والدین۔ساس سسر۔بیٹا۔بہو۔

سب کے لیے اصولی تعلیم:

رسول اللہ ﷺ نے ہر فرد کو اصولی تعلیم یہ دی ہے کہ تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہوگا۔ (صحیح مسلم) آیئے دیکھیں کہ اس تناظر میں کس کی کیا ذمہ داری ہے۔

بہو کے والدین:

اولاد کی دینی خطوط پر تربیت کرنا۔ اور ان کو قرآن وسنت کے مطابق علم مہیا کرنا، حقوق وفرائض، ایثار، مروت، باہمی احترام، صلہ رحمی، احسان، حسن سلوک اور حسن اخلاق کی اہمیت بتانا والدین کی ذمہ داری ہے۔ بچی کو نکاح سے قبل یہ باور کرانا کہ وہ پرائے گھر نہیں بلکہ اپنے گھر جا رہی ہے جہاں اس کا ہمدرد، ہم سفر، خاوند ہوگا جس کی اطاعت (جس میں اللہ کی معیصت نہ ہو) اس پر فرض ہے۔ خاوند کو اس کے اقربا سے مربوط رکھنا، اس کی سب سے بڑی خیر خواہی اور اس سے محبت کا مظہر ہے۔ ساس اور سسر بمنزلہ والدین ہیں جن کا احترام دلجوئی، خدمت، ایثار، احسان اور اخلاص کے ساتھ کرنا تمہارے خاوند کے لیے جنت کی ضمانت ہے۔ تم اس میں اس کی معاون بن کر خود بھی شریک جنت بننا۔ خاوند کے بہن بھائیوں کو اپنے بہن بھائیوں کی طرح سمجھنا تاکہ صلہ رحمی کا فریضہ ادا ہو سکے۔ والدین کو بحیثیت بہو اپنی بچی کو ویسی ہی تعلیم دینا چاہئے جس طرح کہ وہ خود اپنی بہو سے خواہش رکھتے ہیں۔

افسوس آج والدین نے اپنی اولاد کی دینی تربیت کا فریضہ فراموش کر دیا ہے۔۔۔ وہ اولاد کی دنیاوی تعلیم کے لیے وقت اور پیسہ بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں، اس کے لیے ہر قسم کی تکلیف اٹھانے کے لیے تیار ہیں لیکن دینی تعلیم زبانی کلامی سکھانے کا بھی فرض ادا نہیں کیا جاتا۔ مستزاد یہ کہ ٹی وی، وی سی آر، فلم، اخبارات، ڈائجسٹ، نئی نسل کو اخلاقی اقدار سے بیگانہ کرنے میں بھرپور کردار ادا کرتے ہیں۔ والدین کی غفلت کا عالم یہ ہے کہ وہ

یہ سب کچھ خود اپنی اولاد کو مہیا کر رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اولاد والدین کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتی، خود کو ان سے زیادہ عقل مند سمجھتی ہے۔ ان کے مشورے کو حقارت سے ٹھکرا دیتی ہے۔ انہیں بات بات پر جھڑک دینا ایک فیشن بن گیا ہے۔

اولاد جب والدین ہی کی فرمانبردار اور خدمت گزار نہیں رہی تو ساس کی خدمت گزار کیسے ہو سکتی ہے۔ کاش والدین اس مسئلے کی سنگینی کا احساس کریں اور بچوں کو اسلامی احکام و آداب سکھانے کو دنیاوی تعلیم پر ترجیح دیں۔ آج مادی سوچ نے اس قدر جکڑ لیا ہے کہ والدین رشتہ تلاش کرتے ہوئے لڑکے کی تعلیم، ملازمت پیشہ، ڈگری یافتہ، خوبصورت، جہیز سے لد پھند کر آنے والی بہو کے متلاشی ہوتے ہیں۔ جب انتخاب ہی مادیت کی عینک لگا کر کیا جائے تو پھر بہو یا داماد سے اخلاق اور تقوی کی آرزو، لاحاصل ہے۔

ہمارے یہاں ایک رجحان یہ بھی ہے کہ میکے والے داماد کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ بہت طاقتور ہیں، صاحب رسوخ ہیں، اگر ہماری بیٹی کے مزاج کے خلاف کوئی بات کی تو ہم اس کی پشت پناہی کے لیے موجود ہیں۔ بہو کو سسرال کے مقابل کھڑا کرنے میں یہ بھی ایک اہم محرک ہے جس کا سد باب ضروری ہے۔ لڑکی کو خاوند سے یا سسرال سے کوئی شکایت ہو تو والدین بیٹی کا دل ان کی طرف سے صاف کرنے کی کوشش کریں۔ ہمارے رسول ﷺ کا خود یہی طرز عمل تھا چنانچہ ایک بار حضرت فاطمہ ؓ حضرت علیؓ کی کوئی شکایت لے کر آئیں تو آپؐ نے انہیں سمجھایا اور اسی وقت واپس گھر بھیج دیا۔

ساس کی ذمہ داری:

ساس اور سسر اپنے بیٹے کے والدین ہیں اور اس کے حقوق ادا کرنے کے حوالے سے اللہ کے ہاں جوابدہ ہیں (بخاری) بیٹے کی تربیت دینی خطوط پر کرنا اور اسے والدین اور اقربا، بیوی، اور بچوں کے حقوق کی تعلیم دینا ان کا فرض ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''عورت سے نکاح کرنے کی رغبت عموماً چار چیزوں کی بنا پر ہوتی ہے دولت۔ خاندانی وجاہت۔ خوبصورتی۔ دینداری۔ تم دیندار عورتوں سے نکاح کرنے میں کامیاب ہو جاؤ (بخاری) یعنی صالح اور باحیا بیوی کا انتخاب کرو گے تو زندگی پرسکون رہے گی۔

بیٹا نکاح سے قبل والدین اور بہن بھائیوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ نکاح کے بعد فطری بات ہے کہ اس کی توجہ کافی حد تک بیوی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ بعض والدین سمجھتے ہیں کہ شاید بہو نے بیٹا ہم سے چھین لیا ہے لیکن ایک دانش مند ساس کبھی ایسا نہیں سمجھتی بلکہ وہ بیٹے اور بہو میں موانست دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرتی ہے۔ ساس ایک تجربہ کار عورت ہوتی ہے جس نے زمانے کے نشیب وفراز دیکھے ہوتے ہیں۔ خود بہو کی حیثیت سے گزر چکی ہوتی ہے، اسے خوب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نو بیاہتا بیوی کی کیا خواہشات ہوتی ہیں؟ مشکلات کیا ہوتی ہیں؟ والدین سے جدا ہونے سے اس پر کیا گذرتی ہے؟ خاوند کی محبت طلب نگاہوں کا جواب دینا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ ساس اگر اللہ سے ڈرنے والی اور اس کی رضامندی کا خیال رکھنے والی ہو تو وہ پورے خلوص سے بہو کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرتی ہے، اس کے جذبات کا پاس رکھتی ہے۔ ایک شفیق ماں کی طرح اس کی دلجوئی اور رہنمائی کرتی ہے، اس کی خامیوں اور کوتاہیوں سے صرف نظر کرتی ہے۔ اگر بہو سے سسرال کے بارے میں کوئی ناگوار بات سرزد ہو جائے تو اسے اس کی ناسمجھی کم عمری اور ناپختگی پر معمول کرتی ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ کم جہیز لانے یا نہ لانے کا مسئلہ ساس اٹھاتی ہے اور پھر خاوند اور دیگر سسرالی لوگ بھی ہمنوا بن جاتے ہیں۔ اور بہو بے چاری کو طعنے دے دے کر اس کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں لیکن اللہ سے ڈرنے والی ساس کبھی جہیز کا مطالبہ نہیں کرتی، اگر بہو کے میکے والے خوشی سے کچھ دینا بھی چاہیں تو شکریے کے ساتھ انکار کر دیتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ گھر اور گھر کی ضروریات مہیا کرنا لڑکے یا اس کے ورثاء کا کام ہے۔ وہ اپنے منصب

مسئولیت کے تقاضے جانتی ہے لہذا بہو کے والدین کی عزت کرتی ہے، اس کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیتی، اپنے دوسرے بیٹوں کے ذہن میں اس کے لیے تعظیم اور محبت پیدا کرتی ہے۔ وہ سسرالی مردوں کو یہ موقع نہیں دیتی کہ بہو سے بے تکلف ہوسکیں۔ اسے معلوم ہے کہ ان سے پردہ حجاب کا لازمی حصہ ہے۔ جس طرح وہ اپنی بیٹی کے عیب ظاہر نہیں کرتی اسی طرح بہو کے عیب بھی چھپا لیتی ہے۔

گھر کے دیگر افراد کے کام اس کے ذمے نہیں لگاتی۔ اپنے ذاتی کاموں کے لیے بھی سوائے اشد ضرورت کے اسے مجبور نہیں کرتی، وہ اپنے بیٹے پر تو یہ حق رکھتی ہے کہ اس سے اپنی اطاعت اور خدمت کرائے لیکن بہو کی حیثیت ثانوی ہے۔۔۔ وہ بیٹے پر تو اپنا تحکم اور رعب جما سکتی ہے لیکن بہو پر نہیں۔ اکثر ساس مائیں احتیاط نہیں کرتیں اور لاشعوری طور پر بیٹے کے سامنے ایسی باتیں کہہ جاتی ہیں جو اسے بیوی کے خلاف کر دیں۔ ایک عقل مند اور متقی ساس اس معاملے میں محتاط رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: **ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانت الی اھلھا** (نساء۔۸۵)

''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔''

ایک متقی اور فکر آخرت سے لبریز احساس والی ساس کو یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کہیں اس سے بہو کے معاملے میں کوئی ناانصافی نہ ہو جائے لہذا وہ بیٹے کی امانت (بیوی) کو مکمل طور پر اس کے حوالے کر دینے ہی میں عافیت سمجھتی ہے۔ پوتے پوتیوں کی اسلامی تربیت کے لیے بہو بیٹے سے تعاون کرتی ہے اور بیٹے کو اس کا احساس دلاتی رہتی ہے۔

بیٹے کی ذمہ داری:

اسلامی نظام معاشرت میں مرد قوام ہے اور عورت اس کی ماتحت۔ یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ مرد اپنے منصب کی وجہ سے بیوی کے ساتھ ناانصافی کرے، اسی لیے قرآن پاک اور

احادیث میں بیوی سے نرمی اور رفق کے ساتھ پیش آنے کی تاکید کی گئی ہے۔عورت کے حقوق کی ادائیگی اور اس کے مقابلے میں تحمل وعفو،اوراحسان کی تلقین ،مرد کو کی گئی ہے گو عورت کو بھی ہدایات دی گئی ہیں لیکن مرد کے مقابلے میں نسبتا کم اورنسوانی جذبات کو سامنے رکھتے ہوئے جامع الفاظ میں ۔مرد ایک بیٹا بھی ہےاور شوہر بھی۔

بحیثیت بیٹا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:''اور ہم نے اانسان کو اس کے والدین کے بارے میں وصیت کی کہ اس کی ماں نے اسے کمزوریوں میں اٹھایا ہے اور دوسال تک دودھ پلایا ہے۔میرااور والدین کاشکرادا کرو،تم کومیری طرف لوٹنا ہے۔''(لقمان۔۱۴)

نبی اکرمؐ نے فرمایا:'اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اورحق تلفی حرام کردی ہے'۔(بخاری)

لیکن بعض بیٹے خود والدین کی خدمت اور اطاعت کرنے کی بجائے بیوی سے کرواتے ہیں،اگر بیوی سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس پر بگڑ بیٹھتے ہیں بلکہ مارنے سے بھی گریز نہیں کرتے ۔مرد کے بہن بھائی کوئی کام کہیں اور بیوی نہ کرے تو اس پر بھی اس کی شامت آجاتی ہے لیکن جولوگ اسلامُ کے مطلوبہ بیٹے کی صفات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ والدین کی خدمت واطاعت کتنے بڑے اجر کا باعث ہےاوران کی نافرمانی و بے ادبی کتنابڑا اخسارا ہے۔

قطع نظراس کے کہ ان کی رہائش ساتھ ہے یا الگ۔۔۔۔۔۔وہ ہر حال میں ان کے خدمتگاررہتے ہیں۔انہیں خوب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں "ولا تـزر وازرة وزر أخـرى "(کوئی کسی دوسرے کابوجھ نہیں اٹھائے گا) کا اصول چلتا ہے۔والدین بیٹے کے ساتھ کتنا ہی تلخ لہجہ رکھیں ،کتنی ہی ڈانٹ پلائیں ،وہ بڑے ادب اورتحمل سے سنے ،نظروں میں اپنی زندگی کا وہ دور لائے جب وہ خود نہ کھاسکتا تھا،نہ پی سکتا تھا،نہ ہل جل سکتا تھا نہ

بات کرسکتا تھا، ایسے میں والدہ اور والد نے رات بھر جاگ کر اسے آرام پہنچانے کی کوشش کی۔اس کی بیماری میں اس کے لیے بے چین رہے، یہاں تک کہ وہ ایک طاقتور نوجوان بن گیا۔ایک سعادت مند بیٹے کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہوتا ہے:

''والد کے چلے جانے کے بعد اس کی بہتر فرمانبرداری یہ ہے کہ اس کا بیٹا اس کے دوستوں کے ساتھ تعلقات قائم کرے۔'' (مسلم)

لہٰذا وہ والدین کے دوست احباب کی بھی عزت واحترام کرتا ہے۔آج صورت حال یکسر بدل چکی ہے۔بعض بیٹے والدین سے باغی ہو چکے ہیں اور ان کی شکل تک دیکھنے کے روادار نہیں ۔انہیں کوٹھیوں کے پچھواڑوں اور چھتوں پر کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔بہو بیٹا دنیا کی رنگینیوں میں مست رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔ اس میں قصور والدین کا بھی ہے جنہوں نے مادی تہذیب کی چکاچوند میں ان کی پرورش کی۔انہیں قرآن وحدیث سے وابستہ کرنے کی بجائے ایسے تعلیمی اداروں کے حوالے کیا جو مذہب اور اخلاق سے بغاوت کا عملی اور نظری سبق سکھاتے ہیں۔۔۔۔بیٹے کو خود وڈیو گیمز، ٹی وی، وی سی آر لا کر دیا، اسے مخلوط تعلیم اور مخلوط معاشرے میں بے لگام چھوڑ دیا۔۔۔۔ایسا معاشرہ جس میں چاروں طرف حسن نسائی۔۔۔۔تصویر، موسیقی، بے حجابی اور خودنمائی کا میک اپ کرکے دندناتا پھر رہا ہے پھر بہو کی تلاش کی تو وہ بھی اسی مزاج کی۔اب اگر بیٹا بہو کا ہاتھ تھام کر والدین کو کس مپرسی کے سپرد کرکے چلتا بنے تو کچھ بعید نہیں!۔۔۔۔لہٰذا اپنے بچوں کی فکر کیجئے اور انہیں تباہی سے بچا لیجئے۔**قوا انفسکم واھلیکم نارا** (بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے) کا یہی تقاضا ہے۔

والدین کی جسمانی صحت یا مالی حالت کے مطابق خدمت واحسان میں فرق کیا جاسکتا ہے، جو والدین تندرست ہیں خود اپنا کام کرسکتے ہیں اور جو والدین کمزور بوڑھے بیمار ہوں، ان کی خدمت واحسان کی نوعیت اور ہوتی ہے بہرحال نوعیت کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف انداز اختیار کیے جاسکتے ہیں۔مقصد تو ان کی اطاعت اور خدمت ہے۔

بحیثیت شوہر:

مرد کا اولین فرض بیوی کو پرسکون ماحول مہیا کرنا ہے۔ اگر ہمارے یہاں جیسا کہ نظام معاشرت چل رہا ہے والدین کے ساتھ اسے رکھے تو بیوی کے حقوق کی خود نگرانی کرے۔ اگر وہ محسوس کرے کہ نند، دیور، جیٹھ کی خدمت کرنا۔۔۔۔۔ گھر کے دیگر کام، سلائی دھلائی، کھانا پکانا، صفائی مہمان نوازی۔۔۔۔۔ غرض کاموں کا بوجھ بیوی پر پڑھ رہا ہے تو اسے اہل خانہ سے خود بات کر کے کاموں میں توازن پیدا کرنا چاہئے۔ بیوی کی بیماری کی صورت میں اسے آرام کرانا مرد کا کام ہے، ایام ولادت اور حیض میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق نماز روزہ کا بوجھ بھی عورت پر نہیں ڈالا پھر یہ کتنی ناانصافی ہے کہ ان ایام میں بھی عورت کو اسی طرح کام میں مصروف رکھا جائے جیسے عام ایام میں رہتی ہے۔ عورت کا اپنا گھر ہو تو اس کی اپنی مرضی ہوتی ہے، سہولت سے جب چاہے کام کرے لیکن مل کر رہنے سے اپنی مرضی نہیں دوسروں کی مرضی کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے، صحت چاہے کیسی بھی ہو!

بیوی اگر بیماری کا ذکر کرے تو خاوند اسے بہانے بازی پر محمول کرنے کے بجائے اسے آرام پہنچائے۔ بیوی کے میکے آئیں تو ان کی مہمان نوازی اور دلجوئی کا خیال رکھے کیونکہ یہ اس کے سسرال اور اس کی بیوی اور بچوں کے اہل رحم ہیں۔ بیوی کو ترغیب دے کہ وہ نندوئی، دیور، جیٹھ، یا مرد کے دوسرے اقرباء سے پردہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''الحمو الموت / شوہر کے رشتہ دار موت کی طرح بچنے کی چیز ہیں'' (بخاری)

بیوی کی معاشی ضروریات کا خیال رکھے۔ اسے کچھ نہ کچھ رقم اس کی ذاتی ضروریات کے لیے دے تاکہ وہ حسب ضرورت خرچ کر سکے۔ بیوی اور بچوں کو اسلامی آداب و احکام پر عمل کی تلقین کرے، اگر ان میں کوئی خامی دیکھے تو اسے دور کرے۔ کیونکہ فرمان نبی ﷺ کے مطابق وہ ان کے بارے میں مسئول ہے۔ بیوی کو وقت مہیا کرے کہ وہ اپنے بچوں پر بھی

توجہ دے سکے۔عورت پر خاوند کی اطاعت اور بچوں کی جسمانی خدمت سے اولین فرض ہے۔بچوں کو ان کا یہ حق ملنا چاہیے۔اس کا تحفظ کرنا خاوند کا کام ہے۔حسب حالات بیوی کو میکے لے جانے کا اہتمام کرے۔مرد، زنِ مرید کے طعنے سے بچنے کی بجائے احادیث میں بیوی کے حقوق کا مطالعہ کرے اور اس کے حقوق بھی ادا کرے۔۔۔۔ساتھ ہی والدین اور بہن بھائیوں کے حقوق میں بھی کمی نہ کرے۔اسی طرح والدین کی اطاعت وخدمت کرے مگر بیوی کے حقوق پر بھی زد نہ پڑے۔

بہو کی ذمہ داری:

بہو کو سسرال کے ہاں اس احساس کے ساتھ قدم رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے زوج محترم کے گھر آ رہی ہے جو اس کی زندگی کا شریک و رفیق ہے۔جس کے بغیر اس کا وجود بے معنی ہے۔جس کے دم قدم سے اس کی تمناؤں کی دنیا پر رونق ہے لیکن وہ صرف اس کا ہی نہیں ماں کا بیٹا بھی ہے، نندوں کا بھائی بھی ہے۔بھائیوں کا ساتھی بھی ہے لہذا اسے اپنے حصے کا وقت خاوند سے وصول کر کے باقی وقت خوشدلی کے ساتھ والدین اور بہن بھائیوں کو دینا چاہیے۔بہو کو ساس کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے راتوں کو جاگ کر، تکلیفیں سہہ کر، گرم سرد موسم کے تھپیڑے کھا کر، بیٹے کو پالا پوسا، اللہ کے فضل سے جب وہ جوان ہوا، اسے بہو کے حوالے کر دیا۔نکاح کے بعد بہو کی سب سے بھاری ذمہ داری اپنے خاوند کی موافقت ہے۔ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اسماء بنت یزید السکن نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مرد جہاد کرتے ہیں، حج کرتے ہیں، ہم ان کے بچوں کی اور ان کے مال کی دیکھ بھال کرتی ہیں لیکن جہاد اور حج کے کار عظیم سے محروم رہتی ہیں۔آپ ؐ نے فرمایا مردوں کی موافقت کرنا ہی تمہارے لیے کار عظیم ہے۔(مسلم)

موافقت سے مراد مرد کی خوشی، پسند اور چاہت کو پیش نظر رکھنا اور اس کا احترام

کرنا ہے۔مرد پر بھاری ذمہ داری والدین کے حقوق کی ہے اوران میں سے بھی ماں کی تین گنا زیادہ۔بیوی کا فرض ہے کہ وہ اس ذمہ داری کی ادائیگی میں اپنے شوہر کا بھرپور تعاون کرے۔قرآنی تعلیمات سے واقف بہو جانتی ہے کہ

''شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے'' (مسلم) لہذا وہ خود کو اور خاوند کو ان کی نافرمانی سے بچائے رکھتی ہے، ساتھ رہے یا الگ بہر صورت ساس کا احترام اور خدمت ماں کی طرح کرتی ہے۔اگر ساس یا سسر عمر رسیدہ ہوں، معذور ہوں، بیمار ہوں، تو ان کے لیے خود کو، اپنے شوہر کو اور اپنے بچوں کو وقف کردیتی ہے، کیوں؟ یہ اس کے خاوند کے والدین ہیں جن کی خدمت کا صلہ جنت ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے آپؐ سے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں زندہ ہے اس نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپؐ نے فرمایا: تو پھر اسی سے چمٹے رہو جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔

اور قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿لاتقل لهما اف ولا تنهرهما﴾ (بنی اسرائیل۔۲۳)

''ان دونوں کو اف تک بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑک''

اس حکم میں وہ اپنے خاوند کے ساتھ ساتھ خود کو شریک سمجھتی ہے کیونکہ وہ اس کی شریک زندگی ہے وہ اپنی ساس کے مزاج کو نرم ہو یا ترش..... برداشت کرتی ہے۔اپنے کام اور اپنے بچوں کے کام اپنی ساس سے کبھی نہیں کرواتی، اسے معلوم ہے بڑوں کی خدمت کی جاتی ہے ان سے خدمت کروائی نہیں جاتی۔بعض بہوئیں خود ملازمت کرتی ہیں اور بچوں کو ساس کے پاس چھوڑ جاتی ہیں۔ساس بچے بھی سنبھالتی ہے اور گھر کے کام بھی کرتی ہے۔ایسا کرنا ساس کے ساتھ ناانصافی ہے بلکہ اپنے اور اپنے بچوں کے ساتھ بھی۔ساس جس کی عمر اور جسم آرام کے متقاضی ہیں بہو اسے تکلیف میں ڈال دیتی ہے۔بچے جن کا حق تھا کہ والدہ ان کی دیکھ بھال کرتی، مگر وہ انہیں، ان ہاتھوں کے سپرد کرکے دیتی ہے جن کا یہ ذمہ نہیں۔

اپنے آپ پر ظلم یہ ہے کہ عورت کا کام کمانا نہیں۔ اس کا فریضہ خاوند کی اطاعت بچوں کی تربیت اور گھر کی تنظیم و تدبیر ہے۔ بعض بہوئیں نوکری تو نہیں کرتیں لیکن سماجی کاموں کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہیں۔ اس طرح بچوں کا، میاں کا، اور گھر کے کاموں کا، بوجھ ساس پر آتا ہے، یہ بھی کھلی ناانصافی ہے۔ بعض بہوئیں گھر کے اندر رہتے ہوئے بھی اتنی آرام طلب ہوتی ہیں یا کم بیماری کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتی ہیں کہ دیکھنے والے کو خواہ مخواہ کہنا پڑے آپ آرام کیجئے، کام میں کر لیتی ہوں!

کچھ بہوئیں ایسی بھی ہیں جو ساس اور سسر کو گھر کے پچھواڑے یا چھت پر کس مپرسی کی حالت میں ڈال دیتی ہیں۔ خود میاں اور بچوں کے ساتھ ہنسی مذاق ہو رہا ہے۔ شاپنگ کی جارہی ہے۔ تقریبات میں حصہ لیا جارہا ہے اور ساس اور سسر سارا دن تنہا اپنی قسمت کو کوستے رہتے ہیں۔ ساس، سسر، دادا، دادی، نانی، چچا چچی والدین یا اپنے کسی بھی عمر رسیدہ رشتہ دار کو آخری ایام میں کس مپرسی کے حوالے کر دینا اس خطرے کی گھنٹی ہے کہ اللہ کا خوف دلوں سے اٹھ گیا ہے۔ اللہ کے عذاب کو خود دعوت دی جارہی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک!

لیکن ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہر اللہ سے ڈرنے والی بہو کے ذہن میں گونجتا ہے: ''جو ہمارے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں'' (سنن ترمذی)

احترام کے کیا تقاضے ہیں؟ بڑوں کی ہر بات کو توجہ سے سننا۔۔۔۔ جہاں تک ہو اسے ماننا۔۔۔ ان کو جسمانی سکون پہنچانا۔۔۔۔ ان کی مالی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرنا۔۔۔۔ ان سے ملاقات کے لیے آنے والوں کی مہمان نوازی کرنا۔۔۔۔ ان کی بیماری میں علاج کی ہر ممکن کوشش کرنا۔۔۔۔ جس خواہش کا اظہار کریں اسے پورا کرنے کی کوشش کرنا۔۔۔ ان کی ناگوار باتوں کو بھی خندہ پیشانی سے سننا۔۔۔۔ ان کی تیمارداری میں دن رات ایک کر دینا۔۔۔۔ ان کے وجود کو باعث برکت سمجھنا۔۔۔۔ اپنے رویے اور لہجے کو

ان کے سامنے نرم اور شیریں رکھنا۔۔۔ان کو تنہا چھوڑنے کے بجائے ان کے قریب رہ کر ان کی دلچسپی کی بات چیت یا کام کرنا۔۔۔ان کی پسند کو ترجیح دینا۔۔۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا میں اپنے آخری ایام میں اس طرح سکھ ملے گا جس طرح ان کو سکھ پہنچایا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر عظیم اس کے علاوہ ہے۔۔۔۔رحمۃ العالمین ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو چاہتا ہے کہ بڑھاپے میں اس کی تعظیم کی جائے اسے چاہیے کہ وہ عمر رسیدہ افراد کی تکریم کرے'' (سنن ترمذی)

اسلام حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے..حق مانگنے کی ترغیب نہیں دیتا۔ساس کا رویہ بالفرض اچھا نہ بھی رہا ہو تو اسے فراموش کر دیا جائے اور اپنا رویہ اہل ایمان کا سا رکھا جائے۔عہد رسالت ﷺ اور صحابہؓ کا عہد تو وہ تھا کہ حضرت عمرؓ اور صدیقؓ شہر کی ایک اپاہج بڑھیا کی خدمت کے لیے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہے۔ایک آج ہمارا دور ہے کہ بچے والدین کو ماں باپ کی حیثیت سے دوستوں کو ملوانا بھی پسند نہیں کرتے۔انا للہ و انا الیہ راجعون!

آج اکثر بہوئیں یہ کہتی سنائی دے رہی ہوں گی کہ بہو پر سسرال کا کوئی حق نہیں....حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلام ہی کے حوالے سے یہ کہا جا رہا ہے....دیکھئے ساس کے بہو پر....کتنے حق ہیں:

۱۔نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ''عورت مرد اور اس کے گھر کی نگران ہے اور اس کے بارے میں مسئول ہے۔'' (بخاری) گھر میں مرد ہی نہیں اس کے زیر کفالت افرد بھی شامل ہیں جن میں والدین سرفہرست ہیں اور والدین میں سے بھی والدہ کا سب سے پہلا حق ہے۔

۲۔قرآن پاک میں ارشاد ہے:'وآت ذالقربی حقہ' اور رشتہ داروں کے حق ادا کر۔(بنی اسرائیل/۲۶) ساس خاوند کی طرف سے بہو کے اولین قرابت داروں میں سے ہے!

۳۔رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ بھلا اللہ کا شکر کیسے ادا کرے گا؟ (مسند احمد/ترمذی) ساس کا بہو پر شکر ادا کرنا واجب ہے جو اسے اتنا مہربان

، ہمدرد، شریک زندگی دینے کا نہ صرف ذریعہ بنی بلکہ اپنی جوانی کے بہترین ایام اس کی تربیت میں گزار دیئے۔ پورے تیس ماہ تکلیف پر تکلیف سہ کر اسے چلنے پھرنے کے قابل بنایا۔ اگر ساس اور سسر الگ ہیں تو بہو کو چاہئے کہ ان کے بیٹے کو والدین کی خدمت کا احساس دلاتی رہے۔ خود بڑھ چڑھ کر ان کی خبر گیری کرے۔ ان کی مالی، جسمانی، زبانی اور عملی ہر طرح مدد کرے۔ اپنے بچوں کو ان کی خدمت اور اطاعت کا عملی درس دے، ان کی پسند کو مدنظر رکھ کر تحائف بھیجے۔ ان کے مزاج کو سامنے رکھ کر ایسا رویہ رکھے جس پر وہ خوش ہوں۔

بڑوں کا کام ہدایات دینا اور نصیحت کرنا ہے۔ نیک بہو اس پر قطعا برا نہیں مناتی۔ ان کے مشورے اور ہدایات شکریے کے ساتھ سنتی ہے۔ بڑے چاہتے ہیں کہ ان کی بڑائی تسلیم کی جائے، یہ ان کا حق ہے، لہذا بہو کو ان کے کام یا بات کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔

بعض نیک بخت بہوئیں ایسی بھی ہیں جنہوں نے الگ گھر یا الگ شہر میں رہتے ہوئے بھی سسرال سے رابطہ اس انداز سے رکھا گویا وہ انہی میں موجود ہیں۔ انہی کے گھر کا ایک فرد ہیں۔ اپنے بچوں کو اور خاوند کو سسرال سے دور رکھنے والے کام کرنا اور بات کرنا انتہائی بری حرکت ہے۔ اور قطع رحمی کے مترادف ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے عذاب الیم کی وعید سنائی ہے۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رحم رحمان سے (مشتق) ہے اس لیے رحیم اللہ نے رحم کو مخاطب کر کے فرمایا جس نے تجھ کو ملایا اس کو میں نے ملایا۔ جس نے تجھ کو کاٹا اس کو میں نے کاٹا۔'' بہو کو چاہئے کہ ان کے بیٹے کو دل کھول کر اس کے والدین اور بہن بھائیوں پر خرچ کرنے کی ترغیب دلائے۔ نبی کریمؐ نے یہ بھی فرمایا:

''جس کو پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور عمر میں برکت ہو، تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔'' (بخاری کتاب الادب) ساس سسر نند، دیور اور ان کے بچوں پر خرچ کرنا صلہ رحمی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ بہوئیں یہ سوچیں کہ والدین کی خدمت اور بیوی کے حقوق ادا کرنے، اور بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے وقت اور پیسہ کہاں سے آئے گا؟

درحقیقت ہم لوگ وقت ہو یا پیسہ، زبان ہو یا شغل سب میں اسراف کے عادی ہیں۔ اگر ہم اپنی مصروفیات کا جائزہ لیں کہ کون سے کام شرعاً کرنے ضروری ہیں اور کون سے غیر ضروری؟ کہاں پیسہ خرچ کرنا دین میں پسندیدہ ہے اور کہاں خرچ کرنا اسراف؟ مثلاً عورتوں کا شاپنگ کے لیے جانا۔ ملازمت کرنا۔ غیر ضروری جسمانی آرائش کرنا۔ گھریلو آرائش کرنا۔ غیر ضروری اشیاء کی خرید اور پھر ان کو سنبھالنے پر وقت خرچ کرنا۔ غیر ضروری تقریبات مثلاً سالگرہ، مینا بازار، مختلف قومی دن منانا، برسی منانا، عیدین کے علاوہ تہوار منانا، کرکٹ ہاکی شطرنج تاش جیسے کھیلوں میں دلچسپی لینا، ٹی وی، وی سی آر دیکھنا، ناول پڑھنا، افسانے ڈائجسٹ پڑھنا،۔۔۔۔ یہ سب غیر ضروری کام چھوڑ دیئے جائیں تو دیکھئے کتنا زیادہ وقت اور پیسہ بچتا ہے۔ اب یہی وقت اور پیسہ حقوق العباد پر خرچ کریں ۔۔۔۔ برکت و رحمت بادِ سحر کی طرح خوشبوئیں پھیلاتی ہمارے آنگن کا رخ کرے گی۔ ان شاء اللہ !!!

باب 5

حرام، فاسد اور باطل نکاح

- نکاح متعہ
- نکاح شِغار
- نکاح حلالہ

فصل اول

نکاح متعہ

متعہ کا لغوی معنی ہے فائدہ اٹھانا جبکہ اصطلاح فقہ میں متعہ کا معنی یہ ہے کہ ''ایک خاص مدت کے لیے کسی عورت سے باقاعدہ معاوضہ پر نکاح کرنا خواہ یہ مدت چند گھنٹے ہو یا چند دن اور مدت مقررہ کے بعد عورت کو چھوڑ دینا۔'' ابتدائے اسلام میں ایسے نکاح کی اجازت تھی اور یہ اجازت بھی شدید ضرورت کے ساتھ خاص تھی جیسا کہ امام حازمیؒ رقمطراز ہیں کہ

''متعہ کی حِلت صرف حالت سفر میں تھی اور ہمیں کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں یہ ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے لیے حالت حضر (اقامت) میں بھی متعہ کی اجازت دی ہو''!(۱)

جبکہ فتح مکہ کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے کلی وابدی طور پر متعہ کو حرام قرار دے دیا۔ اگرچہ بعض صحابہ کرامؓ کو متعہ کی حرمت کا علم نہ ہو سکا اور وہ اسے جائز سمجھتے رہے مگر جب حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں سختی کے ساتھ حرمت متعہ کے قانون پر عمل کرایا تو تمام صحابہ کرامؓ کو اس کی حرمت کا علم ہو گیا اور اس کے بعد کسی نے متعہ کو حلال نہ سمجھا۔

حرمت متعہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴾ (المومنون۔۵،۶)

''اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے جو ان کے قبضہ میں ہوں کیونکہ ان کے معاملہ میں ان پر کوئی ملامت نہیں''

---

(۱) [الاعتبار (ص۔۴۲۶)]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرمگاہ کا استعمال بیوی یا لونڈی کے علاوہ حرام اور موجب سزا ہے جبکہ زنِ متعہ نہ بیوی ہے نہ لونڈی بلکہ اس کی حیثیت ان دونوں کے سوا ایک کرائے کی عورت کی سی ہے جسے نان ونفقہ، میراث اور دیگر حقوق زوجیت حاصل نہیں ہوتے۔ اس لیے متعہ قرآن کی رو سے بھی حرام ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ

''متعہ ابتدائے اسلام میں جائز تھا یہاں تک کہ یہ آیت: **الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم** نازل ہوگئی (اور متعہ کو منسوخ قرار دے دیا گیا) پھر عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ

"**فکل فرج سواھما فھو حرام**"(۱)

''زوجہ اور مملوکہ کے علاوہ ہر طرح کی شرمگاہ سے استمتاع حرام ہے۔''

واضح رہے کہ شیعہ حضرات عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے یہ بات کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ نکاح متعہ کے جواز کے قائل تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابن عباسؓ کو پہلے حرمت متعہ کے حکم کا علم نہ تھا اور جب انہیں اس کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور حرمت متعہ کے قائل ہو گئے۔(۲)

۲۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر نکاح متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دے دیا۔(۳)

۳۔ حضرت سبرہ جہنیؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے (فتح مکہ کے موقع پر) فرمایا:

" **یایھا الناس انی قد کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء وان اللہ قد حرم ذلک الی یوم القیامۃ فمن کان عندہ منھن شیئا فلیخل سبیلہ ولا تاخذو امما آتیتموھن شیئا**"

---

(۱) [ترمذی: کتاب النکاح: باب ماجاء فی تحریم نکاح المتعۃ (۱۱۲۲)]

(۲) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر احکام القرآن لابی بکر حصاص (ص۵۱۲/ج۲)]

(۳) [بخاری: کتاب المغازی: باب غزوۃ خیبر (۴۲۱۶) مسلم: کتاب النکاح (۱۴۰۷) ترمذی (۱۱۲۱) نسائی (۲/۱۲۵) ابن ماجہ (۱۹۶۱) احمد (۱/۷۹) دارمی (۲/۱۴۰) حمیدی (۱/۲۲) الشافعی (۲/۱۴)]

"اے لوگو! میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی اور اب اللہ تعالیٰ نے متعہ کو قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا ہے لہذا جس نے کسی عورت سے نکاح متعہ کر رکھا ہو وہ اسے چھوڑ دے اور جو کچھ اس عورت کو دیا ہو وہ اسے معاف کر دے۔"(۱)

۴۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ، اور حضرت ابو بکرؓ، اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور تک مٹھی بھر آٹے اور کھجور کے بدلے متعہ کیا کرتے تھے حتی کہ حضرت عمرؓ نے ہمیں متعہ سے منع فرما دیا۔(۲)

۵۔ حضرت عمرؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں تین بار متعہ کی اجازت دی تھی پھر اسے حرام قرار دے دیا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی ایسے شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ متعہ کرتا ہے تو میں اسے بطور سزا رجم کر دوں گا بشرطیکہ وہ شادی شدہ ہو۔ (اگر کنوارہ ہو تو اس کی سزا ۸۰ کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے۔)(۳)

۶۔ امام جعفر بن محمدؒ سے متعہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

" ھی الزنا بعینه / یہ تو خالص زنا ہے۔"(٤)

❁ .... ❁ .... ❁

(۱) [مسلم: کتاب النکاح: باب نکاح المتعة...(۱٤۰٦) ابو داؤد (۲۰۷۲) ابن ماجه (۱۹٦۲) نسائی (۲/۱۲٦) مسند حمیدی (۲/۳۷٤) مسند شافعی (۲/۱٤) مسند احمد (۳/٤۰٤)]

(۲) [مسلم: ایضا (۱٤۰۵-۱٦)]

(۳) [ابن ماجه: کتاب النکاح: باب النهی عن نکاح المتعة (۱۹٦۳) امام بوصیریؒ نے اس روایت کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے: تلخیص الحبیر (۳/۳۲۰)]

(٤) [السنن الکبری للبیهقی (۲/۲۰۷)]

فصل دوم

نکاحِ حلالہ

اگر کوئی شخص وقفہ در وقفہ مختلف مجلسوں میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو ایسی عورت کے ساتھ اس کے خاوند کا دوبارہ رجوع یا نیا نکاح جائز نہیں۔ ماسوا اس صورت کے کہ تین طلاق یافتہ عورت کسی نئے شخص سے مستقل بنیادوں پر شادی کرے مگر اتفاقی طور پر وہ نیا شوہر بھی اسے طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائے تو اب اس عورت کا اپنے پہلے خاوند سے نکاح جائز ہے۔ جیسا کہ سورت البقرۃ کی آیت نمبر ۲۳۰ سے ثابت ہے۔ واضح رہے کہ یہ عمل اتفاقی ہے اس لیے اسے حلالہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ حلالہ یہ ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت کسی شخص سے اس عہد و نیت سے نکاح کرے کہ وہ ایک دو راتوں کے بعد اسے طلاق دے دے گا تا کہ وہ پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کے لیے حلال ہو سکے تو یہ حلالہ ہے۔

جیسا کہ لغتِ حدیث کی معروف کتاب النهاية في غريب الحديث میں ہے کہ

''حلالہ یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے پھر کوئی دوسرا آدمی اس عورت کے ساتھ اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ اس کے ساتھ جماع کرنے کے بعد اسے طلاق دے ڈالے گا تا کہ وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہو سکے۔''[1]

حلالہ ایک ملعون اور حرام فعل ہے جس کی اسلام میں کسی صورت بھی اجازت نہیں۔

حلالہ کی حرمت سے متعلقہ چند اہم روایات درج کی جاتی ہیں:

---

(۱) [النہایۃ (ص ۴۳۱ ج ۱) لغت کی دیگر معروف کتب مثلاً القاموس المحیط، المعجم الوسیط وغیرہ میں بھی حلالہ کی یہی تعریف ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔]

۱۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ

" لعن رسول الله المحلل والمحلل له "(۱)

"اللہ کے رسول ﷺ نے حلالہ کروانے اور حلالہ کرنیوالے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔"

واضح رہے کہ جس کام پر لعنت کی وعید ہو وہ کبیرہ گناہوں میں شامل ہوتا ہے۔

۲۔حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت علیؓ دونوں ہی فرماتے ہیں کہ

"ان رسول الله لعن المحل والمحلل له "(۲)

"بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ نے حلالہ کرنے اور حلالہ کروانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔"

۳۔حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" الا اخبركم بالتيس المستعار ؟قالو بلى يارسول الله !قال هو المحل (المحلل)لعن الله المحل والمحلل له "(۳)

"کیا میں تمہیں ادھار سانڈ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: کیوں نہیں ضرور بتائیں! آپؐ نے فرمایا کہ ادھار سانڈ وہ شخص ہے جو حلالہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے اور کروانے والے پر لعنت کی ہے۔"

۴۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حلالہ کرنے اور حلالہ کروانے والے دونوں پر لعنت کی ہے۔(۴)

۵۔ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور ایک ایسے آدمی کے بارے میں اس نے

---

(۱) [ترمذی : كتاب النكاح :باب ماجاء فی المحل (۱۱۲۰) ابو داؤد (۲۰۷۶۔ ۲۰۷۷) نسائی (۶/۱۴۹) احمد (۱/۴۴۸) دارمی (۲/۱۵۸) بیهقی (۷/۲۰۸)]

(۲) [ترمذی ایضا (۱۱۱۹) ابن ماجه (۱۹۳۵)]

(۳) [ابن ماجه : كتاب النكاح :باب المحلل والمحلل له (۱۹۳۲) دارقطنی (۳/۲۵۱) بیهقی (۷/۲۰۸) حاکم (۲/۱۹۹) امام حاکم اور حافظ ذہبی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے]

(۴) [ابن ماجه ایضا (۱۹۳۴)]

پوچھا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس (طلاق دینے والے) کے بھائی نے اس کے مشورے کے بغیر اس عورت سے اس نیت سے نکاح کر لیا کہ وہ اس عورت کو اپنے بھائی کے لیے حلال کر سکے تو کیا اس طرح یہ عورت (دوبارہ) پہلے کے لیے حلال ہو سکتی ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا:

"لا، الا بنكاح رغبة كنا نعد هذا سفاحا على عهد رسول الله"[1]

"یہ صرف نکاحِ رغبت (یعنی مستقل بسانے کی نیت سے کیے جانے والے نکاح) کے بعد (دی جانیوالی طلاق سے) ہی حلال ہو سکتی ہے ورنہ نہیں بلکہ (صرف حلالے کی نیت سے کیے جانے والے) اس نکاح کو ہم اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں بدکاری (زنا) شمار کیا کرتے تھے۔"

۶۔ حضرت عثمانؓ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے حلالے کی نیت سے نکاح کیا تھا تو آپؓ نے ان دونوں کے درمیان جدائی کروا دی اور فرمایا:

"لا ترجع اليه الا بنكاح رغبة غير دلسة"[2]

"یہ عورت حلالہ کے ذریعے پہلے خاوند کی طرف نہیں لوٹ سکتی بلکہ ایسے نکاح کے (بعد طلاق کے) ذریعے لوٹ سکتی ہے جو رغبت (بسانے کی نیت) سے کیا گیا ہو نہ کہ دھوکہ دہی کی نیت سے۔ [یعنی دھوکہ دہی اس طرح کہ پہلے ہی طلاق کی شرط یا نیت موجود ہو تا کہ عورت اس نکاح (حلالہ) کے بعد دوبارہ پہلے کے لیے حلال ہو سکے]

۷۔ حضرت قبیصہ بن جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے کہ میں نے اس وقت آپؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

"والله لا اوتى بمحل ولا محلل له الا رجمتهما"

---

(۱) [مستدرك حاكم (۲/۱۹۹) بيهقى (۷/۲۰۸) تلخيص الحبير (۳/۱۷۱) طبرانی اوسط (۲۳۶۷) مجمع الزوائد (۳/۲۷۰) امام ہیثمیؒ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔]

(۲) [بيهقى: كتاب النكاح (۷/۲۰۸، ۲۰۹) المحلى (۱۱/۲۳۰)]

''اللہ کی قسم! میرے پاس اگر ایسا شخص لایا گیا جس نے حلالہ کیا یا حلالہ کروایا تو میں ان دونوں کو سنگسار (قتل) کردوں گا۔''[1]

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ

" لایزالان زانیین وان مکثا عشرین سنة اذاعلم انه یریدان یحلها"[2]

''حلالہ کی نیت سے نکاح کرنے والے زانی ہیں خواہ وہ بیس ۲۰ سال اکٹھے رہیں۔ (وہ زنا ہی کرتے رہیں گے)''

۹۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں کیا اب کوئی شخص اس عورت سے حلالہ کی نیت سے نکاح کرسکتا ہے؟ تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے دھوکے کی کوشش کرے گا اللہ تعالی اسے دھوکے میں مبتلا کر کے چھوڑیں گے''[3]

یعنی آپ نے حلالے کو اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کے مترادف قرار دیا۔

۱۰۔ حضرت قتادہؒ، حضرت حسن بصریؒ اور ابراھیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ

" ان نوی واحد من الناکح اوالمنکح اوالمرأة التحلیل فلا یصلح فان طلقها فلا تحل للذی طلقها ویفرق بینهما اذاکان نکاحه علی وجه التحلیل "[4]

''نکاح کرنے والے، نکاح کروانے والے اور جس عورت سے نکاح کیا جارہا ہے، اگر ان

---

(۱) [مصنف عبدالرزاق: کتاب النکاح :باب التحلیل (۶/۲۶۵)سنن سعید بن منصور (۲/۴۹)بیهقی (۷/۲۰۸)]

(۲) [حاکم :کتاب الطلاق :باب لعن الله المحلل والمهلل له (۲/۱۹۹)بیهقی (۷/۲۰۸)المحلی لابن حزم (۱۱/۲۳۰)]

(۳) [السنن الکبری للبیهقی : کتاب الخلع والطلاق:باب من جعل الثلاث واحدة وما..... (۷/۳۳۷)سنن سعید بن منصور: کتاب الطلاق :باب التعدی فی الطلاق (۱/۲۶۲)]

(٤) [المحلی لابن حزم : کتاب الطلاق :باب صفة طلاق السنة (۱۱/۲۳۱)]

تینوں میں کسی ایک کی نیت حلالے کی ہو تو ایسا نکاح درست نہیں ہوگا بلکہ ان میں تفریق کرا دی جائے گی اور اگر ایسا نکاح (حلالہ) کرنیوالا اس عورت کو طلاق دے تو تب بھی وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی بشرطیکہ وہ نکاح حلالے کی نیت سے کیا گیا ہو۔''

مذکورہ بالا احادیث اور آثار صحابہ ؓ سے حلالے کی حرمت یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے لیکن بعض فقہا کا کہنا ہے کہ حلالہ فی الواقع تو حرام اور باعث گناہ ہے مگر حلالے کے ذریعے مطلقہ ثلاثہ اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ضرور ہو جائے گی۔ البتہ حلالہ کرنے اور کرانے والے کو گناہ ہوگا۔ دور حاضر میں بھی انہی فقہا کے اقوال کی روشنی میں بعض اہل علم اس حیلے کو استعمال کرتے ہوئے نہ صرف حلالے کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں بلکہ اس قبیح فعل کو انجام دینے کے لیے اپنی خدمات بھی پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ ؓ میں اس ملعون فعل کی کوئی مثال نہیں ملتی بلکہ عمر فاروق ؓ تو یہاں تک کہا کرتے تھے کہ حلالہ کرنے اور کروانے والوں کو میں سنگسار کر دوں گا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ حلالے کی حرمت سے متعلقہ قرآن و سنت کے واضح نصوص اور دلائل کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف حیلوں، بہانوں اور مشکوک راستوں سے اجتناب کریں۔

حلالے سے بچنے کا طریقہ

ہمارے ہاں حلالے کی ضرورت کا سوال اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے بعض علما ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دے دیتے ہیں حالانکہ ایک مجلس میں اگر ہزار مرتبہ بھی طلاق طلاق.... کہہ دیا جائے تو اس سے صرف ایک ہی طلاق رجعی پڑتی ہے نا کہ تین مگر فقہائے احناف کے ہاں چونکہ ایک ہی مجلس کی تین طلاقیں حتمی طور پر تین مؤثر طلاقیں شمار ہوتی ہیں جس سے عورت ہمیشہ کے لیے جدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے تین طلاقیں دینے والے کو بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو حنفی علما کے پاس اس کا حل سوائے حلالے کے

اور کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر مرد غیرت مند ہو اور اپنی مطلقہ بیوی کا حلالہ کروانے کے لئے تیار نہ ہو تو پھر اسے مشورہ دیا جاتا ہے کہ اھل الحدیث' علما کے فتویٰ کے مطابق یہ ایک ہی طلاق ہے لہذا ان سے فتوی لے کر بیوی سے رجوع کرلو۔

سچی بات یہ ہے کہ قرآن وسنت کے واضح دلائل کی رو سے ایک مجلس کی تین طلاقیں صرف ایک ہی طلاق شمار ہوتی ہے اور اہل الحدیث کا موقف ہی اقرب الی السنۃ ہے۔ لہذا اس پر اگر بلا تعصب عمل کیا جائے تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ پھر حلالے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ ان شاءاللہ!

فصل سوم

نکاح شغار یعنی وٹہ سٹہ کی شادی

نکاح شغار کی حرمت پر کئی ایک احادیث مروی ہیں مگر نکاح شغار اور اس کی حدود وشروط میں چونکہ فقہا کا اختلاف ہے اس لیے پہلے ہم اس کی حدود وشروط پر بحث کریں گے اور پھر آخر میں اس کی حرمت پر مبنی احادیث ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ

نکاح شغار جسے وٹہ سٹہ کی شادی بھی کہا جاتا ہے، سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح دوسرے شخص سے اس شرط پر کرے کہ وہ شخص بھی اس کے بدلے میں اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کرے گا یا کوئی شخص کسی کی بیٹی کو اس شرط پر اپنی بہو بنائے کہ وہ بھی اس کے بدلے اس کی بیٹی کو اپنی بہو بنائے گا۔ البتہ بعض روایات میں شغار کی تعریف کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ دونوں طرف سے حق مہر نہ دینے کا معاہدہ بھی اس میں کیا گیا ہو مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ

" ان رسول اللہ ﷺ نهى عن الشغار والشغار ان يزوج الرجل ابنته على ان يزوج آخر ابنته ليس بينهما صداق "(۱)

" اللہ کے رسول ﷺ نے نکاح شغار سے منع فرمایا اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دیتا ہوں بشرطیکہ تم بھی اپنی بیٹی میرے نکاح میں دے دو اور دونوں طرف سے کوئی مہر بھی مقرر نہ کیا جائے۔ "

مذکورہ روایت میں دو باتیں قابل غور ہیں:

---

(۱) [بخاری : کتاب النکاح :باب الشغار (۵۱۱۲) مسلم کتاب النکاح (۱٤۱۵)]

۱۔ایک تو یہ بات جو فقہا کے مابین باعثِ نزاع ہے، کہ اس تبادلے کے نکاح میں حق مہر مقرر نہ کرنے کی قید حقیقی ولازمی ہے یا اتفاقی اور اضافی۔ اگر تو یہ حقیقی ہے پھر اس سے لازم آئے گا کہ تبادلے کا نکاح صرف اسی وقت حرام ہے جب حق مہر مقرر نہ کیا جائے اور اگر اس میں دونوں طرف سے حق مہر بھی ہو تو پھر تبادلے (وٹہ سٹہ) کا نکاح جائز ہوگا۔ اور اگر یہ قید اتفاقی واضافی ہے تو پھر تبادلے کا نکاح حرام ہے خواہ مہر مقرر کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ تعریف خود آنحضرت ﷺ کی بیان کردہ ہے یا کسی راوی (صحابی ، تابعی وغیرہ) کی؟

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں تمام فقہا کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اگر تبادلے کے نکاح (یعنی نکاح شغار) میں مہر مقرر نہ کیا جائے بلکہ اس کی جگہ تبادلے کی شرط مقرر کی گئی ہو تو پھر ایسا نکاح سراسر حرام ہے۔ البتہ اس بات میں فقہا کا اختلاف ہے کہ اگر تبادلے کے نکاح میں حق مہر بھی مقرر کر لیا جائے یا بعد از نکاح اس کی ادائیگی کر دی جائے تو پھر ایسا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ امام مالک ،اور ابن حزم وغیرہ کے ہاں ایسا نکاح دخول سے پہلے اور دخول کے بعد بھی حرام ہے جبکہ دیگر فقہا (مثلاً شوافع ،حنفیہ اور حنابلہ وغیرہ) کے نزدیک مہر مثل مقرر کر لینے کی وجہ سے ایسا نکاح جائز ہو جائے گا۔[(۱)]

سببِ اختلاف

ابن رشد قرطبی مذکورہ مسئلہ میں فقہا کا سبب اختلاف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

''فقہا کے اس اختلاف کے بنیادی وجہ یہ ہے کہ جن روایات میں نکاح شغار سے منع کیا گیا ہے، آیا اس ممانعت کی علت یہ تھی کہ ایسے نکاح میں دونوں طرف سے مہر مقرر نہیں کیا جاتا یا اس ممانعت کی یہ علت نہیں (بلکہ مطلق تبادلۂ نکاح کی شرط کی وجہ ہی سے اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے) اگر ہم یہ کہیں کہ مہر نہ ہونے کی کوئی علت نہیں تو پھر علی الاطلاق ایسا نکاح فسخ ہوگا اور اگر یہ علت تسلیم کریں تو پھر مہر مثل ادا کر دینے سے ایسا نکاح درست ہو جائے گا۔'' (بدایۃ ۔ ایضا)

(۱) [ملاحظہ ہو: بدایۃ المجتہد (۲/۹۶) المغنی لابن قدامہ (۱۰/۴۵) المحلی (۹/۱۲۲)]

راجح پہلو

ہماری رائے یہ ہے کہ نکاح شغار میں مہر مقرر کیا جائے یا ختم، بہر دو صورت یہ نکاح ممنوع ہے اس لیے کہ مہر کی شرط اضافی ہے حقیقی نہیں ۔ اور دونوں طرف سے رشتہ لینے اور رشتہ دینے کی جو شرط طے ہو رہی ہے، اسی شرط کی بنا پر شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

اس رائے کی سب سے مضبوط دلیل عبدالرحمٰن بن ہرمز سے مروی یہ روایت ہے کہ

''عباس بن عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی بیٹی (تبادلۂ نکاح کی شرط پر) عبدالرحمٰن بن حکم کے نکاح میں دی اور عبدالرحمٰن بن حکم نے اس کے بدلے اپنی بیٹی عباس بن عبداللہ سے بیاہ دی۔ اس تبادلے کے نکاح پر دونوں طرف سے حق مہر بھی مقرر کیا گیا تھا مگر حضرت معاویہؓ (کو جب اس نکاح شغار کا علم ہوا تو انہوں) نے (گورنر مدینہ) مروان بن حکم کو خط لکھ کر حکم دیا کہ ان دونوں کے نکاحوں میں جدائی کرا دی جائے اور اپنے خط میں لکھا کہ

" هذا الشغار الذي نهى عنه رسول الله "

''یہی تو وہ نکاحِ شغار ہے جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔''[1]

اس صحیح واقعہ (روایت) سے معلوم ہوا کہ نکاح شغار میں اصل چیز تبادلۂ نکاح کی شرط ہے نا کہ حق مہر کا خاتمہ۔ کیونکہ مذکورہ بالا نکاح میں دونوں طرف سے مہر بھی مقرر کیا گیا تھا مگر اس کے باوجود حضرت معاویہؓ نے اس نکاح کو ''شغار'' قرار دے کر فسخ کرا دیا۔ پھر ابن حزم کے بقول:

" فهذا معاوية بحضرة الصحابة لايعرف له منهم مخالف .... "[2]

''حضرت معاویہؓ نے دیگر صحابہ کی موجودگی میں اس نکاح کو فسخ کروایا مگر کسی بھی صحابی نے ان

---

(۱) [ابو داؤد : كتاب النكاح :باب في الشغار (۲۰۷۵) احمد (۹۴/۴) بيهقي (۲۰۰/۷) ابن حبان (۱۲۶۸)]

(۲) [المحلى (۱۲۲/۹)]

کے اس اقدام پر مخالفت نہ کی۔ حالانکہ دونوں نکاح کرنیوالوں نے مہر بھی مقرر کیا تھا مگر حضرت معاویہؓ نے اس کے باوجود یہی کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے (تبادلے کی شرط والے) نکاح سے منع کیا ہے۔ لہذا اس واقعہ سے تمام اشکال واعتراضات رفع ہو جاتے ہیں''

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے کہا ہے:

'' نكاح الشغار مفسوخ ولا يحل وان جعل لهما صداقا وهو قول الشافعي واحمد اسحاق ''(۱)

''نکاح شغار حلال نہیں، خواہ اس میں دونوں طرف سے مہر بھی کیوں نہ مقرر کیا جائے اور اگر کوئی کرلے تو اسے فسخ کروایا جائے گا۔ امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا یہی موقف ہے''

گزشتہ سطور میں اشارہ کردہ دوسری اہم اور قابل غور بات یہ تھی کہ شغار کی وہ تعریف جس میں مہر کی قید اتفاقی تھی اور اس کی وجہ سے فقہا میں اختلاف پیدا ہوا، وہ خود آنحضرتؐ کی بیان کردہ بھی تھی یا نہیں؟ اس سلسلے میں امام شافعیؒ کا قول تو یہ ہے کہ

''مجھے معلوم نہیں کہ شغار کی یہ تعریف خود آنحضرتؐ کی بیان کردہ ہے یا ابن عمرؓ کی یا نافعؒ کی یا امام مالکؒ کی؟''(۲)

گویا اس تعریف میں اختلاف ہے تاہم اس مسئلہ میں راقم الحروف کو راجح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ تعریف حضرت نافعؒ (تابعی) کی ہے کیونکہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں صراحت ہے کہ امام نافع سے شغار کی تعریف پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ

''شغار یہ ہے کہ آدمی کا اپنی بیٹی یا بہن کو بغیر حق مہر کے دوسرے شخص کے نکاح میں دینا، اس شرط پر کہ وہ بھی اپنی بیٹی یا بہن اس کے بدلے میں اس کے نکاح میں دے گا''(۳)

---

(۱) [ترمذی : کتاب النکاح باب ما جاء فی النهی عن نکاح الشغار]

(۲) [المعرفة للبيهقي (۵/۳۳۸)]

(۳) [بخاری : کتاب الحیل :باب الحیلة فی النکاح (۶۹۶۰)]

علاوہ ازیں اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں اللہ کے رسول ﷺ سے شغار کی تعریف حق مہر کی قید کے بغیر بھی منقول ہے [۱] اس لیے مہر کی قید اگر مرفوع روایت کا حصہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی یہ اضافی قید ہے جیسا کہ حضرت معاویہ ؓ کے واقعہ سے اس کی صاف وضاحت ہو رہی ہے۔

نکاح شغار حرام ہے!

معلوم ہوا کہ نکاح شغار میں مہر کی شرط ہو یا نہ ہو بہر دو صورت یہ نکاح حرام ہے اور اس کی حرمت کی بنیادی وجہ تبادلۂ نکاح کی شرط ہے۔ اب ہم نکاح شغار کی حرمت سے متعلقہ چند صحیح احادیث ذیل میں درج کرتے ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ

" ان رسول اللہ ﷺ نهى عن الشغار "[۲]

"اللہ کے رسول ﷺ نے نکاح شغار سے منع فرمایا"

۲۔ حضرت ابو ھریرۃؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے نکاح شغار سے منع فرمایا اور (ابن نمیر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ) شغار یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کردو، اس کے بدلے میں اپنی بیٹی کا نکاح میں تم سے کردوں گا۔ یا وہ یہ کہے کہ تم اپنی بہن کا نکاح مجھ سے کردو اور میں اپنی بہن کا نکاح تم سے کردوں گا۔"[۳]

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

(۱) [دیکھئے: صحیح مسلم (۱٤۱٦)] (۲) [بخاری: کتاب النکاح: باب الشغار (۵۱۱۲) مسلم (۱٤۱۵) موطا (۲/۵۳۵) احمد (۲/٦۲) ابوداود (۲۰۷٤) ترمذی (۱۱۲٤) ابن ماجه (۱۸۸۳) نسائی (۳۳۳۷)]

(۳) [مسلم: کتاب النکاح: باب تحریم نکاح الشغار وبطلانه (۱٤۱٦) مسند احمد (۲/٤۳۹) ابن ماجه (۱۸۸٤) نسائی (۳۳۳۸) بیهقی (۷/۲۰۰)]

" لا شغار فی الاسلام "/اسلام میں شغار (یعنی وٹہ سٹہ اور تبادلے کا مشروط نکاح) جائز نہیں"۔(۱)

واضح رہے کہ اس روایت میں لائے نفی جنس ہے اس لیے عربی قواعد کی رو سے حدیث نبوی کا منشا بھی یہی ہے کہ ہر طرح کا نکاحِ شغار حرام ہے خواہ مہر مقرر کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

ایک مستثنیٰ صورت

نکاح شغار کی حرمت کی بنیادی وجہ چونکہ تبادلۂ نکاح کی شرط ہے اس لیے اگر کوئی شخص اپنی بہن، بیٹی یا زیر ولایت لڑکی کا نکاح کسی دوسرے سے کر دے اور اس سے اپنے لیے رشتہ لینے کی کوئی شرط بھی نہ لگائے مگر بعد میں دوسرا آدمی اسی پہلے آدمی کو از خود رشتہ دینے کے لیے تیار ہو جائے تو یہ شغار (وٹہ سٹہ) میں شامل نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی ممانعت کہیں احادیث میں وارد ہوئی ہے اس لیے یہ نکاح جائز ہے۔ اس کی مزید تفصیل درج ذیل سوال کے جواب سے ہوتی ہے جو فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب (شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ) سے کسی سائل نے کیا کہ

''صورت احوال یہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک اہل الحدیث لڑکے کی شادی ہوئی۔ تین سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد لڑکے والوں کے ہاں ان کی بہن دینی تعلیم پڑھ کر فارغ ہوئی۔ اب ان کا خیال ہوا کہ جس گھر میں ہم نے اپنے بیٹے کی شادی کی ان کے ہاں ایک لڑکا ہے جو کہ نیک سیرت وصورت اور عالم باعمل ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہی لڑکے والے جس سے انہوں نے پہلے لڑکی لی۔ اب اپنی بیٹی کی شادی وہاں کر سکتے ہیں کہ نہیں۔ اگر کر لیتے ہیں تو آیا یہ نکاح شغار میں تو شمار نہیں ہوگا؟ حالانکہ ۳ تین سال پہلے شادی کے موقع پر اس موضوع پر گفتگو نہ ہوئی تھی کہ اگر تم اپنی بچی دو گے تو ہم پھر اپنی بچی تم کو دیں گے یا پھر اسکے الٹا (ہوگا)'' جزاکم اللہ احسن الجزاء

حافظ صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

''صورت مسئولہ نکاح شغار کی صورت نہیں ہے۔''(۲)

---

(۱) [مسلم(۱٤۱۵) احمد (۲/۳۵، ۹۱)(٤/٤٤۳) ترمذی (۱۱۲۳) نسائی (۳۳۳۸) ابن ماجہ (۱۸۸۵)] (۲) [احکام و مسائل ـ از عبد المنان نور پوری حصہ اول (ص ۳۰۸)]

باب 6

طلاق اور عدت سے متعلقہ مسائل و احکام

- طلاق کی شرعی حیثیت، طریقہ کار اور متعلقہ مسائل
- جبر و اکراہ اور نشہ و جنون کی حالت میں طلاق؟
- تحریری اور ٹیلی فونک طلاق کی شرعی حیثیت؟
- والدین کے حکم پر بیوی کو طلاق دینے کی شرعی حیثیت
- عدت سے متعلقہ ضروری احکام و مسائل
- سوگ سے متعلقہ ضروری احکام و مسائل
- جس عورت کا خاوند گم ہو جائے اسکے لئے شرعی احکام!

فصل اول

طلاق کی شرعی حیثیت، طریقہ کار اور متعلقہ مسائل

بلا وجہ طلاق دینے کی کراہت اور اس سے بچاؤ کی تلقین

نکاح دراصل میاں بیوی کے درمیان وفاداری اور محبت کے ساتھ زندگی گزارنے کا ایک عہدو پیمان ہوتا ہے۔ نیز نسل نو کی تربیت کی ذمہ داری بھی نکاح کے ذریعہ میاں بیوی دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن اگر نکاح کے بعد میاں بیوی دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں ہی یہ محسوس کریں کہ ان کی ازدواجی زندگی سکون واطمینان کے ساتھ بسر نہیں ہوسکتی اور ایک دوسرے سے جدائی کے بغیر کوئی چارہ نہیں تو اسلام انہیں ایسی بے سکونی و بے اطمینانی اور نفرت کی زندگی گزارنے پر بھی مجبور نہیں کرتا بلکہ مرد کو طلاق اور عورت کو خلع کا حق دے کر ایک دوسرے سے جدائی اختیار کر لینے کی اجازت دیتا ہے تا کہ دونوں اپنے لیے کوئی اور مناسب شریک حیات تلاش کر کے پُر اطمینان زندگی بسر کر سکیں۔

اس سلسلے میں حضرت لقیط بن صبرہؓ کی یہ روایت بڑی اہم ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے اپنی بیوی کی بداخلاقی و بدزبانی کا شکوہ کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایسی عورت کو طلاق دے دو۔ اس پر حضرت لقیطؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا، اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اس سے بڑی محبت ہے اور اس سے میری اولاد بھی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر اسے وعظ و نصیحت کرو اگر اس میں خیر و بھلائی ہوئی تو وہ تمہاری بات مانے گی۔ (۱)

واضح رہے کہ بعض مذاہب بالخصوص ہندومت میں شادی کے بعد طلاق کا سوال ہی نہیں۔ مرد وزن میں سے کوئی ایک دوسرے کے لیے انتہائی ناپسند، ظالم، بدتر، بدصورت،

(۱) [ابو داؤد : کتاب الطهارة :باب فی الاستنشار (۱٤۲) احمد (٤/۲۱۱)]

بدزبان، و بداخلاق وغیرہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، اس سے جدائی اور خلاصی کی کوئی واضح راہ ہندو مت میں موجود نہیں ہے۔ (۱)

جبکہ اسلام کا یہ احسان ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی ایک معقول عذر کی وجہ سے دوسرے سے جدائی اختیار کرنا چاہے تو طلاق و خلع کی شکل میں اس کا راستہ موجود ہے۔ البتہ اس کے ساتھ بلاوجہ اور بغیر عذر کے طلاق یا خلع کو بھی اسلام سخت ناپسند کرتا ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے

۱۔ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" ایما امرأة سألت زوجها طلاقا من غير باس فحرام عليها رائحة الجنة "

''جس عورت نے اپنے شوہر سے بلاوجہ طلاق مانگی اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے'' (۲)

۲۔ حضرت ثوبانؓ ہی سے مروی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" ايما امرأة اختلعت من زوجها من غير باس لم ترح رائحة الجنة " (۳)

''جس عورت نے اپنے خاوند سے بلاوجہ خلع لیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گی۔''

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" ان اعظم الذنوب عند الله رجل تزوج امرأة فلماقضى حاجته منها طلقها وذهب بمهرها " (٤)

''اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ گناہ بہت بڑا ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر جب اپنی ضرورت (شہوت) اس سے پوری کر لے تو اسے طلاق دے دے اور اس کا مہر بھی ادا نہ کرے۔''

---

(۱) [دیکھیے: لرتھ ستاسترص ۳٤۲ مطبوعه مسجد نورانی ، پی ای سی ایچ ایس ، کراچی]

(۲) [ترمذی : كتاب الطلاق :باب ماجاء فی المختلعات (١١٨٧) ابو داؤد (٢٢٢٦) ابن ماجه (٢٠٥٥) دارمی (٢/١٦٢) ابن حبان (٤١٨٤)]

(۳) [ترمذی ایضا(١١٨٦)]

(٤) [السلسلة الصحيحة (٩٩٩) حاكم (٢/١٨٢) امام حاکم، ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔]

طلاق کا شرعی طریقہ

اگر عورت کو طلاق دے کر جدا کرنا ضروری ہو جائے تو اس کا یہ طریقہ نہیں کہ بلا سوچے سمجھے فوراً طلاق دے دی جائے بلکہ خوب غور وفکر کے بعد دو عادل گواہوں کی موجودگی میں عورت کو اس وقت طلاق دی جائے جب وہ حیض سے پاک ہو کر حالت طہر میں چلی جائے اور اس حالت طہر میں عورت سے مباشرت بھی نہ کی جائے۔ یا پھر عورت کو اس وقت طلاق دی جائے جب کہ وہ حالت حمل میں ہو۔ البتہ حالت حیض میں یا حالت طہر میں جماع کے بعد طلاق دینا غیر مسنون طریقہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔ ان کے والد حضرت عمرؓ نے یہ بات آنحضرتؐ کے سامنے بیان کی تو آپؐ نے فرمایا کہ عبداللہ سے کہو کہ

" فليراجعها ثم ليطلقها طاهرا أو حاملا "(1)

''وہ رجوع کرلے اور پھر (اگر طلاق دینا چاہے تو) اسے حالت طہر یا حالت حمل میں طلاق دے''

ایک روایت میں ہے کہ

" وان شاء طلق قبل ان يمس "(2)

''پھر اگر حالت طہر میں وہ اسے طلاق دینا چاہتا ہو تو مجامعت کئے بغیر طلاق دے دے۔''

واضح رہے کہ طلاق یا رجوع کے موقع پر دو عادل گواہوں کی موجودگی سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ۲ سے ثابت ہے تاہم گواہوں کی موجودگی کے بغیر بھی طلاق ہو جاتی ہے البتہ ان کی موجودگی مبنی بر احتیاط ہے۔ اسی طرح اگر طلاق کی نیت سے لفظ طلاق کی جگہ کوئی اور لفظ بولے جائیں (مثلاً: میرے گھر سے نکل جا، میں تمہیں رکھنا نہیں چاہتا،) تو اس طرح کہنے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اسلئے غصے میں بھی اس طرح کے الفاظ سے اجتناب کریں۔

---

(۱) [مسلم: کتاب الطلاق: باب تحریم طلاق الحائض ...(۱۴۷۱-۳۶۵۹) ابو داؤد (۲۲۸۳) ابن ماجه (۲۰۱۶) نسائی (۶/۲۱۳) دارمی (۲/۱۶۰)]

(۲) [بخاری: کتاب الطلاق: باب قول الله تعالیٰ یایها النبی اذا طلقتم النساء ...(۵۲۵۱)]

طلاق دینے کے بعد مرد کا اپنی مطلقہ بیوی سے ازدواجی تعلق حرام ہو جاتا ہے تاوقتیکہ اس سے رجوع یا عدت کے بعد نکاح ثانی نہ کر لیا جائے۔اور یاد رہے کہ پہلی اور دوسری طلاق (رجعی) کے بعد عدت کے دوران متعلقہ بیوی کی رہائش اور نان ونفقہ طلاق دینے والے خاوند ہی کے ذمہ ہے۔البتہ تیسری طلاق کے بعد عورت کی رہائش اور نان ونفقہ صرف اس وقت خاوند کے ذمہ ہوگا جب عورت حاملہ ہو ورنہ نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ (الطلاق ۱۔۲)

”اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے لئے طلاق دیا کرو اور عدت کے زمانے کا ٹھیک حساب رکھا کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے (عدت میں) انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کسی صریح برائی کی مرتکب ہوں۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص حدود الٰہی سے تجاوز کرے تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا (اے مخاطب) تو نہیں جانتا شاید اللہ اس کے بعد موافقت کی صورت پیدا کر دے۔ پھر جب یہ (مطلقہ) عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں معروف قاعدہ کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے دو یا پھر دستور کے مطابق الگ کر دو اور آپس میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ بنالو“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ طلاق کے بعد عورت طلاق دینے والے خاوند ہی کے گھر میں عدت گزارے گی اور دوران عدت نان ونفقہ خاوند ہی کے ذمہ واجب ہوگا۔اس کی حکمت یہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ جب خاوند کے قریب رہ کر عدت گزارے گی تو ممکن ہے کہ خاوند کا دل نرم ہو جائے اور اس میں رجوع کرنے کی رغبت پیدا ہو جائے۔ بالخصوص اگر اس

عورت سے بچے بھی ہوں تو پھر رجوع کا امکان زیادہ قوی ہے۔لیکن افسوس! ہمارے ہاں طلاق کے فورا بعد یا تو خاوند ہی مطلقہ کو دھکے دے کر نکال دیتا ہے یا لڑکی والے اسے اپنے گھر لے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ایک طرف قرآنی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور دوسری طرف کشیدگی بڑھ جانے کی وجہ سے رجوع کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے۔

البتہ تیسری طلاق کے بعد عورت کی رہائش اور نان ونفقہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں کیونکہ اب خاوند کو اس عورت سے رجوع یا نکاح کا اختیار باقی نہیں رہتا۔لہذا ایسی عورت کو طلاق کے فورا بعد خاوند سے جدا کر دیا جائے گا۔جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کے متعلق مروی ہے کہ ان کے خاوند نے انہیں تین طلاقیں دے دیں تو نبی اکرمؐ نے ان کے بارے میں فرمایا:

" لا نفقة لک ولا سکنی "

''تیرے لیے اب نہ نان ونفقہ ہے اور نہ رہائش''(1)

البتہ اگر تیسری طلاق کے وقت عورت حاملہ ہو تو پھر وضع حمل تک اس کی رہائش اور نان ونفقہ کی ذمہ داری بدستور خاوند پر عائد ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے

﴿ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق۔٦)

''اگر وہ (مطلقہ عورتیں) حمل سے ہوں تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو تو جائے انہیں خرچ دیتے رہو''

اسی طرح حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے متعلقہ حدیث ہی میں ہے کہ جب ان کے خاوند نے انہیں آخری (تیسری) طلاق دے دی تو حارث بن ھشام اور عیاش بن ابی ربیعہ سے اس کے خاوند نے کہا کہ اس (مطلقہ) کو نان ونفقہ مہیا کر دیں۔تو وہ کہنے لگے کہ اس کا نان ونفقہ آپ کے ذمہ نہیں ہے الا یہ کہ یہ حاملہ ہوتی۔(تو پھر اس کا نان ونفقہ وضع حمل تک آپ کے ذمہ ہوتا) چنانچہ وہ عورت (یعنی فاطمہ) نبی اکرمؐ کے پاس آئی اور حارث اور عیاش

(۱) [مسلم: ۱٤٨٠) ابوداود (٢٢٨٤) ترمذی (۱۱۳۵) ابن ماجه (٢٠٣٥) نسائی (٦/٧٥) احمد (٦/٤١٢) ابن حبان (٤٢٩١)]

کی یہی بات اس نے آنحضرتؐ کے سامنے بیان کی۔ آپؐ نے بھی (ان کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ تجھے اب (خاوند) کی طرف سے خرچہ نہیں ملے گا۔'' (کیونکہ وہ اس وقت حاملہ نہیں تھیں۔ ورنہ آپ اسے خرچہ دلواتے)(۱)

پہلی طلاق کے بعد رجوع

پہلی طلاق کے بعد عدت کے دوران خاوند کو رجوع کر لینے کا حق حاصل ہے یہ رجوع مطلقہ سے صلح کر لینے کے مفہوم میں ہے۔ اس میں کسی نئے نکاح کی ضرورت نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ﴾(البقرۃ۔۲۲۸)

''اوران کے خاوند اگر موافقت کرنا چاہیں تو اس (عدت) میں وہ ان (مطلقہ) کو اپنی زوجیت میں واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔''

البتہ اگر عدت گزر جائے اور میاں بیوی دوبارہ بسنے کی نیت سے جمع ہونا چاہیں تو انہیں از سر نو نکاح کرنا ہوگا اور محض رجوع اب کافی نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾(البقرۃ۔۲۳۲)

''جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے (دوبارہ) نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق (نکاح کے لیے) رضامند ہوں۔''

دوسری طلاق

دوسری طلاق کی ایک صورت تو یہ ہے کہ پہلی طلاق کے بعد خاوند نے رجوع یا (عدت کے بعد نیا نکاح) کیا ہو مگر کچھ عرصہ بعد پھر میاں بیوی میں تعلقات کشیدہ ہو جائیں

(۱) [مسلم ایضا (۱۴۸۰۔۴۱) ابوداؤد (۲۲۹۰) احمد (۶/۴۱۴) نسائی (۶/۶۲۔۲۱۰)]

اور صلح وصفائی کی کوئی صورت متوقع نہ ہو تو خاوند دوسری طلاق بھی اسی طرح دے دے جس طرح پہلی مرتبہ حالت طہر یا حالت حمل میں طلاق دی تھی۔ دوسری طلاق کی دوسری صورت یہ ہے کہ پہلی طلاق کے بعد رجوع کیے بغیر عدت ختم ہونے سے پہلے دوسری طلاق دے دی جائے۔ اسی طرح بھی طلاق ہو جائے گی جیسا کہ حافظ عبدالمنان نور پوری رقمطراز ہیں کہ

"الطلاق مرتان" (طلاق دو مرتبہ ہے) یہ فرمان دونوں طلاقوں کے درمیان رجوع ہونے اور نہ ہونے والی صورتوں کو شامل ہے۔ اس آیت کریمہ کو دونوں طلاقوں کے درمیان رجوع ہونے والی صورت کے ساتھ مخصوص قرار دینے یا مخصوص ہونے کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں۔ پھر دونوں طلاقوں کے درمیانی وقفے کے دنوں، راتوں، گھنٹوں اور منٹوں میں تعین کہیں وارد نہیں البتہ اتنی بات شریعت سے ثابت ہوتی ہے کہ یکبارگی دو یا تین یا زیادہ طلاقیں ایک ہی طلاق شمار کی جائے گی۔"(۱)

واضح رہے کہ دوسری طلاق کے بعد بھی مطلقہ عورت کی رہائش اور نان ونفقہ خاوند کے ذمہ ہے تاوقتیکہ اس کی عدت ختم ہو جائے۔ اور صلح کی کوئی صورت نہ نکلے۔

تیسری طلاق

تیسری طلاق کی ایک صورت تو یہ ہے کہ دوسری طلاق کے بعد خاوند نے رجوع یا عدت گزرنے پر نکاح کر لیا مگر کچھ عرصہ بعد پھر تعلقات کی کشیدگی پر عورت کو تیسری طلاق دے دی تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ تیسری طلاق کی دوسری صورت یہ ہے کہ دوسری طلاق کے بعد رجوع کئے بغیر اور عدت ختم ہونے سے پہلے تیسری طلاق دی جائے۔ اس طرح بھی طلاق ہو جائے گی۔ اب اس عورت اور مرد کا نکاح ایک اتفاقی صورت کے علاوہ کبھی نہیں ہو سکتا اور وہ اتفاقی صورت یہ ہے کہ وہ عورت مکمل بسنے اور رہنے کی نیت سے کسی اور شخص سے شادی کر لے اگر وہ شخص فوت ہو جائے یا اپنے طور پر اس عورت کو طلاق دے

(۱) [احکام ومسائل حصہ اول ص ۳۴۳]

ڈالے تو اب ایسی اتفاقی صورت میں اس عورت کا اس پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ دونوں اس پر راضی ہوں اور عورت نے حلالے کی نیت سے نکاح کروا کے طلاق نہ لی ہو۔اس کی دلیل درج ذیل آیت ہے:

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَنْ يَتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّآ أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴾ (البقرۃ۔۲۳۰)

''پھر اگر خاوند اس عورت کو (آخری یعنی تیسری) طلاق دے دے تو اب یہ اس کے لیے حلال نہیں رہے گی حتی کہ وہی عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے (مستقل بسنے کی نیت سے نہ کہ حلالہ کی نیت سے) نکاح کرے پھر اگر وہ بھی (اتفاقی طور پر) اسے طلاق دے دے (یا فوت ہو جائے) تو اب ان دونوں کو (یعنی اس عورت اور پہلے خاوند کو باقاعدہ نکاح کے ذریعے) میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں۔''

واضح رہے کہ حلالے کی نیت سے نکاح کرنا حرام ہے اس کی تفصیل ''نکاح حلالہ'' کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

تحریری اور ٹیلی فونک طلاق کی شرعی حیثیت

طلاق خواہ زبانی دی جائے یا تحریری بہر دو صورت طلاق واقع ہو جائے گی خواہ عورت نے طلاق کا لفظ سنا ہو یا نہ اور مرد نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر طلاق دی ہو یا ٹیلی فون پر۔ اسی طرح اسے طلاق نامہ موصول ہوا ہو یا نہ بہر حال طلاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ اگر خاوند نے طلاق دینے کی نیت کر رکھی ہو مگر زبانی یا تحریری طور پر اس پر عمل پیرا نہ ہوا ہو تو محض ارادے اور نیت سے طلاق واقع نہیں ہوتی تاوقتیکہ قولی یا تحریری طور پر اس کا اظہار نہ کر دیا جائے کیونکہ نبی اکرمﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

'' ان اللہ تجاوز لامتی عما وسوست او حدثت بہ انفسھا مالم تعمل او تکلم ''

''اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان چیزوں سے تجاوز (صرف نظر) کرلیا ہے جن کا صرف دل میں وسوسہ گزرے یا دل میں ان کے کرنے کا ارادہ پیدا ہوا ہو مگر اس پر عمل نہ کیا گیا ہو اور نہ ہی اس کے متعلق بات کی گئی ہو۔''(۱)

گویا جب تک طلاق کا ارادہ زبانی یا تحریری طور پر پیش نہ کیا ہو تب تک طلاق واقع نہ ہوگی اور جب اس ارادے کا اظہار کر دیا جائے تو پھر طلاق ہو جائے گی خواہ طلاق کا اظہار مذاق، جھوٹ اور دھوکے کی نیت سے کیا جائے یا سنجیدگی سے بہر حال طلاق ہو جائے گی۔ البتہ نشے اور جنون کی حالت میں یا جبری طور پر دلوائی جانے والی طلاق، طلاق شمار نہیں ہوگی (۲)۔ اس کی مزید تفصیل آئندہ سطور میں بھی آ رہی ہے۔

جبر و اکراہ اور نشہ و جنون کی حالت میں طلاق کی شرعی حیثیت

اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق نہ دینا چاہتا ہو مگر دیگر رشتہ دار وغیرہ جبر و تشدد کے ذریعے اس سے اس کی بیوی کو طلاق دلوا دیں تو شرعی اعتبار سے یہ طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

'' لاطلاق و لا عتاق فی اغلاق ''(۳)

''جبری طور پر طلاق اور آزادی دلوانے کی کوئی حیثیت نہیں''۔

واضح رہے کہ ابوعبید، امام قتیبی، ابن درید وغیرہ کے نزدیک اغلاق کا معنی اکراہ (یعنی جبر اور زبردستی) ہے (۴)۔

---

(۱) [بخاری : کتاب الایمان والنذور: باب اذحنث ناسیافی الایمان (۶۶۶۴) مسلم (۱۲۷۔۲۰۱)]

(۲) [دیکھیے بخاری : کتاب الطلاق : باب الطلاق فی الانحلاق والکرہ والسکران ...]

(۳) [ابوداؤد : کتاب الطلاق : باب فی الطلاق علی غلط (۲۱۹۳) ابن ماجہ (۲۰۴۶) احمد (۶/۲۷۶) حاکم (۲/۱۹۸) بیہقی (۷/۳۵۷) قطنی (۴/۳۶)]

(۴) [دیکھیے المغنی لابن قدامہ (۱۰/۳۵۱) شرح السنۃ (۹/۲۲۲)]

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان چیزوں کو معاف کر دیا ہے جو بھول چوک سے سرزد ہوں اور جنہیں جبری طور پر کروایا جائے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ

" طلاق السکران والمستکرہ لیس بجائز "

" حالت جبر اور حالت نشہ میں طلاق جائز نہیں " (۲)

ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ

" جبری طلاق واقع نہیں ہوتی اور حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، جابر بن سمرہؓ کا یہی موقوف ہے اور عبداللہ بن عمیر، عکرمہ، حسن بصری، جابر بن زید، شریح، عطا بن ابی رباح، طاؤس، عمر بن عبدالعزیز، ابن عون، ابوثور، اور ابوعبید رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ " (۳)

ایک مجلس میں طلاق ثلاثہ کی شرعی حیثیت

ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی طلاق نامہ پر اکٹھی تین طلاقیں لکھ کر دی جائیں تو ازروئے شریعت وہ ایک ہی رجعی طلاق شمار ہوگی نا کہ تین۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ

" کان الطلاق علی عهد رسول الله ﷺ وابی بکر وسنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم "

اللہ کے رسول ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ، اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے ابتدائی

(۱) [ابن ماجه: کتاب الطلاق: باب طلاق المکره والناسی (۲۰۴۳تا۲۰۴۵)]

(۲) [بخاری: کتاب الطلاق فی الاغلاق .. نیز حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ مجنوں اور نشئی کی طلاق کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔]

(۳) [المغنی ۱۰/۳۵۰]

دو سالوں تک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں کو جس کام میں وسعت دی گئی تھی اس میں انہوں نے جلد بازی شروع کر دی ہے۔ کاش! میں ان پر تینوں طلاقیں (یعنی ایک وقت کی تین طلاقوں کو ایک کی بجائے) تین ہی جاری کر دوں! پھر حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ جاری فرما دیا (کہ جو شخص جلد بازی کی وجہ سے اکٹھی تین طلاقیں دے گا اس کی تین ہی طلاقیں شمار کر کے میں بیوی کے درمیان ہمیشگی کی جدائی کرا دی جائے گی)[۱]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت، عہد ابوبکر اور عہد عمرؓ کے ابتدائی دو سالوں تک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھی اور شرعی فیصلہ وہی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں طے ہوا کیونکہ دین اللہ کے رسول ﷺ پر مکمل ہوا اور آپؐ کے بعد نزول وحی کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ حضرت عمرؓ نے اکٹھی تین طلاقوں کو ایک کی بجائے تین کیوں شمار کیا؟ تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ حکم شرعی ہی ایسے تھا بلکہ آپؓ نے بحیثیت خلیفہ سزا کے طور پر یہ تدبیری حکم نافذ کیا تھا تا کہ جلد بازی کی وجہ سے طلاق کی شرح جو بڑھتی جا رہی تھی، کم ہو سکے۔[۲] اور تدبیری طور پر حاکم وقت اگر مناسب سمجھے تو ایسا کر سکتا ہے۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ تدبیر کارگر ثابت نہ ہو سکی اور اس پر آپ پشیمان بھی ہوئے۔[۳]

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں اور اس پر شدید غمگین ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کیسے طلاق دی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے تین طلاقیں یکبارگی دے دی ہیں تو آپؐ نے فرمایا:

فی مجلس واحد؟ کیا ایک مجلس ہی میں تین طلاقیں دی تھیں؟

---

(۱) [مسلم: کتاب الطلاق: باب الثلاث (۱٤۷۲) احمد (۱/۳۱٤) ابو داؤد (۲۲۰۰)]

(۲) [دیکھیے حاشیہ طحطاوی (ص ۱۱۵ ج ۲)]

(۳) [دیکھیے اغاثۃ اللھفان ص ۳۳۲ ج ۱]

انہوں نے کہا جی ہاں! تو آپؐ نے فرمایا:

" فانما تلک واحدة فارجعها ان شئت "" وہ ایک ہی واقع ہوئی ہے لہٰذا اگر تو رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔'' حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پھر رکانہ نے رجوع کر لیا۔''(۱)

اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوا کہ یکبارگی تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوتی ہے۔ البتہ بعض فقہا کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں مگر ہمارے خیال میں یہ رائے درست نہیں اس لیے کہ دور جاہلیت کی یہ رسم قبیح تھی کہ مرد جب اور جتنی مرتبہ چاہتا عورت کو طلاق دے دیتا اور ہر مرتبہ عدت سے پہلے رجوع کر لیتا جس کی وجہ سے عورت کی زندگی اجیرن بنی رہتی۔ اسلام نے اس کا خاتمہ کرتے ہوئے طلاقوں کی تعداد (یعنی زیادہ سے زیادہ ۳) مقرر کر دی۔

پہلی اور دوسری طلاق کے بعد مرد کو رجوع کا اختیار دیا جبکہ تیسری طلاق کے بعد اس اختیار کو ختم کر دیا۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ تیسری طلاق کے بعد عورت پہلے مرد سے مکمل طور پر آزاد ہو جاتی ہے حالانکہ دور جاہلیت میں عورت کے لیے ایسا ممکن نہ تھا۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مرد کو بھی اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کے لیے دو موقعے مل گئے۔ یعنی پہلی اور دوسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد اسی عورت سے رجوع یا عدت گزر جانے کے بعد نکاح کرنے کی اسے گنجائش دی گئی مگر تیسری مرتبہ اس گنجائش کو ختم کر دیا گیا۔ لیکن اگر ایک ہی مجلس کی تین طلاقوں کو ایک کی بجائے تین قرار دے دیا جاتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا کیونکہ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ طلاق دیتے وقت آدمی غصہ میں آ کر تین کی بجائے ہزار ہزار طلاق بھی کہہ دیتا ہے مگر

---

(۱) [مسند احمد (۱/۲۶۵) فتح الباری (۹/۳۶۳) ابو داؤد (۲۲۰۵، تا ۲۲۰۷) ترمذی (۱۱۷۷) حاکم (۲/۱۹۹) ابن حبان (۴۲۷۴) بیهقی (۷/۳۴۲) مسند ابی یعلی (۲۴۹۵) اغاثة اللهفان (۱/۳۰۵)]

بعد میں اسے پشیمانی اور رجوع کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔اس لیے شریعت نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق قرار دیا جیسا کہ گزشتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

باقی رہے وہ فقہا جو مجلس واحد کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے ہیں تو اس مسئلہ میں ہمیں ان کا موقف اقرب الی السنۃ اور مبنی بر احتیاط معلوم نہیں ہوتا۔اور پاک و ہند میں جو لوگ ان فقہا کی پیروی میں یکبارگی کی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرتے ہوئے فتویٰ دیتے ہیں ،انہیں اکثر و بیشتر اس بات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ ایسی تین طلاقوں کے بعد نادم فیصد مرد وزن رجوع کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اس مشقت کے پیش نظر وہ انہیں حلالہ جیسے قبیح فعل سے گزارتے ہیں! حالانکہ اگر اس مسئلہ میں اقرب الی السنۃ موقف (جو اوپر ہم نے ثابت کیا ہے) کو اپنا لیا جائے تو پھر حلالہ کی قباحت کا بھی سامنا نہیں ہوگا اور بہت سے گھر بھی اجڑنے سے بچ جائیں گے۔ان شاء اللہ!

فصل دوم

والدین کے حکم پر بیوی کو طلاق دینے کی شرعی حیثیت

یہ بات تو واضح ہے کہ معقول عذر کے بغیر خاوند کا بیوی کو طلاق دینا یا بیوی کا خاوند سے بلا وجہ طلاق طلب کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے بلکہ بعض روایات میں اس فعل پر جنت سے محرومی کی وعید بھی مذکور ہے اور اسی وجہ سے اہل علم نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔ (۱)

لیکن اگر والدین اپنی اولاد خواہ بیٹا ہو یا بیٹی، کو طلاق پر مجبور کریں تو اس سلسلے میں کیا کیا جائے؟ آیا والدین کی اطاعت جس کی بڑی تاکید ہے، کے پیش نظر ان کا مطالبہ پورا کیا جائے یا طلاق کی کراہت کے پیش نظر ان کا مطالبہ رد کیا جائے؟

اس مسئلے میں بلکہ اس نوعیت کے ہر مسئلے میں یہ دیکھا جائے گا کہ والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تو لازم نہیں آ رہی؟ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آ رہی ہو تو پھر والدین کی بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

" لاطاعة لمخلوق فی معصية الله "(۲)

''جس کام میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو اس میں مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی۔''

یہ گویا ایک ضابطہ ہے اور اس کی تائید بے شمار دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً آنحضرتؐ نے فرمایا:

" إنما الطاعة فی المعروف "(۳)

''اطاعت صرف معروف (یعنی نیکی کے) کاموں میں ہوگی۔''

(۱) [دیکھیے الزواجر لابن حجر هیثمی: (ج ۲ ص ۱۰۰)]

(۲) [مسند احمد (۶۶/۵)]

(۳) [صحیح بخاری، رقم(۷۱٤٥) صحیح مسلم رقم: (۱۸٤۰)]

علاوہ ازیں قرآن مجید کی اس آیت سے بھی اس کی تقویت ہوتی ہے کہ

﴿ وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ﴾ (لقمان:۱۵)

''اگر وہ دونوں (یعنی والدین) تم پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ (کسی کو) شریک بناؤ جس کا تمہیں علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ مانو، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے رہو۔''

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اگر والدین کفر و شرک کا حکم دیں تو ان کا حکم ایسی صورت میں بالخصوص نہیں مانا جائے گا اور اسی آیت پر قیاس کرتے ہوئے ان کا حکم اس وقت بھی نہیں مانا جائے گا جب وہ بالعموم اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نافرمانی کا حکم دیں۔

طلاق کے مسئلے میں چونکہ شرعی ضابطہ یہ ہے کہ کسی معقول عذر کے بغیر طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور یہ کام باعث گناہ ہے۔ البتہ معقول عذر کی بنا پر طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے دیکھا یہ جائے گا کہ والدین کا مطالبہ کسی معقول عذر پر مبنی ہے یا محض ضد اور عناد پر۔ اگر تو ان کا مطالبہ واقعی معقول عذر پر مبنی ہے تو پھر بلا تامل ان کی اطاعت کرتے ہوئے ان کا مطالبہ پورا کیا جائے لیکن اگر اس کے برعکس ان کا مطالبہ کسی معقول عذر پر مبنی نہ ہو تو پھر اسے پورا کرنا ضروری نہیں اور ایسے کئی واقعات سامنے آتے رہتے ہیں کہ بسا اوقات والدین محض نفس پرستی کی خاطر باعمل و نیک سیرت بہو کو طلاق دلوانے پر اصرار کرتے ہیں جب کہ اس کے برعکس بعض اوقات والدین کا مطالبہ مبنی بر خلوص بھی ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ وہ چند روایات جن میں والدین کے حکم پر طلاق دے دینے کا ذکر ہے وہ مذکورہ بیان کردہ ضابطے کے حق میں ہیں اس کے خلاف ہرگز نہیں مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو ملنے کے لیے مکہ گئے۔ مگر وہ گھر میں موجود نہ تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کی بیوی سے پوچھا کہ تمہاری زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ تو اس نے (بجائے اس کے کہ صبر و شکر کا اظہار کرتی) کہا کہ

" نَحْنُ بِشَرٍّ ، نَحْنُ فِيْ ضِيقٍ وَشِدَّةٍ ، فَشَكَتْ إِلَيْهِ "

ہمارا تو بہت برا حال ہے، ہم تو بڑی تنگ دستی اور مصیبت میں مبتلا ہیں۔

گویا خوب شکوہ وشکایت کی، اس پر حضرت ابراہیمؑ نے کہا:

''اچھا جب تمہارا خاوند آئے تو اسے میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لو۔''

جب حضرت اسماعیلؑ گھر آئے تو ان کی بیوی نے انہیں حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں بتایا تو حضرت اسماعیلؑ فرمانے لگے کہ وہ میرے والد تھے اور مجھے یہ وصیت کر گئے ہیں کہ میں تمہیں طلاق دے دوں چنانچہ انہوں نے اس عورت وطلاق دے دی۔ (۱)

روایت کے سیاق وسباق ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے طلاق کی وصیت کیوں کی؟ اس لیے کہ آپ مہمان کی حیثیت سے ان کے ہاں گئے اور اس عورت نے خاطر تواضع کرنے کی بجائے اپنا دکھڑا سنانا شروع کر دیا جو حضرت ابراہیمؑ کو پسند نہ آیا کہ ایک نبی کی بیوی اور ایک نبی کی بہو ہو کر بجائے صبر وشکر کے جزع وفزع اور شکوہ وشکایت کی روش اختیار کرے اور انہوں نے ایسی بدسلیقہ عورت کو اپنے گھرانے کے لائق نہ سمجھتے ہوئے بیٹے سے طلاق کا عندیا ظاہر کیا جو بیٹے نے فوراً پورا کر دیا۔ پھر اس کی مزید تائید اسی حدیث کے اگلے الفاظ سے بھی بخوبی ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ ایک عرصہ کے بعد پھر حضرت ابراہیم اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ملنے گئے اب کی بار بھی وہ گھر پہ نہ ملے۔ البتہ ان کی نئی بیوی سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا کہ گزر بسر کیسی ہو رہی ہے؟ اس پر اس عورت نے کہا کہ

" نَحْنُ بِخَيْرٍ وَسَعَةٍ وَأَثْنَتْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ "

''ہم خیر وعافیت کے ساتھ ہیں، بہت خوشحال ہیں اور اس پر اللہ کی حمد اور شکر ادا کیا۔''

---

(۱) [بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب ۹ حدیث: (۳۳۶٤)]

صحیح بخاری ہی کی اگلی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے اس عورت نے کہا:

" اَلَا تَنْزِلُ فَتَطْعَمَ وَتَشْرَبَ؟ "

''آپ تشریف رکھیں، میں آپ کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔''

حضرت ابراہیمؑ نے انہیں خیر و برکت کی دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ

''جب تیرا شوہر واپس آئے تو اسے میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھ۔''

جب حضرت اسماعیلؑ واپس آئے تو ان کی اس بیوی نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک اچھے بزرگ آئے تھے اور اس نے ابراہیمؑ کی خوب تعریف کی۔ پھر اسماعیلؑ سے کہا کہ وہ آپ کے لیے یہ وصیت کر گئے ہیں کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ سلامت رکھیے۔ اس پر حضرت اسماعیلؑ نے کہا کہ وہ میرے والد تھے اور مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں نکاح میں برقرار رکھوں۔

اب اس روایت کو جس انداز سے بھی دیکھ لیں آپ کو یہی معلوم ہوگا کہ طلاق دینے یا نہ دینے کو معقول عذر کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے پہلی مرتبہ اپنے بیٹے کو اگر بیوی کو طلاق دینے کی وصیت کی تھی تو اس کی معقول وجہ تھی اور وہ یہ تھی کہ وہ عورت بدسلیقہ، بے صبر اور ایک نبی کے شایان شان ہرگز نہ تھی جب کہ حضرت اسماعیلؑ کی دوسری بیوی میں اس کے برعکس انتہائی اچھی صفات تھیں جن کے پیش نظر ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کی کہ اسے نکاح میں برقرار رکھنا اور اس کا صاف مفہوم یہی ہے کہ یہ عورت تیرے شایان شان ہے کہیں اسے طلاق نہ دے ڈالنا۔ گویا آپ ایسی نیک سیرت بیوی کو طلاق دینے سے بھی پیشگی منع کر رہے ہیں کیونکہ اسے طلاق دینے کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ لیکن اگر اس کے برعکس کوئی والد کسی نیک سیرت اور سلیقہ شعار بہو کو طلاق دینے پر مصر ہو اور اس پر حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بطور دلیل پیش کرنا شروع کر دے تو یہ **کلمة حق أريد بها الباطل** کے مصداق ایک درست اور مبنی برحق بات کا غلط استعمال ہوگا!

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ والدین اگر بیٹے کو طلاق پر مجبور کریں اور ان کا مطالبہ کسی معقول وجہ پر مبنی ہو، اور وہ خلوص اور طرفین کی بہتری کی نیت کے ساتھ ایسا کریں (جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے کیا) تو ایسی صورت میں ان کا مطالبہ تسلیم کرنا ہوگا۔ لیکن اگر ان کا مطالبہ معقول عذر پر مبنی نہ ہو تو اسی روایت کے بموجب ان کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ نیک سیرت و باعمل بہو کو اگر بیٹا خود ہی بلاوجہ طلاق دے رہا ہو تو والدین پر فرض ہے کہ اسے اس فعل سے روکیں چہ جائیکہ وہ خود ہی بیٹے کو طلاق دینے پر آمادہ کرنا شروع کر دیں!

اس سلسلے کی دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ

"كانت تحتي امرأة وكنت احبها وكان عمر يكرهها فقال لي طلقها فابيت فاتي عمرؓ النبيّ فذكر ذلك له فقال النبيّ (يا عبدالله بن عمر) طلقها"[1]

"میری ایک بیوی تھی جس سے میں محبت کرتا تھا جب کہ (میرے والد) حضرت عمرؓ اسے ناپسند کرتے تھے۔ پس انہوں نے مجھے کہا کہ اس عورت کو طلاق دے دو لیکن میں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا (اے عبداللہ!) اس عورت کو طلاق دے دو"

بعض روایات میں ہے کہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے اس عورت کو پھر طلاق دے دی۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ابن عمرؓ سے فرمایا کہ

"اطع اباک" (اس مسئلہ میں) اپنے والد کی بات مانو۔[2]

اس روایت سے بھی بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ والدین اگر طلاق کا مطالبہ کریں تو بیٹے کو بلا تامل ان کا مطالبہ پورا کرنا چاہیے قطع نظر اس سے کہ وہ مطالبہ معقول وجہ و عذر پر مبنی

---

(۱) [ابوداود: کتاب الآداب: باب بر الوالدین (۵۱۲۹) ترمذی (۱۱۸۹) ابن ماجہ (۲۰۸۹) ابن حبان (۴۲۶) حاکم (۲/ ۱۹۷) احمد (۲/ ۲۰ ـ ۴۲) شرح السنة (۲۳۴۸)]

(۲) [احمد ص ۲۰ ج ۲]

ہے یا نہیں۔ حالانکہ یہ بات اول تو مخلوق اور خالق کی اطاعت کے ٹکراؤ کی صورت میں خالق کی اطاعت کو ترجیح دینے کے ضابطے کے خلاف ہے۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا مطالبہ معقول عذر پر مبنی تھا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اللہ کے رسولؐ سے عرض کیا:

" ان عند عبدالله بن عمر امرأة قد كرهتها له"(۱)

"بلاشبہ عبداللہ بن عمرؓ نے ایسی عورت سے نکاح کر رکھا ہے جسے میں عبداللہ کے لیے فی الواقع مکروہ خیال کرتا ہوں۔"

اس روایت میں "كرهتها له" کے الفاظ اس کی تائید ضرور کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اس عورت کو ابن عمرؓ کے دینی و دنیوی امور کے لیے باعث خطرہ خیال کرتے تھے اور یہ ایک معقول وجہ تھی جس کی بنا پر اللہ کے رسولؐ نے حضرت عمرؓ کی حمایت کرتے ہوئے عبداللہ بن عمر کو طلاق دینے کا حکم دیا۔ واضح رہے کہ مسئلہ مذکور میں حضرت عمرؓ کے مطالبہ کو معقول عذر کے ساتھ مربوط کرنے کا نکتہ محض راقم ہی کا بیان کردہ نہیں بلکہ کئی ایک فقہا عرصہ قبل اس کی طرف اشارہ فرما چکے ہیں۔ مثلاً: احمد عبدالرحمٰن البنّاؒ فرماتے ہیں کہ

" الظاهر ان عمرؓ ما كرهها الالكونه راى انها غير صالحة لابنه و غرضه بذلك المصلحة لاسيما وقد كان من الملهمين"

"ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ عورت اس وجہ سے ناپسند تھی کہ ان کے نزدیک وہ آپ کے صاحبزادے کے لیے موزوں نہ تھی اور اس معاملہ میں حضرت عمرؓ کے پیش نظر ضرور کوئی مصلحت ہوگی بالخصوص اس لیے کہ آپ الہام ربانی کے حامل تھے۔" نیز فرماتے ہیں کہ

"الذي يظهر ان النبيؐ لم يأمر عبدالله بطلاق امرأته الا لكونه رأى صحة نظر عمرؓ"

"اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت عبداللہ کو اسی لیے طلاق دینے کا حکم دیا تھا کہ آنحضرتؐ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خیال صحیح ہوگا۔"(۲)

---

(۱) [مسند احمد ص ۴۲ ج ۲] (۲) [الفتح الربانی (ص ٤ ج ١٧)]

اسی طرح شیخ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ

" فیہ ان طاعۃ الوالدین متقدمۃ علی ھوی النفس اذا کان امرھما اوفق بالدین اذ الظاھر ان عمرؓ ما کان یکرھھا ولا امر ابنہ بطلاقھا الا لما یظھر لہ فیھا من قلۃ الدین"(1)

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کی اطاعت خواہش نفس پر ترجیح رکھتی ہے لیکن اس وقت کہ جب والدین کا حکم دین سے موافقت رکھتا ہو اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کا اس عورت کو ناپسند کرنا اور اپنے بیٹے کو اسے طلاق دینے کا حکم دینا صرف اس وجہ سے تھا کہ اس عورت کے دین وایمان کی کمزوری آپ کے لیے ظاہر ہو چکی تھی۔''

ملا علی قاریؒ کا موقف

اس مسئلہ میں ملا علی قاریؒ کا موقف یہ ہے کہ

"بیٹے پر لازم نہیں کہ والدین کے حکم پر اپنی بیوی کو طلاق دے اگرچہ والدین کو اس کی بیوی (یعنی اپنی بہو) سے شدید تکلیف ہی کیوں نہ پہنچ رہی ہو۔ کیونکہ والدین کا کہا ماننے میں بسا اوقات خاوند کو ضرر پہنچتا ہے اس لیے والدین کی خاطر اسے طلاق کا پابند نہیں بنایا جا سکتا۔ والدین کی شفقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر وہ اس ضرر کا پوری طرح اندازہ کر لیتے تو وہ بیٹے کو طلاق کا حکم نہ دیتے۔ اس کے باوجود ان کا طلاق پر اصرار کرنا، نادانی ہے جو قابل التفات نہیں"(2)

ہمارے خیال میں موصوف کی رائے درست نہیں بلکہ موصوف اس مسئلہ میں دوسری انتہا کو پہنچ گئے ہیں کہ کسی بھی صورت والدین کے کہنے پر عورت کو طلاق نہ دی جائے حالانکہ اگر والدین کا حکم معقول علت ومصلحت پر مبنی ہو تو پھر اطاعت بہر حال کی جائے گی بصورت دیگر نہیں۔

(1) [مسند احمد محقق (ج ۸ ص ۳۳۳) واضح رہے کہ مسند احمد کے اس نسخہ کی تخریج وتحقیق شیخ عبداللہ محسن الترکی کی زیر نگرانی علما کی ایک ٹیم نے انجام دی ہے جب کہ حواشی میں شیخ محمد بن عبدالہادی سندیؒ کی شرح سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اور اس کی ضخامت ۵۰ جلدوں میں ہے۔]

(2) [مرقاۃ شرح مشکاۃ کتاب الایمان باب الکبائر، ج ۱، ص ۱۳۲]

علامہ ابن العربیؒ اور امام منذریؒ کا صحیح فیصلہ

اس مسئلہ میں قاضی ابن العربی اور امام منذری نے صحیح راہنمائی فرمائی ہے چنانچہ ابن العربیؒ ترمذی کی مذکورہ حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ

"ومن بر الابن بابيه ان يكره ما كره ابوه وان كان له محبا قبل ويحب مايحب اباه وان كان له كره من قبل بيد ان ذلك ان كان الاب على بصيرة فان لم يكن كذلك استحب له فراقها لا رضائه ولم يجب عليه كم يجب في الحالة الاولى فان طاعة الاب في الحق من طاعة الله"[1]

"بیٹے کے لیے اپنے والد سے نیکی اور حسن سلوک کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو والد ناپسند کرتا ہے اسے وہ بھی ناپسند کرے اگرچہ پہلے وہ اس سے محبت کرتا ہو۔ اسی طرح وہ اس چیز سے محبت شروع کر دے جس سے اس کا والد محبت کرتا ہے اگرچہ اس سے پہلے وہ اس سے بغض رکھتا ہو۔ البتہ یہ بات یاد رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب والد بصیرت و درستگی پر ہو لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر والد کو راضی کرنے کے لیے بیوی کو طلاق دینا مستحب تو ہو سکتا ہے مگر اس طرح واجب ہرگز نہیں جس طرح کہ پہلی حالت (والد کے اصابت رائے) میں واجب ہے۔ کیونکہ والد کے حق پر ہونے کی صورت میں اس کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے زمرے میں شامل ہے۔"

امام منذری نے بھی سنن ابوداؤد کی تہذیب وشرح میں من وعن یہی فیصلہ دیا ہے۔[2]

اور راقم الحروف نے بھی آغاز میں اسی ملخص کو ضابطے اور اصول کی شکل میں پیش کر کے اپنی بحث کی بنیاد رکھی ہے کہ والدین کا مطالبہ اگر معقول عذر پر مبنی ہو تو پھر بہر صورت اسے ترجیح دی جائے گی۔ بصورت دیگر اس مطالبہ کو پورا کرنا ضروری نہیں۔ واللہ أعلم بالصواب!

(۱) [عارضة الاحوذی (ص ١٦٤ ج ٥)]

(۲) [ملاحظہ ہو تهذيب سنن ابی داؤد (ج ٨ ص ٣٥)]

فصل سوم

جس عورت کا خاوند گم ہو جائے!

جس عورت کا خاوند گم ہو جائے اس کی طلاق اور نئے نکاح کے بارے میں کیا کیا جائے، اس کے متعلق کوئی واضح قرآنی آیت یا مرفوع حدیث موجود نہیں تاہم عہد صحابہؓ میں ایسے کئی واقعات پیش آئے اور انہوں نے ان واقعات کے جو فیصلے کیے ان کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایسی عورت جس کا خاوند لاپتہ ہو جائے وہ چار سال تک مسلسل انتظار کرے۔ پھر بھی خاوند کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملے تو اس خاوند (جسے ایسی صورت میں 'مفقود الخبر' سے موسوم کیا جاتا ہے) پر موت کا حکم لگایا جائے اور عورت مزید چار ماہ دس دن اس طرح عدت گزارے جس طرح وہ عورت عدت گزارتی ہے جس کا خاوند واقعی فوت ہو چکا ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد اگر وہ عورت کسی نئے مرد سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے البتہ اگر وہ مزید انتظار کرنا چاہے تو یہ اسکی مرضی ہے۔ اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ سے منقول چند روایات اور واقعات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ

"ایما امرأۃ فقدت زوجها فلم تدر این هو؟ فانها تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعة اشهر وعشرا ثم تحل"[1]

"جس عورت کا خاوند گم ہو جائے تو وہ چار سال تک انتظار کرے پھر چار ماہ دس دن تک عدت گزارے پھر اس کے بعد اس کا نیا نکاح کرنا جائز ہے۔"

۲۔ سعید بن مسیّبؒ ہی سے مروی ہے کہ

(۱) [الموطا: کتاب الطلاق: باب عدة التی تفقد زوجها (۵۸) سنن سعید بن منصور (۱۷۵۲) مصنف عبدالرزاق (۷/۸۸) السنن الکبری (۷/۴۴۵)]

"ان عمر وعثمان قضیا فی المفقود ان المرأة تتربص اربع سنین واربعة اشهر وعشرا بعد ذلک ثم تزوج الی آخره"(۱)

''حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ دونوں نے 'مفقود الخبر' (لا پتہ) شوہر کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ ایسے شخص کی بیوی چار سال تک انتظار کرے پھر اس کے بعد چار ماہ دس دن (مزید عدت) گزار کر وہ نیا نکاح کر سکتی ہے۔''

۳۔ حضرت جابر بن زیدؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ

'مفقود الخبر' (لا پتہ) شخص کی بیوی چار سال تک انتظار کرے۔''(۲)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

''حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، حضرت عثمانؓ اور ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی یہی فتوی تھا اور تابعین کی ایک جماعت مثلاً نخعی، عطا، زھری، مکحول، اور شعبی سے بھی اسی طرح ثابت ہے اور ان میں سے اکثر کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ایسی عورت کی عدت کی مدت اس دن سے شروع ہوگی جب عورت کا معاملہ حاکم وقت (عدالت) تک پہنچایا گیا تھا اور ان کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ چار سال گزارنے کے بعد وہ خاوند کے وفات کی (فرضی) عدت بھی گزارے گی۔''(۳)

امام بخاریؒ کا موقف

واضح رہے کہ مذکورہ مسئلہ میں امام بخاری کا موقف یہ ہے کہ 'مفقود الخبر' (لا پتہ) شخص کی بیوی چار سال کی بجائے ایک سال تک انتظار کرنے کے بعد نئی شادی کر سکتی ہے۔

(۱) [مصنف عبدالرزاق(۷/۸۵)السنن الکبری للبیهقی (۷/٤٤٥)]

(۲) [بیهقی ایضا ، سنن سعید بن منصور(۱۷۵٦)]

(۳) [فتح الباری ۹/٤۳۱]

اس سلسلے میں امام بخاری نے اس حدیث پر قیاس کیا ہے جس میں لقطہ (یعنی گم شدہ چیز ملنے) پر ایک سال تک اس کا اعلان کرنے اور مالک نہ آنے پر اسے زیر تصرف میں لانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں امام بخاری نے ابن مسعودؓ اور سعید بن مسیّب سے چند آثار بھی نقل کیے ہیں۔[1]

لیکن دیگر صحابہ کے صحیح وصریح آثار اور فتاوی کی روشنی میں امام بخاری کا موقف ہمیں درست معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ اگر ان دونوں کے درمیان اس طرح تطبیق دے لی جائے کہ عام حالات میں مفقود الخبر کی بیوی کے لئے چار سال انتظار والا فیصلہ دیا جائے اور جس عورت کو عزت وعصمت اور نان ونفقہ کے حوالے سے پریشانی ہو، اس کے لیے ایک سال والا فیصلہ دیا جائے تو پھر اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم!

فقہائے حنفیہ کا موقف

فقہائے حنفیہ کا موقف اس مسئلہ میں یہ ہے کہ 'مفقود الخبر' (لاپتہ شخص) کی بیوی بالاختلاف ۹۰ برس یا ۱۰۰ سو برس یا ۱۲۰ برس تک انتظار کرے۔ اسی طرح بعض دیگر فقہا بھی 'مفقود الخبر' کی بیوی کے لیے لمبی مدت انتظار کرنے کا موقف رکھتے ہیں۔ لیکن یہ موقف عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے اور اس پر عمل بھی ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں حنفی حضرات کا فتوی اب فقہ حنفی کے مطابق نہیں رہا بلکہ وہ امام مالک کے قول ہی پر فتوی دیتے ہیں جیسا کہ بہشتی زیور کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ

"آج کل شدید ضرورت کی وجہ سے علما نے امام مالک کے مذہب پر فتوی دے دیا ہے۔"[2]

اور واضح رہے کہ امام مالک کا اس مسئلہ میں وہی فتوی ہے جو صحابہ کرام اور تابعین عظام کی بڑی تعداد کا ہے یعنی یہ کہ عورت چار سال تک انتظار کرے پھر چار ماہ دس دن تک عدت گزارے اور اس کے بعد چاہے تو نیا نکاح کر سکتی ہے۔

(۱) [دیکھیے بخاری: کتاب الطلاق: باب حکم المفقود فی اھلہ ومالہ]

(۲) [بہشتی زیور (از مولانا اشرف علی تھانوی، چوتھا حصہ ص ۳۰)]

اگر پہلا شوہر مل جائے تو پھر؟

اگر چار سال اور چار ماہ دس دن کے بعد عورت نیا نکاح کر لے اور ادھر پہلا خاوند بھی لوٹ آئے تو ایسی صورت میں وہ عورت پہلے خاوند کی طرف لوٹ سکتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے:

''امام مالک کا موقف یہ ہے کہ اب پہلا شوہر حق زوجیت سے محروم ہے خواہ نئے شوہر نے خلوت کی ہو یا نہ۔ نیز فرماتے ہیں کہ اگر پہلا شوہر اس وقت لوٹ آئے جب کہ عورت نے نئی شادی نہ کی ہو تو پھر پہلا شوہر ہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔''(۱)

واضح رہے کہ امام مالک کے مذکورہ فتوی کی روشنی میں نئے نکاح کے بعد عورت پہلے خاوند کی طرف لوٹنا چاہے تو خلع کے ذریعے ایسا کر سکتی ہے۔

اور اگر امام بخاری کے (لقطہ کے) استدلال کی روشنی میں دیکھا جائے تو تو پھر پہلے خاوند کا حق زوجیت بحال ہو جائیگا اور دوسرے خاوند کو لازماً طلاق دینا ہوگی الا کہ پہلا خاوند اپنے حق سے دستبردار ہو جائے۔ شیخ ابن عثیمین بھی یہی فتوی دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

''پہلے خاوند کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اس دوسرے نکاح کو اپنی حالت پر برقرار رہنے دے یا بیوی واپس لے لے۔ اگر یہ دوسرا نکاح باقی رکھتا ہے تو معاملہ واضح ہے اور نکاح بھی درست ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ اپنی بیوی واپس لینا چاہتا ہے تو وہ واپس آ جائے گی مگر وہ اس سے مجامعت نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ دوسرے خاوند کی عدت نہ گزار لے۔''(۲)

جب کہ اس مسئلہ میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

" واتفقوا ایضا علی انها ان تزوجت فجاء الزوج الاول خیر بین زوجتها وبین الصداق"

---

(۱) [موطا: کتاب الطلاق :باب عدة التي تفقد زوجها ص ۵۰۷]

(۲) [فتاوی الشیخ محمد الصالح العثیمین (ص ۷۶۵/ج ۲) فتاوی برائے خواتین اردو (ص ۱۹۸) طبع دار السلام]

''ہمارے فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر وہ عورت نئی شادی کر لے اور ادھر پہلا شوہر بھی آ جائے تو اس پہلے شوہر کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ چاہے تو اپنا مہر واپس لے کر اس عورت سے جدا ہو جائے یا پھر نئے خاوند کا مہر دے کر اپنی بیوی حاصل کر لے''(۱)

ہمیں بھی یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے اور حضرت علیؓ کا بھی یہی فتوی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ

" لو تزوجت فهي امرأة الاول دخل بها الثاني او لم يدخل "(۲)

''اگر ایسی عورت نئی شادی کر لے اور پہلا خاوند بھی آ جائے تو اس کے باوجود اس عورت پر پہلے خاوند ہی کا حق ہے خواہ دوسرے شوہر نے اس سے مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو''

(۱) [فتح الباری (۹/۴۳۱)]

(۲) [فتح الباری ایضا حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

فصل چہارم

عدت کے احکام

خاوند سے مفارقت اور جدائی کے بعد عورت کا ایک مخصوص مدت تک انتظار کرنا اور نئے نکاح سے رکے رہنا 'عدت' کہلاتا ہے عدت کے دوران عورت نہ منگنی کر سکتی ہے نہ شادی۔ علاوہ ازیں مختلف صورتوں میں عدت کے احکام بھی مختلف ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ وہ مطلقہ عورت جسے حیض آتا ہے اس کی عدت تین حیض ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ﴾ (البقرۃ۔۲۲۸)

''اور مطلقہ عورتیں تین حیض آنے تک اپنے تئیں روک کر رکھیں۔''

۲۔ وہ مطلقہ عورت جسے بڑھاپے یا کمسنی کے سبب حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین ماہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَالّٰٓـئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ يَحِضْنَ ..... ﴾ (الطلاق۔۴)

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تمہیں کچھ شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان کی بھی (یہی عدت ہے) جنہیں ابھی حیض شروع نہیں ہوا''

۳۔ وہ مطلقہ عورت جو حالت حمل میں ہو اس کی عدت وضع حمل (یعنی بچے کی پیدائش تک) ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق۔۴)

''اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے''

۴۔ وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ﴾ (البقرۃ۔۲۳۴)

'اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں اور بیویاں زندہ ہوں تو ایسی بیوائیں چار ماہ دس دن انتظار کریں'

۵۔ وہ عورت جس کا خاوند گم ہو جائے اور کافی جستجو کے بعد اس کی کوئی خبر نہ ملے تو اس کی بیوی چار سال تک انتظار کرے پھر یہ فرض کرے کہ وہ فوت ہو چکا ہوگا، چار ماہ دس دن تک خاوند کی وفات والی عدت گزارے۔ اس کی تفصیل مع حوالہ جات، گزر چکی ہے۔

۶۔ خلع حاصل کرنے والی عورت کی عدت ایک حیض ہے کیونکہ ربیع بنت معوذ صحابیہؓ نے جب اپنے شوہر سے خلع حاصل کیا تو آنحضرتؐ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ ایک حیض عدت گزارے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) البتہ اگر خلع حاصل کرنیوالی عورت کو کم سنی یا بیش سنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو وہ (مسئلہ نمبر ۲، والی عورت پر قیاس کرتے ہوئے) ایک ماہ عدت گزارے گی۔

۷۔ وہ عورت جسے دخول (خلوت صحیحہ) سے پہلے ہی طلاق ہو جائے اس پر کوئی عدت نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ﴾ (الاحزاب۔۴۹)

''اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں چھونے سے قبل طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں''

البتہ اگر دخول سے پہلے اس کا خاوند فوت ہو جائے تو پھر اسے چار ماہ دس دن تک عدت گزارنا ہوگی جیسا کہ مسئلہ نمبر ۴، سے ثابت ہے۔

۸۔لونڈی کی عدت دو حیض ہے اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو پھر اس کی عدت ڈیڑھ یا دو ماہ ہے [۱]

۹۔ اگر طلاق رجعی کی عدت ہی میں خاوند دوسری طلاق دے دے تو پھر پہلی عدت ختم اور دوسری طلاق کی عدت شروع ہو جائے گی۔اسی طرح اگر طلاق رجعی کی عدت کے دوران خاوند فوت ہو جائے تو پھر عدتِ طلاق ،عدتِ وفات (یعنی چار ماہ دس دن) کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ [۲]

۱۰۔اسی طرح وہ مطلقہ عورت جو مہینوں یا ایام ماہواری کے حساب سے عدت گزار رہی ہو،اگر اس اثنا میں اس کا حمل ظاہر ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ [۳]

(۱) [تفصیل کے لیے دیکھئے: بدایة المجتهد (۲/۱۵۸)]

(۲) [دیکھئے: منهاج المسلم از ابو بکر جابر الجزائری (مترجم ص ۶۵٦)]

(۳) [ایضا منهاج المسلم]

فصل پنجم

سوگ سے متعلقہ احکام

جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اسے چاہیے کہ وہ دوران عدت سوگ کرے یعنی خوبصورت لباس اور زیور نہ پہنے، زیب وزینت نہ کرے، مہندی وسرمہ نہ لگائے، خوشبو وغیرہ کا استعمال نہ کرے اور اس سوگ کی مدت، عدت کے خاتمہ تک ہے جیسا کہ ام حبیبہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" لایحل لامراۃ مسلمۃ تومن باللہ و الیوم الآخر ان تحد فوق ثلاثۃ ایام الاعلی زوجھا اربعۃ اشھر وعشرا"[1]

"کسی مسلمان عورت جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کی وفات پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے البتہ اپنے خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرے۔"

حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ (نبی اکرمؐ کے دور میں)

"ہمیں کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا جاتا تھا البتہ خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ ہے جس میں ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ دوران عدت ہم سرمہ نہ ڈالیں، خوشبو نہ لگائیں، یمنی دھاری دار کپڑوں کے سوا کوئی اور رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنیں اور ہمیں اس بات کی رخصت تھی کہ اگر کوئی حیض کے بعد غسل کرے تو اس وقت اظفار کا تھوڑا سا عود (یعنی خوشبو) استعمال کر لے۔"[2]

---

(۱) [بخاری: کتاب الطلاق: باب الکحل للحادۃ(۵۳٤۲)مسلم(۹۳۸)ابو داؤد (۲۳۰۲)نسائی، ابن ماجہ(۲۰۸۷) احمد(٦/۳۰۸)]

(۲) [بخاری: کتاب الطلاق:باب القسط للحادۃ عند الطھر (۵۳٤۱)مسلم(۹۳۸)بیھقی (۷/٤۳۹)ابن حبان(٤۳۰۵) احمد(٦/٤۰۸)]

سوگ کی حالت میں عورت اپنے شوہر کے گھر میں رہ کر عدت پوری کرے اور اگر کسی اشد ضرورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو رات واپس اسی گھر میں آ کر گزارے۔ کیونکہ فریعہؓ نامی ایک صحابیہؓ نے اپنے خاوند کی وفات کے بعد آنحضرتؐ سے اپنے میکے چلے جانے کی اجازت مانگی مگر آپؐ نے فرمایا کہ

"امکثی فی بیتک حتی یبلغ الکتاب اجلہ"

"اپنے شوہر کے گھر ٹھہری رہو حتی کہ عدت پوری ہو جائے۔"

حضرت فریعہؓ فرماتی ہیں کہ پھر میں نے اسی گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری۔ (۱)

علاوہ ازیں عام عدت گزارنے والی مطلقہ عورت بھی اپنے شوہر کے گھر میں ہی عدت گزارے گی البتہ عدت گزارنے والی عورت کو شوہر کے گھر میں تحفظ حاصل نہ ہو یا وہاں رہنا اس کی عزت وآبرو اور جان و مال کے لیے باعث خطرہ ہو تو پھر ایسی مجبوری کی صورت میں وہ عورت دیگر اقارب کے ہاں یا پرامن جگہ پر منتقل ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ سعودی عرب کی دارالافتا کمیٹی کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ (۲)

(۱) [ابوداود: کتاب الطلاق: باب فی المتوفی عنها تنتقل (۲۳۰۰) ترمذی (۱۲۰۴) نسائی ابن ماجه (۲۰۳۱) احمد (۶/۳۷۰) موطا (۲/۵۹۱) مسند دارمی (۲/۱۶۸) بیهقی (۷/۴۳۴) حاکم (۲/۲۰۸)]

(۲) [دیکھئے فتاوی برائے خواتین، طبع دار السلام (ص ۲۳۴)]

باب 7

نکاح سے متعلقہ چند متفرق اور پیچیدہ مسائل

- ❑ بچپن (غیر شعوری عمر) کے نکاح کی شرعی حیثیت
- ❑ نکاح اور رخصتی میں وقفہ اور رخصتی سے قبل ہمبستری
- ❑ اپنے سے چھوٹی یا بڑی عمر والے سے نکاح کا مسئلہ
- ❑ بلوغت کے بعد فسخِ نکاح کے اختیار کی شرعی حیثیت
- ❑ نابالغ بچوں کی شادی روکنے کا ایکٹ اور اسکے نقصانات
- ❑ زنا کے مرتکب مرد وزن کے باہمی نکاح کی شرعی حیثیت
- ❑ حالتِ حمل میں نکاح کی شرعی حیثیت اور مزنیہ حاملہ....
- ❑ مزنیہ سے کسی دوسرے شخص کا نکاح جائز ہے بشرطیکہ...

فصل اول

بچپن کے نکاح کی شرعی حیثیت اور متعلقہ مسائل

نزول وحی کے دور میں عربوں کے ہاں رواج تھا کہ بچوں کی غیر شعوری عمر میں ان کے والدین اور اولیا ان کا نکاح کر دیتے تھے البتہ عام طور پر رخصتی بلوغت کے بعد ہی عمل میں آتی تھی چنانچہ اسلام نے بھی اس میں پنہاں بہت سی حکمتون کی بنا پر اسے برقرار رکھا البتہ اس میں مزید بہتری اور متوقع فوائد کے لیے یہ اضافہ کر دیا کہ بلوغت اور شعوری کے بعد اسی لڑکے اور لڑکی کو کمسنی کے نکاح کو برقرار رکھنے یا رد کر دینے کا مجاز بنا دیا۔ کیونکہ شعوری عمر کے بعد انسان اپنے مستقبل کی بہتری اور نقصان کو بخوبی سمجھ سکتا ہے اس لیے اگر شعوری عمر کے بعد لڑکا یا لڑکی اپنے کمسنی کے نکاح پر راضی و مطمئن نہ ہونے کی بنا پر اسے رد کر دینے کا اختیار استعمال کرنے پر مصر ہوں تو ان کے ارادہ و خواہش کے خلاف جبر کرنا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ کم عمری اور غیر شعوری عمر کے نکاح کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ ﴿ وَالّٰـئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ وَّالّٰئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ..... ﴾ (الطلاق۔۴)

''تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو چکی ہوں ان کے (عدت کے) معاملہ میں اگر تمہیں کوئی شک لاحق ہو تو (تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے اور یہی حکم ان کا ہے جنہیں ابھی حیض نہیں آیا''

اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں کہ

''و کذا الصغار الآئی لم یبلغن سن الحیض ان عدتھن کعدۃ الآیسۃ ثلاثۃ أشھر''(۱)

(۱) [تفسیر ابن کثیر (۴/۵۹۵)]

''اسی طرح وہ چھوٹی لڑکیاں جو ابھی حیض کی عمر کو نہیں پہنچیں (یعنی بالغ نہیں ہوئیں) ان کی عدت بھی حیض سے مایوس (بوڑھی) عورتوں کی طرح تین مہینے ہے۔''

عدت کا سوال چونکہ طلاق کے بعد اور طلاق کا سوال نکاح کے بعد ہوتا ہے اس لیے اس آیت سے معلوم ہوا کہ نابالغہ بچی کا نکاح درست ہے اور نکاح کے بعد اگر اسے طلاق ہو جائے، قطع نظر اس سے کہ رخصتی ہوئی یا نہیں، اس کی عدت تین ماہ ہے تین حیض نہیں کیونکہ حیض تو اسے ابھی شروع ہی نہ ہوا تھا۔ اس آیت کے ضمن میں سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم فرماتے ہیں کہ

''اس لیے ایسی لڑکیوں کی عدت بیان کرنا جنہیں حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، صریحاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس عمر میں نہ صرف لڑکی کا نکاح کر دینا جائز ہے بلکہ شوہر کا اس کے ساتھ خلوت کرنا بھی جائز ہے۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ جس چیز کو قرآن نے جائز قرار دیا ہوا سے ممنوع قرار دینے کا کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا۔''[1]

۲۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ

" ان النبی تزوجها وهی بنت ست سنین وبنی بها وهی بنت تسع سنین "[2]

''اللہ کے رسول ﷺ سے جب ان کا نکاح ہوا تو ان کی عمر چھ سال تھی اور جب ان کی رخصتی ہوئی تو ان کی عمر نو سال تھی۔''

صاف ظاہر ہے کہ چھ سال کی عمر کمسنی، نابالغی اور غیر شعوری کی عمر ہوتی ہے اور والدین اگر مناسب سمجھیں تو اس عمر میں بچوں کا نکاح کر سکتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ امام مهلبؒ کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ

" اجمعوا (علی) انه یجوز لاب تزویج ابنته الصغیرة البکر ولو کانت لا یوطاء مثلها "

---

(۱) [تفهیم القرآن (ص ۵۷۱/ ج ۵)]

(۲) [بخاری : کتاب النکاح :باب تزویج الاب ابنته من الامام (۵۱۲۴) مسلم (۱۴۲۲)]

''فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ والد اپنی چھوٹی باکرہ بچی کا نکاح کرسکتا ہے اگر چہ وہ صغرسنی کی وجہ سے مباشرت کے لائق نہ ہو''۔ (۱)

بلوغت کے بعد اختیار

اس مسئلہ میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ بچے کو بلوغت کے بعد اختیار دیا جائیگا کہ اگر وہ پہلے کیے ہوئے نکاح پر رضا مند ہے تو وہ نکاح برقرار رہے گا ورنہ لڑکا طلاق دینے کا مجاز ہے اسی طرح اگر بچی بلوغت کے بعد گزشتہ نکاح پر رضا مند نہ ہو تو وہ عدالت کے ذریعے اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار رکھتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان کنواری لڑکی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے والد نے میرا نکاح کردیا ہے اور مجھے یہ نکاح پسند نہیں تو نبی اکرمؐ نے اس لڑکی کو اختیار دے دیا۔ (کہ چاہو تو نکاح فسخ کرادو اور چاہو تو اسے برقرار رکھو) (۲)

واضح رہے کہ اس کی تفصیل گزشتہ ابواب میں ''ولی کی اجازت کے ساتھ لڑکی کی رضامندی بھی ضروری ہے'' کے تحت گزر چکی ہے۔

نابالغ بچوں کی شادی روکنے کا ایکٹ اور اس کے نقصانات

قرآن وسنت اور اجماع امت کے حوالے سے یہ بات ثابت کی جاچکی ہے کہ نابالغ بچوں کا نکاح جائز ہے لیکن پاکستانی قانون (مسلم عائلی قوانین دفعہ ۱۲ مجریہ ۱۹۹۱ء) میں نابالغ بچوں کی شادی روکنے کا ایکٹ موجود ہے جس کی رو سے شادی کے لیے لڑکے کی عمر کم از کم ۱۸ سال اور لڑکی کی ۱۶ سال مقرر کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ ایکٹ سراسر شریعت سے متصادم ہے مگر طرفہ تماشا یہ ہے کہ شریعت پر عمل کرنے والے یا دوسرے لفظوں میں اس پاکستانی

(۱) [فتح الباری (۹/۱۹۰)]

(۲) [ابوداؤد: کتاب النکاح :باب فی البکر یزوجها ابوها ولا یستامرها (۲۰۹۶)ابن ماجه (۱۸۷۵)نسائی (۳۲۷۱)احمد(۱/۲۷۳)(۶/۱۳۶)دارقطنی (۳/۲۳۴)]

قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے حکومت پاکستان نے قید اور جرمانے کی سزا تجویز کر رکھی ہے! مقتدر حضرات کو اس مسئلہ میں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔

اس اسلامی حکم کی حکمتیں

صغر سنی کے نکاح کے جواز کی شرعی حیثیت گزشتہ سطور میں واضح ہو چکی ہے، باقی رہا اس کی حکمتوں کا مسئلہ تو اس ضمن میں معروف عالم دین مولانا محمد تقی عثمانی (سابق جج وفاقی شرعی عدالت آف پاکستان) رقم طراز ہیں کہ

1. ایک شخص جو دیکھ رہا ہے کہ اس کا لڑکا یا لڑکی اخلاقی اعتبار سے بری طرح بگڑتے جا رہے ہیں اور اگر جلدی ان کی شادی نہ کر دی گئی تو ان کو سنبھالنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس وقت اس کے سامنے ایک مناسب رشتہ بھی موجود ہے، ان حالات میں اس کی مصلحتوں کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جلد از جلد اپنی اولاد کی شادی کر دے لیکن وہ قانون کی وجہ سے مجبور ہے کہ جب تک لڑکا اٹھارہ سال کا نہ ہو جائے اس وقت تک وہ اس کی شادی نہیں کر سکتا!
2. ایک شخص کسی لا علاج بیماری میں مبتلا ہے اور اسے زیادہ عرصہ جینے کی امید نہیں، اس کی ایک پندرہ سالہ لڑکی ہے اس کا یا تو کوئی وارث نہیں یا ہے تو اس سے کسی بہتر سلوک کی توقع نہیں۔ ان حالات میں وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کا ہاتھ کسی شریف آدمی کے ہاتھ میں دے کر سکون کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو لیکن وہ آپ کے قانون کی بنا پر مجبور ہے کہ اس لڑکی کو دنیا میں لاوارث اور بیکس چھوڑ کر جائے اور وہ لڑکی اپنے باپ کے مرنے کے بعد در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرے اور خود غرض لوگوں کی حرص وہوس کا شکار ہو!
3. ایک بیوہ عورت ہے جس کا کوئی والی یا وارث نہیں ہے اس کی ایک بالغ یا نابالغ لڑکی ہے۔ اب اس کے لیے خود اپنا پیٹ پالنا اور اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کرنا ہی ایک مستقل مسئلہ ہے چہ جائیکہ وہ اپنے ساتھ ایک اور لڑکی کا بار برداشت کرے۔ اس

کے لیے اس لڑکی کو اپنے پاس رکھنا معاشی مشکلات کا بھی موجب ہے اور اسے یہ خطرہ بھی ہے کہ اس نے اس کی شادی جلد ہی نہ کر دی تو ممکن ہے وہ کسی غنڈہ کے ہتھے چڑھ جائے اب آپ ہی بتایئے کہ اس کے پاس اس کے سوا اور کونسا راستہ ہے کہ وہ اپنی لڑکی کا کسی بھلے مانس سے نکاح کر کے اس کے سپرد کر دے۔ لیکن وہ ایسا اس لیے نہیں کر سکتا کہ آپ کے قانون میں ابھی وہ نکاح کے قابل نہیں۔

4 ایک دیہاتی کاشتکار ہے اس کی ایک جوان لڑکی ہے وہ رات دن دیکھتا ہے کہ اس کا مالک اور اس کے کارندے اپنی شرارت طبع کی وجہ سے لڑکیوں کو اپنی حرص وہوس کا شکار بناتے ہیں۔ اسے خطرہ ہے کہ اگر میں زیادہ دنوں تک اس لڑکی کو اپنے پاس رکھوں گا تو اس کی حفاظت نہ کرسکوں گا۔ اس لیے وہ مجبور ہے کہ اس کی شادی جلد ہی کہیں کرا دے لیکن دوسری طرف جب وہ آپ کے قانون کو دیکھتا ہے تو ہاتھ مل کے رہ جاتا ہے اور بے بسی کے آنسو بہانے کے سوا وہ کچھ نہیں کرسکتا۔

دیہات میں کمسنی کی شادیوں کا سب سے بڑا سبب یہی تھا اور کاشتکار لوگ اسی طریقہ سے اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرتے تھے۔ ورنہ یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ مزارعین کی ناموس ہمیشہ زمینداروں کی انسان دشمنی سے خطرے میں رہتی ہے۔ اب اس قانون کے بعد وہ اپنے آپ کو قطعی بے بس پائیں گے۔

5 ان مشکلات کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری قوم کے اخلاقی زوال کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جائے گی اور کمسنی کے جرائم میں ایسا اضافہ ہوگا جو ملک اور قوم کے لئے انتہائی مہلک ثابت ہوگا۔ زنا اور اغوا کے واقعات بڑھ جائیں گے اور ہر شخص یہ دیکھ لے گا کہ نکاح پر پابندی لگانے سے زنا کی کھلی چھٹی مل جاتی ہے۔ پھر اس کے متوقع نتائج بڑے عبرت ناک ہوں گے۔'' [1]

---

(۱) [(ہمارے عائلی مسائل ،ص ۲۱۱۔۲۱۵)]

فصل دوم

نکاح سے متعلقہ دیگر پیچیدہ مسائل

نکاح اور رخصتی میں وقفہ اور رخصتی سے قبل ہمبستری

عربوں کے ہاں چونکہ یہ رواج تھا کہ چھوٹی عمر میں بچوں اور بچیوں کا نکاح کر دیا جاتا البتہ بچیوں کی رخصتی بالعموم اس وقت کی جاتی جب وہ بالغ ہو جاتیں۔ اسلام نے بھی اس میں پنہاں مختلف حکمتوں کے پیش نظر اسے جائز رکھا۔ خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

" ان النبي تزوجها وهي ست سنين وادخلت عليه وهي بنت تسع "(۱)

"نبی اکرمؐ نے جب مجھ سے نکاح کیا تو میری عمر ۶ سال تھی اور جب رخصتی ہوئی تو اس وقت میری عمر ۹ سال تھی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی عمر میں نکاح جائز ہے اور دوسرا یہ کہ نکاح اور رخصتی میں حسب ضرورت وقفہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی سے متعلقہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نکاح کے بعد اور رخصتی سے پہلے منکوحہ سے مباشرت جائز ہے یا نہیں؟ اصولی طور پر تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ رخصتی سے پہلے منکوحہ سے مباشرت کی جا سکتی ہے کیونکہ اولیا اور گواہوں کی موجودگی میں ان دونوں کا باقاعدہ طریقے سے نکاح صحیح ہو چکا ہے۔ البتہ عرف عام میں (یعنی معاشرتی لحاظ سے) اسے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ تاہم اس فعل پر ناکح اور منکوحہ کو مطعون بھی نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اگر لڑکی اتنی چھوٹی عمر کی ہو کہ اس سے مباشرت و جماع طبی لحاظ سے نقصان دہ ہو تو پھر از راہ حکمت احتیاط ہی بہتر ہے۔ واللہ اعلم!

---

(۱) [بخاری : کتاب النکاح :باب انکاح الرجل ولده الصغار (۵۱۳۳)]

اپنے سے چھوٹی یا بڑی عمر والے سے نکاح

ہمارے ہاں عام رواج بن چکا ہے کہ شادی کے لئے مرد کے مقابلہ میں عورت ہمیشہ چھوٹی عمر کی منتخب کی جاتی ہے۔اور اگر کوئی مرد اس کے برعکس اپنے سے بڑی عمر کی خاتون سے یا کوئی عورت اپنے سے بہت زیادہ بڑی یا بہت زیادہ چھوٹی عمر کے آدمی سے نکاح کر لے تو اسے معیوب سمجھا جاتا ہے ۔حالانکہ شرعی اعتبار سے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔اس سلسلہ میں مفتی عرب شیخ ابن بازؒ سے جب سوال کیا گیا کہ

''عورتوں اور مردوں کے لئے شادی کی موزوں عمر کتنی ہے؟ کیونکہ بعض دوشیزائیں اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں سے شادی نہیں کرتیں،اسی طرح بعض نوجوان اپنے سے بڑی عمر کی عورتوں سے شادی نہیں کرتے،جواب سے آگاہ فرمائیے'' ۔جزاکم اللہ خیرا

تو شیخ اس سوال کے جواب یہ دیتے ہیں کہ

''نوجوان لڑکیوں کو میری نصیحت ہے کہ وہ اس بنا پر مرد کو مسترد نہ کریں کہ وہ ان سے دس بیس سال یا تیس سال بڑا ہے،یہ کوئی معقول عذر نہیں ہے۔نبی اکرمؐ نے حضرت عائشہؓ سے شادی فرمائی تو اس وقت آپ ؐ کی عمر ترپن (۵۳) برس تھی ۔جبکہ حضرت عائشہؓ اس وقت ابھی نو برس کی عمر کو پہنچ پائی تھیں ۔بڑی عمر نقصان دہ نہیں ہے،مرد کا عورت سے بڑا ہونا یا عورت کا مرد سے بڑا ہونا چنداں قابل حرج نہیں۔نزول وحی سے پہلے نبی اکرمؐ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی فرمائی تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی جبکہ آپ ؐ کی عمر پچیس سال تھی ۔یعنی حضرت خدیجہ نبی اکرمؐ سے پندرہ برس بڑی تھیں ۔وہ لوگ جو ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ پر گفتگو کر کے لوگوں کو شادی کے وقت عمر کے تفاوت سے متنفر کرتے ہیں تو یہ سب کچھ غلط ہے،انہیں ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

شادی کے بارے میں جو کچھ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ عورت نیک اور اپنے لئے موزوں خاوند کا

انتخاب کرے اور اگر وہ عمر میں اس سے بڑا ہو تو بھی شادی کے لئے آمادہ ہو جانا چاہئے۔ یہی حکم مرد کا ہے کہ وہ نیک، پاکباز اور مناسب بیوی تلاش کرے اور ایسا رشتہ میسر آ جانے پر عمر کے فرق کو بہانہ بنا کر شادی سے گریز نہ کرے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ دونوں فریق جوان ہوں اور بچے پیدا کرنے کی عمر میں ہوں۔ مختصر یہ کہ عمر کو بہانہ نہیں بنانا چاہئے۔ اگر مرد یا عورت نیک ہوں تو عمر میں تفاوت کو عیب نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے۔ (آمین)[1]

(۱) [فتاوی برائے خواتین (اردو) طبع دارالسلام (ص ۱۶۸، ۱۶۹)]

فصل سوم

زنا کے مرتکب مرد وزن کے نکاح کی شرعی حیثیت

جنسی بے راہ روی کی وجہ سے کئی مرتبہ ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ لڑکا اور لڑکی باہمی دوستی کے بعد فعل زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور پھر وہ آپس میں نکاح کی بھی شدید خواہش رکھتے ہیں یا بعض دفعہ والدین، ذلت ورسوائی سے بچنے کے لیے ان کا فوری نکاح کر دینے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں بالخصوص جب لڑکی فعل زنا سے حاملہ بھی ہو چکی ہو تو پھر زانی لڑکے ہی سے جیسے بھی ممکن ہوتا ہے نکاح کر دیا جاتا ہے۔اس سلسلے میں چند متعلقہ مسائل کی شرعی حیثیت ذیل میں واضح کی جاتی ہے:

ا۔زنا کے بارے میں شرعی حکم

۲۔زانی مرد وزن کے نکاح کی شرعی حیثیت

۳۔حالت حمل میں مزنیہ کے نکاح کی شرعی حیثیت

۴۔زانیہ عورت یا زانی مرد سے کسی دوسرے (پاکدامن) کے نکاح کی شرعی حیثیت

ا۔زنا کے بارے میں شرعی حکم

شریعت نے زنا کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے اور زنا کے مرتکب افراد پر باقاعدہ حد (سزا) مقرر کی ہے بشرطیکہ جرم عدالت تک پہنچ کر چار عینی گواہوں کی شہادت یا مجرم کے اعتراف سے ثابت ہو چکا ہو۔اس سلسلے میں قرآن مجید نے غیر شادی شدہ زانیوں کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے مقرر کیے ہیں۔(۱) جبکہ غیر شادی شدہ زانی مرد کے لیے ایک سال کی جلاوطنی کی سزا اس کے علاوہ ہے۔(۲)

(۱) [دیکھیے سورۃ النور آیت نمبر ۲]

(۲) [ملاحظہ ہو صحیح بخاری : کتاب الحدود :باب الاعتراف بالزنا(۶۸۲۸)]

اور اگر شادی شدہ مرد وزن، زنا کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا رجم (پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا) ہے۔[1] البتہ یہ بات یاد رہے کہ اگر عورت زنا سے حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے اس پر حد نافذ نہیں کی جائے گی۔[2]

۲۔زانی مرد وزن کے نکاح کی شرعی حیثیت

زنا کے مرتکب مرد وزن کا معاملہ اگر حاکم وقت (عدالت) تک جا پہنچے پھر چار عادل وعینی گواہوں یا مرد وزن کے ذاتی اعتراف پر جرم زنا بھی ثابت ہو جائے تو ان پر شرعی حد نافذ کی جائے گی۔ پھر اس شرعی سزا کے بعد اگر کنوارے مرد وزن آپس میں شادی کرنا چاہیں تو اسلامی طریقے کے مطابق اب یہ شادی کر سکتے ہیں کیونکہ شرعی سزا ان کے جرم کا کفارہ بن چکی ہے جیسا کہ حدیث نبویؐ ہے:

" ومن اصاب من ذلک شیأ فعوقب فھو کفارۃ لہ"[3]

''جس شخص نے ان (موجب سزا جرائم) میں سے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور پھر اسے اس پر سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گا۔''

لہٰذا اب یہ تائب کے حکم میں ہے اور تائب کا نکاح بلاشبہ درست ہے۔[4]

اگر زنا کے مرتکب افراد کے اس جرم کا لوگوں کو علم نہ ہو تو ان زانیوں کو چاہیے کہ اپنے جرم کی پردہ پوشی کریں حتی کہ اگر کسی تیسرے شخص کو بھی ان کے جرم کا علم ہو جائے تو اسے بھی

---

(۱) [دیکھیے: بخاری ایضا باب رجم الحبلی فی الزنا (۶۸۳۰) مسلم (۱۶۹۸) مسند احمد (۹۵،۹۱،۵/۷۶)]

(۲) [ملاحظہ ہو: صحیح مسلم (۳۱۲۶) ابو داؤد (۴۴۴۱) ترمذی (۱۴۳۶) نسائی (۴/۶۳) بیہقی (۹/۲۲۵) زنا سے متعلقہ مندرجہ بالا احکام کے حوالے سے جمہور فقہا چونکہ متفق ہیں اس لیے ان کی زیادہ تفصیلات کی بجائے قرآن وسنت کے متعلقہ نصوص کی طرف اشارہ کر دینے ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔]

(۳) [بخاری (۴۸۹۴) ومسلم (۱۷۰۹)] (۴) [دیکھیے: تفسیر ابن کثیر (۳/۴۲۴)]

چاہئے کہ وہ پردہ پوشی کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

" لا یستر عبدٌ عبدًا فی الدنیا الاستره الله یوم القیامة "(۱)

''جو شخص دنیا میں کسی شخص کے گناہ پر پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔''

لہذا اس طرح اگر ان کا معاملہ عدالت میں نہ پہنچا ہو یا عدالت میں پہنچنے کے باوجود مطلوبہ گواہیاں پوری نہ ہو پائی ہوں اور نہ ہی مجرموں نے اپنے فعل کا اقرار کیا ہو تو اندریں صورت ان پر شرعی حدّ زنا، نافذ نہیں کی جائے گی۔ باقی رہا ان کے نکاح کا مسئلہ تو اگر دونوں زنا کرنیوالے سچے دل سے توبہ کرلیں تو پھر ان کا باہمی نکاح ہوسکتا ہے کیونکہ حدیث نبویؐ ہے:

" التائب من الذنب کمن لاذنب له "(۲)

''گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس کا کوئی گناہ ہی نہیں ہے۔''

اسی سلسلے میں حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

''کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ میں ایک عورت سے حرام کاری کرتا رہا ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس فعل حرام سے توبہ کی توفیق عطا فرمادی اور میں نے ارادہ کیا ہے کہ اب باقاعدہ طور پر اس عورت سے شادی کرلوں مگر لوگوں کا کہنا ہے کہ زانی مرد، زانیہ اور مشرکہ عورت ہی سے نکاح کرتا ہے۔ (تو آپ بتائیں کہ میرا اس عورت سے شادی کرنا درست ہے یا ابھی بھی یہ زنا ہے؟) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ ایسے نہیں (کہ اسے زنا کہا جائے بلکہ) تو اس عورت سے شادی کرلے اگر اس شادی میں کوئی گناہ ہوا تو وہ مجھ پر ہوگا۔''(۳)

---

(۱) [مسلم ۲۵۹۰]

(۲) [ابن ماجه کتاب الزهدُباب ذکرالتوبة (٤٢٥٠)]

(۳) [تفسیرابن کثیر(٣/٤٢٤)]

معلوم ہوا کہ سچی توبہ کے بعد زنا کے مرتکب مرد وزن کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے۔علاوہ ازیں یہ بات بھی یادر ہے کہ مذکورہ واقعہ میں زانی کے اقرار جرم کے باجود عبداللہ بن عباسؓ نے اسے شرعی سزا دلوانا اس لیے مناسب نہ سمجھا کہ آپ حاکم وقاضی نہ تھے۔اس لیے آپ نے اس کے جرم پر پردہ پوشی فرمائی لیکن اگر ایسا جرم حاکم وقت یا عدالت میں پہنچ جائے تو پھر اس کی مکمل انکوائری ہوگی اور ثبوت جرم کے بعد شرعی سزا یا عدم ثبوت کی صورت میں الزام لگانے والوں پر تہمت کی سزا جاری کی جائے گی۔یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ کے پاس کوئی ایسا معاملہ پہنچتا تو وہ بحیثیت خلیفہ زانیوں کو شرعی سزا دیتے جیسا کہ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ اور امام قرطبیؒ وغیرہ نے اپنی تفسیروں میں سورۃ النور کے ضمن میں اس کی مثالیں ذکر کی ہیں اور یہی مثالیں مع اسناد مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق اور بیہقی کی السنن الکبری میں بھی موجود ہیں۔

۳۔حالتِ حمل میں نکاح کی شرعی حیثیت

تیسری بات یہ تھی کہ زنا کی وجہ سے اگر لڑکی حاملہ ہوجاتی ہے تو اس کے اولیا ذلت سے بچنے کے لیے حالت حمل ہی میں اس کا نکاح کردیتے ہیں۔ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ زانیہ حاملہ سے زانی کا نکاح شرعی طور پر کیا حیثیت رکھتا ہے؟

فقہائے مالکیہ، حنابلہ اور فقہائے حنفیہ میں سے امام ابویوسف کا موقف یہ ہے کہ ایسی عورت کا نکاح خواہ اسی زانی سے کیا جائے یا کسی اور سے، یہ اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ وضع حمل نہ ہوجائے۔ان کے موقف کی ایک دلیل تو یہ حدیث ہے کہ

"لا توطأ حامل حتی تضع"[۱]

"کسی بھی حاملہ سے وطی (ہمبستری) جائز نہیں تاوقتیکہ وضع حمل ہوجائے۔"

---

(۱) [ابوداود: کتاب النکاح: (۲۱۵۷) حاکم (۲/۱۹۵) بیہقی (۷/۴۴۹)]

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ

''ایک آدمی نے کسی عورت سے شادی کی اور بوقت خلوت معلوم ہوا کہ یہ تو حاملہ ہے۔ چنانچہ اس نے یہ معاملہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے پیش فرمایا تو آپ نے ان کے درمیان جدائی کرادی۔''(۱)

فقہائے شافعیہ اور حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ زنا سے حاملہ ہونیوالی عورت کا حالت حمل میں نکاح جائز ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ روایات میں جس حاملہ سے نکاح (ہمبستری) کی ممانعت ہے اس سے مراد وہ حاملہ عورت ہے جو با قاعدہ نکاح سے حاملہ ہوئی ہو اور اس سے پیدا ہونیوالے بچے کا نسب با قاعدہ طور پر صحیح اور محفوظ ہو۔ لیکن زنا سے حاملہ ہونیوالی عورت کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ نبی اکرم کا ارشاد ہے:

'' الولد للفراش وللعاهر الحجر ''(۲)

''بچہ اس کی طرف منسوب ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور زانی کے لیے پتھر (حدِ رجم) ہے''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زانی کے نطفے کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہذا زنا سے حاملہ ہونیوالی عورت حالت حمل میں نکاح کروا سکتی ہے۔(۳)

راجح موقف!

اس مسئلہ میں ہمیں راجح موقف وہی معلوم ہوتا ہے جو شوافع اور احناف نے اختیار کیا ہے البتہ ہم اس میں چند حدود کا اضافہ ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ

(۱) [بیهقی (۷/۱۵۷) سنن سعید بن منصور (۱/۱۷۶) اس کی سند میں ابن جریج مدلس راوی ہے جو عنعنہ کے ساتھ بیان کررہا ہے اس لیے یہ روایت ضعیف ہے اس کے علاوہ بھی اس میں بعض علتیں ہیں۔]

(۲) [بخاری ومسلم]

(۳) [فقہاء کے اس مسئلہ میں اختلافی اقوال اور مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع (۱۹۳،۱۹۲/۳) حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر (۲/٤۷۱) المغنی لابن قدامه (۱/٦٠٦ تا ٦٠٣) مغنی المحتاج (۳/۳۸٤) جواهر الاکلیل (۱/۳۸٦) روضة الطالبین (۸/۳۷۵) کشاف القناع (٥/۸۲) سبل السلام (۳/۲۰۷) شرح السنة للبغوی (۹/۲۹۰)]

۱۔ زنا سے حاملہ ہونیوالی لڑکی کا نکاح اگر حالت حمل میں کرنا مقصود ہو تو پھر اسی زانی سے کیا جائے گا جس کے نطفے سے یہ حاملہ ہوئی ہے کسی اور شخص سے اس حالت میں نکاح نہیں کیا جائے گا۔ (اس کی دلیل ہم آگے بیان کر رہے ہیں)

۲۔ علاوہ ازیں اس نکاح سے پہلے زانی اور زانیہ کا سچی توبہ کرنا ضروری ہے۔

۳۔ اور اگر یہ معاملہ حاکم وقت (عدالت) تک پہنچ چکا ہو تو پھر جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں پہلے شرعی حد نافذ ہوگی پھر نکاح پر غور کیا جائیگا۔ اور شرعی حد لگنے کی صورت میں اگر عورت حاملہ ہے تو اسے وضع حمل کے بعد سزا دی جائے گی۔ اور اس کے بعد ان کے بارے میں ہی نکاح پر غور کیا جائے گا۔

مزید دلائل کی ترتیب وتہذیب

زنا سے حاملہ ہونیوالی لڑکی اگر توبہ کر چکی ہو اور معاملہ عدالت تک نہ پہنچا ہو تو پھر اس زانی سے اس کا نکاح حالت حمل ہی میں جائز ہے کہ جس کے نطفے سے یہ حاملہ ہوئی ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

❶ ایسے نکاح کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ رہی وہ روایات جن میں حاملہ سے وضع حمل سے پہلے نکاح وہمبستری کرنے کی ممانعت ہے تو اس سے مراد وہ حاملہ عورتیں ہیں جو باقاعدہ نکاح سے حاملہ ہو کر عدت گزار رہی ہوں۔ حاملہ کی عدت چونکہ وضع حمل ہے اس لیے وضع حمل سے پہلے اس سے نکاح درست نہیں کیونکہ دوران عدت نکاح کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" ولاتعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله "(البقرۃ۔۲۳۵)

"جب تک کہ عدت نہ گزر جائے، تب تک عقد نکاح پختہ نہ کرو"

زنا سے حاملہ ہونے والی نے نہ نکاح کیا تھا نہ اسے طلاق ہوئی ہے۔ اس لیے جمہور فقہا کے نزدیک ایسی عورت پر کوئی عدت نہیں۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ

''حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ زانیہ پر کوئی عدت نہیں۔ یہی موقف امام ثوری، امام شافعی اور اہل الرائے (حنفیہ) کا ہے۔''(۱)

امام صنعانیؒ رقمطراز ہیں کہ

''جو لوگ زانیہ کے لیے عدت کے وجوب کے قائل ہیں وہ انتہائی قلیل (اقل) ہیں جبکہ اکثریت کا موقف یہ ہے کہ اس پر عدت واجب نہیں''۔(۲)

امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ

''جب کوئی آدمی کسی عورت سے زنا کرے تو اس عورت پر کوئی عدت نہیں۔ کیونکہ عدت تو اس لیے ہوتی ہے کہ آدمی کے نطفے کی حفاظت ہو مگر زانی کے نطفے کا کوئی تحفظ نہیں، کیونکہ اس کے نطفے سے نسب نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسی حالت میں بغیر عدت گزارے مزنیہ (جس سے زنا ہوا) کا نکاح جائز ہے۔''(۳)

امام بیہقیؒ کا بھی وہی موقف ہے جسے ہم نے ترجیح دی ہے، چنانچہ موصوف نے اپنی سنن میں باقاعدہ باب رقم کیا ہے کہ

" باب لاعدة على الزانية ومن تزوج امرأة حبلىٰ من زنا لم يفسخ النكاح "(٤)

''اس چیز کا بیان کہ زانیہ پر کوئی عدت نہیں اور جس شخص نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو زنا سے حاملہ تھی، اس کا نکاح فسخ نہیں ہوگا۔''

❷ حاملہ عورت سے نکاح کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ اس میں غیر کی کھیتی کو پانی پلانے والی بات ہے جیسا کہ جنگ کے موقع پر قیدی عورتوں کے حوالہ سے نبی اکرمؐ نے فرمایا:

---

(۱) [المغنی (ص ۴۵۰۔ج۷)۔طبع قدیم]

(۲) [سبل السلام (ص۲۰۷ ج۳)]

(۳) [شرح السنة للبغوی (۲۹۰/۹)]

(٤) [السنن الکبری: کتاب النکاح (ص ۱۵۷ ج ۷)]

" لایحل لامرئ یومن باللہ والیوم الآخران یسقی ماءہ زرع غیرہ یعنی اتیان الحبالیٰ ولایحل لامرئ یومن باللہ والیوم الآخر ان یقع علی امرأۃ من السبی حتی یستبرئھا "(۱)

" اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لائق نہیں کہ وہ اپنے پانی سے غیر کی کھیتی (حمل) کو سیراب کرے"۔۔۔راوی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کی مراد یہ تھی کہ غیر سے حاملہ ہونیوالی عورت سے ہمبستری جائز نہیں ۔۔۔"اور اسی طرح اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے شخص کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ کسی باندی سے استبراءِ رحم سے پہلے جماع کرے۔"

یہ ممانعت اس وقت ہے کہ جب عورت کسی غیر سے حاملہ ہوئی ہو مثلاً اگر شادی شدہ عورت کسی غیر سے زنا کی وجہ سے حاملہ ہوئی ہو تو فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کا خاوند اس سے اس وقت تک جماع نہیں کرسکتا جب تک کہ حمل وضع نہ ہوجائے اسی طرح مذکورہ روایت ہی میں یہ اصول موجود ہے کہ پہلے سے حاملہ باندی سے مالک جماع نہیں کرسکتا تاوقتیکہ وضع حمل ہو جائے۔لیکن اگر وہی زانی اس سے نکاح اور ہمبستری کرنا چاہے کہ جس کے نطفہ سے یہ حاملہ ہوئی تھی تو اس کے لیے مذکورہ روایت میں کوئی ممانعت نہیں کیونکہ اس کے لیے اندریں صورت غیر کی کھیتی کو سیراب کرنے والی علت نہیں بلکہ یہ تو اپنی ہی کھیتی کو سیراب کریگا۔کیونکہ اسی کے نطفہ ہی سے تو وہ حاملہ ہوئی ہے!

❸ اگر کوئی شخص حالت حمل میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا وہ اس حالت میں فوت ہوجائے کہ اس کی بیوی کو حمل ٹھہر چکا ہو تو کوئی دوسرا شخص اس عورت سے اس وقت تک نکاح کا مجاز نہیں جب جب تک کہ وضع حمل نہ ہوجائے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

" واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن "(الطلاق:۴)

"اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے۔"

(۱) [ابوداؤد: کتاب النکاح :باب فی وطء السبایا....(۲۱۵۸)]

اس ممانعت کی بنیادی علت بھی غیر کی کھیتی کو پانی پلانے اور نسب کے مختلط ہونے والی صورت ہے لیکن اگر طلاق دینے والا شخص حالت حمل ہی میں عورت سے رجوع کرنا چاہے تو وہ نہ صرف اس کا مجاز ہے بلکہ اس سے ہمبستری بھی کر سکتا ہے کیونکہ عورت کا حمل اسی کے نطفہ سے ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے زانی کا نکاح اپنی حاملہ مزنیہ سے درست ہونا چاہئے کیونکہ وہ بھی اسی کے نطفے سے حاملہ ہوئی ہے اور اس کا یہ نکاح ایسے ہی درست ہوگا جیسے طلاق دینے والے کا اپنی مطلقہ (بیوی) سے حالت حمل میں رجوع درست ہے۔

4 اگر حاملہ مزنیہ کا نکاح وضع حمل تک روکے رکھا جائے گا تو اس سے نہ صرف مزنیہ اور اس کے اولیا و اقارب کی فضیحت و رسوائی ہے بلکہ معاشرتی طور پر بھی اس کے برے اثرات مرتب ہوں گے لیکن اگر مزنیہ کا اسی زانی سے نکاح کر دیا جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ ان تمام مفاسد کا سد باب ہوگا بلکہ الولد للفراش کے بموجب نومولود بھی اسی 'زانی خاوند' کی طرف منسوب ہوگا۔ بہر صورت مندرجہ بالا دلائل اور فقہا کے اقوال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مزنیہ حاملہ سے زانی کے نکاح کی گنجائش شریعت میں موجود ہے۔ واللہ اعلم!

زانیہ سے کسی دوسرے کا نکاح جائز ہے بشرطیکہ...

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے مثلاً ماں، بہن، بیٹی... وغیرہ ان کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

" واحل لكم ماوراء ذلكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين"

''ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں بشرطیکہ تم اپنے مال (مہر) کے ساتھ ان سے نکاح کرو، پاکدامنی کے لیے نا کہ شہوت رانی کے لیے۔'' (النساء۔۲۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حلت نکاح کے لیے مرد کا محصن وعفیف یعنی پاکدامن وغیر زانی ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے کہ

" والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب من قبلكم اذا آتيتموهن اجورهن محصنين غير مسافحين و لا متخذی اخدان "(المائدۃ۔۵)

" پاکدامن مسلمان عورتیں اور اہل کتاب کی وہ عورتیں بھی حلال ہیں جو پاکدامن ہوں بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کرو۔ اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو۔ یہ نہیں کہ علانیہ زنا کرو یا پوشیدہ بدکاری کرو۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرد ہی کی طرح عورت سے حلت نکاح کے لیے اس کا محصنہ وعفیفہ یعنی غیر زانیہ اور پاکدامنہ ہونا بھی ضروری ہے لیکن اگر نکاح کرنیوالے جوڑے میں سے کوئی ایک زنا یا عادت زنا کا مرتکب ہو تو ان کا نکاح اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ وہ زنا کا مرتکب سچی توبہ نہ کرلے۔ سچی توبہ سے چونکہ سب سے بڑا گناہ یعنی 'شرک' بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں۔ اس لیے 'زنا' جیسے گناہ سے معافی بھی کچھ بعید نہیں۔ علاوہ ازیں توبہ کے بعد تائب سے زانی و بدکاری کی صفت بھی از خود زائل ہوجاتی ہے اور وہ بھی محصنوں اور پاکدامنوں کی فہرست میں شامل ہوجاتا ہے۔ البتہ اگر سچی توبہ نہ کی گئی ہو تو پھر ایسے شخص سے نکاح حرام ہے جیسا کہ کتب احادیث میں صحیح روایت ہے کہ

" مرثد بن ابی مرثد غنوی صحابی کے مکہ کی ایک بدکار عورت 'عناق' سے ناجائز تعلقات رہ چکے تھے۔ اسلام قبول کرلینے کے بعد حضرت مرثدؓ نے اس عورت سے نکاح کرنا چاہا اور اس مقصد کے لیے آنحضرتؐ سے اجازت مانگی مگر آپؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا پھر یہ آیت نازل ہوئی: والزانية لاينكحها الازان اومشرك (کہ زانیہ سے نکاح، زانی اور مشرک ہی کرتا ہے) تو آپؐ نے مرثد کو بلا کر یہ آیت سنائی اور فرمایا کہ اس عورت سے نکاح نہ کرنا۔"(۱)

(۱) [ابوداؤد: كتاب النكاح: باب في قوله الزاني لاينكح لازانية (۲۰۵۱) ترمذی (۳۱۷۷) نسائی (۶/۶۶)]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ ایک مسلمان آدمی نے ام مہزول نامی بدکارہ عورت سے نکاح کے لیے آنحضرتؐ سے اجازت طلب کی تو آپؐ نے یہی مذکورہ آیت پڑھ کر اسے ایسی فحبہ عورت سے نکاح کرنے سے منع فرمادیا۔(۱)

معلوم ہوا کہ زنا کے بعد توبہ نہ کرنے والے یا پیشہ ور بدکاری کرنے والے مرد یا عورت سے نکاح جائز نہیں تاوقتیکہ وہ سچی توبہ نہ کرلے۔ حافظ ابن کثیرؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

''کسی پاکدامن مرد کا کسی زانیہ وبدکارۃ عورت سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا الا کہ وہ بدکار توبہ کرلے تو پھر اس سے نکاح صحیح ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح پاکدامن عورت کا کسی زانی وبدکار مرد سے نکاح بھی صحیح نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ سچی توبہ کرلے۔''(۲)

البتہ اگر زانیہ حالت حمل میں ہو تو اندریں صورت اس کا نکاح اس زانی سے تو درست ہے جس کے نطفہ سے وہ حاملہ ہوئی ہے (جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے) مگر کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح درست نہیں تاوقتیکہ وضع حمل نہ ہوجائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

''کسی مومن شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر کی کھیتی کو سیراب کرے۔'' (ابوداؤد)

یعنی غیر شخص سے حاملہ ہونے والی عورت سے ہمبستری کرنا اس کے لیے جائز نہیں۔ البتہ اگر وضع حمل ہوچکا ہو تو پھر کسی بھی شخص سے اس کا نکاح جائز ہے۔

واضح رہے کہ بعض فقہا کے نزدیک مزنیہ کا حالت حمل میں غیر زانی سے نکاح جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ غیر زانی اس حاملہ سے نکاح کے بعد وضع حمل تک جماع نہ کرے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کا یہی موقف ہے۔(۳)

---

(۱) [مسند احمد (۲/۱۵۸۔۲۲۵) تحفۃ الاشرف (۸۹۱۲)]

(۲) [تفسیر ابن کثیر (ص ۴۲۱ ج ۳)]

(۳) [السنۃ للبغوی (ص ۲۹۰ ج ۹)]

باب 8

ظہار، ایلا اور لعان کے مسائل واحکام

- ظہار (یعنی بیوی کو ماں بہن کہنا) اور متعلقہ مسائل
- ایلا (یعنی ترک مباشرت کی قسم کھانا) اور متعلقہ مسائل
- بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لینا اور اس سے متعلقہ مسائل
- لعان (خاوند کا اپنی بیوی پر زنا کا الزام) اور متعلقہ مسائل

فصل اول

ظہار (یعنی بیوی کو ماں بہن کہنا) اور متعلقہ مسائل

خاوند کا اپنی بیوی کو یہ کہنا کہ تو میرے لیے ماں، بہن کی طرح ہے، ظہار کہلاتا ہے۔ علاوہ ازیں ماں، بہن کی جگہ کسی بھی ایسی عورت سے تشبیہ دینا بھی ظہار ہے کہ جس سے نکاح ابدی طور پر حرام ہو مثلاً بیٹی کہنا یا دادی، نانی خالہ، پھوپھی وغیرہ کہنا۔ اگرچہ یہ کبیرہ گناہ ہے مگر اس طرح کہنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا البتہ خاوند پر اس گناہ (یعنی ظہار) کا کفارہ ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ﴾

''اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو میاں بیوی کے ملاپ سے قبل ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ تمہیں اسی بات کی نصیحت کی جاتی ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ پھر اگر وہ (غلام) نہ پائے تو ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور جو اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔'' (المجادلۃ۔۳۔۴)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ

۱۔ ظہار سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔

۲۔ دوبارہ جماع سے قبل کفارہ ضروری ہے۔

۳۔ کفارے سے پہلے جماع کرنا گناہ ہے۔

۴۔ کفارے میں ایک مومن غلام آزاد کیا جائے۔
۵۔ یا ساٹھ ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔
۶۔ یا پھر مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے جائیں۔
نیز واضح رہے کہ
۱۔ یہ کفارہ مرد پر ہے عورت پر نہیں۔
۲۔ اور روزے مسلسل رکھے جائیں اگر بلا عذرِ شرعی وقفہ کیا گیا تو پھر از سرنو، دو ماہ کے روزے رکھنا ہوں گے۔
۳۔ اگر ظہار کے ارادہ کے بغیر اور بطور عادت بیوی کو ماں یا بہن وغیرہ کہا ہو تو پھر کفارہ لازم نہیں آتا کیونکہ ظہار کی نیت نہیں تھی۔ لیکن اس عادت کو جلد از جلد ترک کر دینا چاہیے۔
۴۔ اگر لاعلمی کی وجہ سے ظہار کیا تو تب بھی کفارہ لازم نہیں آتا۔ کیونکہ بھول چوک اور لاعلمی میں کیا جانے والا کام ازروئے شریعت معاف ہے۔

بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنا

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہے کہ "تو مجھ پر حرام ہے" تو اس طرح کہنے سے کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی یا نہیں؟ اور اس طرح کہنے سے مرد پر کوئی کفارہ لازم آتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اہل علم کا بہت زیادہ اختلاف ہے۔ بعض نے اسے ظہار، بعض نے طلاق اور بعض نے قسم قرار دیا ہے جبکہ بعض نے اسے نیت پر محمول کیا ہے یعنی مذکورہ جملہ کہتے وقت جو نیت ہوگی وہی مراد ہوگا۔ جبکہ بعض نے اسے کلی طور پر ہی لغو قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس مسئلہ میں کئی آرا پائی جاتی ہیں۔ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد (ج۵ ص۲۷۴ تا ۲۸۰) میں اس مسئلہ میں ۱۳، اور مفسر قرطبی نے اپنی تفسیر (ج۱۸ ص۱۱۹۔۱۲۰) میں ۱۸ مختلف مذاہب ذکر کیے ہیں جبکہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری (ج۱۰ ص۴۶۷) میں رقمطراز ہیں کہ "بعض نے اس سے بھی زیادہ آرا کا تذکرہ کیا ہے"۔

بہر صورت ہمارے خیال میں اگر خاوند کی نیت طلاق کی نہیں تو پھر اسے قسم پر محمول کرنا ہی اقرب الی السنۃ ہے اور یہی حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، ابن مسعودؓ، عائشہؓ، عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کا موقف ہے۔ کیونکہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک لونڈی تھی جس کے ساتھ آپ مباشرت کرتے مگر کسی وجہ سے آپؐ نے اسے اپنے اوپر حرام کرلیا تو قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾

''اے نبی! جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ کیوں اسے حرام کرتے ہیں؟ کیا آپ اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے (ناجائز) قسموں کو کھول دینا واجب قرار دیا ہے۔ اللہ تمہارا مولا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔'' (التحریم۔۱۔۲)[1]

پھر اس قرآنی حکم کے مطابق نبی اکرمؐ نے قسم کا کفارہ ادا کیا۔ اسی طرح حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ

" اذا حرم الرجل عليه امراته فهي يمين يكفرها وقال لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنه "[2]

''جب کوئی شخص اپنی بیوی اپنے اوپر حرام قرار دے لے تو یہ قسم ہے، لہٰذا اسے قسم کا کفارہ دینا چاہئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ کے رسولؐ کی سیرت ہی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔''

---

(۱) [شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا دیکھیے صحیح نسائی ۳/۸۳، ابن حجر نے بھی اسے صحیح قرار دیا۔ دیکھئے فتح الباری (۱۰/٤٧٢)]

(۲) [مسلم كتاب الطلاق باب وجوب الكفارة على من حرام امرأته ولم ينو الطلاق (١٤٧٣-١٩)]

ہے"۔(ابن عباسؓ نے یہ بات اس لئے فرمائی کیونکہ اللہ کے رسولؐ نے ایسی صورت میں قسم کا کفارہ ہی ادا کیا تھا جیسا کہ اوپر حضرت انسؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔واللہ اعلم!)

سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی ابن عباس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں اپنی بیوی اپنے آپ پر حرام کر بیٹھا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ تیری بات غلط ہے اور تیری بیوی تجھ پر حرام نہیں ہوئی پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

"**یاایھا النبی لم تحرم** ...اور فرمایا کہ تجھ پر (قسم کا) سب سے سخت کفارہ ہے اور وہ یہ کہ گردن آزاد کرو"۔[1]

(۱) [نسائی: کتاب الطلاق (۳٤٤۹)]

فصل دوم

ایلاء (یعنی ترکِ مباشرت کی قسم) اور متعلقہ مسائل

کسی معقول وجہ سے بیوی کی سرزنش کے طور پر اس کے جنسی تقاضے پورے نہ کرنے کی قسم کھالینا ایلاء کہلاتا ہے جو شرعاً جائز ہے بشرطیکہ چار ماہ سے زائد عرصہ کے لیے ترک مباشرت کی قسم نہ کھائی جائے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (البقرۃ۔۲۲۶)

''جو لوگ اپنی بیویوں سے (جنسی) تعلق نہ رکھنے کی قسم کھالیں ان کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے، اس دوران اگر وہ رجوع کرلیں تو اللہ بڑا معاف کرنے والا رحیم ہے''

واضح رہے کہ نبی اکرمؐ نے بھی کسی وجہ سے ایک ماہ کے لیے اپنی بیویوں سے ایلاء کیا تھا۔ [(۱)] اس لیے کسی معقول سبب کے پیش نظر ایلا جائز ہے خواہ ایک ماہ کے لیے کیا جائے یا چار ماہ کے لیے مگر اس سے زائد عرصہ کے لئے ایلا نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ کسی معقول سبب کے بغیر محض عورت کو اذیت و تکلیف دینے کے لیے ایلا کرنا حرام اور باعث گناہ ہے۔ کیونکہ اسلام نے ضرر رسانی کو حرام قرار دیا ہے۔ [(۲)]

ایلا کے سلسلہ میں درج ذیل باتیں مدنظر رہیں:

---

(۱) [بخاری: کتاب النکاح: باب هجر النبیؐ نسائه ....(۵۲۰۲) ترمذی (۱۲۰۱) ابن ماجه (۲۰۷۲) ابن حبان (۴۲۷۸) بیهقی (۷/۳۵۲)]

(۲) [دیکھیے ابن ماجه: کتاب الاحکام: باب من بنی فی حقه مایضر بجاره (۲۳۴۰) احمد (۱/۳۱۳) موطا (۲/۷۴۵)]

۱۔ اگر ایلا کی مدت ختم ہونے سے پہلے شوہر رجوع کرنا چاہے تو اسے قسم توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا کیونکہ نبی اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''تم میں سے جو شخص کسی بات پر قسم کھائے اور پھر کسی دوسری بات کو اس سے بہتر سمجھے تو وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے اور بہتر بات پر عمل کرے''۔(۱)

واضح رہے کہ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۸۹ کے مطابق قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے، یا انہیں کپڑے پہنائے جائیں یا ایک غلام آزاد کیا جائے۔ اگر ان تینوں میں سے کسی کام کی استطاعت نہ ہو تو پھر از راہ سہولت تین دن کے روزے رکھے جائیں۔ البتہ اگر پہلے تین کاموں میں سے کسی ایک کی استطاعت ہو تو پھر انہی میں سے کفارہ دیا جائے گا اور روزے رکھنا درست نہیں ہوگا۔

۲۔ اگر چار ماہ سے کم مدت کے لیے ایلا کیا اور پھر مدت پوری ہونے تک بیوی سے جنسی تعلق قائم کر کے قسم نہیں توڑی تو اب ایلا کی مدت متعینہ ختم ہونے کے بعد اس کے لئے بیوی حلال ہے اور اس پر کسی طرح کا کفارہ لازم نہیں آئے گا۔

۳۔ اگر ایلا کی مدت کو چار ماہ گزر جائیں مگر شوہر بیوی سے جنسی تعلقات قائم نہ کرے اور نہ ہی اسے طلاق دے تو ایسی صورت میں وہ عورت عدالت کی طرف رجوع کرے گی اور عدالت اس کے شوہر کو اس بات پر پابند کرے گی کہ یا تو وہ جماع اور رجوع کرے یا پھر اس عورت کو طلاق دے دے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَإِنْ فَآءُ وْ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾

''اس دوران اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بڑا معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر طلاق ہی کی ٹھان لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ (تمہارے ارادوں کو) سننے والا، جاننے والا ہے'' (البقرۃ۔ ۲۲۶، ۲۲۷)

(۱) [بخاری: کتاب الایمان والنذور: باب قول اللہ تعالیٰ لا یؤاخذکم اللہ باللغو ...(۶۶۲۲)مسلم(۱۶۵۲)ابو داود(۲۹۲۹)ترمذی(۱۵۲۹)احمد(۵/۶۱)]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''ایلا کی مدت (یعنی چار ماہ) پوری ہوجانے کے بعد شوہر کے لیے دوصورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کرنا ازبس ضروری ہے یا تو وہ معروف طریقے سے مراجعت کرلے یا پھر طلاق دے دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں (انہی دوصورتوں کو) بیان فرمایا ہے۔''(۱)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابودرداء، حضرت عائشہ، اور بارہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے بھی یہی مروی ہے۔ (ایضا)

۴۔ ایلا کی مدت (چار ماہ) گزرجانے کے باوجود اگر شوہر رجوع نہیں کرتا یا طلاق نہیں دیتا تو ازخود طلاق واقع نہیں ہوگی جیسا کہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب چار ماہ گزرجائیں تو ایلا کرنے والے شخص کو قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا حتی کہ وہ طلاق دے دے اور طلاق اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ خاوند طلاق نہ دے۔ حضرت عثمانؓ، علیؓ، ابودرداءؓ، عائشہؓ، اور بارہ دیگر صحابہ کرامؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔(۲)

۵۔ اگر بالفرض عدالت کے اصرار کے باوجود مرد، رجوع نہیں کرتا یا طلاق نہیں دیتا تو پھر عدالت ازخود نکاح فسخ کرنے کی مجاز ہے۔

۶۔ اگر بالفرض خاوند طلاق دے دے تو عورت کو طلاق والی عدت ہی گزارنا ہوگی۔

(۱) [بخاری: کتاب الطلاق :باب قول اللہ تعالیٰ للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعة اشھر(۵۲۹۰)]

(۲) [بخاری ایضا ۵۲۹۱]

فصل سوم

لعان اور متعلقہ مسائل

لعان کا معنی یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر زنا کاری کا دعویٰ کرے اور بیوی اس سے انکار کرے۔ قطع نظر اس سے کہ خاوند سچا ہے یا بیوی، البتہ خاوند کے پاس چار عینی گواہ موجود نہ ہوں تو عدالت ان دونوں کے درمیان لعان کا حکم جاری کرے گی یعنی خاوند چار مرتبہ یہ گواہی دے گا کہ ''اللہ کی قسم! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے۔'' پھر پانچویں مرتبہ یہ گواہی دے گا کہ ''اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔''

اگر عورت اپنے جرم کا اقرار کر لے تو اس پر حد شرعی (رجم) نافذ ہوگی بصورت انکار وہ بھی پانچ گواہیاں دے گی۔ پہلی چار مرتبہ یہ گواہی دینا ہوگی کہ ''اللہ کی قسم! میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے زنا نہیں کیا'' اور پانچویں مرتبہ یہ گواہی دینا ہوگی کہ ''اگر یہ مرد اپنے دعوی میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔'' لعان کے سلسلے میں قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ...... ﴾ (النور۔٦ تا ٧)

''جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کا) الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس اپنے سوا گواہ نہیں ہیں تو ان میں سے ایک چار بار قسم کے ساتھ گواہی دے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ اس کا خاوند جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر . . کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو''

لعان سے متعلقہ احکام

۱۔ لعان کے بعد مرد سے حد قذف (یعنی تہمت کی سزا) اور عورت سے حد زنا ساقط ہو جاتی ہے۔ (۱)

۲۔ لعان صرف شرعی عدالت کے روبروہی ہوسکتا ہے۔

۳۔ لعان سے پہلے قاضی مردوزن دونوں کو اعتراف جرم کی ترغیب دلائے اور اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے جرم کا اعتراف کر لے تو پھر اسے شرعی سزا دے دی جائے گی اور لعان نہیں ہوگا۔ (۲)

۴۔ عورت کے اعتراف جرم (زنا) پر اسے سنگسار کیا جائے گا۔

۵۔ مرد کے اعتراف جرم (یعنی تہمت) پر اسے اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔

۶۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک بھی اعتراف جرم نہ کرے تو پھر ان میں لعان ہوگا۔ (۳)

۷۔ لعان کے بعد میاں بیوی میں ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جائے گی۔ (٤)

۸۔ لعان کے بعد پیدا ہونے والا بچہ باپ کی بجائے صرف ماں کی طرف منسوب کیا جائے گا (٥)

۹۔ اس لیے وہ بچہ باپ کا وارث نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ باپ اس کا وارث ہوگا بلکہ بچہ ماں کا اور ماں بچہ کی وارث ہوگی۔ (٦)

۱۰۔ مرد اور عورت کے درمیان جب تک لعان نہ ہو جائے تب تک بچہ باپ کی طرف

---

(۱) [دیکھیے :بخاری (٤٧٤٧)مسلم (١٤٩٣)ابو داؤد (٢٢٥٦)]

(۲) [دارقطنی (٢٤٣)بیهقی (٧/٤١١)]

(۳) [بخاری (٥٣٠٧)مسلم (١٤٩٣)]

(٤) [بخاری (٥٣١٣)مسلم (١٤٩٣)ابوداؤد (٢٢٥٠)دارقطنی (٣/٢٧٦)]

(٥) [بخاری (٤٣١٥)مسلم (١٤٩٤)ابوداؤد (٢٢٥٩)ترمذی (١٢٠٣)ابن ماجه (٢٠٦٩)نسائی]

(٦) [ایضا۔نیز دیکھیے احمد(٢/٢١٦)]

منسوب ہوگا۔لعان کے بعد ایسا نہیں ہوگا البتہ اگر لعان کے بعد مرد خود کو جھوٹا کہے تو پھر بچہ اسی باپ کی طرف منسوب ہو جائے گا۔(۱)

۱۱۔ لعان کے بعد عورت کا نان ونفقہ اور رہائش وغیرہ کا انتظام، مرد کے ذمہ نہیں ہوگا۔(۲)

۱۲۔ لعان کے بعد مرد کا دیا ہوا مہر واپس نہیں لوٹایا جائے گا۔(۳)

(۱) [بخاری (٦٧٥٠)مسلم (١٤٥٨)نسائی (٦/١٨٠)]

(۲) [احمد (١/٢٣٨۔٢٣٩)ابو داؤد (٢٢٥٦)بیهقی (٧/٣٩٤)]

(۳) [بخاری (٥٣١٢۔٥٣٥٠)مسلم (٤١٩٣)ابو داؤد (٢٢٥٧)احمد (٢/١١)]

باب 9

مرد و زن سے متعلقہ چند خاص مسائل

- بوس و کنار سے وضو اور روزہ نہیں ٹوٹتا!
- بیوی کا پستان چوسنا؟
- میاں بیوی کا ایک دوسرے کے جسم دیکھنا!
- بے نماز خاوند کے ساتھ رہنا؟
- اگر مرد اولاد کے قابل نہ ہو تو طلاق کا مطالبہ؟
- حالت حیض میں نکاح کرنا؟
- میاں بیوی کا ایک دوسرے کو غسل مرگ دینا؟
- حاملہ بیوی سے جماع کرنا؟
- شوہر سے الگ گھر کا مطالبہ کرنا؟
- مستحاضہ عورت کی نماز کا حکم؟
- بچوں کی نجاست دھونے سے دوبارہ وضو؟
- مصنوعی بالوں کا استعمال؟
- بوجہ ضرورت مانع حیض گولیوں کا استعمال؟
- عورت کا بال کاٹنا؟
- چہرے اور جسم کے غیر عادی بال زائل کرنا؟
- ابرو کے زائد بالوں میں کمی کرنا؟
- ناخن بڑھانے اور نیل پالش لگانے کا حکم؟
- عورتوں کے لیے بال کاٹنے کا حکم؟
- پردہ کس سے کیا جائے اور کس سے نہیں؟
- ناپاک شخص کے لئے قرآن پڑھنا؟
- اونچی ایڑھی والی جوتی اور نتھ پہننا؟
- فیملی ڈرائیور اور غیر محرم عورتیں؟
- شرعی حجاب کی حدود اور چہرے کا پردہ؟
- عورت کی ڈرائیونگ کا حکم؟
- عورتوں کا مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنا؟
- پراندہ پہننے کی شرعی حیثیت؟

فصل اول

میاں بیوی کے چند خاص مسائل

بوس و کنار سے وضو نہیں ٹوٹتا

میاں بیوی کے باہم بوس و کنار اور ایک دوسرے کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ شہوت سے ایسا کیا جائے یا بغیر شہوت کے جیسا کہ درج ذیل دلائل سے ثابت ہے:

۱۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ

"ان النبیؐ قبلها ولم یتوضا"[۱]

"نبی اکرمؐ نے ان کو بوسہ دیا مگر پھر وضو نہیں کیا۔"

۲۔ حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی ایک بیوی کو بوسہ دیا پھر آپؐ نماز کے لیے تشریف لے گئے مگر وضو نہ کیا۔ حضرت عروہ (جو حضرت عائشہ کے بھانجے تھے) نے یہ بات سن کر کہا کہ وہ آپ ہی ہوں گی تو اس پر حضرت عائشہؓ ہنس دیں۔[۲]

۳۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے سو جاتی اور میرے پاؤں آنحضرت ﷺ کی سجدہ والی جگہ پر ہوتے۔ جب آپؐ سجدہ کرتے تو مجھے ہاتھ لگاتے اور میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپؐ کھڑے ہو جاتے تو میں پھر اپنے پاؤں پھیلا لیتی۔"[۳]

---

(۱) [ابو داؤد: کتاب الطهارة: باب الوضوء من القبلة (۱۷۷) نسائی (۱۷۰) احمد (۶/۲۱۰) دارقطنی (۱/۱٤۰) بیهقی (۱/۱۲۷)]

(۲) [ابو داؤد: ایضا (۱۷۸) واضح رہے کہ بعض اہل علم نے مذکورہ دونوں روایتوں پر جرح کی ہے تاہم حافظ ابن کثیر، امام شوکانی اور شیخ ناصر الدین البانی انہیں صحیح قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے: تفسیر ابن کثیر (۱/۷٦۲) نیل الاوطار (۱/۱۹٤) صحیح ابو داؤد، علاوہ ازیں آئندہ مذکور دیگر دلائل سے بھی ان احادیث کی تائید ہوتی ہے]

(۳) [بخاری: کتاب الصلاة: باب الصلاة علی الفراش (۳۸۲) مسلم (۱۱٤۰) ابو داؤد (۷۱۲، ۷۱٤) ابن ماجه (۹۵٦) نسائی (۱/۱۰۲)]

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، عطا، طاؤس، حسن بصری، سعید بن جبیر، قتادہ، شعبی، مجاہد، ثوری، مقاتل، امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین کا بھی یہی موقف ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۱)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت۔۔۔"او لامستم النساء/ یا تم نے عورتوں کو لمس کیا ہو" (تو اس صورت میں بھی طہارت حاصل کرو)۔۔۔کے بموجب بوس و کنار سے وضو کرنا چاہیے حالانکہ یہاں "لمس" سے مراد جماع ہے جیسا کہ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اور گزشتہ بیان کردہ روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس لیے راجح موقف یہی ہے کہ بوس و کنار سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۲)

بوس و کنار سے روزہ بھی نہیں ٹوٹتا

حالت روزہ میں میاں بیوی کے باہمی بوس و کنار اور مباشرت سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ جماع نہ کیا جائے جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ

"کان النبیؐ یقبل ویباشر وھو صائم وکان املککم لاربہ"

"اللہ کے رسول ﷺ حالت روزہ میں اپنی بیویوں سے بوس و کنار کرتے اور ان کے جسم سے جسم ملا لیتے اور آنحضرت ﷺ تم سب سے بڑھ کر اپنی حاجت پر قابو رکھنے والے تھے۔" (۳)

البتہ اگر خاوند روزہ کی حالت میں جماع کر بیٹھے تو اسے روزے کی قضا کے ساتھ کفارہ دینا ہوگا۔ کفارے کی صورت یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو

(۱) [ملاحظہ ہو نیل الاوطار (۱/۱۹٤) تفسیر طبری (۸/۳۸۹ تا ۳۹۱) عون المعبود (۱/۳۰۲) تحفۃ الاحوذی (۱/۲۸۲)]

(۲) [تفصیل کیلیے ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر (۱/۷۲۱)] (۳) [بخاری: کتاب الصوم: باب المباشرۃ للصائم (۱۹۲۷) مسلم (۱۱۰٦)]

دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ واضح رہے کہ آنحضرتؐ کے دور میں ایک شخص روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا تو نبی اکرمؐ نے اسے یہی کفارہ بتایا تھا۔(۱)

اگر کوئی شخص کسی طرح بھی کفارہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ مذکورہ بالا حدیث ہی میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اس سے پوچھا کہ تو غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اس نے کہا نہیں۔ اسی طرح دو ماہ کے روزے اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے پر بھی اس نے کہا کہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا۔ آنحضرتؐ ابھی خاموش ہی تھے کہ کوئی شخص برائے صدقہ کھجوروں کا ایک ٹوکرہ لے آیا۔ آپؐ نے اس (کفارہ کی استطاعت نہ رکھنے والے) شخص سے کہا کہ پھر یہ لے جاؤ اور لوگوں میں اسے صدقہ کر دو۔ اس نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! ان دو ٹیلوں کے درمیان مجھ سے زیادہ فقیر کوئی نہیں۔ تو آپؐ ہنس پڑے اور فرمایا کہ پھر اسے لے جاؤ اور گھر والوں کو کھلا دو۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں بھی ہے کہ

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ۔۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف (ذمہ دار) نہیں بناتے۔''

بیوی کا پستان چوسنا

شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی فرط محبت سے اپنی بیوی کا پستان اپنے منہ میں ڈالتا ہے تو کیا اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

آپ جواب دیتے ہیں کہ اگر تو وہ آدمی بیوی کا پستان منہ میں ڈالنے کے ساتھ دودھ نہیں پیتا تو پھر اس فعل میں کوئی حرج نہیں البتہ اگر وہ دودھ پیتا ہے تو یہ بات مناسب نہیں

(۱) [دیکھیے بخاری: کتاب الصوم: باب اذا جامع رمضان ولم یکن لہ ... (۱۹۳۶) مسلم (۱۱۱۱) ترمذی (۷۲٤) ابو داؤد (۲۳۹۰)]

تاہم دودھ پینے سے اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوتی خواہ تھوڑا دودھ پیا ہو یا زیادہ کیونکہ حدیث نبویؐ ہے:

"لا يحرم من الرضاع الا ما فتق الامعاء و كان قبل الفطام "(ترمذی)

"اس رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی جو آنتوں کو پھاڑ دے (یعنی جس رضاعت سے دودھ سے آنتیں بھر کر ایک دوسری سے جدا ہو جائیں) اور یہ دودھ پلانا دودھ پلانے کی مدت کے اندر اندر ہو"۔ (۱)

اسی طرح محمد بن صالح عثیمینؒ سے ایک نوجوان عورت نے سوال کیا کہ میں نے اپنے چچازاد سے شادی کی ہے ہم دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے ہیں۔ ہماری شادی کو ابھی محض چھ ماہ ہی گزرے ہیں اور اس دورانیے میں ہم جب بھی سونے لگتے ہیں میرا خاوند بچوں کی طرح میرا دودھ پینے لگتا ہے۔ میں اسے کہتی ہوں کہ یہ عیب ہے لیکن وہ اس عمل سے باز نہیں آتا جبکہ میں اس کے لیے اس عمل میں تنگی پیدا نہیں کرتی تو اس مسئلہ کے بارے میں راہنمائی فرمائیں۔

شیخ جواب دیتے ہیں کہ "اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ زوجین ایک دوسرے سے ہر وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جسے اللہ نے حرام نہیں کیا۔ البتہ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے صرف وہی حرام ہے۔ مثلاً جماع فی الدبر یا حیض ونفاس کی حالت میں ہمبستری یا حالت عبادت میں مباشرت یا حالت ظہار میں کفارے سے پہلے ہمبستری وغیرہ اور یہ چیزیں اہل علم کے ہاں معروف ہیں۔ صرف انہی چیزوں میں ہمبستری حرام ہے، اس کے علاوہ میں نہیں"۔ (اور مذکورہ مسئلہ اس تحریم میں شامل نہیں ہے) (۲)

---

(۱) [فتاوی ورسائل سماحة الشيخ محمد بن ابراهيم (ص ۱۸۸/ ج ۱۱)]

(۲) [فتاوى المراة المسلمة (ص ۲۲٦ ج ۲) مرتب: ابو محمد اشرف بن عبد المقصود]

میاں بیوی کا ایک دوسرے کے جسم دیکھنا

محمد صالح عثیمین رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ مرد کا اپنی بیوی کا پورا جسم (شرمگاہ سمیت) دیکھنا اور اسی طرح بیوی کا اپنے خاوند کا پورا جسم دیکھنا شرعی اعتبار سے جائز ہے؟ جبکہ حلال چیز سے فائدہ اٹھانے کی نیت بھی ہو؟

جواب: شیخ جواب دیتے ہیں کہ میاں بیوی ایک دوسرے کا پورا جسم دیکھ سکتے ہیں اس کی مزید تفصیل اور وضاحت ضروری نہیں۔ ایک دوسرے کو دیکھنے اور لطف اندوز ہونے کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ﴾ (المؤمنون/۵۔۷)

''اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو ان کے قبضہ میں ہیں کیونکہ ان کے معاملہ میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ ان کے سوا جو کوئی اور ذریعہ چاہے تو ایسے ہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں''(۱)

بے نماز خاوند کے ساتھ رہنا

سوال۔ میرا خاوند دین کے بارے میں بے پروائی کا مظاہرہ کرتا ہے، وہ نہ تو نماز پڑھتا ہے اور نہ رمضان المبارک کے روزے رکھتا ہے بلکہ الٹا مجھے بھی ہر اچھے کام سے روکتا ہے، علاوہ ازیں وہ مجھ پر شک بھی کرنے لگا ہے، تمام کام کاج چھوڑ کر گھر بیٹھا رہتا ہے تاکہ وہ میری نگرانی کر سکے۔ دریں حالات مجھے کیا کرنا چاہئے؟

جواب۔: ایسے خاوند کے پاس نہیں رہنا چاہیے، کیونکہ وہ نماز چھوڑنے کی بنا پر کافر ہو چکا ہے اور کافر آدمی کے ساتھ مسلمان عورت کا رہنا حلال نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے:

---

(۱) [فتاوی الشیخ عثیمین (ص۷۶٦/ج۲)]

﴿فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾[الممتحنة:١٠]

"اگر تمہیں ان کے مومن ہونے کا یقین ہو جائے تو انہیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔وہ (مومن عورتیں) کافروں کے لئے حلال نہیں اور نہ (وہ کافر) مومن عورتوں کے لئے حلال ہیں"

لہذا تمہارا نکاح ٹوٹ چکا ہے،تمہارے درمیان کوئی نکاح نہیں تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت عطا فرما دے،اور وہ تائب ہو کر اسلام کی طرف لوٹ آئے،صرف اسی صورت میں رشتہ ازدواج باقی رہ سکتا ہے۔جہاں تک آپ کے خاوند کے رویے کا تعلق ہے تو شک پر مبنی اس کا یہ طرز عمل ناروا ہے۔میرے خیال میں وہ شک اور وسواس کی بیماری میں مبتلا ہے جو کہ بعض لوگوں کو عبادات اور دوسروں کے ساتھ معاملات کے دوران لاحق ہو جاتی ہے۔یہ ایک ایسی بیماری ہے کہ اسے ذکر الٰہی،انابت الی اللہ اور توکل علی اللہ کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں روک سکتی۔الغرض آپ کو ایسے خاوند سے الگ ہو جانا چاہئے۔وہ کافر ہے اور آپ مومنہ۔آپ کے خاوند کو ہماری نصیحت ہے کہ وہ دین کی طرف پلٹ آئے اور شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئے اور ایسے ذکر واذکار کا اہتمام کرے جو اس کے دل کے شکوک و وساوس کو باہر نکال دیں۔ہم اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دعا کرتے ہیں۔واللہ اعلم!۔۔۔۔۔۔۔[مفتی شیخ ابن عثیمین][1]

اگر مرد اولاد کے قابل نہ ہو تو طلاق کا مطالبہ کرنا جائز ہے؟

سوال۔ایک خاتون کافی دیر سے شادی شدہ ہے،مگر وہ بے اولاد ہے۔میڈیکل چیک اپ (یعنی طبی معائنے) کے بعد معلوم ہوا کہ نقص خاوند میں ہے اور اس سے اولاد کا ہونا محال ہے،کیا اس صورت میں بیوی کو طلاق طلب کرنے کا حق حاصل ہے؟

جواب۔:جب واضح ہو گیا کہ بانجھ پن صرف مرد میں ہے تو عورت کو اس خاوند سے طلاق طلب کرنے کا حق ہے۔اگر وہ طلاق دے دے تو بہتر ہے۔ورنہ قاضی نکاح کو فسخ

(١) [فتاویٰ برائے خواتین (ص١٩٦)]

کرا دے گا۔اس لئے کہ عورت کو بھی بچے پیدا کرنے کا حق حاصل ہے۔اکثر عورتیں صرف بچوں کے لئے شادی کرتی ہیں۔جب عورت کا خاوند اولاد کے قابل نہ ہو تو عورت کو طلاق طلب کرنے اور فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے۔اہل علم کا راجح قول بھی یہی ہے۔۔۔۔[مفتی شیخ محمد بن صالح عثیمین][1]

میاں بیوی کا ایک دوسرے کو غسل مرگ دینا

سوال۔ہم نے عوام الناس سے اکثر یہ سنا ہے کہ وفات کے بعد بیوی خاوند پر حرام ہو جاتی ہے۔لہذا بیوی کی وفات کے بعد خاوند نہ تو بیوی کو دیکھ سکتا ہے، نہ غسل دے سکتا ہے اور نہ ہی اسے لحد میں اتار سکتا ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟

جواب۔:شرعی دلائل سے ثابت ہے کہ بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے۔اسی طرح خاوند بھی بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور اسے دیکھ بھی سکتا ہے۔اسماء بنت عمیس ؓ نے اپنے خاوند حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو غسل دیا تھا۔اسی طرح سیدہ فاطمہ ؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کے شوہر یعنی حضرت علی ؓ انہیں غسل دیں۔واللہ ولی التوفیق!۔۔۔۔۔[مفتی اعظم سعودی عرب شیخ ابن باز ؒ][2] (گویا اگر غسل دے سکتا ہے تو چھو بھی سکتا ہے اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے اور اگر یہ واقعی منع ہوتا تو صحابہ کرام ؓ اس کے خلاف ہرگز نہ کرتے!)

شوہر سے الگ گھر کا مطالبہ کرنا؟

سوال۔میرے خاوند کا بھائی شادی کر کے ہمارے ساتھ ہمارے گھر میں رہنا چاہتا ہے ،جبکہ اسے معلوم ہے کہ میں اس کے سامنے چہرہ ننگا نہیں کرتی ،نہ اس کے پاس بیٹھتی ہوں اور نہ کبھی اسے دیکھتی ہوں ،پھر واقعتاً اس نے شادی کر لی۔اس پس منظر میں تنگی حالات کی بناء پر کیا میرا اپنے خاوند سے الگ گھر کا مطالبہ کرنا دو بھائیوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے سے

---

(1) [فتاوی عثیمین (۲/۷۹۳)] (2) [فتاوی برائے خواتین (ص ۱۲۹)]

تعبیر تو نہیں کیا جائے گا؟ کیا ایسا مطالبہ کرنا حرام ہے یا نہیں ؟ اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ میرا خاوند تو یہ سمجھتا ہے کہ دونوں بھائیوں کا الگ الگ رہنا بہتر ہے، جبکہ میری ساس جو ہمارے ساتھ رہتی ہے ہمارے ایک جگہ رہنے کو پسند کرتی ہے۔

جواب: ان حالات میں اگر مکمل پردہ اور عدم خلوت کا ماحول میسر آ سکے تو ساس کی خوشی کے لئے ایک جگہ رہنا بہتر ہے اور اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو الگ الگ رہنا بہتر ہے۔ اگر ایک بھائی کی بیوی سستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاوند کے بھائی کے ساتھ بے حجاب رہتی ہے یا اس کے ساتھ گھر میں خلوت اپناتی ہے یا ایک بھائی دوسرے کی بیوی کے متعلق غیر اطمینان بخش رویہ اپناتا ہے، اس کے پیچھے جاتا ہے، اس کی غفلت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بغیر اجازت اس کے پاس چلا جاتا ہے، یا اسے بے پردہ دیکھتا ہے، تو ایسے حالات میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ تنگی اور مشقت سے بچنے کے لئے خاوند سے الگ گھر کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔۔۔۔[مفتی شیخ ابن جبرین](1)

(۱) [فتاوی برائے خواتین(ص ۲۹۰)]

فصل دوم

خواتین سے متعلقہ چند خاص مسائل

کپڑوں پر بچے کا قے کرنا

سوال۔جس کپڑے پر شیر خوار بچے نے قے کردی ہو تو اس میں نماز ادا کرنا جائز ہے؟

جواب۔اگر بچہ شیر خوار ہو اور کھانا وغیرہ نہ کھاتا ہو تو ایسے کپڑے پر پانی کے چھینٹے مار کر اسے دھونا چاہیے اس کا حکم بھی اس کے پیشاب کا سا ہے جس میں پانی کے چھینٹے مار کر نماز ادا کی جائے۔پانی کے چھینٹے مارنے سے قبل اس میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔واللہ ولی التوفیق!۔۔۔۔۔۔[جواب از شیخ ابن بازؒ.....](۱)

کپڑوں پر بچے کا پیشاب کرنا

سوال:اگر چھوٹا بچہ کپڑے پر پیشاب کردے تو ان کپڑوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:اس مسئلہ میں صحیح فتویٰ یہی ہے کہ اگر پیشاب اس لڑکے کا ہو جو ابھی دودھ پیتا ہے(یعنی جس کی عمر دو سال سے زیادہ نہ ہو)تو اس کے پیشاب والی جگہ پر پانی کے چھینٹے مار دیئے جائیں،اتنا ہی کافی ہے۔کپڑے دھونے اور اچھی طرح ملنے کی ضرورت نہیں۔کیونکہ احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شیر خوار بچہ لایا گیا جس نے آپؐ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا تو آپؐ نے پانی منگوایا اور پیشاب والی جگہ پر پانی کے چھینٹے مار دیئے اور اس کپڑے کو دھویا نہیں۔البتہ اگر دودھ پیتی بچی کپڑے پر پیشاب کر دے تو پھر اس کپڑے کو ضرور پانی سے دھویا جائے گا،محض پانی کے چھینٹے کافی نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پیشاب بنیادی طور پر نجس ہے تاہم شریعت نے بچے(لڑکے)کے پیشاب کو دھونے سے مستثنیٰ کیا ہے۔بچی کے پیشاب کو مستثنیٰ نہیں کیا۔۔۔۔۔۔[ابن عثیمینؒ......](۲)

---

(۱) [فتاویٰ برائے خواتین:مرتب محمد بن عبد العزیز(ص ۷۱)طبع دار السلام]

(۲) [فتاویٰ المراۃ المسلمۃ مرتب :ابو محمد اشرف بن عبد المقصود(۱/۱۸۹،۱۹۰)]

بچوں کی نجاست دھونے سے وضو

سوال: میں نے وضو کے بعد اپنے بچوں کی نجاست دھوئی، کیا اس طرح میرا وضو ٹوٹ گیا ہے؟

جواب: باوضو یا بے وضو شخص کا جسم سے نجاست دھونا ناقض وضو نہیں ہے۔ ہاں اگر بچے کی شرمگاہ کو ہاتھ لگ جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، جس طرح اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح بچے کی شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔۔۔۔۔[دارالافتاء کمیٹی سعودی عرب .....] (۱)

جبکہ ابن عثیمینؒ فرماتے ہیں کہ کہ بچے کی شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے صرف ہاتھ دھو لیے جائیں وضو کرنا واجب نہیں کیونکہ شرمگاہ کو بغیر شہوت کے چھونا ناقض وضو نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں عورت اپنی اولاد کو غسل کراتے ہوئے شہوت سے اس کی شرمگاہ نہیں چھوتی۔ (۲)

حیض و جنابت کا غسل اور عورت کا سر کے بال کھولنا؟

سوال: کیا مرد و عورت کے غسل جنابت میں کوئی فرق ہے؟ اور کیا عورت پر غسل کے لئے اپنے سر کے بال کھولنا ضروری ہیں؟ کیا حدیث نبویؐ کی بنا پر تین لپ پانی ڈالنا ہی کافی ہے؟ نیز غسل جنابت اور غسل حیض میں کیا فرق ہے؟

جواب: مرد و عورت کے غسل میں کوئی فرق نہیں ہے اور کسی پر بھی غسل کے لیے بالوں کا کھولنا ضروری نہیں ہے، بلکہ بالوں پر تین لپ پانی ڈال کر باقی جسم کو دھو لینا کافی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے نبی اکرمؐ سے دریافت کیا:

"انی امرأۃ اشد ضفر رأسی افانقضہ للحیض والجنابۃ ؟قال :لاانما یکفیک ان تحثی علی رأسک ثلاث ثم تفیضی علیک الماء فتطھری"

(۱) [فتاوی برائے خواتین:مرتب محمد بن عبد العزیز(ص ۷۱)]

(۲) [مجموع فتاوی ورسائل لابن عثیمینؒ(ج ٤ ص ۲۰۳)]

''میں سخت گندھے ہوئے بالوں والی عورت ہوں، کیا میں انہیں غسل جنابت کے لیے کھولا کروں؟اس پر آپؐ نے فرمایا:نہیں تیرے لیے یہی کافی ہے کہ سر پر پانی انڈیل کر غسل جنابت کرلے۔''(صحیح مسلم)۔۔۔۔[دارالافتاء کمیٹی.......] (۱)

مستحاضہ عورت کی نماز کا حکم

سوال: ایک خاتون کی عمر ۵۲ برس ہے،اسے ایک ماہ میں تین دن تک بڑی شدت سے خون آتا ہے،باقی ایام میں کم،کیا یہ خون،حیض کا خون سمجھا جائے گا؟جبکہ عورت کی عمر پچاس سال سے زائد ہے۔اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اسے یہ خون کبھی تو ایک ماہ بعد آتا ہے اور کبھی دو یا تین ماہ بعد۔کیا ایسی عورت دوران خون فرض نمازیں ادا کرسکتی ہے؟نیز کیا وہ نفلی نماز اور تہجد کی نماز ادا کرسکتی ہے؟

جواب: کبرسنی (بڑی عمر)اور بے قاعدگی کی بنا پر آنے والا خون'دم فاسد'تصور کیا جائے گا۔جب عورت پچاس سال کی عمر کو پہنچ جائے یا اس کی ماہانہ عدت بے قاعدہ ہوجائے تو اس سے حیض اور حمل کا عمل منقطع ہوجاتا ہے۔نیز حضرت عائشہؓ کے قول سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔خون کا بے قاعدہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خون حیض کا نہیں ہے۔لہذا اس دوران وہ نماز ادا کرسکتی ہے اور روزے رکھ سکتی ہے۔یہ خون استحاضہ کے خون کا حکم رکھتا ہے جو کہ عورت کے لئے نماز اور روزے سے مانع نہیں ہے،اور نہ ہی اس دوران جماع کرنے میں خاوند کے لئے کوئی رکاوٹ ہے۔علما کا صحیح ترین قول یہی ہے ایسی عورت پر ہر نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے۔اور وہ روئی وغیرہ سے خون کو روکنے کی کوشش کرے۔نبی ﷺ نے مستحاضہ عورت سے فرمایا:

''توضئی لکل صلاۃ / ہر نماز کے لئے وضو کیا کرو۔''۔۔۔۔[شیخ ابن بازؒ......] (۲)

(۱) [فتاویٰ برائے خواتین،مرتب محمد بن عبد العزیز(ص ۷٤)]

(۲) [فتاویٰ برائے خواتین،مرتب محمد بن عبد العزیز(ص ۹۱)]

دم فساد کا حکم

سوال: وہ عدت جو معلوم ایام ماہواری سے تین چار دن پہلے شروع ہو جاتی ہے اور مٹیالے رنگ کا خون ہوتا ہو جو کہ صرف ایک نشان چھوڑتا ہے، میں اس کا شرعی حکم نہیں جانتی کہ آیا وہ طہارت ہے یا نجاست۔ پس میں اپنے اس معاملے میں مبتلائے حیرت اور انتہائی تنگی میں ہوں کہ ایسی حالت میں نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں؟

جواب: جب کوئی عورت دنوں کی تعداد، رنگ یا وقت کی رو سے اپنی ماہانہ عدت سے آگاہ ہو تو وہ متعین دنوں کے لئے نماز چھوڑ دے۔ پھر طہارت آنے پر غسل کرے اور نماز ادا کرے۔ عادت سے قبل آنے والا خون، خون فاسد ہے اور اس کی وجہ سے عورت نماز اور روزہ نہیں چھوڑ سکتی اسے بروقت ایسے خون کو دھوتے رہنا چاہیے، اگرچہ وہ مسلسل ہی کیوں نہ آ رہا ہو۔ اس دوران اس کا حکم مستحاضہ جیسا ہوگا۔ اگر اس خون کی وجہ سے نمازیں چھوڑ دی ہوں تو اسے احتیاطاً ان دنوں کی نمازوں کی قضا دینی چاہیے، ان شاء اللہ اس میں کوئی ایسی مشقت نہیں۔۔۔۔۔[شیخ ابن جبرین......] (۱)

طہارت کے بعد کدورت یا زردی کا حکم

سوال: میری عادت ماہواری چھ دن ہے، جبکہ اکثر مہینوں میں یہ سات دن ہے۔ میں پاک ہونے کے بعد غسل کر لیتی ہوں پھر اس کے بعد ایک روز میلا پن دیکھتی ہوں، چونکہ میں اس بارے میں شرعی حکم سے آگاہ نہیں ہوں لہذا نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے کے بارے میں متردد رہتی ہوں، یہی حال روزے اور دیگر اعمال کا ہے، مجھے اس بارے میں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: جب آپ ماہانہ عادت سے آگاہ ہیں تو ایام ماہواری میں نماز اور روزے کی ادائیگی سے رک جائیں۔ طہارت حاصل ہونے کے بعد نماز ادا کریں اور روزے رکھیں۔ اگر

(۱) [فتاویٰ برائے خواتین: مرتب محمد بن عبد العزیز (ص ۹۱) نیز دیکھیے: مجموع فتاویٰ ورسائل لابن عثیمین (ج ٤ ص ۲۷۵ تا ۲۷۹)]

طہارت کے بعد زرد یا گدلا پن دیکھیں تو یہ حالت، نماز اور روزے سے مانع نہیں۔ پاک ہونے کی واضح علامت جس سے عورتیں بخوبی آگاہ ہیں اور اسے خالص سفیدی ہونا کہا جاتا ہے۔ یہ حالت ماہواری ختم ہونے اور آغاز طہر کی علامت ہے، جس کے بعد غسل کرنا اور نماز، روزہ اور تلاوت قرآن جیسی عبادات کا بجالانا واجب ہوتا ہے۔۔۔[شیخ محمد بن صالح عثیمین ......] (۱)

بوجہ ضرورت مانع حیض گولیوں کا استعمال

سوال: بازار میں ایسی گولیاں دستیاب ہیں جو عورت کی ماہانہ عادت (حیض) کو روک دیتی ہیں یا اسے مؤخر کر دیتی ہیں۔ کیا حیض کے ڈر سے دوران حج ایسی گولیاں استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب: حیض کے خوف سے دوران حج مانع حیض گولیوں کا استعمال جائز ہے، اسی طرح اگر عورت لوگوں کے ساتھ رمضان المبارک کے روزے رکھنا چاہتی ہو تو بھی ایسا کر سکتی ہے، مگر عورت کی صحت وسلامتی کے پیش نظر کسی ماہر ڈاکٹر سے مشورہ کرنے کے بعد ہی ایسا کرنا چاہیے، کیونکہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا بھی جائز نہیں۔۔۔۔[دارالافتاء کمیٹی .....] (۲)

سقوطِ حمل اور نماز روزہ کے مسائل

سوال: بعض عورتوں کا حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ ایسا حمل کبھی تو خلقت مکمل کر چکا ہوتا ہے اور کبھی غیر مکمل ہی ساقط ہو جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں عورت کے لیے نماز کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) [فتاویٰ برائے خواتین: مرتب محمد بن عبد العزیز (ص ۹۸) نیز دیکھیے: مجموع فتاویٰ ورسائل لابن عثیمین (ج ٤ ص ۲۸۱)]

(۲) [فتاویٰ برائے خواتین: ایضاً (ص ۸٦) ابن عثیمین اس مسئلہ میں فرماتے ہیں کہ "لا اقول انها حرام ولكن لا احب للمراة ان تستعملها خوفا من الضرر عليها" دیکھیے: مجموع فتاویٰ ورسائل لابن عثیمین (ج ٤ ص ۲۸۳) مفہوم وہی ہے جو اوپر متن میں بیان ہوا ہے۔]

جواب: جب عورت ایسا حمل ساقط کردے جس میں سر، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کی خلقت واضح ہو چکی ہو تو ایسی صورت میں وہ نفاس کے حکم میں ہوگی۔ یعنی گویا کہ اس نے بچے کو جنم دیا ہے، لہذا نہ تو وہ نماز پڑھے گی نہ روزے رکھے گی۔ نیز خاوند کے لئے حلال بھی نہیں ہوگی، تاوقتیکہ وہ پاک ہو جائے یا چالیس دن کی زیادہ سے زیادہ مدت نفاس پوری نہ کرلے۔ اگر وہ چالیس دن سے قبل پاک ہو جائے تو اس پر غسل کرنا واجب ہوگا۔ بعدازاں نماز پڑھے۔ نفاس کی کم از کم مدت غیر متعین ہے۔ اگر عورت ولادت کے دس دن بعد یا اس سے بھی پہلے پاک ہو جائے تو اس پر غسل کرنا واجب ہوگا اور اس پر پاک عورتوں والے احکام نافذ ہوں گے۔ اگر اسے چالیس دن کے بعد بھی خون نظر آئے تو وہ خون فاسد ہوگا۔ اور اس کی موجودگی میں وہ نماز ادا کرے گی، رمضان کے روزے بھی رکھے گی اور خاوند کے لیے حلال بھی ہوگی اور اس پر مستحاضہ عورت کی طرح ہر نماز کے وقت وضو کر کے نماز پڑھنی ضروری ہے، کیونکہ نبی اکرمؐ نے فاطمہ بنت جحشؓ کو جبکہ وہ مستحاضہ تھی، فرمایا:

"وتوضئی لوقت کل صلاۃ / ہر نماز کے وقت وضو کیا کرو" (صحیح البخاری)

چالیس دن کے بعد آنے والا خون اگر حیض کے خون کے ساتھ آرہا ہو تو وہ حیض کا خون سمجھا جائے گا۔ اور اس پر حائضہ عورت کے احکام نافذ ہوں گے۔ لہذا وہ نماز نہیں پڑھے گی، روزے نہیں رکھے گی خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی تاوقتیکہ وہ پاک ہو جائے۔ یہ سب کچھ اس صورت میں ہے جب اس نے تام الخلقت (مکمل بناوٹ والے) حمل کو ساقط کیا ہو اور اگر ساقط شدہ حمل ایسا ہو کہ اس میں انسانی خلقت غیر واضح ہو تو اس صورت میں اس کا حکم مستحاضہ عورت والا ہوگا، نفاس یا حیض والا نہیں۔ لہذا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے۔ اس پر نماز پڑھنا اور رمضان کے روزے رکھنا واجب ہوگا، وہ خاوند کے لئے بھی مکمل طور پر حلال رہے گی، وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی اور پاک ہونے تک مستحاضہ عورت کی طرح روئی وغیرہ سے خون سے تحفظ کی کوشش کرے گی۔ ایسی عورت اگر

چاہے تو ظہر اور عصر، اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح اس کے لئے ہر دو نمازوں اور فجر کے لئے غسل کرنا بھی مشروع ہے اس کی تائید حمنہ بنت جحشؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ وہ علماء کے نزدیک مستحاضہ عورت کے حکم میں ہے۔ واللہ ولی التوفیق! ---------- [شیخ ابن باز.......] (۱)

حالتِ حیض میں نکاح

سوال: میں ایک نوجوان لڑکی ہوں، کچھ عرصہ قبل ایک نوجوان سے شادی کا پروگرام طے ہوا مگر اتفاقاً میں اس وقت حیض سے دوچار تھی۔ میں نے نکاح خواں سے دریافت کیا: کیا ان ایام میں نکاح ہوسکتا ہے؟ اس نے تو جواز کا فیصلہ دے دیا مگر میں مطمئن نہ ہوئی۔ آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ اور اگر صحیح نہیں تو کیا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا؟

جواب: دورانِ حیض عورت سے نکاح جائز اور درست ہے اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ عقودِ نکاح میں اصل چیز اس کا حلال اور صحیح ہونا ہے۔ جبکہ حالت حیض میں تحریم نکاح کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر صورت حال اس طرح کی ہو تو نکاح درست ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں نکاح اور طلاق کے مابین فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ دوران حیض طلاق دینا ناجائز بلکہ حرام ہے۔ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پہنچی کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو ایام حیض کے دوران طلاق دی ہے تو آپ سخت ناراض ہوئے اور اسے حکم دیا کہ وہ بیوی سے رجوع کرے، پھر آئندہ طہر تک اسے چھوڑے رکھے، پھر چاہے تو اسے طلاق دے دے اور اگر چاہے تو روک لے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا۟ ٱلْعِدَّةَ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ

(۱) [فتاویٰ برائے خواتین (ص۹۲،۹۳)]

رَبَّکُمْ لَاتُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُیُوْتِهِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ وَتِلْکَ حُدُوْدُاللّٰهِ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَاللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ (الطلاق۔۱)

"اے نبیؐ! (لوگوں سے کہہ دیجئے) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت میں انہیں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو اور اپنے اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے، نہ تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔ ماسوا اس صورت میں کہ وہ کھلی بے حیائی کر بیٹھیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے گا یقیناً وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔"

لہٰذا دوران حیض طلاق دینا یا اس طہر میں طلاق دینا جس میں اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا ہو جائز نہیں ہے۔ سوائے اس صورت میں کہ حمل ظاہر ہو جائے۔ اور اگر حمل ظاہر ہو جائے تو جب چاہے طلاق دے سکتا ہے، یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ عام لوگوں میں ایک عجیب وغریب بات مشہور ہے کہ دوران حمل دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی، یہ بات درست نہیں ہے۔ حاملہ عورت کو دی گئی طلاق مؤثر ہو جاتی ہے اور تمام طلاقوں میں مدت کے اعتبار سے یہ زیادہ وسیع طلاق ہے، لہٰذا حاملہ عورت کو طلاق دینا آدمی کے لیے حلال ہے۔ اگر اس نے غیر حاملہ عورت سے کچھ ہی عرصہ قبل جماع کیا ہو تو پھر اس پر انتظار کرنا ضروری ہے حتیٰ کہ عورت حائضہ ہو جائے اور پھر پاک ہو یا یہ کہ حمل واضح ہو جائے۔ سورۂ طلاق (آیت ۴) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ "اور حاملہ عورتوں کی مدت وضع حمل ہے"

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ دوران حمل دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں یوں بھی ہے:" مره فلیراجعها ثم لیطلقها طاهرا او حاملا "

"اسے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر طہر یا حمل کی حالت میں اسے طلاق دے"

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ دوران حیض عورت سے نکاح کرنا جائز اور صحیح ہے تو میری رائے میں خاوند کو طہر تک بیوی کے پاس نہیں جانا چاہیے اس لیے کہ اگر وہ طہر سے پہلے اس

کے پاس جائے گا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ کہیں دوران حیض ممنوع کام کا ارتکاب نہ کر بیٹھے، شاید وہ اپنے آپ پر کنٹرول نہ کر سکے، خاص طور پر جب وہ جوان ہو تو اسے طہر تک انتظار کرنا چاہیے تب وہ بیوی کے ساتھ اس وقت مجامعت کرے جب وہ شرمگاہ سے لطف اندوز ہونے پر قادر ہو۔ واللہ اعلم!۔۔۔[شیخ ابن عثیمین ......] (۱)

حاملہ بیوی سے جماع کرنا؟

سوال: کیا حاملہ بیوی سے جماع کرنا جائز ہے؟ کیا کتاب وسنت میں اس کی حرمت یا حلت کے بارے میں کوئی نص موجود ہے؟

جواب: آدمی کے لئے حاملہ عورت سے جماع کرنا جائز ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ ''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔'' (البقرۃ:۲۲۳)

مزید برآں ارشاد باری ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾ (المؤمنون:۵۔۶)

''اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں، ہاں البتہ اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے نہیں، کہ اس صورت میں ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ (یعنی وہ بیویوں اور لونڈیوں سے جماع کر سکتے ہیں)''

اللہ تعالیٰ نے لفظ (عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ) مطلقا بیان فرمایا ہے اور یہ اس لئے کہ اصل میں آدمی کا اپنی بیوی سے استمتاع ہر حالت میں جائز ہے۔کتاب وسنت میں عورت سے اجتناب کے بارے میں وارد احکام ہی اس عموم سے مانع ہو سکتے ہیں، اس بناء پر حاملہ عورت سے جماع کے جواز کے بارے میں کسی مستقل دلیل کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جواز اصل ہے۔البتہ آدمی کے لئے دوران حیض شرم گاہ میں جماع کرنا جائز نہیں ہے، اس کے علاوہ

(۱) [فتاویٰ برائے خواتین (ص ۱۹۹) نیز دیکھئے: فتاوی ابن عثیمین (ج ۲/ص ۷۶۷)]

کسی بھی حصے سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔اسی طرح بیوی کی دبر میں جماع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔کیونکہ وہ گندگی اور نجاست کا محل ہے۔نفاس کی حالت میں بھی خاوند بیوی سے جماع نہیں کرسکتا۔جب وہ حیض اور نفاس سے پاک ہوجائے تو اس سے جماع کرنا جائز ہے۔اگر عورت نفاس کے دوران چالیس دن سے پہلے ہی پاک ہوجائے تو جماع کرنا جائز ہے۔۔۔۔۔۔۔شیخ محمد بن صالح عثیمین ......] (۱)

عورت کا بال کاٹنا

سوال: میں اپنے سر کے بال سامنے سے کاٹ دیتی ہوں جو کبھی ابرو تک پہنچ جاتے ہیں۔کیا ایک مسلمان عورت کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: عورت کے لئے بالوں کو کاٹنے یا تراشنے میں کوئی حرج نہیں،صرف مونڈنا منع ہے۔آپ کو اپنے سر کے بال مونڈنا نہیں چاہییں،مگر لمبائی یا کثرت کی وجہ سے بال کاٹنے میں کوئی عیب نہیں،لیکن یہ عمل اس طرح خوبصورت انداز میں ہو کہ آپ کو بھی اور آپ کے خاوند کو بھی پسند آئے اور یہ کہ ان کی کاٹ تراش خاوند کی موافقت سے ہو اور یہ عمل کسی کافر عورت سے بھی اشتباہ نہ رکھتا ہو۔بالوں کا کاٹنا اس لئے بھی جائز ہے کہ لمبے بالوں کی صورت میں غسل اور کنگھی کرتے وقت،دِقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔لہذا اگر بال زیادہ ہوں اور کوئی خاتون لمبے یا زیادہ بال ہونے کی وجہ سے انہیں تراشوالے تو کوئی حرج نہیں ہے اور یہ کسی طرح بھی ضرررساں نہ ہوگا۔ایسا کرنا اس لئے بھی جائز ہوسکتا ہے کہ کچھ بال ترشوانے میں حسن و جمال کا ایسا عنصر بھی ہے جسے عورت اور اس کا خاوند پسند کرتے ہیں۔لہذا ہم اس میں کوئی وجہ ممانعت نہیں پاتے۔جہاں تک تمام بال مونڈ دینے کا تعلق ہے تو یہ کام،بیماری یا کسی علت کے علاوہ ناجائز ہے۔وباللہ التوفیق!۔۔۔۔۔۔۔[شیخ ابن باز.....] (۲)

---

(۱) [مجموعہ فتاوی ابن عثیمین (ج۲/ص ۷۵۵)]

(۲) [فتاوی المرأۃ از ابن باز(ص ۸۰) شیخ البانیؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ عورت سر کے بال کاٹ سکتی ہے ... [illegible] (۶۹)]

مصنوعی بالوں کا استعمال

سوال: کیا عورت خاوند کے لئے باروکہ (مصنوعی بال) استعمال کر سکتی ہے اور کیا یہ عمل واصل اور مستوصل کی نہی کے تحت آتا ہے؟

جواب: باروکہ یعنی مصنوعی بالوں کا استعمال حرام ہے، اگر چہ یہ وصل نہیں ہے لیکن اس میں شمار ضرور ہوتا ہے۔ مصنوعی بال عورت کے سر کے بالوں کو اصل سے زیادہ لمبا کر کے دکھاتے ہیں، اس بناء پر وصل کے مشابہ ہوتے ہیں نبی اکرمؐ نے مصنوعی بال لگانے اور لگوانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ ہاں اگر عورت کے سر پر بالکل بال نہ ہوں تو وہ یہ عیب چھپانے کے لئے مصنوعی بال استعمال کر سکتی ہے، اس لئے کہ عیب کو چھپانا جائز ہے، کیونکہ نبی اکرمؐ نے اس آدمی کو سونے کی ناک لگانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی جس کی جنگ میں ناک کٹ گئی تھی۔ مسئلے کی نوعیت اس سے بھی وسیع ہے۔ بناؤ سنگھار کے تمام مسائل اور اس سے متعلق دیگر تمام کارروائیوں مثلاً ناک چھوٹا کرانا وغیرہ بھی داخل ہیں۔ تحسین و تجمیل عیوب کے ازالہ کا نام نہیں۔ اگر عیوب کا ازالہ مقصود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مثلاً ٹیڑھی ناک سیدھی کی جا سکتی ہے۔ نشان دور کیا جا سکتا ہے اور اگر ایسا عمل ازالۂ عیوب کے لئے نہیں بلکہ کسی اور مقصد کے لئے ہو مثلاً سرمہ بھرنا یا چہرے کے بال نوچنا وغیرہ تو یہ ممنوع ہیں۔ مصنوعی بالوں کا استعمال اگر چہ خاوند کی اجازت اور اس کی مرضی سے ہو تب بھی حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء میں کسی کی اجازت یا رضا غیر مفید ہے۔۔۔[مفتی اعظم، سعودی عرب، شیخ ابن بازؒ......][1]

---

(۱) [مجلہ المسلمون عدد ٥٩ بحوالہ فتاوی المراۃ المسلمۃ مرتب: ابو محمد اشرف بن عبد المقصود (ص ٥١٨ ج ٢)]

چہرے کے غیر عادی بال زائل کرنا

سوال: کیا عورت کے لئے ابرو کے ایسے بال اتارنا یا باریک کرنا جائز ہیں جو اس کے منظر کی بدنمائی کا باعث ہوں؟

جواب: اس مسئلے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی تو یہ ہے کہ ابرو کے بال اکھاڑے جائیں تو یہ عمل حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ یہ (نمص) ہے جس کے مرتکب پر نبی اکرمؐ نے لعنت فرمائی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بال مونڈ دیئے جائیں، تو اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ آیا یہ نمص ہے یا نہیں؟ راجح یہی ہے کہ عورت اس سے بھی احتراز کرے۔

باقی رہا غیر عادی بالوں کا معاملہ یعنی ایسے بال جو جسم کے ان حصوں پر اُگ آئیں جہاں عادتاً بال نہیں اُگتے مثلاً عورت کی مونچھیں اُگ آئیں یا رخساروں پر بال آجائیں تو ایسے بالوں کے اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ خلاف عادت ہیں اور چہرے کے لئے بدنمائی کا باعث ہیں۔ جہاں تک ابرو کا تعلق ہے تو ان کا باریک یا پتلا ہونا چوڑا اور گھنا ہونا یہ سب کچھ عادی امور سے ہے اور عادی امور سے تعرض نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ لوگوں کے ہاں اسے عیب نہیں سمجھا جاتا بلکہ اُن کے کسی ایک انداز پر ہونے کو خوبصورتی میں اضافہ سمجھا جاتا ہے۔ لہذا یہ ایسا عیب نہیں کہ انسان کو اس کے ازالے کی ضرورت پیش آئے۔۔۔۔۔[شیخ محمد بن صالح عثیمین ......] (۱)

ابرو کے زائد بالوں میں کمی کرنے کا حکم

سوال: ابرو کے زائد بالوں میں کمی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ ابرو کے بال اتارنا یا انہیں باریک کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی اکرمؐ سے ثابت ہے کہ آپ نے چہرے کے بال اکھاڑنے والی اور اکھڑوانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے جبکہ علما نے اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ ابرو کے بال اتارنا بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ [شیخ ابن باز......] (۲)

---

(۱) [مجموع فتاوی لابن عثیمین (ص ۸۳۲/ج ۲)] (۲) [فتاوی خواتین (ص ۲۷۳)]

ناخن بڑھانے اور نیل پالش لگانے کا حکم

سوال: ناخن بڑھانے اور ناخن پالش لگانے کا کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ میں ناخن پالش لگانے سے پہلے وضو کر لیتی ہوں اور چوبیس گھنٹے بعد اسے اتار دیتی ہوں۔

جواب: ناخن بڑھانا خلاف سنت ہے، نبی اکرمﷺ کا ارشاد ہے:

" الفطرة خمس :الختان والاستحداد ، وقص الشارب ، ونتف الابط، وقلم الاظفار"

''پانچ چیزیں فطرت سے ہیں ،ختنہ کرنا ،(زیر ناف بال کاٹنے کے لئے)استرا استعمال کرنا،مونچھیں کاٹنا بغلوں کے بال اکھاڑنا اور ناخن تراشنا۔'' (مسلم، کتاب الطھارۃ، باب ۱۶)

اور حضرت انسؓ سے روایت ہے:

"وقت لنا رسول الله ﷺ فی قص الشارب ،وتقليم الاظفار ونتف الأبط وحلق العانة،ان لا نترک شيئا من ذلک اکثر من اربعين ليلة "(مسلم، کتاب الطھارۃ)

''رسول اللہﷺ نے ہمارے لیے مونچھیں کاٹنے ،ناخن تراشنے ،بغلوں کے بال اکھاڑنے اور زیر ناف بال مونڈنے کے لئے وقت مقرر فرمایا کہ ہم چالیس دن سے زیادہ ان میں کچھ نہ چھوڑیں''

نیز اس لئے بھی ناخن بڑھانا منع ہے کہ یہ درندوں اور کفار کے ساتھ مشابہت ہے۔ جہاں تک نیل پالش وغیرہ کا تعلق ہے تو وضو کے لئے اس کا اتارنا واجب ہے کیونکہ یہ ناخنوں تک پانی پہنچنے میں رکاوٹ ہے۔۔۔۔۔۔[شیخ ابن باز........](1)

عورتوں کے لیے بال اتارنے کا حکم

سوال: مندرجہ ذیل کا شرعی حکم کیا ہے؟

۱۔ بغلوں اور زیر ناف بالوں کا ازالہ کرنا۔

۲۔ عورتوں کا ٹانگوں اور بازوؤں کے بال اتارنا۔

---

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص ۲۷۳)]

۳۔خاوند کی فرمائش پر ابروؤں کے بال اتارنا۔

جواب: (۱) بغلوں اور زیر ناف حصوں کے بال اتارنا سنت ہے۔بغلوں کے بال نوچنا (یعنی ہاتھ سے اکھیڑنا) جبکہ زیر ناف بالوں کا مونڈنا افضل ہے۔ویسے ان بالوں کا کسی بھی طرح ازالہ کرنا درست ہے۔

(۲) جہاں تک عورتوں کے لئے ٹانگوں اور بازوؤں کے بال اتارنے کا تعلق ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں اور ہم بھی اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

(۳) عورت کے لئے خاوند کی فرمائش پر ابرو کے بال اتارنا، ناجائز ہے کیونکہ نبی اکرمؐ نے نامصہ اور متنمصہ یعنی بالا کھاڑنے والی اور بال اکھڑوانے والی (یا اس کا مطالبہ کرنے والی) دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔واضح رہے کہ 'نمص' سے مراد ابرو کے بال اتارنا ہے۔۔۔۔۔۔[شیخ ابن باز.......] (۱)

پراندہ پہننے کی شرعی حیثیت

سوال۔کیا پراندہ پہننا ناجائز ہے؟

جواب۔پراندہ پہننے میں کوئی حرج نہیں۔امام لیث کا فتویٰ جواز ہی کا ہے۔ابوعبیدہ نے بہت سے فقہا سے جواز نقل کیا ہے۔امام ابوداؤد نے بھی سعید بن جبیر سے بسند صحیح جواز ذکر کیا ہے۔۔۔۔۔[حافظ ثناءاللہ مدنی، شیخ الحدیث ومفتی جامعہ رحمانیہ، لاہور.......] (۲)

حائضہ عورت کے لئے قرآن اور دعاؤں کی کتابیں پڑھنا جائز ہے؟

سوال: کیا عرفہ کے دن حائضہ عورت دعاؤں پر مشتمل کتابیں پڑھ سکتی ہے جبکہ ایسی کتب میں قرآنی آیات بھی ہوتی ہیں؟

(۱) [فتاویٰ برائے خواتین(ص ۳۲۷) نیز دیکھئے: مجموعہ فتاوی لابن عثیمین(ج ٤ ص ۱۳٤)]

(۲) [ہفت روزہ "الاعتصام" (ج ٥٥ شمارہ ۱۳ ص ۱۳)]

جواب: حیض اور نفاس والی خواتین کے لئے دوران حج دعاؤں پر مشتمل کتابیں پڑھنا جائز ہے اور صحیح مذہب کی رو سے ایسی عورتیں قرآن مجید کو ہاتھ لگائے بغیر اس کی تلاوت بھی کرسکتی ہیں۔کوئی صحیح اور صریح نص ایسی نہیں ہے جو ایسی عورتوں کو تلاوت قرآن مجید سے روکتی ہو۔اس بارے میں جو حدیث حضرت علیؓ منقول ہے وہ صرف جنبی کے بارے میں ہے کہ وہ جنابت کی حالت میں قرآن مجید نہ پڑھے۔جہاں تک حیض یا نفاس والی عورت کا تعلق ہے تو اس بارے میں حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت منقول ہے:

"ولا تقرا الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن"

''حائضہ اور نفاس والی عورت قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔''

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اسماعیل بن عیاش کی یہ روایت اہل حجاز سے نقل کی گئی ہے اور اہل حجاز سے اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

تاہم حائضہ عورت قرآن کو ہاتھ لگائے بغیر زبانی طور پر پڑھ سکتی ہے، جہاں تک جنبی کا تعلق ہے تو اس کے لئے قرآن کو ہاتھ لگانا یا زبانی طور پر اس کی تلاوت کرنا، ناجائز ہے۔دونوں صورتوں میں یہ فرق اس لئے ہے کہ جنابت کا وقت مختصر ہوتا ہے لہذا جنبی شخص کے لئے فراغت کے فورا بعد غسل کرنا ممکن ہوتا ہے، اس کی مدت لمبی نہیں ہوتی، وہ جب چاہے غسل کرسکتا ہے، اور اگر پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تو تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے۔اور تلاوت قرآن مجید بھی کرسکتا ہے، مگر حائضہ اور نفاس سے دوچار عورت کے لئے یہ ممکن نہیں، کیونکہ مسئلہ ان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔حیض اور نفاس کی مدت کئی دنوں تک محیط ہوتی ہے، لہذا ان کے لئے قرآن مجید کی تلاوت کو جائز قرار دیا گیا تاکہ وہ اسے بھول نہ جائیں اور تلاوت کلام کے ثواب سے محروم نہ رہیں۔جب ان کے لئے کتاب اللہ کی تلاوت اور کتاب اللہ سے شرعی احکام کا سیکھنا جائز ہے تو قرآن وحدیث پر مبنی دعاؤں پر مشتمل کتابوں کا پڑھنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔یہی رائے

صاحب علم علماءؒ کے اقوال میں سے صحیح تر ہے۔۔۔۔۔۔۔[شیخ ابن باز..........][1]

اونچی ایڑھی والی جوتی پہننا

سوال: اونچی ایڑھی والی جوتی پہننے کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب: اونچی ایڑھی کم از کم کراہت کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ اس میں یہ دھوکہ ہے کہ عورت دراز قد معلوم ہوتی ہے جبکہ وہ ایسی نہیں ہوتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں عورت کے گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ ڈاکٹروں کی رائے میں ایسی جوتی پہننا صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔۔۔۔[شیخ ابن باز......][2]

ناک میں نتھ پہننا

سوال: حصول زینت کے لئے ناک میں نتھ پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت ہر وہ زیور پہن سکتی ہے جو عادتاً پہنا جاتا ہو۔ اس کے لئے اگر بدن میں سوراخ بھی کرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً کانوں میں بالیاں وغیرہ پہننا۔ ممکن ہے ناک میں نتھ پہننا ایسے ہی جائز ہو جیسا کہ اونٹ کی ناک میں سوراخ کر کے نکیل ڈالنا۔ اگر چہ دونوں مثالیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔۔۔[شیخ ابن باز........][3]

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص ۹۰،۹۱) واضح رہے کہ حائضہ کی طرح جنبی آدمی بھی طہارت سے پہلے قرآن کو چھوئے بغیر اس کی تلاوت کر سکتا ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ بیداری کے بعد اور طہارت سے پہلے قرآن کی تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ جبکہ وہ روایت جس میں جنبی کے لئے تلاوت قرآن کی ممانعت ثابت کی جاتی ہے، وہ ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔ جیسا کہ خود موصوف نے بھی اوپر اس کا اقرار کیا ہے۔]

(۲) [فتاوی برائے خواتین (ص ۲۷۵)]

(۳) [فتاوی المرأة المسلمه ۔ ازابو محمد (ص ۴۷۹ ص ۱)]

فصل سوم

خواتین کے ستر وحجاب سے متعلقہ چند اہم مسائل

شرعی حجاب

سوال: شرعی حجاب کا مطلب کیا ہے؟

جواب: شرعی حجاب کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے لئے تمام واجب الستر اعضاء میں سب سے مقدم اور اولیٰ چہرے کا پردہ ہے، اس لئے کہ چہرہ فتنہ، رغبت کا محل ہے۔ لہذا عورتوں پر اجنبی لوگوں سے چہرے کا پردہ کرنا واجب ہے۔ جہاں تک یہ کہنا ہے کہ شرعی حجاب صرف سر، گردن، سینہ، پاؤں، پنڈلی اور بازو کو ڈھانپنا ہے جبکہ چہرہ اور ہاتھ اس سے مستثنیٰ ہیں، تو یہ ایک عجیب وغریب قول ہے، اس لئے کہ یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ جائے رغبت اور محلِ فتنہ چہرہ ہے، پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ شریعت اسلامیہ عورت کو پاؤں ڈھانپنے کا تو حکم دے اور چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت دے دے۔ پر از حکمت شریعت مطہرہ میں ایسے تناقص کا ہونا غیر ممکن ہے۔ ہر انسان جانتا ہے کہ پاؤں سے کہیں بڑھ کر چہرے میں فتنہ ہے، اور مردوں کے لئے عورتوں میں محل رغبت بھی چہرہ ہی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی منگیتر سے کہے کہ آپ کی ہونے والی بیوی کے بازو تو خوبصورت ہیں مگر چہرہ بدصورت ہے، تو وہ ضرور ایسی لڑکی سے شادی کرنے پر آمادہ نہ ہوگا۔ اس کے برعکس اگر کہا جائے کہ اس کا چہرہ تو خوبصورت ہے لیکن ہاتھ پاؤں اور پنڈلیاں اتنی خوبصورت نہیں ہیں تو وہ ضرور ایسی لڑکی سے شادی کرنے پر آمادہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چہرے کا پردہ بطریق اولیٰ واجب ہے۔ کتاب وسنت، اقوال صحابہؓ، اقوال ائمہ اسلام، میں ایسے بے شمار دلائل موجود ہیں جن کی رد سے غیر مردوں کے سامنے عورت پر تمام جسم اور چہرے کا پردہ واجب ٹھہرتا ہے۔۔۔[شیخ ابن باز.......] (۱)

(۱) [فتاوٰی برائے خواتین(ص۲۸۸)]

چہرے کا پردہ فرض کیوں؟

اندرون ملک یا بیرون ملک ہر جگہ اجنبیوں (غیر محرم مردوں) سے پردہ کرنا عورت پر فرض ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ

''اور جب تم ان (ازواج مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمہارے اوران کے دلوں کی کامل پاکیزگی ہے۔'' (الاحزاب/۵۳)

یہ آیت چہرے اور غیر چہرے کے لئے عام ہے نیز اس لئے بھی کہ چہرہ عورت کی پہچان اور بڑی زینت ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَا بِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الاحزاب/۵۹)

''اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور دیگر اہل ایمان عورتوں سے فرمادیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس سے انہیں ستایا نہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ تو بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ہے۔'' نیز ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ﴾

''اور (عورتیں) اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے...'' (النور_۲۴/۳۱)

یہ آیات مبارکہ اندرون و بیرون ملک ہر جگہ مسلمان اور کافر سب سے وجوب پردہ کی دلیل ہیں۔ کسی بھی مومن کو اس میں سستی و کاہلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے، نیز اس لئے بھی کہ بے حجابی عورت کے لئے گھر اور باہر ہر جگہ باعث فتنہ ہے۔۔۔۔[شیخ ابن باز........] (۱)

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص ۲۷۳)]

فیملی ڈرائیور اور غیر محرم عورتیں!

سوال: گھریلو ڈرائیور کا گھر کی عورتوں اور دوشیزاؤں سے ملنا جلنا اور ان کے ساتھ مارکیٹ یا سکول جانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کا فرمان صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ

"ولا یخلون رجل بامراۃ الا کان الشیطان ثالثھما" (ترمذی: کتاب الرضاع)

''کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہیں جاتا مگر تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے''

خلوت گھر میں ہو یا گاڑی میں، مارکیٹ میں ہو یا کہیں اور ایک ہی بات ہے۔ مرد وزن کی تنہائی میں اس امر کی کوئی ضمانت نہیں کہ ان کی گفتگو باعث فتنہ اور باعث شہوت انگیزی نہیں ہوگی، اس بات کے باوجود کہ بعض خواتین وحضرات میں تقوی وپرہیز گاری، خشیت الٰہی اور معصیت وخیانت سے نفرت، موجود ہوتی ہے مگر ان میں شیطان مداخلت کرتا ہے اور گناہ کو کمتر صورت میں پیش کر کے فریب کاری کا دروازہ کھول دیتا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا باعث حفاظت وسلامتی ہے۔۔۔۔[شیخ ابن جبرین......][1]

سوال: اجنبی ڈرائیور کے ساتھ اکیلی عورت کا اس لئے سوار ہونا کہ وہ اسے شہر تک پہنچادے، کیا حکم رکھتا ہے؟ نیز کسی شخص کی عدم موجودگی میں اگر چند عورتیں اکیلے اجنبی ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوں تو کیا حکم ہے؟

جواب: غیر محرم ڈرائیور کے ساتھ اکیلی عورت کا گاڑی میں سوار ہونا ناجائز ہے، کیونکہ یہ خلوت کے حکم میں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"لایخلون رجل بامراۃ الا ومعھا ذومحرم" (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱/۴۲۵)

''کوئی آدمی کسی عورت کے محرم کے بغیر اس کے ساتھ خلوت میں نہ جائے۔''

---

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص۲۰۳/۲۶۹)]

ہاں اگر دونوں کے ساتھ ایک یا زیادہ مرد ہوں یا ایک سے زیادہ عورتیں ہوں تو اطمینان بخش حالات میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ ایک یا زیادہ لوگوں کی موجودگی میں خلوت ختم ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ حکم غیر سفری حالت کا ہے۔ جہاں تک سفری حالت کا تعلق ہے تو عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ محرم کے بغیر سفر کرے۔ نبی اکرم کا ارشاد ہے:

"**ولا تسافر المراۃ الا مع محرم**" (رواہ البخاری ومسلم، کتاب الحج،)

"کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے"

سفر بری ہو یا بحری ہو یا ہوائی سب کا ایک ہی حکم ہے۔۔۔[شیخ ابن باز......] (۱)

عورت کی ڈرائیونگ کا حکم

سوال: عورت کا گاڑی چلانا کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ اس سے بے شمار خرابیاں اور خطرناک نتائج جنم لیتے ہیں، مثلاً مرد وزن کا بے باکانہ اختلاط، ایسی ممنوع چیزوں کا ارتکاب جن کی بنا پر ایسے امور کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ شریعت مطہرہ نے حرام تک پہنچانے والے تمام وسائل واسباب کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ اللہ عزوجل نے نبی اکرم کی ازواج مطہرات اور دیگر مومن عورتوں کو گھروں میں رہنے، پردہ کرنے، اور غیر محرم مردوں کے سامنے اظہار زینت سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ سب کچھ اس اباحیت کا پیش خیمہ ہے جو کہ مسلم معاشرہ کے لئے تباہ کن ہے۔ (۲)

عورتوں کا مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنا

سوال: عورتوں کا مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: یہ بات طے شدہ ہے کہ عورت کا مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے میدان عمل میں اترنا مذموم اختلاط اور خلوت کا سبب بنتا ہے اور یہ انتہائی خطرناک بات

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص ۲۶۹)] (۲) [ایضا (ص ۳۰۸)]

ہے۔اس کے نتائج خطرناک اور پھل کڑوا ہوتا ہے اور انجام انتہائی برا اور ناپسندیدہ ہوتا ہے۔عورتوں کا مردوں کے ساتھ میدان عمل میں اترنا ان قرآنی آیات (احکام) سے متصادم ہے جو عورت کا دائرہ عمل گھر کی چاردیواری تک محدود بتاتی ہیں اور اسے ایسے اعمال بجالانے کی تلقین کرتی ہیں جن کے لئے عورت کی تخلیق ہوئی اور جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔ان پر عمل کرنے ہی سے وہ مردوں کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ایسے صحیح اور صریح دلائل وبراہین، جو اجنبی عورتوں سے خلوت اپنانے، انہیں دیکھنے، شرعی محرمات کے وسائل واسباب کے ارتکاب کو حرام قرار دیتے ہیں، محکم اور کثیر تعداد میں موجود ہیں اور یہ انجام بد سے دوچار کرنے والے مردوزن کے اختلاط کے حرام ہونے کے بارے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔(1)

پردہ کس سے کیا جائے اور کس سے نہیں؟

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں کہ ''ستر وحجاب کے احکام کے اطلاق کے لحاظ سے معاشرہ کو مندرجہ ذیل پانچ قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1. اجانب: اجنبی لوگوں سے مراد غیر محرم مرد ہیں جن سے کسی قسم کی بھی رشتہ داری نہ ہو اور ان کا تعلق بالعموم گھر سے باہر کی دنیا سے ہوتا ہے۔ایسے لوگوں سے چہرہ اور ہاتھوں کا پردہ بہت ضروری ہے۔الا یہ کہ کوئی شرعی عذر موجود ہو۔

2. محرم: محرم سے مراد وہ تمام رشتہ دار ہیں جن سے کسی عورت کا نکاح دائمی طور پر حرام ہو (ماسوا خاوند کے، کیونکہ اس سے تو نکاح پہلے ہی ہو چکا ہے) اور وہ یہ ہیں:

(۱) خاوند (۲) باپ (۳) سسر (۴) حقیقی بیٹے (۵) سوتیلے بیٹے (۶) بھائی (۷) بھتیجے (۸) بھانجے (۹) حقیقی چچا (۱۰) حقیقی ماموں

یہ گننے میں تو صرف دس ہیں مگر ان کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے وہ اس طرح ہے کہ

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص ۳۱۲)]

(الف) آباء کے مفہوم میں صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا اور نانا، پڑنانا، سب آ جاتے ہیں ایک عورت کے لئے اس کے اپنے دودھیال یا ننھیال کے بزرگ ہوں یا اپنے خاوند کے، یہ سب محرمات میں داخل ہیں۔

(ب) بیٹوں میں پوتے، پڑپوتے اور نواسے، پڑنواسے سب شامل ہیں، نیز سوتیلے بیٹوں کی اولاد بھی محرمات میں شامل ہے۔

(ج) بھائیوں میں حقیقی، اخیافی اور علاتی (یعنی سگے بھائی، سوتیلے اور ماں جائے بھائی سب شامل ہیں)

(د) اسی طرح بھائی بہنوں کے بیٹے سے مراد تینوں قسم کے بھائی بہنوں کی اولاد ہے۔ یعنی ان کے پوتے پڑپوتے اور نواسے وغیرہ

پھر اس فہرست میں اتنی ہی تعداد رضاعت کے لحاظ سے رشتہ داروں کی شامل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو رشتے نسب کے لحاظ سے حرام ہیں۔ وہ رضاعت کے لحاظ سے بھی حرام ہیں"[1] اس ضمن میں درج ذیل حدیث بھی ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا وَهُوَ عَمُّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ بَعْدَ أَنْ نَزَلَ الْحِجَابُ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي صَنَعْتُ فَأَمَرَنِي أَنْ آذَنَ لَهُ

"حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ افلح ابوقعیس کا بھائی جو میرا رضاعی چچا تھا، میرے ہاں آیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ یہ واقعہ پردہ کا حکم آنے کے بعد کا ہے لہذا میں نے اسے اجازت نہ دی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ آئے تو میں نے آپؐ سے بیان کیا۔ آپؐ نے مجھے فرمایا کہ اسے اندر آنے کی اجازت دے دو۔"

ان محرمات میں سے اگر کسی رشتے میں شک پڑ جائے تو حجاب کے احکام لاگو ہو جائیں گے اور اس کی مثال دور نبویؐ کا یہ واقعہ ہے کہ

(۱) [بخاری، ... کتاب الرضاع]

''حضرت سودہؓ ام المؤمنین کا ایک بھائی لونڈی زادہ تھا۔اس کے متعلق سعد بن ابی وقاص کو اس کے بھائی عتبہ نے وصیت کی کہ اس لڑکے کو اپنا بھتیجا سمجھ کر اس کی سرپرستی کرنا۔کیونکہ وہ دراصل میرا نطفہ سے ہے۔یہ مقدمہ جب آپؐ کے پاس آیا تو آپ نے حضرت سعد کا مقدمہ تو یہ کہہ کر خارج کردیا:'' اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَللعاهِرِ الحجرَ''

''بیٹا تو اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر (حدرجم) ہے''

اور حضرت سودہؓ سے فرمایا کہ (اِحْتَجِبِی مِنْهُ) یعنی آئندہ اس سے پردہ کیا کرو کیونکہ یہ رشتہ اب مشتبہ ہوگیا تھا۔(۱)

❸ خاوند کے رشتہ دار: خاوند کے رشتہ داروں سے مراد خاوند کے چھوٹے بڑے بھائی یعنی جیٹھ، دیور اور دوسرے رشتہ دار ہیں (انہیں عربی میں 'حمو' کہا جاتا ہے) یہ رشتہ دار بھی غیر محرموں میں داخل ہیں۔ایسے رشتہ داروں کے پردہ کے معاملہ میں ہر دور میں خاصی غفلت برتی جاتی رہی ہے کیونکہ ایسے رشتہ داروں کا گھروں میں بکثرت آنا جانا ہوتا ہے۔رسول اللہ ﷺ سے خاوند کے رشتہ داروں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

"اِيَّاكُمْ وَالدُّخُولِ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَفَرَأَيْتَ الْحَمْوُ؟فَقَالَ :اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ "(۲)

''خبردار!غیر عورتوں پر داخل نہ ہوا کرو۔ایک انصاری صحابی نے کہا:یارسول اللہ!خاوند کے رشتہ داروں (دیور وغیرہ) کے متعلق کیا ارشاد ہے؟آپؐ نے فرمایا:خاوند کے رشتہ دار تو موت ہیں۔''

❹ بیوی کے رشتہ دار: اس معاملہ کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ آیا بیوی کی بہن (سالی) کو اپنے بہنوئی (یا بزبان پنجابی بھنوجہ) سے پردہ کرنا چاہیے؟ ہمارے معاشرے میں اس سوال کو خارج از بحث سمجھ لیا گیا ہے۔پھر صرف یہی نہیں کہ سالی اپنے بہنوئی سے پردہ نہ

(۱) [بخاری، کتاب الفرائض، باب من ادعی اخاو ابن اخ---]

(۲) [بخاری، کتاب النکاح، باب لایخلون الرجل---]

کرے بلکہ ان کے آپس میں کھلے ڈھلے مذاق اور چھیڑ چھاڑ کو مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ جو بعض اوقات انتہائی فحاشی کی حد تک پہنچ جاتا ہے چنانچہ پنجابی معاشرہ میں مقولہ "سالی ادھ گھر والی" اور "بھنوجہ خصم دوجا" ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بیوی گھر کی ملکہ ہوتی ہے اسی طرح بیوی کی بہن بھی اس میں برابر کی شریک ہوتی ہے کیونکہ بیوی کا خاوند اس کا بھی خاوند ہوتا ہے!!

اس ضرب المثل پر بار بار غور فرمایئے اور اس کے عواقب و نتائج بھی سامنے لایئے کہ اس سے بڑی فحاشی بھی کوئی ہو سکتی ہے؟ پھر اگر احکام ستر و حجاب کی علت غائی بھی فحاشی کا انسداد ہے تو اس لحاظ سے بہنوئی سے ضرور پردہ کیا جانا چاہیئے۔ قرآن سے بھی یہ رہنمائی ملتی ہے کہ "کسی کے نکاح میں دو بہنیں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں" (۴/۲۲) جس کا مطلب یہ ہوا کہ سالی مشروط طور پر محرمات میں داخل ہے۔ بالفاظ دیگر اس پر پردہ واجب ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں ابوداؤد کی ایک حدیث بھی ملتی ہے جو یوں ہے کہ ایک دفعہ حضرت اسماء بنت ابی بکر (حضرت عائشہؓ کی بہن یا آپ کی سالی) باریک لباس میں ملبوس آپ ا کے سامنے آئیں تو آپ نے منہ فوراً پھیر لیا اور فرمایا:

يَا اَسْمَاءَ أَنَّ الْمَرْأَةَ اَذَابَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَمْ يُصْلِحْ لَهَاأَنْ يُرٰى مِنهَا اِلَّا هٰذَا أَوْ هٰذَا وَأَشَارَ اِلٰى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ (۱)

"اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ اس کے (جسم سے) یہ اور یہ کے سوا کچھ دیکھا جائے اور آپ نے اپنے منہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا۔"

اس حدیث سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتیں ہیں:

۱۔ سالی کا اپنے بہنوئی سے چہرہ اور ہتھیلیوں کا پردہ نہیں ہے۔

۲۔ چہرہ اور ہتھیلیاں ستر میں شامل نہیں۔

---

(۱) [ابو داؤد، کتاب اللباس باب ماجاء فی ماتبدی المراۃ]

۳۔ باریک لباس جو ساتر نہ ہو۔ یعنی جس سے جسم کے دوسرے اعضاء بھی نظر آئیں، حرام ہے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ حدیث مجروح ہے اور امام ابوداؤد نے خود بھی یہ کہہ کر بات واضح کر دی ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اس لئے کہ خالد بن وریک نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا۔ علاوہ ازیں سند کے لحاظ سے اس روایت میں اور بھی چند علتیں ہیں۔

❺ **باقی عام رشتہ دار:** مندرجہ ذیل اقسام کے رشتہ داروں کے بعد بھی دور و نزدیک کے کافی رشتہ دار باقی رہ جاتے ہیں جن کا گھروں میں اکثر آنا جانا ہوتا ہے۔ ایسے رشتہ داروں سے پردہ کے متعلق مختلف اور متضاد قسم کی احادیث ملتی ہیں۔ جن سے کسی حتمی نتیجہ پر نہیں پہنچا جا سکتا گویا اس میدان میں شریعت نے ہر ایک مسلمان کو اس کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے اس معاملہ میں بھی پردہ کے تعین کے لئے دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ایک عمروں کا تفاوت دوسرے جنسی میلان کا غلبہ۔

یہ تو بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کو پردہ سے رخصت دی ہے۔ لہٰذا اس کا مخاطب مرد خواہ کسی عمر کا بچہ ہو، جوان ہو یا بوڑھا، اس سے بڑھیا پر پردہ واجب نہیں، اگرچہ مستحسن ضرور ہے۔ پھر یہی صورت اگر اس کے برعکس ہو، تو بھی احکام ایسے ہی ہوں گے یعنی ایک بوڑھے مرد سے جس کے شہوانی جذبات مر چکے ہیں اگر عورت پردہ نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ خواہ وہ عورت خود جوان ہو یا بوڑھی۔ اگرچہ مستحسن صورت پھر بھی یہی ہو گی کہ وہ پردہ کرے''۔ (۱)

(۱) [احکام ستر و حجاب از عبد الرحمن کیلانی رحمہ اللہ (ص ۸۲ تا ۸۶)]

باب 10

تَعدُّدِ اَزوَاجُ

- تعددِ ازواج....جواز و حکمت
(عصر حاضر کے تقاضوں کی روشنی میں)
- پاکستانی معاشرہ، دوسری شادی اور حکمتِ عملی کے تقاضے
- دوسری شادی سنت ہے فرض نہیں!

فصل اول

تعددِ ازدواج...... جواز وحکمت ۞

دنیا میں اس وقت دو زبردست مگر متضاد رجحانات بے حد مقبول ہیں: ایک طرف اس عالم رنگ وبو میں ایسے عوامل اور محرکات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، جو کہ نفس انسانی کو جنسی طور پر ہیجان زدہ کر رہے ہیں۔ عریاں تصاویر، بلیو پرنٹس، گندی فلمیں، تفریح کے نام پر عیاشی اور اس جیسا لٹریچر دھڑا دھڑ نوخیز نسل میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ خاتونِ خانہ کو پردے سے نکال کر بے حجاب کر دیا گیا ہے، اب بنتِ حوا عریاں رہنے کو ترقی اور جدت پسندی سمجھتی ہے۔ اس عریانی اور فحاشی کے دیگر اثرات کے علاوہ سب سے بڑا اثر (Effect) یہ ہے کہ آدم کے بیٹے نفسانیت اور ہوس پرستی کے پتلے بنتے جا رہے ہیں۔ شہوانیت کا بھوت ان کے سروں پر چڑھ کر ناچ رہا ہے۔ اور ان کیلئے صرف ایک ہی شریک حیات Life Partner تک محدود رہنا ناکافی ہو چکا ہے۔ دوسری طرف شادی کے مقدس بندھن سے تنفر بڑھتا جا رہا ہے۔ اسے آزادی کے راستے میں رکاوٹ سمجھا جا رہا ہے۔ اور اگر شادی ہے بھی تو صرف ایک بیوی تک محدود ہونے (Monogamy) کا رجحان ہے، ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا تصور دنیا میں تیزی سے زوال پذیر ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اس رجحان کی یوں عکاسی کرتا ہے:

> "Industrilization, Mass education and the general prestigue of westren ways throughout the premodren world causing polygamy to wane" (1)

۞ [اس فصل میں ہم ماہنامہ 'محدث' کے شکریہ کے ساتھ پروفیسر نوید احمد شہزاد صاحب کا مضمون پیش کر رہے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں تعددِ ازدواج کی حکمتوں میں جنسی ضرورتوں کو زیادہ اُجاگر کیا گیا ہے، کیونکہ عام لوگ نکاح کو صرف ایک جنسی ضرورت ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ اسلام میں 'نکاح' خاندانی نظام کی بنیاد ہے جو مہذب معاشرہ کی بنیادی اکائی ہے۔ جب یہ مضمون اشاعت کے لئے آیا تو مدنی صاحب کے فرمان پر راقم الحروف نے اس کا استدراک لکھا جس میں نہ صرف یہ کہ پاکستانی معاشرے کے مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے تعددِ ازدواج کے دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی تھی بلکہ اس کے ساتھ زیر بحث مسئلہ میں بھی ایک حد تک توازن پیدا ہو گیا تھا۔ مگر بعض وجوہات کی بنا پر وہ استدراک شاملِ اشاعت نہ ہو سکا۔ راقم الحروف اگلی فصل میں از راہِ توازن، اپنے اسی استدراک کو جگہ دے گا۔ ان شاء اللہ]

''صنعتی ممالک، ذرائع معلومات عامہ اور مغربی ممالک کا عمومی ٹھہراؤ اور پوری دنیا میں جدید تر رجحانات کے تحت، تعدد ازدواج کا رجحان زوال پذیر ہے۔''

وحدت زوج کا تصور نہ صرف ترقی یافتہ ممالک میں رواج پذیر ہے بلکہ دنیا کے دیگر بڑے مذاہب بھی بالعموم اسی تصور کے حامل ہیں، موجودہ عیسائیت اور ہندومت کے متعلق انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

"Monogamy..... as prevails in the roman catholic and Hindue prescriptions for marriafe"(2)

''رومن کیتھولک اور ہندو صرف ایک بیوی کی اجازت دیتے ہیں......''

درج بالا دونوں تصورات متضاد ہیں، ایک طرف ہیجان خیزی اور مقوی راغبانہ محرکات دوسری طرف شہوت سے مغلوب مرد کے لئے صرف ایک بیوی تک محدود رہنا، حالانکہ اگر ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت ہوتو یہ مسئلہ جائز اور فطری صورت میں بھی حل ہوسکتا ہے، مگر ایسا نہیں ہے۔ جس کا نتیجہ یہی ہے کہ نفس پرست لوگ ایک بیوی سے بڑھ کر حرام کاری کرتے ہیں، اور اب تو اسے نام نہاد ترقی یافتہ ممالک میں کوئی عیب بھی شمار نہیں کیا جاتا۔ نفسانی آوارگی کے جو معاشرتی، اخلاقی، جسمانی اور روحانی نقصانات ہیں، وہ مسلمہ ہیں مگر وہ اپنی جگہ ایک الگ موضوع ہے، افسوس ناک امر یہ ہے کہ ہمارے ہاں مسلمان کہلانے والے بعض جدت پسند ایسے بھی ہیں جو اہل مغرب سے مرعوبیت میں حقائق کا ادراک کیے بغیر فرنگیوں وغیرہ کی نقالی ہی کا سوچتے ہیں۔ یہ لوگ جو بزعم خویش اپنے آپ کو حقوقِ انسانی کے دعویدار بھی سمجھتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ تعدد ازواج سے عورتوں کے حقوق پر زد پڑتی ہے، کبھی ان کو مردوں کی بالادستی نظر آتی ہے، کبھی مرد کو چار اور عورت کو ایک تک محدود کرنا ان کو غیر مساویانہ لگتا ہے اور کبھی تعدد ازواج کو یہ ترقی کی راہ میں حائل سمجھتے ہیں۔ مزید برآں ایک اور طبقہ جو اسلام کے مسلمہ اُصولوں کی نفی کر کے اسلام سے غداری کا 'فریضہ' سرانجام دے رہا ہے، وہ تعدد ازدواج کے مسئلے کو اس بنا پر رد کرتا ہے کہ یہ ان کی خام عقل کے موافق نہیں ہے، اس بارے میں آیاتِ قرآنی کی تاویلات اور احادیث صحیحہ کا انکار کیا جاتا ہے۔ ایک سرکردہ منکر حدیث مسٹر پرویز لکھتا ہے کہ

"قرآن میں وحدتِ زوج (یعنی ایک وقت میں ایک بیوی) کا اُصول بیان ہوا ہے۔ ایک کی موجودگی میں دوسری نہیں لائی جاسکتی۔ باقی رہی سورۃ النساء کی آیت جس میں ایک سے زائد نکاح کرنے کا ذکر ہے تو یہ جنگ وغیرہ کے نتیجے میں بیواؤں اور یتیموں کی کثرت ہوجائے تو ایسے معاشرتی حالات کی مجبوری کے ساتھ مشروط ہے۔"(۳)

الغرض اس مسلّمہ حقیقت کا انکار کیا جاتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں ایک مرد نہ رکھے اور اس معاملے کا منفی انداز میں ڈھونڈرا پیٹا جارہا ہے، حالانکہ یہ محض خام خیالی ہے۔ حقیقت کیا ہے ؟ آیئے قطعی دلائل کی روشنی میں اس مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں......

تعددِ ازواج کا تاریخی پس منظر

سب سے پہلے ہم یہ واضح کئے دیتے ہیں کہ تعددِ ازواج کا انکار فقط دورِ حاضر کا ایک فتنہ ہے، وگرنہ خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے ہزاروں سال قبل بھی اللہ کی طرف سے آدمؑ کے بیٹوں کو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت تھی۔ مختلف جلیل القدر پیغمبروں اور اُمم سابقہ کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی اُمتوں اور سابقہ شرائع میں تعددِ ازواج کی باقاعدہ اجازت تھی اور اس پر عمل بھی تھا۔

سابقہ انبیاء کے ہاں کثرتِ ازواج

- سیدنا نوحؑ کی شریعت میں مردوں کو ایک سے زائد نکاح کی اجازت تھی، اولادِ نوحؑ میں لَمک ایک ایسا شخص تھا، جس کی بیویوں کا ذکر بائبل میں ہے، ملاحظہ فرمایئے:

"اور لمک دو عورتیں بیاہ لایا، ایک کا نام عدہ اور دوسری کا نام ضلہ تھا۔"(۴)

یاد رکھیے کہ بائبل کے مندرجات غیر مسلم اہل کتاب کے لئے سب سے معتبر حوالہ ہیں، ان کو اپنا موجودہ قانون اس تناظر میں دوبارہ دیکھنا چاہیے۔

- ابراہیم خلیل اللہ جو کہ محمد ﷺ فداہ أبي وأمي کے جدامجد ہیں اور یہود و نصاریٰ دونوں کو دعویٰ ہے کہ ہم آلِ ابراہیم ہیں، بلکہ اپنے تئیں دونوں اُنہیں اپنا ہم مذہب قرار دیتے ہیں؛ جاننا چاہیے کہ ابوالانبیاء نے چار نکاح کیے تھے، حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دوسری بیوی حضرت ھاجرؑ قبطیہ مصریہ کے بطن سے

ان کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے، پھر ان کی پہلی بیوی حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحٰق پیدا ہوئے ......قنطورا کے علاوہ حجون بنت امین سے بھی عقد کیا۔"(۵)

درج بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ حَـاجِـرَ وسارہ ایک ہی وقت میں سیدنا ابراہیمؑ کے نکاح میں رہیں۔ ابراہیمؑ کے حَـاجِـر وسارہ سے نکاح کی تائید بائبل کی کتاب پیدائش کے باب نمبر ۱۶ کی آیت نمبر ۲ سے بھی ہوتی ہے، جہاں مذکورہ واقعہ ذکر ہے، اگرچہ بائبل حَـاجِـر کو لونڈی شمار کرتی ہے۔

▪ بنی اسرائیل جناب یعقوبؑ کی اولاد ہیں۔ یہود و نصاریٰ کو جاننا چاہیے کہ ان کے جدِ اعلیٰ نے خود 'تعددِ ازواج' پر واضح طور پر عمل کیا۔ بائبل کتابِ پیدائش اور دیگر مقامات کے مطالعہ سے واضح ہے کہ یعقوبؑ نے اپنے ننھیال یعنی ماموں 'لابن' کے ہاں رہ کر بیس برس تک بکریاں چرائیں اور ان کی دو بیٹیوں 'لیاہ' اور 'لاخل' سے شادی کی، نیز ان کی دو لونڈیوں 'زلفا' اور 'بلیا' سے بھی مصاحبت کی۔(۶)

سیدنا یعقوبؑ کی ازدواجی زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شریعت میں جمع بین الأختین یعنی ایک مرد کے ساتھ دو بہنوں کا بیک وقت نکاح بھی ممنوع نہ تھا اور خود یعقوبؑ نے اس پر عمل بھی کیا۔

▪ اسی طرح بائبل میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہے کہ اسحٰق کے دوسرے بیٹے 'عیسو' اپنے بیٹے اسمٰعیل کے ہاں چلے گئے، وہاں ان کی صاحبزادی سے شادی کی نیز اس کے علاوہ بھی کئی شادیاں کی۔(۸) جن میں 'بیری حتی' کی بیٹی 'یہودتھ' اور 'ایلون' کی بیٹی 'بشاتھ' سے بیاہ کیا۔(۹)

▪ بنی اسرائیل ہی کے دو اور جلیل القدر پیغمبر داود اور سلیمان علیہما السلام ہیں جو کثرت ازواج کی بنا پر مشہور ہیں۔ اگرچہ یہودی ان کا شمار سلاطین میں کرتے ہیں۔ مفسر قرآن خازن داودؑ کے متعلق لکھتے ہیں:

کان لداؤد تسع وتسعون امرأة...... الخ-(۱۰) داودؑ کی ننانوے بیویاں تھیں۔

نیز بائبل کی کتاب تواریخ نمبر۱، باب نمبر ۳ میں ان کی نو بیویوں کے اسماء اور ان سے جنم لینے

والوں کے اسما بھی تفصیل سے مذکور ہیں۔

سیدنا سلیمانؑ کے متعلق صحیح حدیث میں ہے:

''قال رسول الله ﷺ: "قال سليمان لأطوفن الليلة على تسعين امرأة......الخ" (۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ سلیمانؑ کی نناوے بیویاں تھیں۔

جب کہ بائبل کتاب سلاطین، اوّل میں ہے

''سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرم میں تھیں......الخ'' (۱۲)

ان کے علاوہ سیدنا موسیٰؑ بھی ہیں۔ جن کی شریعت کی اتباع کا دعویٰ یہود و نصاری کرتے ہیں۔ بائبل میں ان کی دو شادیوں کا واضح ذکر ہے، کتاب خروج میں ہے:

''اور موسیٰ اس شخص کے ساتھ رہنے کو راضی ہو گیا، تب اُسنے اپنی بیٹی صفورہ موسیٰ کو بیاہ دی۔'' (۱۳)

دوسری شادی کا ذکر 'گنتی' میں ہے:

''اور موسیٰؑ نے ایک کوشی عورت سے بیاہ کر لیا۔'' (۱۴)

جب کہ ایک محقق لکھتے ہیں

''اور موسیٰ ؑ کی بھی چار بیویاں تھیں۔'' (۱۵)

ہندوؤں کے ہاں کثرت ازواج

خود ہندوؤں کی تاریخ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے بعض سرکردہ راجے اپنے حرم میں دو دو بہنوں کو شامل کیے رکھتے تھے، سری کرشن جی مہاراج کے عہد کے معروف راجہ 'کنس' نے راجہ 'جراسندہ' کی دو بہنوں سے شادی کی اور اسی شادی کی وجہ سے راجہ کنس کی حمایت میں جراسندہ نے جنگ بھی کی۔ (۷)

ہندو جو آج کل صرف ایک بیوی کے قائل ہیں، اپنے مذہبی پیشروؤں کے بارے میں واضح کیوں نہیں کرتے کہ وہ کثرتِ ازواج کے قائل و فاعل تھے، ملاحظہ فرمایئے رام چندر جی کے والد کا قصہ :

"سری رام چندر جی کے والد راجہ دسرتھ کی تین بیویاں تھیں: نمبر۱، رانی کوشلیا جو سری رام چندر جی کی والدہ تھیں۔ نمبر۲، رانی سمترا جو سری لچھمن کی والدہ تھیں۔ نمبر۳، رانی کیکئی جو بھرت جی کی والدہ تھیں......"(۱۶)

نیز سری کرشن جی مہاراج جن کی بڑی عقیدت ہے۔ان کے بارے میں دیکھیے:

"سری کرشن جی کی اٹھارہ بیویاں تھیں اور راجہ پانڈو کی دو بیویاں تھیں۔"(۱۷)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے عالی مرتبت انبیا اور بانیانِ مذاہب اور بڑے لوگ کثرتِ ازدواج پر کاربند رہے اور اس امر کی شہادت قرآن، حدیث اور بائبل میں تفصیل کے ساتھ ملتی ہے۔ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنا نہ تو فطرتِ انسانی کے خلاف ہے اور نہ ایسا عمل ہے جس کی نظیر گزشتہ اقوام میں نہ ملتی ہو بلکہ مختلف مذاہب کو ماننے والی اقوام ایک سے زیادہ شادیاں کرتی رہی ہیں۔

تفریط کی بعض دیگر صورتیں

مزید برآں تاریخ عالم کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ جاہل قوموں نے دیگر مذہبی اور معاشرتی معاملات کی طرح تعددِ ازدواج کے معاملے میں بھی افراط و تفریط سے کام لیا۔

ہندوؤں کی معتبر مذہبی کتاب مہابھارت ہے، جس میں کوروں اور پانڈوں کی لڑائی کا ذکر ہے، جس میں کرشن جی مہاراج نے پانڈوں کا ساتھ دیا، کیونکہ یہ مظلوم تھے۔ یہ پانچ بھائی تھے، جن کی ایک مشترکہ بیوی تھی جس کا نام 'دروپدی' تھا جسے کورے اُٹھا کر لے گئے تھے، یہ پانڈے مشترکہ بیوی رکھنے والے ہندوؤں کے ہیرو ہیں۔ مشترکہ بیوی رکھنے کا تصور کتنا بے ہودہ ہے؟ اور یہ ہندومت ہی میں قابل قبول ہو سکتا ہے، مگر تعددِ ازدواج پر آج کل خواہ مخواہ اعتراض کیا جاتا ہے

جبکہ عرب دورِ جاہلیت میں اس فطری قانون میں دو طرح کی تبدیلیاں کر چکے تھے:

① انہوں نے بیویوں کی کثرت کی کوئی حد مقرر نہ کی تھی۔

② ایک شوہر جس طرح کثرت سے بیویاں رکھتا تھا، اسی طرح بعض اوقات ایک بے حیا عورت اپنے کئی 'بعول' رکھتی تھی۔ محمد حنیف ندویؒ لکھتے ہیں:

"اسلام سے پہلے کثرتِ بعول اور کثرتِ ازواج کی بلاتعیین اجازت تھی یعنی مرد جس

قدر چاہے عورتیں نکاح میں رکھتے اور اسی طرح عورتیں جس قدر چاہتیں، خاوند بنالیتیں۔"(۱۸)

حاصل کلام یہ ہے کہ

- تعدد ازواج کا ثبوت تاریخ انسانی کے ابتدائی دور سے لے کر بعثت خاتم النّبیین ﷺ تک تسلسل سے ملتا ہے۔
- تعدد ازواج کا ثبوت اسلام کے علاوہ دیگر اَدیان کی تاریخ سے بھی ثابت ہے۔
- جاہل اقوام نے اسلام سے قبل اس اجازت کو افراط و تفریط کا شکار بنا رکھا تھا۔
- شریعتِ محمدی نے تعدد ازواج کا مسئلہ نئے سرے /سے پیش نہیں کیا۔
- ہماری شریعت میں اسے صرف معتدل اور بہترین Releif کرتے ہوئے پیش کیا گیا ہے

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

كان الرجل في الجاهلية يتزوج العشرة فما دون ذلك فأحل الله جل ثناء ه أربعا ثم الذي صيرهن إلى أربع۔(۱۹) "آدمی جاہلیت میں دس یا کم وبیش عورتوں سے شادی کرتا۔ اللہ نے چار حلال برقرار رکھیں پھر اس پر ان کو چلا دیا۔"

گویا اسلام نے معتدل راستہ چار بیویوں تک کی اجازت کو قرار دیا ہے، ایسا کیوں ہے اور اس کے دلائل کیا ہیں؟ اب آپ ان کا مطالعہ فرمائیے:

شریعتِ محمدیؐ میں تعدد ازواج کی حیثیت

نکاح ایک مقدس بندھن ہے، اللہ نے اسے مؤمن کے لئے عفت و عصمت کو بچانے کا ذریعہ بنایا ہے، یہ لاپروائی والا کام نہیں ہے بلکہ سنجیدگی کا طالب ہے، چنانچہ شریعت نے نوجوانوں کو نکاح پر اُبھارا ہے، اور ایک مرد کو چار تک بیک وقت بیویاں رکھنے کی اجازت بھی دی ہے، اور ساتھ ہی یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ چاروں کے درمیان عدل و انصاف برتے۔ اگر خاوند انصاف نہیں کرسکتا تو اسے فقط ایک نکاح تک محدود رہنا چاہیے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴾[۲۰]

''اور اگر تم ڈرو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو تم نکاح کرو جو اچھی لگیں تمہیں عورتوں میں سے دو، دو۔ تین، تین۔ چار، چار...... سو اگر تم ڈرو کہ تم انصاف نہ کرو گے تو صرف ایک ہی (کافی ہے) یا جو مالک ہیں تمہارے دائیں ہاتھ، یہ زیادہ قریب ہے کہ تم ناانصافی نہ کرو۔''

اس آیت کی سب سے عمدہ تفسیر سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے، آپؓ واضح کرتی ہیں کہ

''اس آیت سے مراد وہ یتیم بچیاں ہیں، جو کسی شخص کی کفالت میں ہوتیں اور ان کے مال کی رغبت میں وہ ان سے شادی کر لیتا اور ان کی صحبت کا صحیح حق ادا نہ کرتا اور نہ ہی ان کے مال میں انصاف کرتا، ایسے شخص کو اللہ کا حکم ہے کہ وہ یتیموں کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کرلے، دو سے تین سے یا چار سے۔''[۲۱]

مسٹر غلام احمد پرویز اور تعددِ ازواج: گویا یہ آیت اس امر کی صراحت کرتی ہے کہ بجائے یتیم بچیوں کے ساتھ دھوکہ دہی کرو، بہتر ہے کہ ان کے علاوہ دیگر عورتوں سے شادی کرلو اور ساتھ ہی اس کی حد بندی کردی یعنی زیادہ سے زیادہ چار تک۔ انصاف کی شرط جہاں یتیم لڑکیوں کے بارے میں ہے، وہاں یہی شرط دیگر عورتوں کے بارے میں بھی ہے کہ زیادہ نکاح کی اجازت انصاف سے مشروط ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس آیت سے واضح ہے کہ یتیم بچیوں کے ساتھ زیادتی کا تدارک ہو، مگر مسٹر پرویز اس کا غلط مطلب پیش کرتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ

''تعددِ ازواج کے متعلق قرآن کریم میں صرف یہی آیت ہے اور مشروط ہے: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى﴾ کی شرط کے ساتھ...... الخ[۲۲]

اس کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں کہ

''اگر کبھی کسی وجہ سے معاشرہ میں ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں مثلاً جنگ کی وجہ سے ...بیوہ عورتوں اور جوان لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہوجائے اور ان کے مسئلے کا کوئی اطمینان بخش حل نہ ملتا ہو تو اسلامی حکومت وحدتِ زوج کے اُصولی قانون میں استثنا کرکے اس کی اجازت دے سکتی ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ چار تک شادیاں کرلی جائیں ...... الخ''[۲۳]

مذکورہ خیال آرائی محض کج فہمی ہے، نہ ہی یہ بات درست ہے کہ قرآن میں تعددِ ازواج کی

صرف یہی آیت ہے اور نہ ہی یہ امر واقعہ ہے کہ تعدد ازواج کا مسئلہ اضطراری حالات سے مشروط ہے۔ مذکورہ آیت کے علاوہ سورۃ النساء ہی میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا أَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ، وَإِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (۲۴)

''تم سے یہ تو کبھی نہ سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں سے ہر طرح عدل کرو، گو تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کر لو۔ اس لئے بالکل ایک ہی کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔''

اس آیت سے بالکل واضح ہے کہ اپنی بیویوں کے درمیان حتیٰ الامکان عدل وانصاف کرنا چاہیے، اگر ایک سے زائد بیویاں نہ ہوں تو اس حکم کا کیا مطلب ہے؟ حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ اس آیت کی تفسیر میں رسول عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث نقل کرتے ہیں:

''آپ ﷺ کا فرمان ہے جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ایک ہی کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط (فالج زدہ) ہوگا۔'' (۲۵)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ رقمطراز ہیں:

''یہ آیت تعدد ازواج کے جواز کو عدل کی شرط سے مشروط کرتی ہے، جو شخص عدل کی شرط پوری نہیں کرتا مگر ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کے جواز سے فائدہ اٹھاتا ہے، وہ اللہ کے ساتھ دغابازی کرتا ہے۔'' (۲۶)

مذکورہ بالا صراحت سے واضح ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا مسئلہ ایک سے زیادہ مقامات پر قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے، نیز قرآن نے اس اجازت کو عدل کی شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

☜ اب آیئے دوسرے اعتراض کی طرف کہ تعدد ازواج کا حکم اضطراری حالات کے لئے ہے اور ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامٰى﴾ سے مشروط ہے، مولانا مودودی اس کا

جواب یوں دیتے ہیں:

''ان تمام مقامات پر شرطیہ الفاظ کو اگر شرطِ حکم قرار دے لیا جائے تو اس سے شریعت کی صورت ہی مسخ ہو کر رہ جائے گی، مثال کے طور پر دیکھئے عرب کے لوگ اپنی لونڈیوں کو پیشہ کمانے پر زبردستی مجبور کرتے تھے، اس کی ممانعت ان الفاظ میں فرمائی گئی ﴿لَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ (النور:۳۳) کیا اس آیت کا یہ مطلب لینا صحیح ہوگا کہ یہ حکم صرف لونڈیوں سے متعلق ہے اور یہ کہ لونڈی اگر خود زنا سے نہ بچنا چاہتی ہو تو اس سے پیشہ کرایا جا سکتا ہے؟''(۲۷)

گویا مولانا کی صراحت یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳ میں شرطیہ الفاظ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ﴾ شرطِ حکم کا فائدہ نہیں دیتے ہیں، اور یہی مطلب صحیح ہے۔ اب مزید وضاحت مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی ملاحظہ فرمایئے، وہ فرماتے ہیں:

''یہاں بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوگا کہ اسلام میں تعددِ ازواج کی اجازت مطلق نہیں ہے بلکہ یتیموں کی مصلحت کے ساتھ مقید ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ یتامیٰ کی مصلحت کے نقطۂ نظر سے تعددِ ازواج کے اس رواج سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے جو عرب میں تھا۔ البتہ اس کو چار تک محدود کر دیا گیا ہے، اگر مقصود تعددِ ازواج کو یتیموں کی مصلحت کے ساتھ مقید کرنا ہے تو اس کے لئے اسلوبِ بیان اس سے بالکل مختلف ہوتا...... الخ''(۲۸)

گویا اس آیت سے واضح ہے کہ تعددِ ازواج کے اُصول کو معاشرتی مصلحت کے لئے استعمال کیا جائے نہ کہ نظریہ ضرورت کے تحت اجازت کا غلط مفہوم لیا جائے، اور قرآن کی آیات کے مفہوم کو بگاڑنے کی مذموم کوشش کی جائے۔

تعددِ ازواج احادیث کی روشنی میں

کوئی مانے یا نہ مانے، مگر اہل اسلام اور امت محمدی میں شامل تمام فقہاء ومحدثین اس امر پر متفق ہیں کہ نبی آخر الزماں ﷺ کا فرمان ہی قرآنِ کریم کی سب سے معتبر اور مستند تشریح وتفسیر ہے، جو معنی آیت الٰہی کا حدیث متعین کر دے، وہ ہی دینی وتشریعی مفہوم قابل قبول اور معتبر ہوگا، رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اپنے قول وفعل سے ثابت کر دیا کہ اسلام میں چار شادیوں کی مرد کے لئے اجازت ہے۔ جس میں نہ حالات کی تخصیص ہے اور نہ ہی کوئی اور اضطراری کیفیت کی

شرط ہے، بلکہ علی العموم یہ ایک فضیلت والا کام اور حصولِ ثواب و اجر کا معاملہ ہے، آیئے اس ضمن میں وارد مشہور احادیث سے واقفیت حاصل کرتے ہیں:

۞ غیلان بن أمیة الثقفي اسلام لائے تو ان کے عقد میں دس بیویاں تھیں ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا: "اختر منھن أربعا وفارق سائرھن" (۲۹) "ان میں سے چار کو چن لے اور (باقی) تمام کو جدا کردے۔"

یہ حدیث موطأ امام مالک، نسائی، اور دار قطنی میں بھی موجود ہے، جب کہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث مزید کتبِ حدیث میں بھی ہے مثلاً سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد، سنن بیہقی وغیرہ میں بھی موجود ہے۔" (۳۰)

گویا یہ حدیث نہ صرف صحیح ہے بلکہ کثرتِ طرق سے مروی ہے اور کتبِ احادیث میں متعدد بار منقول ہے۔ اس حدیث کا حکم واضح ہے کہ ایک مرد ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھ سکتا ہے۔

۞ الحارث بن قیسؓ جن کو قیس بن حارث بھی کہتے ہیں، فرماتے ہیں کہ جب میں نے اسلام قبول کیا تو میری آٹھ بیویاں تھیں میں نے خود ان کی بابت رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا:

"اختر منهن أربعا" (۳۱) "اِن میں سے چار کو چن لو"

یاد رہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، اور اس کی سنن ابی داود میں ایک سے زیادہ اسناد منقول ہیں ...... اس حدیث سے بھی تعدد ازواج کی اجازت کا حکم واضح ہے۔

۞ نوفل بن معاویہ الرملیؓ کہتے ہیں کہ جب میں اسلام لایا تو میری پانچ بیویاں تھیں تو میں نے ا بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"فارق واحدة وأمسك أربعا" (۳۲) "چار کو روکے رکھو اور ایک کو جدا کردو۔"

ان درج بالا مشہور و معروف صحیح احادیث☆ سے درج ذیل نتائج واضح ہیں:

☆ نواب صدیق حسن خانؒ نے مجموعی طور پر مذکورہ بالا روایات اور اس مفہوم کی دیگر احادیث کو شواہد کی بنا پر حسن کے درجہ میں شمار کیا ہے، جبکہ بعض دیگر علما مثلاً دار قطنی، شوکانی اور ابن عبدالبر وغیرہ نے ان پر ضعف کا حکم بھی لگایا ہے، شیخ محمد ناصر الدین البانی نے ان روایات پر بالتفصیل اپنی کتاب (ارواء الغلیل: ص ۱۸۸۳ تا ۱۸۸۶) میں بحث کی ہے، جن میں سے بعض کو انہوں نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

① تعددِ ازواج کی احادیث صحاح ستہ اور دیگر کتبِ احادیث میں کثرت سے منقول ہیں۔

② محدثین نے اس مسئلے کی اہمیت کے پیشِ نظر کتبِ احادیث میں اس کے جواز پر مبنی الفاظ کے ساتھ با قاعدہ اَبواب ترتیب دیے ہیں۔

③ ان احادیث کی روشنی میں مرد کو ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔

خلفائے راشدین اور تعددِ ازواج

صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے احکامات اور سنن کی بے مثال اطاعت کی ہے، صحابہ کرام ہمارے لئے اطاعت کے نمونے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اکثر صحابہ نے ایک سے زائد شادیاں کی ہیں، جن کی مکمل تفصیل کتبِ تاریخ، اسماء الرجال اور کتبِ طبقات میں موجود ہے۔ صحابہ کرام میں سے خلفائے راشدین کا عمل صحابہ کی ایسی نمائندگی ہے، جس کی تائید صحابہ کرام نے کی۔ ذیل میں ہم تعددِ ازواج کے حوالے سے خلفا کا عمل نقل کرتے ہیں:

☐ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں، اور مرتے دم تک وہ تعددِ ازواج پر عمل پیرا رہے، ان کی ایک بیوی کا نام حبیبہ بنتِ خارجہ ہے۔ یہی وہ خاتون ہیں، جو کہ مقام سنح میں مقیم تھیں، اور جس دن وفاتِ رسول ﷺ ہوئی؛ ابوبکر، رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر ان ہی کے پاس گئے۔ (۳۳) ان کی حضرت ابوبکرؓ سے ایک بیٹی اُمّ کلثوم بھی پیدا ہوئیں، مگر وفاتِ صدیقؓ کے بعد۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: (أم كلثوم) مات أبوها وهي حمل (۳۴)

مزید لکھتے ہیں: "أمها (أي أم أم كلثوم بنت أبي بكر صديق) حبيبة بنت خارجة وضعتها بعد موت أبي بكر" (۳۵)

"ان کی والدہ یعنی ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق کی والدہ کا اسم گرامی حبیبہ بنت خارجہ ہے، انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد ام کلثوم کو جنم دیا......"

گویا یہ بیوی بھی آخر دم تک ساتھ رہیں۔ جب کہ ایک دوسری بیوی اسماء بنت عمیس ہیں، یہ بھی آخر وقت تک صدیق اکبر کی زوجہ رہیں، بلکہ یہ بھی منقول ہے کہ خلیفہ اوّل کی وصیت تھی کہ وفات کے بعد مجھے اسماء بنت عمیسؓ غسل دیں، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"ثم ذكر من عدة أوجه أن أبابكر الصديق أوصى أن تغسله امرأته

أسماء بنت عميس" (٣٦)

"مختلف طرق سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر نے وصیت کی تھی کہ ان کی بیوی اسماء انہیں غسل دے"

گویا ثابت ہوا کہ خلیفہ اوّل مرتے دم تک ایک سے زیادہ شادیاں کیے رہے۔

☐ خلیفہ ثانی امیر المومنین سیدنا عمرؓ بھی مرتے دم تک ایک سے زائد بیویاں رکھنے کے قائل ہی نہیں بلکہ فاعل بھی رہے، ان کی وفات کے وقت دو بیویوں کی موجودگی کا ثبوت پیش خدمت ہے: یعنی عاتکہ بنتِ زید اور اُمّ کلثوم بنتِ علیؓ۔ عاتکہ بنتِ زید وہ خاتون ہیں جو عشرہ مبشرہ میں شامل جناب سعید بن زیدؓ کی ہمشیرہ ہیں، انہوں نے شہادتِ عمرؓ کے وقت باقاعدہ مرثیہ کہا جس کے اشعار بہت مشہور ہوئے (٣٧)

جب کہ دوسری بیوی سیدہ اُمّ کلثوم بنتِ علی کے بارے میں حافظ ابن حجر واضح لکھتے ہیں:

"لما تأيّمت أُمّ كلثوم بنت علي عن عمر...... الخ" (٣٨)

"جب اُمّ کلثوم بنتِ علی عمر سے بیوہ ہوئیں......"

☐ سیدنا علیؓ نے پے در پے نو شادیاں کیں، جن سے اولاد و احفاد بھی ہوئے (٣٩) جب کہ ان کے بیٹے حضرت حسنؓ تو کثرت سے شادیاں کرنے میں مشہور ہوئے، حتیٰ کہ حضرت علیؓ کو اہل کوفہ کو کہنا پڑا کہ تم میرے بیٹے حسنؓ کو لڑکیاں نہ دیا کرو...... الخ (٤٠)

خلفائے راشدین کا طرزِ عمل تمام صحابہ کی تائید ہی سے تھا۔ کسی صحابی سے بھی منقول نہیں ہے کہ اُس نے اس معاملے میں کبھی اختلاف کیا ہو۔ صحابہ کرام کا اس معاملے پر اجماع تھا، نہ صرف صحابہ کرام کا بلکہ بعد میں آنے والے تابعین اور اہل علم کا بھی اس امر پر اتفاق ہے۔

اِجماعِ اُمت

قرونِ اولیٰ اور بعد ازاں اہل کا اس امر پر اجماع رہا ہے کہ مرد ایک سے زیادہ شادیاں کرسکتا ہے، جن کی ایک وقت میں آخری حد چار بیویوں کی ہے۔ شمس الدین السرخسی لکھتے ہیں:

"ولم ينقل عن أحد في حياة رسول الله ﷺ ولا بعده إلى يومنا

هذا أنه جمع بين أكثر من أربع نسوة نكاحًا"(41)

"رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کسی ایک سے بھی منقول نہیں ہے اور نہ ان کے بعد آج تک ثابت ہے کہ کسی نے چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں جمع کیا ہو۔"

ابوعبداللہ القرطبی لکھتے ہیں:

"وهذا كله جهل باللسان والسنة ومخالفة لإجماع الأمة إذ لم يسمع عن أحد من الصحابة ولا التابعين أنه أجمع في عصمته أكثر من أربع"(42)

"(جو اقوال وآرا چار سے زائد نکاح کے بارے میں ہیں) وہ تمام لغت عرب وسنت سے لاعلمی کی وجہ سے ہیں اور اُمت کے اِجماع کے مخالف ہیں۔ کیونکہ نہ کسی صحابی سے سنا گیا ہے اور نہ کسی تابعی سے کہ اس نے اپنے حرم میں چار سے زائد بیویاں جمع کی ہوں۔"

بعض روافض کا خیال ہے کہ مرد بیک وقت نو تک عورتیں جمع کر سکتا ہے۔ محدثین وفقہا اس کی تردید تو ضرور کرتے ہیں، مگر چار تک کے جواز میں کسی کا کوئی بھی قطعاً اختلاف نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

(باب لا يزوج أكثر من أربع) أما حكم الترجمة فبالاجماع إلا قول من لا يعتد بخلافه من رافضي ونحوه"(43)

"(صحیح بخاری میں باب ہے کہ کوئی چار سے زائد بیویاں نہیں رکھ سکتا) لیکن عنوان کا حکم بالاجماع ثابت ہے مگر رافضی وغیرہ کہ جن کے اقوال کسی شمار میں نہیں ہیں"۔

امام خازن لکھتے ہیں:

"وأجمعت الأمة على أنه لايجوز لأحد أن يزيد على أربع نسوة"(44)

"اور اُمت کا اس امر پر اجماع ہے کہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ چار عورتوں سے زائد رکھے۔"

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

"أجمع أهل العلم على هذا ولا نعلم أحدا خالفه إلا شيئا يحكى عن القاسم بن إبراهيم أنه أباح تسعا لقول الله ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ

النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾ والواو للجمع ولأن النّبی مات عن تسع وهذا ليس بشيئ لأنه خرق للاجماع وترك للسنة ۔(۴۵)

"اہل علم کا اس امر پر اجماع ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کسی نے اس کی مخالفت کی ہو مگر جو کچھ قاسم بن ابراہیم سے بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے نو کی اجازت دی ہے اس وجہ سے کہ اللہ کا فرمان ہے ﴿فَانْكِحُوْا ...... الخ﴾ اس میں دو [۲] اور تین [۳] اور چار [۴] (کل نو [۹] ہوئے) واؤ جمع کے لئے ہے اور اس وجہ سے بھی کہ رسول اللہ جب فوت ہوئے تو ان کی نو بیویاں تھیں ...... (مگر) یہ قول و دلیل کوئی حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ یہ اجماع کے مخالف اور خلاف سنت ہیں۔"

گویا بعض روافض کا شاذ قول ہے کہ نو تک اجازت ہے مگر چار تک اجازت کا معاملہ پوری طرح متفق علیہ ہے۔

تعدّدِ ازواج کی حکمت

اللہ کا ہر حکم قطعی اور واجب الاطاعت ہوتا ہے، چاہے اس کی حکمت انسان کو سمجھ آئے یا نہ آئے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ہر فرمان اور سنت واجب الاطاعت ہے اگرچہ منکرین کی درایت کی رسائی اس تک ہو یا نہ ہو۔ اس کے باوجود اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کی حکمتیں اپنے بندوں پر واضح کر دیتا ہے۔ مرد کے لئے چار شادیوں کی اجازت بھی ایسا معاملہ ہے، جس کی حکمت و فلسفہ کو اہل علم نے مختلف انداز سے واضح کیا ہے۔

تعدد ازواج کے دو پہلو ہیں: (۱) ذات پر اثرات (۲) تمدن پر اثرات

ان دونوں حوالوں سے مفکرین نے اس مسئلے کی عقدہ کشائی کی ہے۔ ذاتی حوالے سے یہ جاننا چاہیے کہ اللہ نے مرد کو طاقتور بنایا ہے، اور عورت سے زیادہ طاقت عطا فرمائی ہے۔ جو لوگ عورت کی خواہش نفسانی کو مرد سے زیادہ خیال کرتے ہیں ان کی تردید حافظ ابن قیم علیہ الرحمہ ان پرزور الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

"قولهم أن الله جعل للمرأة شهوة تزيد على ...... الخ"

"ان کا کہنا کہ اللہ نے عورت کی شہوت مرد سے سات گناہ زیادہ رکھی ہے۔ حافظ کہتے ہیں کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا تو اللہ تعالیٰ مرد کو چار بیویاں اور جتنی چاہے لونڈیاں رکھنے کی اجازت نہ دیتے اور عورت کو پابند نہ کرتے کہ وہ ایک آدمی سے آگے نہ بڑھے۔ حالانکہ

اس کے لئے تقسیم اوقات میں چوتھائی حصہ آتا ہے۔ حاشا، اللہ کی حکمت یہ نہیں ہے کہ وہ معذور ومجبور پر مزید تنگی کرے اور اس کے حرج میں وسعت کرے۔" (۴۴)

گویا حافظ ابن قیم کی صراحت یہی ہے کہ اگر اللہ نے مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی ہے تو وہ اس کا اہل ہے، وگرنہ نا اہل ہونے کی صورت میں اسے قطعاً اجازت نہ ملتی۔

دوسری وجہ مرد کے لئے تعدد ازواج کی حافظ ابن قیمؒ یہ بیان کرتے ہیں:

"وأيضا فان طبيعة الذكر الحرارة وطبيعة الأنثى البرودة وصاحب الحرارة يحتاج من الجماع فوق ما يحتاج إليه صاحب البرودة". (۴۷)

"اور اسی طرح مرد کی طبع گرمی والی ہے اور عورت کی طبیعت ٹھنڈی ہے۔ گرمی والے کو بنسبت ٹھنڈی طبیعت والے کے، زیادہ مجامعت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

لہٰذا مرد اپنی طبیعت کی ضرورت کے تقاضے کے پیش نظر زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے، نیز مرد کی طاقت وحرارت کے بارے حافظ ابن قیم کے مزید دلائل اعلام الموقعین ۲/۱۰۵ میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

تنوع پسندی

اس پر مزید قابل توجہ امر یہ ہے کہ مرد بالطبع تنوع پسند ہے اور وہ ایک سے زائد بیویوں کا خواہشمند رہتا ہے، علامہ محمد حنیف ندویؒ اس فطری تقاضے کی روشنی میں اہل یورپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مرد بالطبع تنوع پسند ہے اور یہی وجہ ہے کہ یورپ میں وحدتِ زوج کی سکیم کامیاب نہیں رہی"۔ (۴۸)

مرد کا یہی فطری رجحان ہے، جس کی شاہ ولی اللہ تعددِ ازواج کے حوالے سے نشاندہی فرماتے ہیں:

"فالإكثار من النساء شيمة الرجال وربما يحصل به المباهاة فقدر الشارع بأربع". (۴۹) "پس زیادہ عورتیں رکھنا آدمیوں کی طبیعت ہے، اور بعض اوقات یہ اظہار فخر کے لئے ہوتا ہے، چنانچہ شارع نے اسے چار تک محدود کردیا۔"

غرض یہ کہ اللہ نے مرد کی فطرت کے عین مطابق اسے کثرت ازواج کی اجازت دی۔ مگر چار تک ہی پابند بھی کردیا۔

خارجی محرکات

عورت بنیادی طور پر خاتونِ خانہ ہے، جب کہ مرد معاشرے میں آزاد گھومنے والا شخص ہے۔ عورت کی نگاہ گھر کی چاردیواری میں محدود رہتی ہے، جب کہ مرد کو معاشرے میں دیگر ایسی اشیاء و اجناس سے ملاقات ہوتی ہے، جو کہ اس کے شہوانی جذبات کو بھڑکا دیتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا کہ مرد غلبہ شہوت والا اور زیادہ حرارت والا فرد بھی ہے اور اوپر سے جب معاشرے میں اسے ہر طرف مہیجاتِ نفسانیہ سے واسطہ پڑتا ہے تو اس کے لئے پھر ایک بیوی ناکافی ہو جاتی ہے۔ مولانا مودودی کہتے ہیں:

> ''ایک طرف تو آپ مغرب کی اندھی تقلید میں فحش لٹریچر، عریاں تصاویر، شہوانی موسیقی اور ہیجان انگیز فلموں کا سیلاب ملک میں لا رہے ہیں، جو لوگوں کے صنفی جذبات کو ہر وقت بھڑکاتا رہتا ہے۔ دوسری طرف آپ مخلوط تعلیم کو رواج دے رہے ہیں، 'ثقافت' کے پروگرام چلا رہے ہیں، روز بروز عورتوں کو ملازمتوں میں کھینچ رہے ہیں۔ جس کی بدولت بنی سنوری عورتوں کے ساتھ مردوں کے اختلاط کے مواقع بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے تازہ اقدامات یہ ہیں کہ تعددِ ازواج پر آپ نے ایسی پابندیاں لگانا شروع کر دی ہیں جن سے وہ عملاً ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا ہے۔''(۵۰)

ہمارے معاشرے میں خواہشاتِ نفس کو بڑھکایا جاتا ہے اور جب نفس کو تیار کیا جاتا ہے پھر ایک ہی شادی کا پابند کیا جاتا ہے، حالانکہ فی زمانہ نفسانی خواہشات میں اضافے کے محرکات کی وجہ سے مرد کو ایک سے زائد شادیوں کی ضرورت ہے۔

تحفظ عصمت

اسلام حیا کا مذہب ہے اور عصمت و عفت کی حفاظت کا درس دیتا ہے، نکاح کے ذریعے مرد و عورت اپنی پاک دامنی کی حفاظت کرتے ہیں، مگر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت اپنی مخصوص ممانعات کے باعث خاوند کے لئے تسکین کا باعث نہیں ہوتی، تب خاوند کیا کرے اور اپنی عصمت کی حفاظت کیسے کرے؟ صبر اچھا ہے، مگر معاملہ اگر صبر و برداشت سے باہر ہو رہا ہو تو پھر؟ اس معاملے کا حل تعددِ ازواج ہے۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"ثم من الناس من يغلب عليه سلطان هذه الشهوة فلا تندفع حاجته بواحدة فانطلق له ثانية وثالثة ورابعة ".(۵۱)

''پھر لوگوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جن پر اس شہوت کا غلبہ چھا جاتا ہے، تو ان کی ضرورت ایک بیوی سے پوری نہیں ہوتی تو اس کیلئے دوسری اور تیسری اور چوتھی بیوی کرنے کی اجازت ہے''

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں: "ولا يمكن أن يضيق في ذلك كل تضييق (أي الاقتصار على زوجة واحدة) فإن من الناس من لا يحصنه فرج واحدة"

''اور یہ ممکن نہیں کہ اس معاملے میں مکمل تنگی کی جائے (یعنی ایک ہی بیوی کا قانون رکھا جائے) یقیناً لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی عصمت کے تحفظ کے لئے ایک بیوی ناکافی ہے''(۵۲)

مرد اس معاملے میں مجبور ہو جاتا ہے، مگر اہل مغرب نے قانون یک زوجی Monogamy لاگو کر رکھا ہے، چنانچہ ایسے ممالک کے مرد دوسری بیوی تو نہیں کرتے مگر اپنی ضرورت کے موافق اضافی داشتہ یا داشتائیں ضرور رکھ لیتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ کہتے ہیں:

''اس قانونی پابندی کا نتیجہ ہر جگہ یہی ہوا ہے کہ آدمی کی جائز بیوی تو صرف ایک ہی ہوتی ہے مگر حدود نکاح سے باہر وہ عورتوں کی غیر محدود تعداد سے عارضی مستقل ہر طرح کے ناجائز تعلقات پیدا کرتا ہے۔''(۵۳) مزید فرماتے ہیں:

''آپ قانونی تعدد ازواج کو قبول کرتے ہیں یا غیر قانونی تعدد ازواج کو......''(۵۴)

اہل مغرب کے عمل سے اس سوال کا جواب تو یہی ہے کہ وہ غیر قانونی تعدد ازواج کو من حیث القوم اختیار کر چکے ہیں، ذرا اس بارے میں مولانا کا زبردست اعتراض ملاحظہ فرمائیے:

''مغربی قومیں جو ایک سے زائد بیوی رکھنے کو ایک قبیح و شنیع فعل اور خارج از نکاح تعلقات کو (بشرط تراضی طرفین) حلال وطیب یا کم از کم قابل درگزر سمجھتی ہیں، جن کے ہاں بیوی کی موجودگی میں داشتہ رکھنا تو جرم نہیں مگر اس داشتہ سے نکاح کر لینا جرم ہے۔''(۵۵)

مردانہ برتری کا تقاضا

اللہ تعالیٰ نے بہت سے معاملات میں مرد کو عورت پر برتری عطا کی ہے، مرد کا حق وراثت عورت سے دوگنا ہے، گواہی میں مرد عورت سے قوی ہے، حکومت و امامت کا اہل اسے گردانا گیا ہے' وقت پیدائش بیٹے کے دو جب کہ بیٹی کی طرف سے ایک جان کا عقیقہ کیا جاتا ہے، حافظ ابن قیم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے :

"فكان من تفضيله الذكر على الأنثى أن خص بجواز نكاح أكثر من واحدة"۔(٥٦)

''مذکر کی مؤنث پر فضیلت میں سے ہی یہ معاملہ بھی ہے کہ مرد کو ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی خصوصیت☆ حاصل ہے۔'' مزید لکھتے ہیں کہ

''عورت اور مرد اگرچہ عمل مجامعت کی لذت میں برابر کے شریک ہیں۔ لیکن چونکہ نفقہ و سکنی مرد کے اوپر عائد ہوتا ہے، تو اس اضافی بوجھ کے باعث اسے اجازت ہے کہ وہ ایک سے زائد عورتیں رکھ سکتا ہے۔'' (٥٧)

مزید برآں إعلام الموقعين میں فرماتے ہیں کہ

''اللہ نے مردوں کو نبوت و رسالت، خلافت و امارت، حکومت و جہاد کے ساتھ ساتھ عورت پر قوام بنا کر فضیلت دی ہے، اور مرد ان کٹھن امور کی انجام دہی کے لئے زبردست محنت کرتا ہے جب کہ عورت صرف گھر میں سکون کے ساتھ رہتی ہے تو مردوں کا حق ہے کہ ان کی دل لگی کے لئے اگر ایک سے زائد عورتوں کی ضرورت ہو تو پوری ہو'' (٥٨)

الغرض یہ معاملہ بھی مرد کی فضیلت کا ہے اور رب کریم کی عطا ہے' وہ جسے چاہے، برتری دے۔

کثرت نسل

اُمت محمدیہ قیامت کے دن سب اُمتوں سے بڑی ہوگی' اور اس پر ہمارے پیغمبر فخر کریں گے، ہمارے لیے بھی حکم ہے کہ اُمت میں اضافے کی فکر کریں۔ ایسی عورتوں سے شادی کریں جن سے بکثرت نسل پھیلے، اگر مرد کی ایک سے زائد بیویاں ہوں گی' اور سب سے اولاد ہو تو مرد کی

☆ جنس 'انسان' ہونے کے لحاظ سے انسان کی دونوں اصناف (مرد و عورت) کے امتیازات کے طور پر یہ خصوصیات کہنا زیادہ مناسب تعبیر ہے۔ مرد کو عورت پر انتظامی فضیلت حاصل ہے جس طرح حمل و حضانت میں عورت کی فضیلت۔ ورنہ مرد و زن انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں اور ان کے حقوق بھی یکساں......

نسل کس قدر زیادہ ہوگی۔ کم از کم چار گنا زیادہ بنسبت اس شخص کے جس کی صرف ایک ہی بیوی ہو۔ بدائع الفوائد میں کثرتِ ازواج کا ایک اہم مقصد یہ بھی بیان کیا گیا ہے:

"وأيضا ففي التوسعة للرجل يكثر النسل الذي هو من أهم مقاصد النكاح"(۵۹)

''اسی طرح زیادہ شادیاں کرنے سے آدمی کی نسل کثرت سے ہوتی ہے جو کہ نکاح کے اہم مقاصد سے ہے۔''

شاہ ولی اللہ کے الفاظ اس ضمن میں ملاحظہ فرمائیے:

"وأعظم المقاصد التناسل والرجل يكفي لتلقيح عدد كثير من النساء"

''اور نکاح کے مقاصد میں سے سب سے بڑا مقصد نسل بڑھانا ہے اور ایک آدمی بہت زیادہ عورتوں کو بار آور کرنے کے لئے کافی ہے۔''(۶۰)

ایک مرد کئی عورتوں کو بار آور کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر محمد آفتاب خاں لکھتے ہیں کہ

''مرد کے مادہ منویہ میں کروڑوں زندہ حیوانی خلیے، کرم منی ہوتے ہیں جن میں سے صرف ایک حیوانی خلیہ cell بیضے کے ساتھ ملتا ہے۔'' (۶۱)

عورت کی مثال کھیت کی سی ہے، کھیت میں ایک وقت میں ایک ہی طرح کے بیج ڈالے جا سکتے ہیں جب کہ مرد کے پاس بیج ہیں جو ایک سے زیادہ کھیتوں میں ڈالے جا سکتے ہیں۔ بنابریں ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ بقول محمد حنیف ندوی:

''عورت ایک آلہ تولید ہے جس کی کثرت میں کوئی مضائقہ نہیں۔''(۶۲)

تمدنی ضرورت

مرد اس قابل ہے کہ ایک سے زیادہ بیویوں کا بوجھ اٹھا سکے، یہ صرف اس کے ذاتی حوالے سے ہی نہیں بلکہ بسا اوقات تمدن کے وسیع تر مفاد کے لئے ضروری بھی ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ نے اسی جانب رہنمائی فرمائی ہے کہ تعدد ازواج کے جواز کو یتیموں اور بیواؤں کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا جائے۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳ میں اسی تمدنی افادیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اسی آیت کے حوالے سے امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

''اس سے ایک معاشرتی مصلحت میں فائدہ اٹھانے کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے،

لیکن معاشرتی مصلحت صرف ایک یتیموں کی ہی مصلحت نہیں ہے بلکہ اور بھی مصلحت ہو سکتی ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس سے فائدہ اٹھانے کی ممانعت ہو۔"(۶۳)

اگر کسی کے اوپر جنگ مسلط کردی جائے اور شہدا کی تعداد بڑھنے لگے تو یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کے لئے تعددِ ازواج پر عمل ناگزیر ہو جاتا ہے اور مسلمان قوم میں تو جہاد قیامت تک جاری ہے۔ پھر اس جواز کی افادیت بھی قیامت تک جاری رہے گی۔ (ان شاء اللہ) اس کے علاوہ اس جواز سے کتنے بڑے بڑے فائدے اٹھائے جاسکتے ہیں، اس کی صرف ایک مثال محمد حنیف ندوی کے قلم سے یوں بیان ہوتی ہے:

"ملکی حالات بعض دفعہ مجبور کردیتے ہیں کہ کثرتِ ازواج کی رسم کو جاری کیا جائے۔ جیسے یورپ میں جنگِ عظیم کے بعد۔ کیا ان حقائق کی روشنی میں کثرتِ ازدواج کی اجازت نہ دینا انسانیت پر بہت بڑا ظلم نہیں......؟"(۶۴)

الغرض نسل انسانی کے بقا کے لئے ایسا کرنا بہت ضروری بھی ہو جاتا ہے۔

انقلابی تدبیر

ہندوستان جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ ان کو ندوی صاحب کا مشورہ ہے کہ وہ تعدد ازواج اور کثرتِ تناسل پر عمل کریں۔ ان شاء اللہ مسلمان اقلیت سے اکثریت میں تبدیل ہو جائیں گے اور یہ بڑی تبدیلی صرف چند دہائیوں میں عین ممکن ہے۔ ملاحظہ فرمایئے مولانا کی رائے:

"ہندوستان میں اگر مسلمان کثرتِ ازدواج پر عمل کرنے لگیں تو صرف پچاس سال کے بعد اقلیت بغیر کسی تبلیغ کے مبدل بہ اکثریت ہو جائے۔"(۶۵)

درحقیقت یہی وہ خطرہ ہے جس سے ڈر کر تمام دنیا کے کفار اور کفار کے مسلمان نما ایجنٹ تعدد ازدواج کے خلاف زہر اگلتے ہیں، کیونکہ اس وقت صرف اسلام پر عمل کرنے والے اسے اپنائے ہوئے ہیں اور اگر یہ رواج بڑھ گیا تو ہندوستان تو ایک طرف پوری دنیا میں کفار مسلمانوں کے مقابلے میں اقلیت میں آجائیں گے۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کو وحدتِ زوج اور محدود بچوں کا مشورہ دیتے ہیں اور اپنی مغربی اقوام کو منتیں کرتے ہیں کہ زیادہ بچے پیدا کرو۔

اگر کسی تمدن میں قانون صرف ایک بیوی رکھنے کا ہو تو وہاں لازماً بے راہ روی پھیلے گی۔ دیار

مغرب اس کی واضح مثالیں ہیں۔ جہاں کھلی شہوانیت کی حوصلہ افزائی ہے اور پابندیٔ یک زوجی بھی، وہاں پھر مرد دیگر عورتوں سے ناجائز تعلقات استوار کر رہے ہیں۔ وہ اقوام اخلاقی بدحالی کا شکار ہیں۔ کنواری ماؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس کی نسبت (Ratio) دن بدن معاشرے میں بڑھ رہی ہے۔ ناجائز بچے کثرت سے ہو رہے ہیں۔ نسب نامے گم ہو رہے ہیں۔ خاندان مٹ رہے ہیں۔ مزید برآں حرامی بچے لاوارث ہوتے ہیں جن کی ذمہ داری کوئی قبول نہیں کرتا۔ یہ ذمہ داری بھی ریاست کو اٹھانا پڑتی ہے۔ نتیجۃً ریاست کو دشواریوں کا سامنا ہے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ کہ اگر کسی معاشرے میں ناجائز بچوں کی تعداد زیادہ ہو جائے جن کا کوئی وارث نہ ہو۔ جو شتر بے مہار کی طرح معاشرے میں زندگی گزاریں۔ ان کی اخلاقی تربیت کے لئے کسی باپ کی ذمہ داری نہ ہو، تو یہ بچے معاشرے کے جرائم کی نرسری بن جاتے ہیں اور یہ بڑے ہو کر چونکہ باضابطہ رشتہ داری کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے لہٰذا جنسی اباحیت پھیلاتے ہیں۔ مغربی معاشرے میں اب یہ عام ہے۔ جہاں انہوں نے مادی، سائنسی ترقی کی ہے، وہاں اخلاقی طور پر ان کا دیوالیہ تقریباً نکل چکا ہے اور یہ پہلو ایسا ہے جس کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر اہل مغرب نے بھی تعددِ ازواج کے قانون کو اپنایا ہوتا اور عورت کو چاردیواری میں رکھا ہوتا تو کم از کم اتنی خطرناک صورتحال نہ ہوتی۔

لیکن وہ تو اس کے برعکس یہ چاہتے ہیں کہ "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تمہیں بھی لے ڈوبیں گے!" وہ اہل اسلام کو ورغلانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں اور اپنی ترقی کے نام پر انہیں بھی اباحیت و عریانیت اپنانے کے پرزور دعوت دے رہے ہیں اور اب تو امداد بھی ایسی آزادی کے ساتھ مشروط کر رہے ہیں تاکہ ان میں بھی گند پھیلے اور یہ ہمارے مقابلے میں آنے کے قابل نہ رہیں۔ کیونکہ اسلحہ کتنا ہی کیوں نہ ہو، اگر بندہ نفسانی خواہشات کا غلام ہو تو کبھی بھی غالب نہیں آسکتا۔ ایسی صورتحال کے تدارک کے لئے ہمیں یاد رکھنا چاہیۓ کہ اس کا بہترین حل تعددِ ازواج کا جواز ہے۔

دیکھیے یہی حقیقت مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں بیان کرتے ہیں:

"بعض حالات میں یہ چیز ایک تمدنی اور اخلاقی ضرورت بن جاتی ہے۔ اگر اس کی اجازت نہ ہو تو پھر وہ لوگ جو ایک عورت پر قانع نہیں ہو سکتے، حصارِ نکاح سے باہر صنفی

بدامنی پھیلانے لگے جاتے ہیں جس کے نقصانات تمدن واخلاق کے لئے اس سے بہت زیادہ ہیں جو تعددِ ازواج سے پہنچ سکتے ہیں۔"(٦٦)

صرف چار ہی کیوں؟

اسلام سے قبل صورتحال اتنی دِگرگوں تھی کہ لوگ جتنی چاہتے بیویاں رکھتے۔ یہ حالت نہ صرف عرب کے جاہلوں کی تھی بلکہ دیگر اَدیان کے مذہبی راہنماؤں کے متعلق آپ جان چکے ہیں کہ وہ بھی کثرتِ ازواج پر کاربند تھے اور یہ بات ان کی شرائع میں رائج تھیں۔ مگر ایسا معاملہ تھا کہ بالعموم بیویوں کے درمیان اس سے انصاف نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ شریعتِ محمدیہ میں اس عمومی اجازت کو چار تک محدود کردیا گیا تاکہ مرد اپنی بیویوں کے درمیان آسانی سے انصاف کرسکے۔

حافظ ابن قیم **إغاثة اللهفان** میں لکھتے ہیں:

"ومنع من تجاوز أربع زوجات لكونه ذريعة ظاهرة إلى الجور وعدم العدل بينهن وقصر الرجال على الأربع فسحة لهم في التخلص من الزنى......الخ"(٦٧)

"اور چار بیویوں کی حد سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا، کیونکہ چار سے تجاوز کرنا ان کے درمیان واضح ذریعہ تھا ظلم اور ناانصافی کی طرف اور مردوں کو چار بیویوں تک محدود کردیا تاکہ ان کو زنا سے چھٹکارے میں آسانی رہے۔"

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ

"تین سے آگے کثرت کی حد شروع ہوجاتی ہے۔ تین راتوں سے زیادہ عورت خاوند سے دور رہے تو کثرتِ دوری کہلائے گی۔ اس لئے شریعت نے چار بیویوں تک کی اجازت دی کہ زیادہ سے زیادہ تین راتوں کی تنہائی کے بعد عورت کی اپنے خاوند سے شب بسری ممکن ہو۔(٦٨)

اور یہی وہ مناسب توضیح ہے جس کی تائید ابن قیم **إعلام الموقعين** میں بایں الفاظ فرماتے ہیں:

"ولرجوعه إلى الواحدة بعد صبر ثلاث عنها والثلاث أول مراتب الجمع"

"تین راتوں کے بعد پہلی بیوی کے بعد پلٹ آنا کیونکہ تین 'جمع' کا پہلا درجہ ہے۔"(٦٩)

اسکے علاوہ چند خوبصورت حکمتیں اور بھی بیان کی جاتی ہیں، مولانا اشرف علی تھانوی کا

خیال ہے کہ

"آدمی جب کسی عورت کو نکاح میں لائے گا تو کم از کم یہ عورت اس کے لئے تین ماہ تک کافی ہے۔ کیونکہ حمل کی شناخت کم از کم تین ماہ تک مقدر ہے۔ دورانِ حمل عورت سے صحبت سے جنین پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے اور عورت بھی اپنی خواہش نفس سے توجہ ہٹا کر بچے کی طرف مبذول کر دیتی ہے۔ لہٰذا اس عورت کو آرام دے۔ اس کے بعد دوسری عورت سے نکاح و صحبت ہو تو تین ماہ بعد وہ بھی اسی کیفیت والی ہوگی۔ اس کے بعد تیسری بیوی سے پھر تین ماہ تک اگر تعلق قائم رکھے تو کل نو ماہ ہوئے، ابھی پہلی بیوی فارغ نہ ہوئی، لہٰذا چوتھی بیوی کی ضرورت ہوگی اور اس کے تین ماہ بعد پہلی بیوی بچے سے فارغ ہو چکی ہوگی۔ لہٰذا اس کا دورانیہ پھر سے شروع ہو سکتا ہے۔ چوتھی کے بعد پانچویں کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اوّل بیوی اس کے قابل ہو چکی ہوگی، اسی طرح باری باری سب بیویاں اس کی صحبت کے قابل ہو کر دوبارہ بچہ جننے کے عمل کے لئے تیار ہو سکتی ہیں اور یہ اس شخص کے لئے کافی تعداد ہے جس کی جنسی خواہش بڑھی ہوئی ہو۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ عرب جو کہ اس خواہش میں بڑھے ہوئے تھے، ان کے لئے یہ تعداد مناسب رہی۔[70]

اسی سے ملتی جلتی ایک توضیح اور بھی ہے کہ مزاج انسانی کی چار قسمیں ہیں بلکہ ظاہری موسم بھی چار قسم کے ہوتے ہیں۔ گویا جو چار مزاجوں سے لطف اندوز ہوا، اس کو مزید کی ضرورت نہیں بلکہ تکمیل شد۔ غرضیکہ مختلف حکما نے مختلف وجوہات بارے ذہن رسائی کی ہے۔ مگر امر فیصل یہی ہے کہ وجہ معلوم ہو یا نہ ہو، یہ اجازتِ الٰہی سے ہے لہٰذا اس پر عدمِ اتفاق حرام ہے۔

قرآن و سنت نے آزاد عورتوں سے نکاح کی حد مقرر کی ہے، مگر لونڈیاں رکھنے کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ اس وجہ سے کہ یہ بھی عام اَموال کی طرح ایک مال کی قسم ہے جسے بیچا اور خریدا جا سکتا ہے۔ اسے وہ حقوق حاصل نہیں جو بیوی کو حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان میں حد بندی نہیں کی گئی[71] البتہ اسلام نے غلام آزاد کرنے کی ترغیب دی اور لونڈیاں بنانے کے عمل کی حوصلہ شکنی کی۔ چنانچہ آج اہل اسلام میں ان کا رواج نہیں رہا۔ اس حوالے سے اس معاملے پر غور و خوض کی مزید کی گنجائش نہیں رہی کیونکہ اب یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جو درپیش ہو۔

عورت کیلئے صرف ایک خاوند کیوں؟

اس امر پر صرف مسلمانانِ عالم ہی نہیں بلکہ دنیا کی تمام مہذب اُقوام متفق ہیں اور ساری تاریخ میں متفق رہی ہیں کہ عورت کا خاوند ایک ہونا چاہئے۔ البتہ جاہل اور بے راہرو قوموں کو اس سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔ آج کل کچھ شیطانی فکر رکھنے والے لوگ اس بات پر بھی معترض ہیں کہ مرد کو اگر چار عورتوں کی اجازت ہے تو عورت کو چار مردوں کی اجازت کیوں نہیں؟ اس کیوں کا جواب محققین نے چند پہلوؤں سے دیا ہے:

اشتباہ نسل: الشیخ فرید الدین عطار لکھتے ہیں کہ یہی مذکورہ سوال ایک دفعہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سے کیا گیا۔ سوال کرنے والی عورتیں تھیں۔ آپ سوال سن کر اُلجھن میں پڑ گئے اور کہا کہ اس کا جواب کسی اور وقت دوں گا اور اس اُلجھن میں گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ آپ کی صاحبزادی حنیفہ نے اُلجھن کی وجہ دریافت کی تو آپ نے اپنی اُلجھن یعنی عورتوں کا سوال پیش کر دیا۔ یہ سن کر صاحبزادی نے عرض کی کہ اگر آپ اپنے نام کے ساتھ میرے نام کو بھی شہرت دینے کا وعدہ کریں تو میں عورتوں کو اس کا جواب دے سکتی ہوں۔ جب آپ نے وعدہ کر لیا تو صاحبزادی نے کہا کہ عورتوں کو میرے پاس بھجوا دیجئے۔ چنانچہ جب عورتیں آ گئیں تو صاحبزادی نے ایک ایک پیالی ہر عورت کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ اپنی اپنی پیالی میں تم سب تھوڑا تھوڑا اپنا دودھ ڈال دو جب انہوں نے ایسا کیا تو ایک بڑا پیالہ ان کو دے کر کہا کہ اب سب پیالیوں کا دودھ اس میں ڈال دو اور جب عورتوں نے یہ عمل بھی کر دیا تو کہا کہ اب تم سب اس پیالے سے اپنا اپنا دودھ نکال لو...... تو عورتوں نے کہا کہ یہ تو ناممکن ہے۔ تب صاحبزادی نے کہا کہ جب کئی شوہروں کی شرکت تمہاری اُولاد میں ہوگی تو تم یہ کیونکر بتلا سکو گی کہ یہ اولاد کس شوہر کی ہے؟ اس جواب سے وہ عورتیں ششدر رہ گئیں اور امام صاحب نے اسی دن سے ابوحنیفہ کی کنیت اختیار کر لی...... الخ،،(۷۲)

اگرچہ یہ واقعہ کئی پہلوؤں سے تنقیدی مطالعے کا محتاج ہے۔ خصوصاً شبلی نعمانی جنہوں نے سیرۃ النعمان لکھی ہے، وہ اس کتاب میں بڑی شد و مد سے انکار کرتے ہیں کہ امام موصوف کی

اولاد میں سے کسی بیٹی کا نام حنیفہ نہ تھا اور نہ ہی کنیت کا باعث کوئی بیٹی تھی۔[73] اسی طرح یہ واقعہ مشکوک ہے۔ مگر جس فلسفے اور دینی امر کی حکمت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ بالکل درست ہے کہ اگر عورت کو ایک سے زیادہ خاوندوں کی اجازت ہو تو نسب نامے خلط ملط ہو جائیں گے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ بھی اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

"إنما كان لعارض راجح وهو خوفه اشتباه الأنساب"[74]

''بیشک ایسا واضح اعتراض کی وجہ سے ہے جو کہ نسب ناموں کی مشابہت کا خوف ہے۔''

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: "وضاعت الأنساب"[75]

''اگر عورت کو زیادہ خاوندوں کی اجازت دی جاتی تو نسب نامے ضائع ہو جاتے''

عملاً دیکھئے کہ کیا آج کل یورپ و مغرب میں نسب نامے گم نہیں ہو رہے تو یہ ایک بڑی وجہ ہے عورت کو ایک خاوند تک محدود کرنے کی۔

صنفی کمزوریاں: مرد کو اللہ نے عورت کے مقابلے میں زیادہ قوی بنایا ہے۔ جبکہ عورت کو فطری طور پر چند تعذرات درپیش ہیں اور وہ ہر ماہ چند ایام ایسی مخصوص حالت میں گزارتی ہے کہ مرد کے قابل نہیں ہوتی۔ نیز عورت خواہ کیسی ہی زور آور ہو جب وہ حاملہ ہو جاتی ہے تو اس کی توجہ مردانہ کشش کی بجائے جنین کے تحفظ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک عورت ایک مرد کو مکمل نہیں۔ کجا یہ کہ ایک عورت کو چند مردوں کے لئے کافی سمجھ لیا جائے۔ خلاصۃً محمد حنیف ندوی کہتے ہیں:

''عورت کی صنفی کمزوریاں اور بیماریاں بجائے خود تعددِ ازواج کی دعوت ہیں۔''[76]

فساد عالم: مرد عورت کے معاملے میں رقیب برداشت نہیں کرتا۔ شروع تاریخ سے ہابیل وقابیل کے قصے سے لے کر آج تک کتنی مثالیں موجود ہیں۔ کتنے قتل صرف اسی رقابت و غیرت کی بنا پر ہوئے۔ اور کتنے گھر صرف ایک عورت کے مختلف چاہنے والوں کی باہمی لڑائی سے اُجڑے ہیں۔ اگر اس احمقانہ خیال کو مان لیا جائے کہ عورتوں کو بھی کثرتِ بعول کی اجازت ہونی چاہئے تو پھر دنیا کے نقشے پر فساد ہی فساد ہو گا، قتل وغارت ہو گی اور عشق کی خاطر خون بہے گا۔ کیا اس قسم کی باتیں کرنے والے دنیا کو تباہ کرنے کا حیلہ کئے بیٹھے ہیں؟ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

"ولو أبيح للمرأة أن تكون عند زوجين فأكثر، لفسد العالم

وضاعت الأنساب وقتل الأزواج بعضهم بعضا وعظمت البلية واشتدت الفتنه وقامت سوق الحرب على ساق...... الخ"(77)

''اور اگر عورت کو جائز ہو کہ وہ دو خاوند کرے یا اس سے زیادہ تو دنیا میں فساد برپا ہو جائے اور نسب نامے ضائع ہو جائیں اور خاوند ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں اور بہت بڑی آزمائش کھڑی ہو جائے اور فتنہ زبردست ہو اور لڑائی مار کٹائی کا بازار پوری تندہی سے گرم ہو جائے......''

الحمد للہ، عورت کو ایک شوہر تک محدود رکھنا اللہ کی بڑی رحمت اور کرم نوازی ہے۔ یہ تو دنیا پر اللہ کی خاص رحمت پھیلانے والا اُصول ہے۔ جس سے عالم کی بقا ہے اور حق بات تو یہ ہے کہ اللہ کا ہر حکم رحمتوں بھرا ہے اور انسانی مفاد میں ہے۔ بندے کو خواہ مخواہ الجھن میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ہماری دانائی اس حکیم کے سامنے کچھ بھی تو نہیں۔

ما حصل

اہل مغرب، یورپ اور ان جیسی تہذیب رکھنے والے ممالک جنسی اِباحیت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وہاں صنفی خواہش اور تلذذ کو بھڑکانے والے محرکات وعوامل کو دن بدن پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے اپنے شوہر یا بیوی کے علاوہ دیگر خواتین و حضرات سے بھی ناجائز تعلق رکھنا نہ صرف عام ہے بلکہ اب کوئی معیوب امر بھی نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ بیوی کی موجودگی میں کوئی داشتہ سے نکاح کرے تو اسے بہت معیوب سمجھتے ہیں۔ قانونی تعدد ازواج کو برا خیال کیا جاتا ہے جبکہ غیر قانونی تعدد ازواج کا عام رواج ہے۔

ان ممالک کے لوگ بچوں کو پالنا مصیبت سمجھتے ہیں کیونکہ بچے ان کی زندگی کی رنگینیاں غارت کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ایک تو ان ممالک میں قلتِ اولاد اور آبادی میں کمی کا مسئلہ درپیش ہے۔ دوسرا اگر بچے ہیں بھی تو ان میں حرامی بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مزید برآں ناجائز بچوں اور کنواری ماؤں کی تعداد میں مسلسل ہوشربا اضافہ ہو رہا ہے۔ نتیجۃً وہاں نسب نامے گم ہو رہے ہیں، خاندان سکڑ چکے ہیں۔ جنسی درندے تمام اخلاقیات کو پامال کر کے تہذیب و تمدن کا بیڑا غرق کر رہے ہیں۔ ناجائز بچے جن کا کوئی وارث اور ذمہ داری قبول کرنے کو کوئی تیار نہیں ہوتا، وہ معاشرے میں مزید آزادی سے گند ڈال رہے ہیں۔ یہ ایک اور خطرناک صورتحال ہے!!

ضرورت تو یہ تھی کہ سنجیدہ لوگ اس گندگی کی صفائی کا کچھ بندوبست کرتے، لیکن اہل مغرب نے مزید ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اس معاشرتی عکس کو روشن خیالی، جدت پسندی اور ترقی کا نام دیا ہے اور چاہتے ہیں کہ باقی دنیا بھی ان ہی کی طرح ہو جائے۔ تاکہ اس دنیا کے حمام میں سب ہی ننگے اور نکٹے ہوں اور کوئی بھی ان کی طرف انگلی اٹھانے کی جرات نہ کر سکے۔ خصوصاً اسلامی تہذیب اور مسلمان تو انہیں بہت ہی کھٹکتے ہیں کیونکہ اسلام حیا کا سبق سکھاتا ہے۔ غیر محرم سے تعلقات کو زنا اور گناہ کبیرہ شمار کرتا ہے۔ نیز مسلمان بچوں سے نفرت بھی نہیں کرتے اور اسلام اس شخص کو جسے تسکین کے لئے ایک بیوی کافی نہ ہو، دوسری، تیسری اور چوتھی بیوی کرنے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ تاکہ معاشرے میں ناجائز تعلقات پیدا کرنے کا جواز ہی باقی نہ رہے۔ بلکہ اگر کبھی جنگ وغیرہ کے نتیجے میں مردوں کی تعداد کم ہو جائے تو یتیموں اور بیواؤں کو اس اجازت کے ذریعے معقول سہارا مل سکے یا اس کے علاوہ بھی ملک وقوم کی جب بھی خدمت کے لئے، اس جواز کی ضرورت ہو، اسے استعمال میں لایا جائے۔

تعددِ ازواج کی اجازت کے اسلامی اصول سے دنیا کے کافر بہت خوفزدہ ہیں کیونکہ وہ اب وحدتِ زوج اور قلتِ اولاد کا اصول اپنا چکے ہیں۔ جبکہ تعددِ ازواج سے مسلمان کثرت سے اور تیزی سے اپنی نسل کو بڑھا سکیں گے۔ ان کو خطرہ ہے کہ اگر مسلمان کی آبادی بڑھنے کی یہی صورتحال رہی یا اس سے بھی تیز ہوگئی تو کہیں ہم اقلیت اور مسلمان دنیا کی اکثریت نہ بن جائیں۔ بغیر کسی جنگ وانقلاب کے مسلمان دنیا پر چھا جائیں گے۔ بلکہ بقول محمد حنیف ندوی "اگر صرف ہندوستان کے مسلمان تعددِ ازواج کے اصول کو اپنا لیں تو بغیر کسی خاص محنت کے صرف پچاس برس میں وہ ہندوستان کی اکثریت میں تبدیل ہو جائیں گے۔" ...... اور یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ جو مسلمان زنا سے بچیں اور کردار و ایمان کی حفاظت کریں، دنیا کے کافروں کو خطرہ بھی ان ہی سے ہے۔

دنیا کے کافر لوگ چاہتے ہیں کہ ان خطرات کا سدباب ہو۔ اہل اسلام میں بھی فحاشی پھیلے، ان کو بچے کم پیدا کرنے کی ترغیب دو۔ اسی شرط کے ساتھ امداد دو۔ اسی ضمن میں وہ تعددِ ازواج کے قانون کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ کھلم کھلا اس کے خلاف بولتے ہیں۔ منکرین حدیث اور نام نہاد

حقوق انسانی کے ڈھنڈورچی اس معاملے میں پیش پیش ہیں۔ انہوں نے ناپاک جسارت کرتے ہوئے اسے اسلام سے خارج کرنے کی مذموم کوشش کی...... حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ چار بیویوں کی اجازت اٹل ہے۔ جب سے انسان دنیا پر آئے ہیں، آج تک نسل انسانی اس پر عمل پیرا ہے۔ مذاہب عالم کی مقدس کتب اپنے پیغمبروں اور مقدس ہستیوں کے بارے میں ناقل ہیں کہ وہ اس پر کاربند رہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل کیا۔ قرآن وحدیث نے اہل ایمان کو چار بیویوں کی اجازت دی ہے۔ اور تمام اُمت کا آج تک اس جواز پر اجماع رہا ہے۔ خلفائے راشدین مرتے دم تک اس پر عامل رہے۔

یہ اجازت ضروری ہے تاکہ مغلوب الشہوۃ نہ زنا کرے اور نہ معاشرے میں اخلاقی اقدار کو پامال کرے تاکہ ہمارا معاشرہ ان قباحتوں سے محفوظ رہ سکے جو اہل کفر کو درپیش ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اجازت کو بخوشی نہ صرف قبول کیا جائے بلکہ عامل کے لئے حائل مشکلات کا ازالہ ہو اور اسلام نے جن شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے، ان شرائط کے ساتھ اس کو رواج بھی دیا جائے خصوصاً وہ ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، وہ بچے زیادہ پیدا کریں اور تعدد ازواج کے اُصول پر ضرور عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کی عصمت کا محافظ ہو۔ آمین!

حوالہ جات (مصادر و مراجع)

1- Encyclopedia Britannica Vol: VIII, P.97 (Root Polygamy), 2- Do Vol: VI, P.1002. ۳۔ غلام احمد پرویز، قرآنی قوانین، عنوان تعدد ازواج، ص ۵۷، ۵۸، طبع طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور

۴۔ کتاب مقدس (بائبل) پیدائش، باب نمبر ۲، آیت نمبر ۱۹، صفحہ ۸، طبع بائبل سوسائٹی لاہور

۵۔ حافظ اسماعیل ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ (اردو) نفیس اکیڈمی کراچی، ج اول ص ۲۴۲، ۲۴۳

۶۔ بائبل، پیدائش، باب نمبر ۳۱، آیت نمبر ۴۷/۳

۷۔ غلام رسول چودھری، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علمی کتب خانہ لاہور، ص ۱۵۸

۸۔ بائبل، پیدائش، باب نمبر ۲۶ آیت نمبر ۳۴ ۹۔ ایضاً

١٠۔الخازن علی بن محمد،تفسیر الخازن،طبع دار الکتب العربیہ پشاور،ج ۴/ص ۳۵،زیر آیت ۳۸/۴۳،سورۂ ص

١١۔ایضاً ج ۴/ص ۴۱ ١٢۔بائبل،سلاطین اوّل،باب نمبر ١١،آیت نمبر ۳،صفحہ ۳۴۰

١٣۔بائبل،خروج،باب نمبر ۲،آیت نمبر ۲۱ ١۴۔بائبل،گنتی،باب نمبر ١٢،آیت نمبر ١،ص ١۳۷

١۵۔عبدالعلیم ماہر،سیرت نبوی کا ازدواجی پہلو،ماہنامہ السراج،جھنڈا نگر نیپال،١٩٩٦ء،جلد ۳،شمارہ ۳،ص ۲١

١٦۔ایضاً ١۷۔سیرت نبوی کا ازدواجی پہلو،ماہنامہ السراج،ج ۳ ش ۳،ص ۲١

١٨۔محمد حنیف ندوی،سراج البیان فی تفسیر القرآن،ملک سراج دین پبلشرز،لاہور،ج اول،ص ١٨۲،زیر آیت ۴/۳ نساء

١٩۔طبری ابن جریر،جامع البیان عن تاویل آی القرآن المعروف تفسیر طبری،طبع مصطفی البابی الحلبی بمصر،ج ۳،ص ۲۳۴ ۲٠۔القرآن:النساء:۳

۲١۔صحیح مسلم،الجامع الصحیح البخاری،کتاب النکاح:باب لا یتزوج اکثر من اربع حدیث نمبر ۵٠٩٨

۲۲۔قرآنی قوانین(مذکور)ص ۵٨ ۲۳۔ایضاً ص ۵۷ ۲۴۔القرآن:النساء:١۲٩

۲۵۔حافظ ابن کثیر،تفسیر ابن کثیر(اردو)کارخانہ تجارت کتب کراچی،ج اول ص ١١۲،زیر آیت ۴/١۲٩

۲٦۔مودودی ابوالاعلیٰ،تفہیم القرآن،مکتبہ تعمیر انسانیت،لاہور،جلد اول،ص ۳۲١،زیر آیت ۴/۳

۲۷۔مودودی ابوالاعلیٰ،مسئلہ تعدد ازواج،اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور،ص ١٠۔٩

۲٨۔امین احسن اصلاحی،تدبر قرآن تفسیر،فاران فاؤنڈیشن لاہور،جلد دوم،ص ۲۵۳،زیر آیت ۴/۳

۲٩۔الجامع الترمذی،کتاب النکاح،باب ما جاء فی الرجل یسلم وعندہ عشر نسوۃ

۳٠۔السیوطی،جلال الدین،درمنثور فی تفسیر الماثور،طبع بیرت ج ۲ ص ١١٩

۳١۔سنن ابی داؤد،کتاب الطلاق،باب من اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع

۳۲۔مسند الشافعی،کتاب النکاح،دار الکتب العلمیہ بیروت،کتاب النکاح،الباب الثالث فی الترغیب فی التزوج:۲/١٦

۳۳۔ابن ہشام،سیرت ابن ہشام(اردو)طبع شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور،جلد دوم،ص ٨٠۲

۳۴۔ابن حجر الحافظ العسقلانی،الاصابہ فی تمییز الصحابہ،دار الکتب العلمیہ بیروت،ج ٨ ص ۴٦۷

۳۵۔ایضاً ۳٦۔ایضاً ج ٨،ص ١٦ ۳۷۔ایضاً ٨/۲۲٨ ۳٨۔ایضاً ٨/۴٦۵

۳٩۔اکبر شاہ خان نجیب آبادی،تاریخ اسلام نفیس اکیڈمی کراچی،ج ۳ ص ۴۴۵ ۴٠۔ایضاً ج ۳ ص ۴۵۴

۴١۔السرخسی شمس الدین،المبسوط طبع بیروت،باب النکاح فی العقود المتفرقہ،المجلد الثالث جزء الخامس،ص ١٦١

۴۲۔القرطبی،تفسیر الجامع لاحکام القرآن،طبع ندارد،المجلد الخامس،ص ١۷ از زیر آیت ۴/۳

۴۳۔ابن حجر الحافظ العسقلانی،فتح الباری،طبع مکتبہ السلفیہ مدینہ منورہ،کتاب النکاح،ج ٩،ص ١۳٩

۴۴۔ تفسیر الخازن (مذکور) ۳۴۳/۱
۴۵۔ ابن قدامہ مقدسی، المغنی وعلیہ الشرح الکبیر، دارالکتب بیروت، ج ۷ ص ۴۳۶
۴۶۔ ابن قیم الجوزیہ، بدائع الفوائد، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ج ۴ ص ۳۱
۴۷۔ ایضاً ۴۸۔ تفسیر سراج البیان (مذکور) ۱۸۲/۱
۴۹۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، مکتبہ السلفیہ لاہور، مبحث فی صفۃ النکاح (المحرمات) ج ۲ ص ۱۳۲
۵۰۔ مسئلہ تعدد ازواج (مذکور) ص ۳۲
۵۱۔ ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، مکتبہ الکلیات الازہریہ مصر، فصل قصر عدد زوجات علی اربع، ج ۲ ص ۱۰۳
۵۲۔ حجۃ اللہ البالغہ (مذکور) ۱۳۲/۲ ۵۳۔ مسئلہ تعدد ازواج، ص ۳۲ ۵۴۔ ایضاً
۵۵۔ ایضاً ۵۶۔ بدائع الفوائد (مذکور) ۶۱/۴ ۵۷۔ ایضاً
۵۸۔ اعلام الموقعین (مذکور) ۱۰۵/۲
۵۹۔ بدائع الفوائد، ۶۱/۴ ۶۰۔ حجۃ اللہ البالغہ، ۱۳۳/۲
۶۱۔ محمد آفتاب خان ڈاکٹر، قرآن حکیم اور علم الجنین، ادارۂ مطبوعات سلیمانی لاہور، ص ۵۵
۶۲۔ تفسیر سراج البیان، ۱۸۲/۱ ۶۳۔ تدبر قرآن (مذکور) ۲۵۳/۲
۶۴۔ تفسیر سراج البیان، ۱۸۲/۱
۶۵۔ ایضاً ۶۶۔ تفہیم القرآن ۳۲۱/۱
۶۷۔ ابن قیم الجوزیہ، إغاثة اللهفان، دارالکتب العربی، بیروت، فصل فی سد الذرائع، جلد اوّل، ص ۵۰۱
۶۸۔ حجۃ اللہ البالغہ، ۱۳۳/۲
۶۹۔ اعلام الموقعین، ۱۰۳/۲
۷۰۔ سلطان احمد راہی، اسلام کا نظریہ جنس، الفیصل ناشران کتب لاہور، ص ص ۱۰۱۔۱۰۰
۷۱۔ اعلام الموقعین، ۱۰۴/۲
۷۲۔ فریدالدین عطار الشیخ، تذکرۃ اولیاء (اُردو) نذیر سنز پبلشرز اردو بازار لاہور، ص ص ۵۳۔۱۵۲
۷۳۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان، طبع مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ص ۳۴
۷۴۔ حجۃ اللہ البالغہ، ۱۳۳/۲
۷۵۔ اعلام الموقعین ۱۰۵/۲
۷۶۔ تفسیر سراج البیان، ۱۸۲/۱
۷۷۔ اعلام الموقعین ۱۰۳/۲

فصل دوم

پاکستانی معاشرہ، دوسری شادی اور حکمتِ عملی کے تقاضے

دوسری شادی سنت ہے فرض نہیں

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اسلام بیک وقت ایک سے زیادہ؛ چار تک شادیوں کی اجازت دیتا ہے اور یہ اسلام کی ایک بہت بڑی معاشرتی و اخلاقی خوبی ہے جبکہ اسلام دشمن حضرات نے اسلام کی اس خوبی کو خامی ثابت کرنے کے لئے ہمیشہ پراپیگنڈہ سے کام لیا اور تعددِ ازدواج کو 'عیاشی'، 'دلربائی' اور 'تفریح' کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے اسلام کے بارے میں اَن گنت شکوک و شبہات پیدا کئے۔ ان شکوک و شبہات کو رفع کرنے اور اسلام کے دامن کو داغ دار ہونے سے بچانے کے لئے مسلم مفکرین نے ہمیشہ واضح اور دوٹوک جواب دیئے اور تعددِ ازدواج کی بے پناہ مصلحتیں اور اَن گنت حکمتیں بیان کرکے اسلام کا سرفخر سے اونچا کر دکھایا۔

مگر اس کے باوجود تعددِ ازواج کے حوالہ سے شعوری یا غیر شعوری طور پر بعض صورتوں، بالخصوص عملی حوالے سے مسلمانوں کے ہاں افراط و تفریط کا رویہ پیدا ہو چکا ہے۔ بعض لوگ انتہائی اضطراری اور جنگی حالات کے علاوہ تعددِ ازدواج کے قائل نہیں جبکہ بعض حضرات اس سنت اور جواز کو اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں کہ گویا دوسری شادی سنت ہی نہیں بلکہ فرض یا تاکیدی اعتبار سے فرض کے قریب تر ہے۔

یاد رہے کہ اوّل تو دوسری شادی جائز یا زیادہ سے زیادہ مسنون ہے اور دوسرا یہ کہ اس کا جواز بھی تب ہے جب حالات، وسائل اور ماحول اس کے موافق ہو، لیکن اگر دوسری

(یا تیسری چوتھی) شادی کی سنت پر عمل پیرا ہونے سے دیگر فرائض (مثلاً بیویوں کے حقوق، نان ونفقہ، رہائش وغیرہ) متاثر ہوتے ہوں تو پھر ایسی سنت اور جواز بجائے کارِ ثواب کے وبالِ جان اور باعثِ گناہ بن سکتی ہے اور شاید اسی لئے اُمت کو ہر سنت پر عمل پیرا ہونے کا حکم نہیں دیا گیا، مبادا کہ کوئی شخص سنت کی محبت میں مصائب کا شکار نہ ہو جائے یا پھر سنت کی آڑ میں دیگر مذموم مقاصد کی تکمیل اور ظلم وعدوان نہ کرتا پھرے !!

ہمارے ہاں دوسری شادی کی بے شمار حکمتیں، مصلحتیں اور توجیہات بیان کی جاتی ہیں پھر اس کے مسنون ہونے کی وجہ سے اسے مزید تقویت بہم پہنچائی جاتی ہے اور یوں عقل و نقل ہر دو اعتبار سے تعدد ازدواج کے مسئلہ میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو دور کرنے کی تو بھرپور کوشش کی جاتی ہے مگر پاکستانی معاشرہ میں تعددِ ازدواج سے پیدا ہونے والے مسائل کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح تعددِ ازدواج میں اسلام نے جن کڑی شرائط اور حدود وقیود کو لاگو کیا ہے، اسے اس طرح تفصیل وتوضیح اور شرح وبسط سے بیان نہیں کیا جاتا جس طرح دوسری شادی کے سنت ہونے اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے کو بیان کیا جاتا ہے۔ مضمونِ ہذا میں تعددِ ازواج کے حوالہ سے اسلام کی عائد کردہ ان کڑی شرائط کو اجاگر کیا گیا ہے جنہیں بالعموم مدنظر نہیں رکھا جاتا اور جس کی وجہ سے اَن گنت معاشرتی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

تعدّد ازواج کی شرائط

❶ بقدرِ کفایت معاشی وسائل

عورت محض جنسی کھلونا ہی نہیں کہ جس طرح چاہو، اس سے اپنی جنسی تسکین پوری کر لو خواہ قانونی طور پر ایسا ہو یا غیر قانونی طور پر۔ اور جب اس سے جی بھر جائے یا وہ بوجھ محسوس ہونے لگے تو بڑی دلیری سے اسے اُتار پھینکا جائے اور کسی دوسرے 'کھلونے' کی تلاش

شروع کردی جائے نہیں! بلکہ شادی ایک ذمہ داری کا نام ہے اور شادی کے بعد بیوی کے رہنے کے لئے مناسب رہائش، اشیائے خورونوش، لباس و آرائش اور ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لئے دیگر وسائل و اسباب کی فراہمی، پھر اس بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کی نگہداشت، رضاعت وحضانت اور تعلیم و تربیت وغیرہ کا سارا بوجھ خاوند کے کندھوں پر آتا ہے۔ یہ بوجھ صرف ایک ہی بیوی تک محدود نہیں بلکہ ایک سے زائد چار تک جتنی بیویاں ہوں گی، ان سب کے حقوق سے عہدہ برآ ہونے کا خاوند پابند ہے حتیٰ کہ ان کی رضامندی کے بغیر انہیں ایک ہی گھر میں رہنے پر مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ ایسے شخص کو اتنے ہی گھروں کی ضرورت بھی پوری کرنا ہوگی جتنی کہ اس کی بیویاں ہوں۔ اس پر دلائل کا طومار باندھنے کی بجائے صرف ایک یہی دلیل کافی ہے کہ اللہ کے رسولؐ (جنہیں چار سے زائد شادیوں کی خصوصی اجازت تھی) نے بیک وقت جتنی بیویاں رکھیں، اتنے ہی الگ الگ گھروں کا بندوبست بھی کیا گو کہ وہ گھر چھوٹے چھوٹے تھے مگر تھے جدا جدا، اسی لئے ابن قدامہ (اور دیگر فقہا) کا یہ فیصلہ ہے کہ

" وليس للرجل أن يجمع بين امرأتيه في مسكن واحد بغير رضاهما صغيرا كان أو كبيرا لأن عليهما ضررا لما بينهما من العداوة والغيرة واجتماعهما يثير المخاصمة والمقاتلة" [(المغنی: ص۲۳۴ رج۱۰)]

"خاوند اپنی دو بیویوں کی رضامندی کے بغیر انہیں ایک ہی گھر میں اکٹھا رکھنے کا مجاز نہیں خواہ وہ گھر چھوٹا ہو یا بڑا۔ کیونکہ سوکنوں کی باہمی عداوت اور غیرت کی وجہ سے فساد پیدا ہوتا ہے اور انہیں ایک ہی گھر میں رکھنا گویا انہیں ایک دوسرے کے خلاف لڑائی جھگڑے پر ابھارنے کے مترادف ہے۔"

یاد رہے کہ پاکستانی معاشرے میں ایک اوسط درجہ کے شہری کے لئے دوسری شادی کرنا معمولی بات نہیں کیونکہ اگر بالفرض اس کی آمدن ۴/۵ ہزار ہے تو آدھی رقم مکان کے

کرایہ میں نکل جاتی ہے اور تقریباً اتنی ہی رقم پانی، بجلی، گیس، فون وغیرہ کے بل اُتارنے میں صرف ہوجاتی ہے۔ اب جیب تو خالی ہے مگر بیوی بچوں کی ضروریات اپنی جگہ الگ سے موجود ہیں جنہیں پورا کرنے کے لئے ایسے ہی متوسط شخص کو 'ڈبل ڈیوٹی' کرنا پڑتی ہے یا پھر بیوی کو گھر میں کوئی ایسا مناسب پیشہ اختیار کرنا پڑتا ہے جس سے نان ونفقہ کے مسائل پورے ہوسکیں اور عملاً ہر متوسط گھرانہ تقریباً اسی صورتِ حال کی عکاسی کرتا ہے۔

البتہ جن کا مکان اپنا ہوتا ہے، وہ کرائے کی رقم کو 'اضافی ڈیوٹی' کے بدلے استعمال کرلیتے ہیں مگر پھر بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ مہینہ ابھی ختم نہیں ہوپاتا جبکہ تنخواہ ختم ہوچکی ہوتی ہے۔ اب دوسری شادی کے لئے وہ مزید رہائش اور نان ونفقہ کا بندوبست کہاں سے کرے؟ یہ صورت اس وقت مزید گھمبیر ہوجاتی ہے جب کسی دینی ومذہبی تحریک سے وابستہ کوئی شخص دوسری شادی کرتا ہے جبکہ متوسط درجہ کے شخص سے بھی قدرے کم درجے پر تحریک نے اس کے اخراجات کی ذمہ داری اُٹھائی ہوتی ہے۔ اب ایسا شخص اگر تحریک میں اثر ورسوخ والا ہوگا تو وہ تحریک پر بوجھ بنے گا اور مجبوراً تحریک اسے برداشت کرے گی۔ لیکن اگر وہ عام کارکن ہوگا تو تحریک اس کی کوئی خاص امداد نہیں کرتی نتیجتاً ایسا شخص اپنی زندگی تو اجیرن بنائے گا مگر اپنے ساتھ دونوں بیویوں بلکہ دو گھروں کا سکھ چین بھی برباد کرے گا۔ تو بتایئے ایسا شخص دوسری شادی کرکے دین کی کون سی خدمت انجام دے گا؟!

❷ ازدواجی حقوق ادا کرنے کی صلاحیت

دوسری شادی کے لئے یہ بھی ضروری شرط ہے کہ آدمی معاشی طور پر خود کفیل ہونے کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پر بھی اتنی استعداد رکھتا ہو کہ وہ بیک وقت دونوں بیویوں کے ازدواجی حقوق پورے کرسکے۔ نان ونفقہ، لباس وآرائش اور رہائش وغیرہ کے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے باوجود اگر خاوند کی طرف سے بیویوں کے حقوق متاثر ہونے لگیں تو

اندریں صورت اخلاقی اعتبار سے اتنے مفاسد معاشرے میں پیدا ہوں گے کہ جتنے شاید معاشی طور پر عدمِ کفیل شخص کی دوسری شادی کر لینے سے بھی پیدا نہیں ہوتے۔ بطورِ مثال یوں سمجھئے کہ ۶۰ سال کا بوڑھا اگر ۱۶/۱۸ سالہ نوجوان لڑکی سے نکاحِ ثانی کر بیٹھے تو اب ظاہر ہے کہ اس لڑکی کو محض معاشی وسائل کی کثرت ہی درکار نہیں بلکہ ایسی عمر میں اس کی جنسی خواہشات عروج پر ہوتی ہیں جن کی تکمیل کی اسے اشد ضرورت ہے اور اسے روزانہ مباشرت کرنے کے باوجود جسمانی طور پر کوئی کمزوری محسوس نہیں ہوتی مگر اس بوڑھے کے لئے تو یہ ایسا امتحان ہوگا کہ جس میں اس کی کامیابی کے کوئی آثار موجود نہیں۔ اب اگر یہ 'ادویات' کا سہارا لے گا تو اپنی جان پر ظلم کرے گا۔ بصورتِ دیگر لڑکی کے حقوق متاثر ہوں گے! البتہ یہ بات یاد رہے کہ اگر کوئی لڑکی اپنی رضامندی سے کسی بوڑھے کی (پہلی یا دوسری) بیوی بننا پسند کرے تو اس کے اقدام پر قدغن بھی نہیں لگائی جاسکتی کیونکہ ایسی صورت میں وہ اپنے جنسی حق تلفی کی خود ہی ذمہ دار ہے جبکہ شریعت اس سے بری ہے۔

ہمارے ہاں عام طور پر مرد کو دوسری شادی کا خیال بھی اس وقت آتا ہے جب اس کے آٹھ دس بچے ہو چکے ہوتے ہیں اور پہلی بیوی کے عمر رسیدہ اور متعدد بچوں کی ماں بن جانے کی وجہ سے نسوانی کشش بھی متاثر ہو چکی ہوتی ہے۔ اس وقت تک وہ خود بھی بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکا ہوتا ہے۔ اب اس عمر میں دوسرا نکاح کرنے والے اکثر حضرات اپنی بیویوں کے معاشی وجسمانی حقوق میں افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ اس عمر میں نکاحِ ثانی کو 'حرام مطلق' قرار دینے کی ہمیں شرعی لحاظ سے جرأت نہیں تاہم ہماری تجویز ہے کہ معاشی وجسمانی اعتبار سے خود کفیل حضرات از راہِ حکمت نوجوانی ہی میں ایک سے زائد شادیاں کروا لیا کریں تاکہ تعددِ ازدواج کے مقاصد عدل وانصاف کے ساتھ پورے ہوسکیں۔

3 دوسری شادی محض جنسی مقاصد کے لئے نہ ہو

مسئلہ پہلی شادی کا ہو یا دوسری، تیسری اور چوتھی کا، اسلام اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ محض شہوت رانی کی غرض سے انسان شادی پہ شادی کرتا جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ شادی کا ایک مقصد جنسی جذبہ کی تسکین بھی ہے لیکن اگر کلی طور پر محض اسی غرض سے شادی رچائی جائے اور شادی کے بعد عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے حوالہ سے نیت میں فتور ہو تو پھر یہ قابل تنفیر جرم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ ﴾

''ان (محرم) عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں تاکہ اپنے مال کے مہر سے تم انہیں حاصل کرو۔ بشرطیکہ اس سے تمہارا مقصد نکاح میں لانا ہو، محض شہوت رانی نہ ہو۔'' (النساء:۲۴)

گویا اسلام میں شادی بنیادی طور پر ایک ذمہ داری سمجھ کر کی جاتی ہے نا کہ محض شہوت رانی کی غرض سے، اس آیت کی روشنی میں ان لوگوں کو اپنے رویہ پر غور کرنا چاہئے جو اگرچہ خود ایک سے زائد شادیاں کئے ہوتے ہیں مگر دوسرے لوگوں پر پھبتیاں کستے ہیں کہ۔۔۔

''ارے! تمہارا تو مرد ہونا ہی مشکوک ہے جو ایک شادی ہی سے ٹھنڈے ہو بیٹھے ہو۔۔۔''

حالانکہ اسلام میں شادی کا تصور ایک ذمہ داری کی ترجمانی کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ شہوت سے بھرپور نوجوان بھی اگر اس ذمہ داری کو نبھانے کے وسائل نہیں رکھتا تو اسے دوسری شادی تو کجا پہلی شادی سے بھی باز رہتے ہوئے روزے رکھنے کی تاکید کی گئی ہے: **ومن لم يستطع فعليه بالصوم**...... تاکہ جب تک اس کے کندھے شادی کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہو جاتے تب تک اس کی جنسی خواہش کمزور اور ماندر ہے۔

④ عدل وانصاف کا قیام

پہلی تین شرائط کا تعلق شادی سے پہلے جبکہ مذکورہ شرط شادی کے بعد پیش آتی ہے۔ یعنی اگر مرد پہلی شرائط میں پورا اُتر آئے تو پھر اسے شادی سے نہیں روکا جا سکتا۔ البتہ ایک سے زائد شادیوں کی صورت میں وہ اپنی بیویوں میں عدل وانصاف اور باہمی مساوات کا رویہ اپنائے۔ نان ونفقہ، رہائش، میل جول اور ازدواجی تعلقات وغیرہ سے متعلقہ وہ تمام اُمور کہ جن میں مساوات عملاً ممکن ہے، میں مساویانہ رویہ اختیار کرے۔ یعنی جیسی رہائش ایک بیوی کے لئے ہو ویسی ہی دوسری کے لئے ہو، جیسا کھانا، پینا اور پہننا ایک کے لئے ویسا ہی دوسری کو مہیا کرے، جیسی ضروریات ایک کی پوری کرتا ہے ویسی ہی دوسری کی بھی کرے، جتنی توجہ اور وقت ایک کو دیتا ہے، اتنا ہی دوسری کو بھی دے۔ اس ظاہری مساوات کے باوجود قلبی میلان بہرحال اس سے مستثنیٰ ہے۔

یاد رہے کہ ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں ان میں عدل وانصاف کرنا اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص جسمانی و معاشی استطاعت رکھنے کے باوجود اپنے تئیں یہ محسوس کرے کہ وہ ایک سے زائد بیویوں میں عدل وانصاف نہیں کر پائے گا تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دوسری شادی سے منع کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾ (النساء:۳)

''عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں؛ دو دو، تین تین، چار چار تک نکاح کر لو لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے۔ یا پھر وہ کنیزیں ہیں جو تمہارے قبضے میں ہوں۔ بے انصافی سے بچنے کے لئے یہی (ایک بیوی) تمہارے لئے زیادہ مناسب ہے۔''

علاوہ ازیں اگر کوئی شخص ایک سے زائد شادیاں کرنے کے باوجود اپنی بیویوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام نہ لے تو حدیثِ نبویؐ کے مطابق ''وہ شخص قیامت کے روز اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ مفلوج (ساقط) ہوگا۔'' (ترمذی ودارمی)

اس وعید کے باوجود ہمارے ہاں عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ دوسری شادی تو کرلی جاتی ہے مگر عدل وانصاف کے تقاضے پورے نہیں کئے جاتے۔ اگر ایک زیادہ خوبصورت و پرکشش ہو تو بنسبت دوسری کے اس کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی ہے۔ ایک جوان، دوسری عمر رسیدہ ہو تو جوان کو بہر صورت ترجیح دی جانے لگتی ہے، ایک بانجھ اور دوسری صاحبِ اولاد ہو تو اولاد والی کا ہر ناز ونخرہ اٹھایا جاتا ہے حتیٰ کہ آہستہ آہستہ ایک حرزِ جان اور دوسری بوجھ محسوس کی جانے لگتی ہے اور اس بوجھ سے جان چھڑانے کے مختلف خیالات پرواز کرنے لگتے ہیں جس کی عملی تصویر پہلے اس شکل میں رونما ہوتی ہے کہ اس 'بوجھ' کا نان ونفقہ ختم یا انتہائی محدود کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہی بیوی جو دوسری کے آنے سے پہلے ہر دلعزیز تھی، اب اپنا اور بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے لوگوں کے گھروں میں برتن دھونے، جھاڑو دینے، صفائیاں کرنے یا پھر کوئی اور محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے جبکہ خاوند اسے اپنے لئے 'بدنما داغ' سمجھنے لگتا ہے جسے مٹانے کے لئے وہ بالآخر اسے طلاق دے ڈالتا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں ہمارے معاشرے میں دیکھی جاسکتی ہیں تاہم سردست ایک ذاتی واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں:

میرے ایک جاننے والے صاحب جو اگرچہ ذات کے اعتبار سے کمتر درجہ کے تھے مگر دینی جذبہ ان میں کافی حد تک کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دینی تحریک میں ایک عرصہ سے سرگرم رہنے کی وجہ سے انہیں خاصی شہرت اور اثر ورسوخ حاصل ہوگیا۔ جبکہ اب ان کی وہی بیوی جس سے ان کے ۵/۶ بچے تھے، بوجھ اور کمتر معیار کی معلوم ہونے لگی۔ شہرت حاصل ہوجانے کی وجہ سے انہوں نے ایک کنواری دوشیزہ سے شادی کرلی اور بالآخر

۶/۵ بچوں کی ماں جو اب ان کے 'معیار' کی نہ تھی، کو بچوں سمیت 'جدا' کر کے انتہائی کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزارنے اور اپنے لئے بدعائیں کرنے پر مجبور کر دیا۔ ان کی دوسری شادی کے بعد میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے پوچھا:

محترم! آپ نے پہلی بیوی بچے کیوں چھوڑ دیئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ''وہ مجھے پسند نہیں تھی!'' میں نے کہا کہ ہر شخص میں کچھ چیزیں ناپسندیدہ ہوں تو کچھ نہ کچھ پسندیدہ بھی تو ہوتی ہیں اور قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ پسندیدہ مدنظر رکھتے ہوئے ناپسندیدہ سے صرف نظر کر کے برداشت کرلیا کرو: ﴿ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾ (النساء:۱۹)

انہوں نے جواب دیا: بھائی! وہ تو مجھے جانوروں سے بھی بدتر محسوس ہوتی ہے میں اسے کیسے رکھوں؟'' (یہ جملہ بلا مبالغہ انہی صاحب کا ہے) میں نے کہا: ''محترم! پانچ چھ بچوں کے باپ بنتے وقت کیا وہ آپ کو حورِعین محسوس ہوا کرتی تھی؟'' اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے!!

ظلم کرنے کے مختلف بہانے

آپ دیکھیں گے کہ پاکستان میں دوسری شادی کروانے والے حضرات ایک بیوی کے ساتھ تو مکمل رہائش وغیرہ اختیار کر لیتے ہیں جبکہ دوسری کے حقوق اس سلسلہ میں تلف کئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ دین دار لوگوں میں بھی یہ صورت دکھائی دیتی ہے اس پر طرہ یہ کہ سنتِ رسولؐ سے اس 'ظلم' کا جواز کچھ اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ

''حضرت سودہؓ جب بوڑھی ہوگئیں تو حضورؐ نے انہیں طلاق دے دی جس پر حضرت سودہؓ آ کر کہنے لگیں کہ آپؐ مجھے اپنے نکاح ہی میں رکھئے کیونکہ مجھے یہ بات محبوب ہے کہ روزِ قیامت میں آپ کی اَزواج کے ساتھ اُٹھائی جاؤں (أحب أن أبعث مع نسائك يوم القيامة) اور میں اپنی باری حضرت عائشہؓ کو ہبہ کرتی ہوں، لہٰذا اس کے عوض آپ مجھ سے عقدِ نکاح بحال رکھئے۔''

مذکورہ بالا واقعہ اگرچہ کتبِ احادیث میں موجود ہے مگر اس کی کوئی صحیح سند نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری ۹/۳۱۳) ۔علاوہ ازیں اللہ کے رسولؐ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ آپؐ عرصۂ دراز تک ایک عورت سے نباہ کریں پھر اس کے محض عمر رسیدہ ہونے کی بناپر اسے طلاق دے چھوڑیں یا معلق بنادیں۔ دراصل قصہ یہ تھا کہ حضرت سودہؓ عمر رسیدہ ہوگئی تھیں اور عرب رواج کے مطابق عمر رسیدہ خواتین سے ان کے خاوند اچھا سلوک نہ کرتے تھے،تو حضرت سودہؓ کو بھی یہ خیال آیا کہ کہیں میرے عمر رسیدہ ہونے کی بناپر اللہ کے رسولؐ مجھے اپنے حرم سے محروم نہ کریں (جبکہ انہی کے بقول خود انہیں جنسی رغبت بھی نہ رہی تھی) تو انہوں نے اس خیال سے خود ہی اپنی باری حضرت عائشہؓ کے لئے ہبہ کردی۔ (دیکھئے: صحیح ابوداؤد: ۱۸۶۷)

دوسری شادی کروانے والے اکثر حضرات اس واقعہ کو بنیاد بنا کر ایک بیوی پر ظلم و زیادتی کا جواز تلاش کرنے لگتے ہیں اور اس جواز کے لئے طلاق اور علیحدگی کا ڈراوا بھی دیتے ہیں۔ ایسے حضرات کو اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنا چاہیۓ......! یادرہے کہ مذکورہ مسئلہ میں قرآن مجید کی اس آیت سے بھی مغالطہ نہیں ہونا چاہیۓ جس میں ہے کہ

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوْا أَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ (النساء:۱۲۹)

''اگر تم اپنی بیویوں کے درمیان کما حقہ عدل کرنا چاہو بھی تو ایسا ہرگز نہ کرسکو گے۔''

کیونکہ اس آیت میں قلبی میلان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قلبی محبت میں تم بیویوں کے درمیان انصاف نہیں کرسکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قلبی محبت اور میلان انسان کے اختیار میں نہیں (جیسا کہ خود نبی ﷺ کو بھی اپنی بیویوں میں سے سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہؓ سے تھی)،اس لئے اس پر تو مؤاخذہ نہیں ہوگا مگر ان چیزوں میں ناانصافی کرنے پر ضرور مؤاخذہ ہوگا جو انسان کے اختیار میں ہیں مثلاً نان ونفقہ، لباس و آرائش اور رہائش کا بندوبست کرنا اور بیویوں سے تعلقات کی باریاں مقرر کرنا۔

سنتِ رسول ﷺ سے غلط استدلال

بعض لوگ جذباتی ہو کر یہ بات پیش کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے بھی تو ایک بلکہ چار سے بھی زیادہ شادیاں کیں جبکہ آپؐ کے پاس معاشی وسائل کی انتہائی قلت تھی۔ علاوہ ازیں اتنی شادیوں کے باوجود آپؐ کا دعوت و تبلیغ کا کام بھی متاثر نہ ہوا۔ اس لئے زیادہ شادیاں کروانے میں برکت ہے کہ ایک تو سنت پر عمل ہوگا، دوسرا رزق کے دروازے کھلیں گے اور تیسرا دعوت و تبلیغ کا کام بھی بڑھ چڑھ کر ہوگا، چوتھا، اس سے اُمت کی تعداد میں اضافہ ہوگا......وغیرہ وغیرہ

حالانکہ اپنے آپ کو اللہ کے رسولؐ پر قیاس کرتے ہوئے ہم اس دور کے مخصوص ماحول، حضورؐ کے نبی ہونے، اللہ کی طرف سے خصوصی قوت اور امداد وغیرہ جیسی بے شمار چیزوں کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ ان پر تفصیلی بحث تو فی الحال مقصود نہیں تاہم سردست سنت رسول کے حوالہ سے ہمیں صرف اس پہلو پر غور کر کے سبق حاصل کر لینا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ نے جتنی بیویاں کیں، وہ بھی اپنے اپنے گھروں میں دعوت و تبلیغ کا ایک ایک مضبوط مرکز ثابت ہوئیں اور ان شادیوں کے اثرات قبائلی راہ و رسم کی وجہ سے ان کے کافر قبیلوں پر بڑے اچھے انداز میں مرتب ہوئے۔ جبکہ ہمارے ہاں کوئی شخص دوسری شادی کرتا ہے تو اس کی دینی، دعوتی و تبلیغی سرگرمیاں بھی متاثر ہوتی ہیں اور پھر دو خاندانوں کی باہمی رقابت بھی اس کے لئے دردِ سر بن جاتی ہے۔ اگر ذہنی تعصب نہ ہو تو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ پاکستانی معاشرے میں دوسری شادی کروانے والے اکثر حضرات کی دینی سرگرمیاں انتہائی متاثر ہوتی ہیں۔ خود راقم کا یہ تجربہ ہے کہ دینی کام کرنے والوں کے پاس تو ایک بیوی کے لئے بھی مناسب وقت نہیں ہوتا پھر دوسری کے لئے کہاں سے وقت نکالا جائے!

عربوں پر قیاس کی غلطی

ہمارے ہاں جب دوسری شادی کی بات چلتی ہے تو فوراً عربوں کی مثال پیش کر دی جاتی ہے کہ وہاں بھی تو تعددِ ازدواج کا عام رواج ہے اور اسے بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی دوسری، تیسری شادی سے کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا ہے!

اگر چہ ہمیں تعددِ ازواج کے مسنون ہونے سے ہرگز مجالِ انکار نہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ تعددِ ازواج کی شرائط ملحوظ خاطر رکھی جائیں، تاہم عربوں کے حوالہ سے یہ بات ذہن نشین رہے کہ اوّل تو وہاں دولت کی خوب ریل پیل ہے۔ اور پھر عورت کے لئے مستقل حق ملکیت کا تصور بھی وہاں بڑا قوی ہے اور مرد کے علاوہ عورت کو بھی وراثت ہی میں لاکھوں، کروڑوں کا سرمایہ مل جاتا ہے جس کی بنا پر عورتوں کا ذاتی کاروبار بھی ہوتا ہے اور ان کے ذاتی مکان بھی ہوتے ہیں۔ اور اس وجہ سے وہاں دوسری، تیسری شادی اور خلع و طلاق وغیرہ سے ایسے مسائل شاذ و نادر ہی پیدا ہوتے ہیں جو ہمارے ہاں اکثر و بیشتر پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں اوّل تو مرد بھی غربت کا شکار ہوتے ہیں اور عورتیں بھی۔ پھر اکثر عورتوں کے والدین کا ترکہ بھی انہیں نہیں دیا جاتا۔ خاوند کا بھی ایک ہی گھر ہوتا ہے، جہاں میاں بیوی رہتے ہیں۔ اس لئے دوسری شادی کے بعد سب سے پہلا مسئلہ تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس گھر میں پہلی رہے گی یا دوسری، ظاہر ہے کہ کرائے کے پرائے مکان میں رہنے کی بجائے ہر ایک 'اپنے' گھر میں رہنے کو ترجیح دے گی۔ پھر پہلی بیوی نے ایک عرصہ تک خاوند کی کمائی سے پیٹ کاٹ کر یا اپنے جہیز وغیرہ سے گھر کی تقریباً ہر چیز پوری کی ہوتی ہے جبکہ دوسری بیوی آ کر یہ مسئلہ کھڑا کر دیتی ہے کہ اس گھر میں میرا بھی نصف حق ہے کیونکہ میں بھی اس کی اتنی ہی بیوی ہوں جتنی تم ہو! لیکن پہلی یہ سب کچھ کیسے برداشت کر سکتی ہے؟!

چنانچہ آئے دن گھر میں طوفان برپا رہتا ہے اور 'تسکین' کے لئے دوسری شادی کرنے

والا پہلے سکون سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پاکستانی عورتوں کو یہ دھڑکا بھی لگا رہتا ہے کہ خاوند کی عدم توجہی یا طلاق دے ڈالنے کی وجہ سے ان کا اور ان کی اولاد کا پھر پُرسانِ حال کون ہوگا۔ اگرچہ یہ معاشی مسائل ایک بیوی والے کو بھی درپیش ہوتے ہیں مگر زیادہ تر ایسے مسائل تبھی پیدا ہوتے ہیں جب مرد دوسری شادی کر لیتا ہے گویا دوسرے لفظوں میں دوسری بیوی ہی ان مسائل کی جڑ سمجھی جاتی ہے حالانکہ اس میں دوسری بیوی کا قصور نہیں بلکہ اصل وجہ ہمارے معاشرتی ومعاشی حالات کی نزاکت ہے لیکن عرب اس سے دوچار نہیں اس لئے ان کے ہاں تعدد ازواج کا سلسلہ کامیاب ہے جبکہ ہمارے ہاں یہ سلسلہ تقریباً ناکام ہے۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانی مرحوم کا درج ذیل اقتباس بھی پڑھنے کے لائق ہے، آپ رقم طراز ہیں کہ

''ہمارے ملک، پاکستان میں عورت کی علیحدہ ملکیت کا تصور نہیں، مرد اگر گھر والا ہے تو عورت گھر والی ہے۔ لہٰذا یہاں اگر کوئی دو بیویاں کر لے تو بے شمار پریشان کن مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہاں اگر کوئی دوسری یا تیسری بیوی کرتا ہے تو یقیناً کسی خاص ضرورت کے تحت کرتا ہے اور ملک کی ۹۵ فیصد آبادی اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھاتی اور ایک ہی بیوی کو درست سمجھتی ہے۔ اس کے برعکس عرب میں آج بھی بیوی کی الگ ملکیت کا تصور موجود ہے۔ لہٰذا وہاں چار تک بیویاں کرنے پر بھی بیویوں کی باہمی رقابت اور خاوند کو پریشان کرنے والے مسائل بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ پھر وہاں طلاق کو بھی کوئی ایسا جرم نہیں سمجھا جاتا جس سے دو خاندانوں میں ایسی عداوت ٹھن جائے جیسی پاکستان میں ٹھن جاتی ہے۔ لہٰذا وہاں نصف سے زیادہ آبادی قرآن کی اس اجازت سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ لہٰذا شرعی لحاظ سے نہ پاکستان کے رواج کو موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے اور نہ عرب کے رواج کو۔'' (تفسیر تیسیر القرآن: ص ۳۲۹ ر ج ۱)

تعدد ازواج کے حوالہ سے عربوں اور افغانیوں کا ایک قابل مذمت رویہ

عربوں کے ہاں اگرچہ تعدد ِازواج کامیابی سے مروّج ہے، تاہم ان کے بارے میں یہ بات سننے میں آئی ہے کہ اگر انہیں کوئی عورت پسند آجاتی ہے تو وہ پہلی چار میں سے ایک کو محض اس وجہ سے طلاق دے ڈالتے ہیں کہ اس کی جگہ نئی دلہن کو حرم میں رکھنے کا شرعی جواز حاصل ہوجائے۔ حالانکہ محض شہوت رانی کے لئے پہلی کسی بیوی کو طلاق دے دینا قابل مذمت فعل ہے جبکہ افغان معاشرے میں تو اس سے بھی زیادہ قابل مذمت رواج پایا جاتا ہے یعنی کسی افغان باشندے کو چار بیویوں کے باوجود کوئی پانچویں بھی دل کو بھا جائے تو وہ پہلی چار میں سے کسی کو طلاق دیئے بغیر پانچویں بھی بیاہ لیتا ہے۔ اگر کوئی اس سے پوچھے کہ جناب! آپ کی تو پہلے بھی چار بیویاں برقرار ہیں اور شرعی لحاظ سے آپ بیک وقت پانچ کے مجاز نہیں، تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ میں نے پہلی چار میں سے ایک کو 'خلیفہ' کردیا ہے اور 'خلیفہ' سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اسے طلاق تو نہیں دی مگر اس سے ازدواجی تعلقات بند کردیئے ہیں۔ حالانکہ یہ 'خلیفہ' کی رسم عربوں کے طریقہ سے بھی بدتر ہے!

واضح رہے کہ عربوں اور افغانیوں کے حوالے سے جو قابل مذمت رویہ ہم نے ذکر کیا ہے، اس کے مخاطب تمام عربی وافغانی نہیں کیونکہ ان میں بھی متقی وپرہیز گاروں لوگ موجود ہیں جن سے اس طرح کے قابل مذمت اقدام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ تاہم مذکورہ بالا رویے جوان معاشروں کی مثال (خاصہ) بن کر سامنے آرہے ہیں، انتہائی افسوسناک ہیں۔

بیوگان سے نکاح ایک خوش آئند امر

ہندوؤں کے ہاں بیوہ کے عقدِ ثانی کو قابل نفرت جرم سمجھا جاتا تھا جس سے متاثر ہوکر مسلمانوں نے بھی بیوگان کے نکاحِ ثانی کو حرام سمجھ رکھا تھا۔ ان حالات میں سیدین شہیدین کی تحریکِ جہاد نے برصغیر میں جہاد کے علاوہ شرک وبدعات کا بھی قلع قمع کرتے ہوئے وسیع

پیمانے پر اس بدعت کا ایسا خاتمہ کیا کہ اس کے اثرات آج تک محسوس کئے جاتے ہیں۔ اسی سلسلے کو زندہ رکھتے ہوئے جماعۃ الدعوۃ (امیر: حافظ محمد سعید صاحب) نے کچھ عرصہ سے بیوگان کے نکاحوں کی طرف توجہ دینا شروع کر رکھی ہے جو بلاشبہ ایک طرف اگر قابل تحسین فعل ہے تو دوسری طرف یہ ان کی تحریکی و جماعتی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ شہدا کی بیوگان کے عقدِ ثانی کا خصوصی توجہ سے انتظام کریں۔

اس حوالے سے جماعۃ الدعوۃ کے ذمہ داران کو یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ بیوگان سے نکاح عام طور پر وہی لوگ کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں جن کی پہلے بھی بیوی موجود ہو۔ اس لئے بیوگان کے نکاح کے لئے ان لوگوں کو منتخب کیا جائے جو نکاحِ ثانی کی خواہش رکھتے ہوں۔ بلکہ جماعتی زندگی میں 'امیر' ایسے افراد کو حکماً بیوگان سے نکاحِ ثانی کرنے کا (کسی حد تک) پابند بھی کرسکتا ہے۔ لیکن یہ کیا طریقہ ہوا کہ دوسری شادی کے لئے کنواری دوشیزائیں تلاش کی جائیں اور جماعتی شہدا کی سینکڑوں بیوگان کو نظر انداز کر دیا جائے۔ حالانکہ کنواری لڑکیوں کو اور بے شمار رشتے مل جائیں گے مگر بیوگان کے لئے تو بڑی مشکلات ہیں۔ اس لئے جماعتی شہدا کی بیوگان کو نظر انداز کرنے والوں کو اپنے اس رویے پر نظر ثانی کرنا چاہئے۔

باب 11

اسلام اور ضبطِ ولادت

- خاندانی اور قومی وملکی منصوبہ بندی کی شرعی حیثیت
- ضبط ولادت، گنجائش کی صورتیں اور جائز حدود

فصل اول

اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی ✿

اس مقالے کے لیے جو موضوع تجویز کیا گیا ہے وہ ہے ''اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی''۔ بظاہر اس موضوع پر اظہار خیال کے لیے یہ بات بالکل کافی سمجھی جا سکتی ہے کہ اولاد کی پیدائش کو کسی مطلوبہ حد کے اندر رکھنے کی خواہش اور کوشش، اور اس کی عملی تدبیر کے متعلق اسلام کے احکام نقل کر دیئے جائیں اور پھر یہ بتا دیا جائے کہ صاحب مقالہ کے نزدیک ان احکام کی روشنی میں یہ چیزیں جائز ہیں یا ناجائز۔ لیکن درحقیقت اس طرح کے ایک تنگ دائرے میں موضوع اور بحث کو مقید کر کے گفتگو کرنا نہ تو تحقیق کا حق ادا کرنے کے لیے کافی ہے اور نہ اس طریقے سے اسلام کا نقطۂ نظر ہی ٹھیک سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ''خاندانی منصوبہ بندی'' کا مسئلہ بجائے خود کیا ہے، کیوں پیدا ہوا ہے، ہماری زندگی کے کن کن پہلوؤں پر کیا اثرات پڑتے ہیں، اور یہ کہ اس کی انفرادی خواہش، اور کوشش اور قومی پیمانے پر اس کے لیے ایک اجتماعی تحریک برپا کرنے کے درمیان کوئی فرق بھی ہے یا نہیں، اور اگر فرق ہے تو وہ کیا ہے اور اس کے لحاظ سے دونوں کے احکام میں کیا فرق ہونا چاہیے۔ ان امور کو اچھی طرح جان لینے کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم اس مسئلے میں دین فطرت کی ہدایات کے مغز تک پہنچ سکیں اور ان کا پورا پورا مدعا سمجھ سکیں۔ اس لیے میں پہلے انہی امور کے متعلق چند ضروری باتیں عرض کروں گا۔

[✿ یہ فصل مولانا سید مودودیؒ کی کتاب ''اسلام اور ضبط ولادت'' کا ملخص ہے جو خود مولانا ہی کا تحریر کردہ اور مذکورہ کتاب کے آخر میں بطورِ ضمیمہ (۱) شامل ہے۔ اس مقالہ میں مولانا نے مخصوص علمی انداز میں خاندانی منصوبہ بندی کی اجتماعی تحریک کا دقیق ومعقول جائزہ لیتے ہوئے اس کے اسباب ووجوہات اور تباہ کن اثرات پر روشنی ڈالی ہے اور خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کو عزل پر قیاس کرنے والوں کی تردید فرمائی ہے۔ مولانا نے اگرچہ انفرادیٔ ضبط ولادت کے بعض پہلوؤں کے جواز کی طرف اشارہ بھی کیا ہے مگر ان کی تفصیل بیان نہیں کی، اسلئے راقم الحروف اگلی فصل میں جواز کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالے گا۔ ان شاء اللہ!]

نوعیت مسئلہ:

''خاندانی منصوبہ بندی'' دراصل کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ ایک قدیم تخیل کا صرف ایک نیا نام ہے۔ انسان کو اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں وقتاً فوقتاً یہ اندیشہ لاحق ہوتا رہا ہے کہ اس کی نسل بڑھنے کے امکانات بے پایاں ہیں اور زمین کے وسائل محدود ہیں، اگر وہ بے تحاشا نسل بڑھاتا چلا جائے تو یہ آبادی کہاں سمائے گی اور کیا کھائے گی۔ اس اندیشہ کو قدیم زمانے کا آدمی بڑے سادہ طریقے سے بیان کیا کرتا تھا۔ مگر جدید زمانے کے آدمی نے باقاعدہ حساب لگا کر بتادیا کہ ہماری آبادی ہندسی سلسلے (Geometric Progression) سے بڑھتی ہے اور اس کے برعکس ہمارے وسائل رزق خواہ کتنے ہی عمدہ طریقوں سے بڑھائے جائیں بہر حال وہ زیادہ سے زیادہ صرف حسابی سلسلے (Arithmetic Progession) ہی سے بڑھ سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں انسانی آبادی ۱۔۲۔۴۔۸۔۱۶۔۳۲۔۶۴۔۱۲۸۔۲۵۶ کی نسبت سے بڑھتی ہے، اور وسائل رزق صرف ۱۔۲۔۳۔۴۔۵۔۶۔۷۔۸۔۹ کی نسبت ہی سے بڑھنے ممکن ہیں۔ لہذا اگر انسانی آبادی کسی رکاوٹ کے بغیر بڑھتی چلی جائے تو وہ ہر ۲۵ سال میں دوگنی ہوتی چلی جائے گی اور دو صدی کے اندر ایک سے شروع ہو کر ۲۵۶ تک جا پہنچے گی، لیکن وسائل رزق اس مدت میں ایک سے چل کر صرف ۹ تک پہنچیں گے۔ تین صدی میں یہ نسبت ۴۰۹۶ بمقابلہ ۱۳ ہوگی اور دو ہزار برس میں آبادی اور اس کے وسائل معیشت کے درمیان سرے سے کوئی نسبت ہی نہ رہ جائے گی۔ یہ سیدھا سا حساب لگا کر عالمگیر پیمانے پر سوچنے والے لوگ روئے زمین کے بارے میں، اور علاقائی طرز پر سوچنے والے اصحاب محدود علاقوں کے بارے میں اس پریشانی کا اظہار کرتے ہیں کہ دنیا میں، یا فلاں علاقے میں، آبادی اگر یونہی بڑھتی رہی تو خواہ وسائل معیشت کو بڑھانے کے لیے کتنے ہی ہاتھ پاؤں مارتے جائیں، ترقی تو درکنار

ہمیں زندگی بسر کرنے کے لیے بھی پورے ذرائع میسر نہ آسکیں گے۔حتی کہ ایک وقت وہ آجائے گا جب زمین میں سب آدمیوں کے لیے کھڑے رہنے کی جگہ بھی باقی نہ رہے گی۔

یہ ہے مسئلے کی نوعیت ۔اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے قدیم زمانے کا آدمی قتل اولاد ،اسقاط حمل ،اور منع حمل کے ذرائع استعمال کرتا تھا۔جدید زمانے کا آدمی اگر چہ اب بھی پہلے دونوں ذرائع استعمال کرنے سے چونک تو نہیں رہا،لیکن اس سائنٹفک ترقی کی بناء پر اس کا زیادہ تر زور تیسرے ذریعہ پر ہے۔وہ اس غرض کے لیے ایسی دواؤں اور آلات سے بھی کام لینا چاہتا ہے جن سے قوت تولید برقرار رکھتے ہوئے آدمی جب اور جتنی مدت تک چاہے اولاد کی پیدائش کو روک سکے اور ایسے ذرائع بھی استعمال کرنے کے درپے ہے جن سے مرد یاعورت یادونوں مستقل طور پر بانجھ ہوجائیں ۔ اس کانام کبھی ضبطِ ولادت (BirthControl) رکھا جاتا ہے،کبھی اسے تحدید نسل (Brith Limitation) سے موسوم کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے لیے خاندانی منصوبہ بندی (Famliy Planing) یا ایسی ہی اور کوئی خوبصورت اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

کیا اضافہ آبادی سے تنگی معیشت کا خطرہ صحیح ہے؟

اب ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ اندیشہ بجائے خود کہاں تک صحیح ہے جس کی بناء پر مسئلہ پیدا ہوا ہے۔اس سوال پر جب ہم غور کرتے ہیں تو پہلی ہی نظر میں یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں آج تک کبھی انسانی نسل اُس ہندسی طریقے پر نہیں بڑھی ہے جو مالتھوس اور فرانسس پلاس کے پیرو بڑے حسابی انداز میں بیان کرتے ہیں ۔اور کوئی ایسا دور نہیں گزرا ہے جب آبادی اور وسائل رزق کے درمیان وہ نسبت رہی ہو جو جس کا ان لوگوں نے دعوی کیا ہے۔اگر ایسا ہوتا تو انسان کی نسل کبھی کی اس دنیا سے مٹ چکی ہوتی اور آج ہم اس مسئلے پر بحث کرنے کے لیے موجود ہی نہ ہوتے!

یہ ایک پیش پا افتادہ حقیقت ہے، اور غالبا پیش پا افتادہ ہونے ہی کی وجہ سے اس کو چنداں قابل غور نہیں سمجھا جاتا، کہ یہ زمین جس پر انسان آباد ہے، انسان کے آنے سے بہت پہلے موجود تھی اور پہلے ہی اس میں وہ تمام سروساماں مہیا کر دیا گیا تھا جو انسانی زندگی کی بقا اور اس کے تمدنی وتہذیبی نشو ونما کے لیے درکار تھا۔ انسان نے یہاں آ کر کوئی چیز پیدا نہیں کی ہے، بلکہ جو کچھ یہاں موجود تھا، صرف اسے اپنی ذہانت ومحنت سے دریافت کیا ہے اور اس سے کام لیا ہے اولین انسانی آبادکاریوں کی ضروریات سے لے کر آج اس بیسیوی صدی کے انسان کی ضروریات تک کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے جسے پورا کرنے کے لیے ذرائع ووسائل یہاں پہلے سے موجود نہ پائے گئے ہوں اور شاید کسی کو اس کا انکار نہ ہوگا کہ آگے بھی جو ضرورتیں انسان کو پیش آنے والی ہیں ان کے لیے موزوں اشیاء کہیں نہ کہیں فضا میں ، یا سطح زمین پر، یا زمین کی تہوں میں، یا سمندر کی گہرائیوں میں موجود ہیں۔ انسان نہ ان اشیاء کا بنانے والا ہے نہ ان کا مقام، اور ان کی مقدار، اور ان کا وقتِ ظہور متعین کرنے میں اس کا ذرہ بھر کوئی دخل ہے۔ کوئی خدا کا قائل ہو یا فطرت نامی کسی اندھی طاقت کا بہر حال اس امر واقعہ کو ماننا ہی پڑے گا کہ جو بھی اس دنیا میں انسان کو لانے کا ذمہ دار ہے اس نے انسان کو پیش آنے والی تمام ضروریات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کر کے ان کے مطابق ہر قسم کا سروسامان یہاں پہلے سے فراہم کر دیا ہے۔

یہ سارے وسائل ہمیشہ سے انسان کے سامنے نہیں رہے ہیں۔ جب آدمی اول اول یہاں آیا ہے تو پانی، مٹی، پتھر، قدرتی نباتات اور جنگلی جانوروں کے سوا کوئی وسیلہ معیشت اس کو نظر نہ آتا تھا، لیکن جوں جوں اس کی آبادی بڑھی ہے اور وہ یہاں جینے کے لیے کام کرتا گیا ہے، وسائل کے بے حد وحساب خزانے اس کے لیے کھلتے چلے گئے ہیں۔ اس نے نئے نئے وسائل دریافت بھی کیے ہیں اور پرانے وسائل کے نئے نئے استعمالات معلوم بھی کیے ہیں۔ آج تک کی انسانی تاریخ میں کبھی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ کبھی انسانی آبادی تو پچھلی

ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ معیشت کے اسباب و ذرائع نہ پھیلے ہوں۔ آدمی بارہا اس غلط فہمی میں مبتلا ہوا ہے کہ اس زمین پر جتنے کچھ بھی رزق کے خزانے تھے وہ سب کے سامنے آ چکے ہیں اور اب انسانی آبادی کو اسی سر و سامان پر گزر بسر کرنا ہے جو آنکھوں سے نظر آتا ہے لیکن ایک بار نہیں سینکڑوں بار نوع انسانی کو یہ تجربہ ہو چکا ہے کہ آبادی کی افزائش کے ساتھ ساتھ قدرت ایسی ایسی جگہوں سے رزق کے اتھاہ خزانے نکالتی چلی گئی ہے جہاں ان کی موجودگی کا آدمی تصور تک نہ کر سکتا تھا۔

ہزارہا برس قبلِ مسیح سے آدمی اپنے چولہے پر رکھی ہوئی ہنڈیا سے بھاپ نکلتی دیکھ رہا تھا، مگر مسیح کے ۱۷سو برس بعد تک بھی کسی کو یہ اندازہ نہ تھا کہ اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں یہی بھاپ رزق کے لیے کتنے نئے دروازے کھولنے والی ہے۔ سمیری تہذیب کے زمانے سے آدمی روغن نفطا اور اس کی آتش پذیری سے واقف تھا مگر انیسویں صدی کے آخر تک بھی کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ عنقریب زمین کے پیٹ سے پٹرول کے چشمے ابلنے والے ہیں اور اس کے ساتھ ہی موٹروں اور ہوائی جہازوں کی صنعت ابھر کر معیشت کی ایک دنیا برپا کر دینے والی ہے۔ نامعلوم زمانے سے انسان رگڑ سے شرارے پیدا ہوتے دیکھ رہا تھا لیکن بجلی کا راز ہزاروں برس بعد جا کر ایک خاص مرحلے میں اس پر کھلا اور طاقت کا ایک بالکل نیا خزانہ اسکے ہاتھ آ گیا جس سے آج انسانی معیشت میں وہ کام لیے جا رہے ہیں جن کا اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے بھی کوئی بندۂ خدا تصور تک نہ کر سکتا تھا۔ پھر یہ 'جوہر' فرد (Atom) جس کے قابل تجزیہ ہونے اور نہ ہونے کی بحث ولادت مسیح سے بھی سالہا سال پہلے سے فلسفیوں کے مدارس میں ہوری تھیں، اس کے خول سے برآمد گاہ جس کے سامنے انسان کے سارے معلوم وسائلِ قوت ہیچ ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ وہ تغیرات ہیں جو معیشت اور اس کے وسائل میں پچھلے دو سو برس کے اندر اندر رونما ہوئے ہیں اور انہوں نے انسان کو دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے وہ کچھ سر و سامان دیا ہے اور اس کے وسائل حیات میں وہ اضافہ کیا ہے جس کا خواب بھی اٹھارہویں صدی میں نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ ان کے ظہور میں

آنے سے پہلے اگر کوئی شخص صرف اپنے زمانے کے وسائل معاشی ہی کو دیکھ کر یہ حساب لگاتا کہ انسانی آبادی کے اضافے کا یہ وسائل کہاں تک ساتھ دے سکیں گے تو اندازہ کیجیے کہ وہ کس قدر نادان ہوتا۔

اس طرح کے حساب لگانے والے صرف یہی غلطی نہیں کرتے کہ اپنے زمانے کے محدود علم کو مستقبل کے لیے بھی کافی سمجھ بیٹھتے ہیں، بلکہ وہ اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ آبادی کی افزائش صرف کھانے والوں کی افزائش ہی نہیں ہوتی، کمانے والوں کی افزائش بھی ہوتی ہے۔ معاشیات کی رو سے پیداوار کے تین عامل مانے جاتے ہیں۔ زمین۔ سرمایہ اور آدمی۔ ان میں سے اصل اور سب سے بڑا عامل آدمی ہے، لیکن کثرت آبادی کے غم میں گھلنے والے حضرات اس کو پیداوار (Production) کے بجائے محض صرف (Consumption) کا عامل سمجھ لیتے ہیں اور پیداوار کے عامل کی حیثیت سے اس کے کردار کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ انہیں یہ خیال نہیں رہتا کہ آج تک انسان نے جتنی ترقی کی ہے، اضافہ آبادی کے ساتھ بلکہ اس کی بدولت کی ہے۔ اضافہ آبادی نہ صرف نئے عامل فراہم کرتی ہے بلکہ عمل کے لیے مزید محرکات بھی پیدا کرتی ہے۔ ہر روز مزید انسانوں کے لیے غذا، لباس، مکان اور دوسری ضروریات بہم پہنچانے کی ناگریز حاجت کا پیش آنا ہی وہ اصل محرک ہے جو انسان کو موجود وسائل کی توسیع، نئے وسائل کی تلاش، اور ہر شعبہ حیات میں اکتشاف وایجاد پر مجبور کرتا ہے۔ اسی کی وجہ سے بنجر اراضی زیر کاشت آتی ہیں، دلدلوں اور جھاڑیوں اور سمندروں کے نیچے سے زمین نکالی جاتی ہے، کاشت کے نئے طریقے دریافت کیے جاتے ہیں، کانیں کھودی جاتی ہیں، زمین، فضا اور سمندر میں ہر طرف انسان ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور وسائل حیات کی تلاش میں ہر سمت بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ محرک نہ ہو تو سستی و بے عملی اور حاضر وموجود پر قناعت کے سوا اور کیا حاصل ہوگا۔ یہی محرک تو ہے جو ایک طرف آدمی کو زیادہ سے زیادہ کام کرنے پر ابھارتا ہے، اور دوسری طرف روز نئے کام کرنے والے بھی میدان میں لاتا چلا جاتا ہے۔

کیا آبادی کی افزائش سے فی الواقع معیشت تنگ ہوتی ہے؟

ہمارے زمانے کی قریب ترین تاریخ ان لوگوں کے حساب کو جھٹلانے کے لیے کافی ہے جو کہتے ہیں کہ وسائل حیات کی افزائش آبادی کی افزائش کا ساتھ نہیں دے سکتی۔

۱۸۸۰ء میں جرمنی کی آبادی ۴۵ملین تھی۔ اس وقت وہاں کے باشندے بھوکوں مر رہے تھے اور ایک مدت سے ہزاروں کی تعداد میں جرمن لوگ اپنے ملک سے نکل نکل کر باہر چلے جارہے تھے لیکن اس کے بعد ۳۴ سال کے اندر جرمنی کی آبادی ۶۸ ملین تک پہنچ گئی اور اس مدت میں بجائے اس کے کہ آبادی کی افزائش سے جرمنوں کے وسائل حیات کم ہوتے ،ان کے وسائل میں اضافہ، آبادی کی نسبت کئی سوگنا زیادہ اضافہ ہوگیا حتی کہ انہیں اپنی معاشی مشین کو چلانے کے لیے باہر سے آدمی درآمد کرنے پڑے۔ ۱۹۰۰ء میں جو غیر ملکی جرمنی میں کام کررہے تھے ان کی تعداد ۸ لاکھ تھی۔ ۱۹۱۰ء میں یہ تعداد ۱۳ لاکھ کے قریب پہنچ گئی۔

اس سے بھی زیادہ عجیب صورت حال وہ ہے جو جنگ عظیم دوم کے بعد سے مغربی جرمنی میں دیکھی جارہی ہے۔ وہاں قدرتی اضافہ آبادی کے علاوہ مشرقی جرمنی، پولینڈ، چیکوسلواکیہ اور دوسرے اشتراکی مقبوضات سے جرمن نسل کے تقریباً ایک کروڑ ۲۵ لاکھ مہاجرین منتقل ہوئے ہیں اور اب تک ہر روز سینکڑوں کی تعداد میں چلے آرہے ہیں۔ اس ملک کا رقبہ صرف ۹۵ ہزار مربع میل ہے اور آبادی ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ سے اوپر پہنچ چکی ہے۔ جس کے ہر پانچ آمیوں میں سے ایک مہاجر ہے۔ پھر اس آبادی میں ۶۵ لاکھ آدمی ناقابل کار ہونے کے باعث پنشن پارہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مغربی جرمنی کی معاشی حالت روز بروز ترقی کررہی ہے اس کی دولت جنگ سے پہلے کی متحدہ جرمنی کی دولت سے بھی زیادہ ہے۔ اس کو اضافہ آبادی کی نہیں قلت آبادی کی شکایت ہے اور کام کرنے کے لیے جتنے ہاتھ موجود ہیں ان سب کو استعمال کرنے کے بعد وہ مزید ہاتھوں کا طلب گار ہے۔

ہالینڈ کو دیکھئے۔اٹھارہویں صدی میں اس کی آبادی مشکل سے دس لاکھ تھی۔ڈیڑھ سو برس کے اندر وہ ترقی کرتے کرتے ۱۹۵۰ء میں ایک کروڑ سے اوپر پہنچ گئی ہے۔ یہ آبادی صرف ۱۲۸۵۰ مربع میل کے رقبے میں بس رہی ہے جہاں فی کس پوری ایک ایکڑ قابل زراعت زمین بھی میسر نہیں ہے لیکن آج یہ آبادی نہ صرف اپنی ضروریات پوری کر رہی ہے بلکہ بہت سا غذائی سامان باہر برآمد کر رہی ہے۔اس نے سمندر کو دھکیل کر اور دلدلوں کو صاف کر کے دولاکھ ایکڑ زمین نکال لی ہے اور مزید تین لاکھ ایکڑ نکالنے کی کوشش کر رہی ہے۔اس کی آج کی دولت سے اس دولت کو کوئی نسبت ہی نہیں جو ڈیڑھ سو برس پہلے اس کی دس لاکھ آبادی کو حاصل تھی۔

انگلستان کو دیکھئے۔۱۷۸۹ء میں برطانیہ وآئرلینڈ کی مجموعی آبادی ایک کروڑ ۲۰ لاکھ تھی۔۱۹۱۳ء میں ۴ کروڑ ۶۰ لاکھ ہوگئی اور آج جنوبی آئرلینڈ نکل جانے کے باوجود ۵ کروڑ ۴ لاکھ ہے تو کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس پانچ گنا اضافے نے برطانیہ کی آبادی کو پہلے سے زیادہ مفلس کر دیا ہے؟

بحیثیت مجموعی ساری دنیا کو دیکھئے۔اٹھارہویں صدی کے آخر سے اس کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہونا شروع ہوا ہے لیکن اس وقت سے آج تک دنیا کی جتنی آبادی بڑھی ہے اس سے بدرجہا زیادہ پیدائش دولت کے ذرائع بڑھے ہیں۔آج متوسط درجے کے لوگوں کو وہ کچھ میسر ہے جو دو سو سال پہلے بادشاہوں کو بھی نصیب نہ تھا۔آج کے معیار زندگی سے دو سو برس پہلے کے معیار زندگی کو آخر کیا نسبت ہے؟

اضافہ آبادی کا صحیح علاج:

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آبادی اور وسائل حیات کے درمیان توازن برقرار رکھنے کا یہ نسخہ کہ آبادی کو گھٹایا جائے یا اسے بڑھنے سے روکا جائے،سرے سے

بالکل ہی غلط ہے۔ اس سے تو، توازن برقرار رہنے کی بجائے اور زیادہ بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس کے بجائے اضافہ آبادی کا صحیح علاج یہ ہے کہ وسائل حیات کو بڑھانے اور نئے وسائل تلاش کرنے کی مزید کوشش کی جائے۔ یہ نسخہ جہاں بھی آزمایا گیا ہے وہاں آبادی او روسائل کے درمیان محض توازن ہی برقرار نہیں رہا بلکہ آبادی کے اضافے کی بہ نسبت وسائل اور معیار زندگی میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔

یہاں تک جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ صرف معاش اور اس کے ان بے اندازہ وسائل کے بارے میں تھا جو انسان کے خالق نے ..... یا منکرین خدا کی زبان میں فطرت نے ..... اپنی زمین میں اس کے لیے مہیا کر رکھے ہیں۔ اب میں مختصر طور پر خود انسانی آبادی اور اس کی افزائش کے بارے میں بھی کچھ عرض کروں گا تاکہ اس مسئلے کا یہ پہلو بھی ہمارے سامنے آ جائے کہ آیا واقعی ہم اس کی کوئی صحیح منصوبہ بندی کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔

انسانی آبادی کی حقیقی منصوبہ بندی کرنے والا کون ہے؟

غالباً کوئی انسان بھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوگا کہ وہ خود اپنے ارادے اور انتخاب سے اس دنیا میں آیا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اس کے آنے میں اس کے اپنے ارادہ وانتخاب کو کوئی دخل نہیں بلکہ اس کے ماں باپ کا دخل بھی اس معاملہ میں محض برائے نام ہے۔ موجودہ زمانے کے علمی مشاہدات سے جو حقائق روشنی میں آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مواصلت کے موقع پر مرد کے جسم سے جو مادہ خارج ہوتا ہے اس میں ۲۲ کروڑ تک کرمینات منویہ (Supermatozoa) موجود ہوتے ہیں بلکہ بعض ماہرین نے تو ان کا اندازہ ۵۰ کروڑ لگایا ہے۔ ان کروڑوں جرموں میں سے ہر ایک اپنے اندر ایک انسان بن جانے کی پوری استعداد رکھتا ہے بشرطیکہ اسے کسی عورت کے بیضی خلیے (Egg Cell Ovum) میں داخل ہو جانے کا موقع مل جائے۔ ان میں سے ہر ایک جو ثومہ آبائی خصوصیات اور انفرادی اوصاف

کے ایک جداگانہ امتزاج کا حامل ہوتا ہے جس سے ایک منفرد شخصیت بن سکتی ہے۔ دوسری طرف ہر بالغ عورت کے خصیتین (Ovaries) میں تقریباً ۴ لاکھ ناپختہ انڈے موجود رہتے ہیں، مگر ان سے ایک طہر کی مدت میں صرف ایک انڈا پختہ ہو کر کسی وقت (بالعموم حیض کی آمد سے ۴ دن پہلے) برآمد ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ۲۴ گھنٹے تک اس کے لیے تیار رہتا ہے کہ اگر مرد کوئی جرثومہ آکر اس میں داخل ہو جائے تو استقرار حمل واقع ہو جائے۔ ۱۲ برس کی عمر سے ۴۸ برس کی عمر تک ۳۲ سال کی مدت میں ایک عورت کے خصیتین اوسطاً ۴۳۰ پختہ انڈے خارج کرتے ہیں جو بارآور ہو سکتے ہیں۔ ان انڈوں میں سے بھی ہر ایک کے اندر سلسلہ مادری کی موروثی خصوصیات اور انفرادی اوصاف کا ایک جداگانہ امتزاج ہوتا ہے جس سے ایک منفرد شخصیت وجود میں آسکتی ہے۔ مرد اور عورت کی ہر مواصلت کی موقع پر مرد کے جسم سے کروڑوں جرثومے نکل کر عورت کے انڈے کی تلاش میں دوڑ لگاتے ہیں، مگر یا تو وہاں انڈا موجود نہیں ہوتا یا وہ سب اس تک پہنچنے میں ناکام ہوتے ہیں، اس طرح عورت کے ہر طہر میں ایک وقت خاص پر ایک انڈا نکلتا ہے۔ اور ایک شب وروز تک مردانہ جرثومے کا منتظر رہتا ہے مگر اس دوران میں یا تو مواصلت ہی نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو کسی جرثومے کی رسائی اس انڈے تک نہیں ہوتی۔ یوں بیسیوں مواصلتیں بلکہ بعض جوڑوں کی عمر بھر کی مواصلتیں بے نتیجہ گزر جاتی ہیں مرد کے اربوں جرثومے ضائع ہوتے رہتے ہیں، مرد اور عورت کے سینکڑوں انڈے برباد ہو جاتے ہیں۔ صرف ایک مخصوص ساعت ہوتی ہے جب مرد کے ایک جرثومے کو عورت کے ایک انڈے کے اندر داخل ہونے کا موقع مل جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں استقرارِ حمل واقع ہوتا ہے۔

یہ ہے وہ نظام جس کے تحت انسان پیدا ہوتا ہے۔ اس نظام پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر ہی آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ اس کے اندر ہماری منصوبہ بندی کے لیے کتنی گنجائش ہے۔ کسی ماں، کسی باپ، کسی ڈاکٹر اور کسی حکومت کا اس امر کے فیصلے میں ذرہ بھر بھی کوئی دخل نہیں ہے

کہ ایک جوڑے کی بہت سی مواصلتوں میں سے کس مواصلت میں استقرارِ حمل واقع ہو۔ مرد کے اربوں جرثوموں میں سے کسی خاص جرثومے کو عورت کے سینکڑوں انڈوں میں سے کس انڈے کے ساتھ لے جا کر ملایا جائے اور ان دونوں کے ملاپ سے کس قسم کی شخصیت پیدا کی جائے۔ فیصلہ کرنا تو درکنار کسی کو یہ بھی پتا نہیں ہوتا کہ فی الواقع کب ایک عورت کے رحم میں استقرار حمل ہوا ہے اور اس میں کن اوصاف اور کس قابلیت کے انسان کی بنا ڈالی گئی ہے۔ یہ سب کچھ اس مدبر کے اشارے سے ہوتا ہے جو انسانی ارادوں سے بالاتر ہے اور اس کا کارخانہ خلق وایجاد کا سارا منصوبہ بلاشرکت غیرے بنا اور چل رہا ہے۔ وہی استقرار حمل کی ساعت مقرر کرتا ہے۔ وہی اس خاص جرثومے اور اس کے خاص انڈے کا انتخاب کرتا ہے جنہیں ایک دوسرے سے ملاتا ہے۔ اور وہی یہ طے کرتا ہے کہ ان کے امتزاج سے لڑکا پیدا کیا جائے یا لڑکی، صحیح اور سالم انسان پیدا ہونا ہو یا ناقص الاعضاء، خوبصورت پیدا ہو یا بدصورت، ذہین پیدا ہو یا بلید، لائق پیدا ہو یا نالائق، اس سارے منصوبے میں جو کام انسان کے سپرد کیا گیا ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ مرد اور عورت اپنی فطرت کی مانگ پوری کرنے کے لیے باہم ملیں اور تناسل کی مشین کو بس حرکت دے دیں۔ اس کے بعد سب کچھ خالق کے اختیار میں ہے۔ انسانی آبادی کی حقیقی منصوبہ بندی دراصل تخلیق کا یہی نظام کر رہا ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں ایک طرف آدمی کی قوت توالد وتناسل کا یہ حال ہے کہ ایک مرد کے جسم سے ایک وقت میں جو نطفہ خارج ہوتا ہے وہ پاکستان کی آبادی سے کئی گناہ زیادہ آبادی پیدا کر سکتا ہے، لیکن دوسری طرف اس زبردست قوت پیداوار کو کسی بالاتر اقتدار نے اتنا محدود کر رکھا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک ہزار ہا سال کی مدت میں انسانی نسل صرف تین ارب کی تعداد تک پہنچ سکی ہے۔ آپ خود حساب لگا کر دیکھ لیں کہ تین ہزار قبل مسیح سے اگر صرف ایک مرد وعورت کی اولاد کو طبیعی رفتار پر بڑھنے کا موقع مل جاتا اور وہ ہر ۳۰ یا ۳۵ سال میں دوگنی ہوتی چلی جاتی، تو آج صرف اسی ایک جوڑے کی اولاد اتنی

بڑی تعداد میں ہوتی کہ اسے لکھنے کے لیے ۲۶ ہندسے درکار ہوتے۔ سوال یہ ہے کہ نوع انسانی کی جو آبادی اس رفتار سے بڑھ سکتی تھی آخر خالق کے اپنے منصوبے کے سوا اور کس کے منصوبے نے آج تک اس کو قابو میں رکھا ہے؟

درحقیقت اسی کا غالب منصوبہ انسان کو دنیا میں لایا ہے۔ وہی یہ طے کرتا ہے کہ کس وقت کتنے آدمی پیدا کرے اور کس رفتار سے آدم کی اولاد کو بڑھائے یا گھٹائے۔ وہی ایک ایک شخص، ایک ایک مرد اور ایک ایک عورت کے متعلق یہ طے کرتا ہے کہ وہ کس شکل میں کن قوتوں اور استعدادوں کے ساتھ پیدا ہو، کن حالات میں پرورش پائے، اور کتنا کچھ کام کرنے کا موقع اس کو دیا جائے۔ وہی یہ طے کرتا ہے کہ کس وقت کس قوم میں کیسے آدمی پیدا کیے جائیں اور کیسے نہ کیے جائیں، کس قوم کو کتنا بڑھنے دیا جائے اور کہاں جا کر اسے روک دیا جائے یا پیچھے پھینک دیا جائے۔ اس کی اس منصوبہ بندی کو نہ ہم سمجھ سکتے ہیں نہ ہم میں اسے معطل کر دینے کی طاقت ہے۔ ہم اس میں دخل انداز ہونے کی کوشش کریں گے بھی تو یہ اندھیرے میں تیر چلانے کا ہم معنی ہوگا، کیونکہ اس کارخانے کو جس عظیم حکمت کے ساتھ چلایا جا رہا ہے اس کے ظاہر کو بھی ہم پوری طرح نہیں دیکھ رہے، کجا کہ اس کے باطن تک ہماری نگاہ پہنچ سکے اور ہم سارے متعلقہ حقائق کو جان کر کوئی منصوبہ بنا سکیں۔

ممکن ہے کوئی صاحب میری اس بات کو مذہبیت کی ایک ترنگ قرار دے کر نظر انداز کر دینے کی کوشش فرمائیں، اور پورے زور کے ساتھ یہ سوال پیش کریں کہ اپنی آبادی کو اپنی معیشت کی چادر کا طول وعرض دیکھ کر آخر ہم کیوں نہ خود متعین کریں، خصوصاً جب کہ خدا نے ہم کو ایسے علمی اور فنی ذرائع دے دیے ہیں جن سے ہم آبادی بڑھانے اور گھٹانے پر قادر ہو گئے ہیں؟ اس لیے اب میں ذرا وضاحت کے ساتھ یہ بتاؤں گا کہ آبادی کی پیدائش اور افزائش کے فطری انتظام میں ہماری مداخلت کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں اور عملاً جہاں یہ مداخلت کی گئی ہے وہاں کیا نتائج فی الواقع برآمد ہوئے ہیں۔

آبادی کی منصوبہ بندی کے بجائے خاندانی منصوبہ بندی کیوں؟

اس سلسلے میں پہلی بات جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے، یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں معاشیات کی بنیاد پر جتنے دلائل دیئے جاتے ہیں وہ درحقیقت خاندانی منصوبہ بندی (Family Planing) کا نہیں بلکہ آبادی کی منصوبہ بندی (Population Planing) کا تقاضا کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، ان دلائل کا اقتضا یہ ہے کہ ہم ایک طرف اپنے ملک کے وسائل معیشت کا ٹھیک حساب لگائیں اور دوسری طرف یہ طے کریں کہ ان وسائل کے تناسب سے اس ملک کی آبادی اتنی ہونی چاہیے اور اس رفتار سے اس میں مرنے والوں کی جگہ نئے آدمی آنے چاہئیں۔

لیکن فی الواقع اس طرح کی منصوبہ بندی اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک نکاح اور خاندان کے اداروں کو بالکل ختم کر کے تمام مردوں اور تمام عورتوں کو حکومت کا ''مزدور'' نہ بنالیا جائے، اور ایسا انتظام نہ کردیا جائے کی دونوں صنفوں کے ان مزدروں کے ایک مقرر منصوبے کے تحت صرف پیداوار آبادی (Producition) کے لیے سرکاری ڈیوٹی کے طور پر ان کو ایک دوسرے سے ملایا جاتا رہے اور مطلوبہ تعداد میں عورتوں کے حاملہ ہوجانے کے بعد ان کو ایک دوسرے سے الگ کردیا جائے۔ یا پھر یہ منصوبہ بندی اس صورت میں ہوسکتی ہے کہ عورتوں اور مردوں کی براہ راست مواصلت بالکل ممنوع ٹھہردی جائے، خون کے بینکوں کی طرح ''منی بینک'' قائم کردیئے جائیں، اور پچکاریوں کے ذریعے سے گاؤں، بھینسوں اور گھوڑیوں کی طرح عورتوں کو بھی ایک مخصوص طے شدہ تعداد میں گابھن کیا جاتا رہے۔ ان دوصورتوں کے سوا کوئی تیسری صورت ایسی نہیں ہوسکتی جس سے ایک منصوبے کے مطابق ملک کے وسائل معیشت اور اس کی آبادی کے درمیان توازن قائم کیا جاسکے۔

چونکہ انسان ابھی تک اس تنزل کے لیے تیار نہیں ہے، اس لیے مجبوراً آبادی کی منصوبہ بندی کی بجائے خاندانی منصوبہ بندی کا طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ یعنی یہ کہ آدمی کے بچے پیدا تو انہی چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں ہوں جن کا نام ''گھر'' ہے۔ اور ان کی پیدائش کا انتظام بھی صرف ایک ایک ماں اور ایک ایک باپ کے ہاتھوں میں رہے، لیکن ان آزاد ''کارخانہ داروں'' کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ بطور خود پیداوار کم کر دیں۔

خاندانی منصوبہ بندی کے ذرائع:

اس مقصد کو عملاً حاصل کرنے کے لیے دو ہی طریق کار اختیار کرنے ممکن ہیں اور وہی اختیار کیے جا رہے ہیں: ایک یہ کہ افراد سے ان کے ذاتی مفاد کے نام پر اپیل کی جائے اور پیہم تبلیغ کے ذریعہ سے ان میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ زیادہ بچے پیدا کر کے وہ اپنا معیار زندگی گرا لیں گے، اس لیے انہیں اپنی آسائش اور خوشحالی کی خاطر اور اپنے بچوں کا مستقبل بہتر بنانے کے لیے کم بچے پیدا کرنے چاہییں۔ اپیل کی یہ نوعیت لازماً اس وجہ سے اختیار کرنی پڑتی ہے کہ آزاد افراد کو اپنے ذاتی معاملات میں خود بخود اپنے عمل پر پابندیاں عائد کرنے کے لیے خاص اجتماعی مفاد کے نام پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس غرض کے لیے ان کے ذاتی مفاد سے اپیل کرنا بالکل ناگریز ہے۔ دوسرا طریق کار یہ اختیار کرنا پڑتا ہے کہ وسیع پیمانے پر ایسے طریقوں کا علم لوگوں میں پھیلایا جائے اور ایسے آلات یا دواؤں کو عام لوگوں کی دسترس تک پہنچایا جائے جن سے مرد اور عورتیں باہم لذت اندوز تو برابر ہوتے رہیں مگر استقرارِ حمل نہ ہونے دیں۔

اس منصوبہ بندی کے نتائج

ان دونوں تدبیروں کے استعمال سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں ان کو میں نمبروار آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

ا۔ آبادی کی کمی:

ان طریقوں سے جو خاندانی منصوبہ بندی کی جاتی ہے وہ کبھی ان مقاصد کو پورا نہیں کر سکتی جن کے لیے آبادی کی منصوبہ بندی پر زور دیا جاتا ہے۔ آبادی کی منصوبہ بندی کے لیے تو یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے ملک کے ذرائع و وسائل کو دیکھ کر یہ طے کریں کہ یہاں اتنے باشندے ہونے چاہئیں، اور ان کے اندر نئے انسانوں کی پیدائش اس تناسب کے ساتھ ہوتی رہنی چاہیے تا کہ ملک کی آبادی اس معیار مطلوب پر قائم رہے، لیکن جب یہ طے کرنا ایک ایک شادی شدہ جوڑے کے اختیار میں ہو کہ وہ کتنے بچے پیدا کریں اور کتنے نہ کریں، اور اس چیز کا فیصلہ وہ ملک کی ضروریات کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی آسائش اور اپنے معیار زندگی کی بہتری کے لحاظ سے کرنے لگیں، تو اس امر کی کوئی ضمانت نہیں کہ وہ لازماً اتنے بچے پیدا کرتے رہیں گے جتنے ان کی قوم اور ان کے ملک کو اپنی آبادی کا معیار برقرار رکھنے کے لیے درکار ہیں۔ اس صورت میں بہت زیادہ متوقع یہی ہے کہ جتنا جتنا ان کے اندر ذاتی آسائش اور معیار زندگی کی بلندی کا چسکا بڑھتا جائے گا، وہ اولاد کی پیدائش کم کرتے چلے جائیں گے، یہاں تک کہ قوم کی آبادی بڑھنے کے بجائے گھٹنی شروع ہو جائے گی۔

یہ نتیجہ محض متوقع ہی نہیں ہے، بلکہ عملاً فرانس میں رونما ہو چکا ہے۔ دنیا میں پہلا ملک جس نے ضبط ولادت کے طریقوں کو وسیع پیمانے پر آزمایا ہے، یہی فرانس ہے، وہاں انیسویں صدی کے آغاز سے ہی یہ تحریک مقبول ہونی شروع ہو گئی تھی۔ ایک صدی کے اندر اندر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس کے بیشتر اضلاع میں شرح پیدائش، شرح اموات سے کم تر ہوتی چلی گئی۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۱ء تک ۲۱ سالوں میں سے سات سال ایسے گزرے جن میں مجموعی طور پر فرانس کی شرح پیدائش شرح اموات سے ایک لاکھ ۶۸ ہزار کم تھی۔ ۱۹۱۱ء کے مقابلے میں ۱۹۲۱ء میں فرانس کی آبادی ۲۱ لاکھ کم نکلی۔ ۱۹۳۲ء میں فرانس کے ۹۰ اضلاع میں

سے صرف ۱۱۲ ایسے تھے جن کی شرح پیدائش، شرح اموات سے کچھ زیادہ تھی۔ ۱۹۳۳ء میں ایسے اضلاع کی تعداد صرف ۶ رہ گئی یعنی ۸۴ اضلاع وہ تھے جن میں مرنے والوں کی تعداد پیدا ہونے والوں سے زیادہ تھی اور صرف ۱۶ اضلاع وہ تھے جن میں پیدا ہونے والے مرنے والوں سے زیادہ تھے۔ اسی حماقت کا نتیجہ فرانس کو دو عالمگیر لڑائیوں میں ایسی سخت شکستوں کی شکل میں دیکھنا پڑا جنہوں نے اس کی عظمت کا خاتمہ کر دیا۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ خطرہ وہ ملک مول لے سکتا ہے جس کے دس کروڑ باشندے ایک ارب ۲۸ کروڑ کی آبادی رکھنے والے چار ایسے ملکوں سے گھرے ہوئے ہیں جن کے مقابلے میں اپنی آزادی کو محفوظ رکھنے کا سوال بھی ان کے لیے نازک صورت اختیار کر سکتا ہے؟

۲۔ اخلاق کی تباہی:

ذاتی مفاد کے نام پر جو اپیل بچے کم پیدا کرنے کے لیے کی جائے گی اس کا اثر صرف بچے ہی کم پیدا کرنے تک محدود نہ رہے گا۔ ایک مرتبہ آپ لوگوں کے سوچنے کا انداز بدل کر اس رخ پر ڈال دیجئے کہ ان کی کمائی کا زیادہ سے زیادہ حصہ ان کی اپنی آسائش پر ہی صرف ہونا چاہیے، اور ان کے اندر یہ احساس پیدا کر دیجئے کہ خاندان کے جو افرد کمانے کے بجائے صرف خرچ کرنے والے ہیں ان کی شرکت سے کمانے والے کا معیار زندگی گر جاتا ہے جسے برداشت نہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ لوگوں کو صرف نئی پیدا ہونے والی اولاد ہی نہ کھلے گی، بلکہ ان کو اپنے بوڑھے ماں باپ بھی کھلیں گے، اپنے یتیم بہن بھائی بھی کھلیں گے، ایسے مریض بھی کھلیں گے جن کے شفایاب ہونے کی توقع باقی نہ رہی ہو، ایسے عزیز بھی کھلیں گے جو اپاہج اور ناکارہ ہو چکے ہوں، غرض ہر اس شخص کا وجود ان کی نگاہ میں ناقابل برداشت بوجھ بن جائے گا جو ان کی کمائی میں حصہ بٹا کر ان کا معیار زندگی گراتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی اولاد تک کا بوجھ اٹھانے کے لیے تیار نہ ہو اور اسی بناء پر آنے

والوں کا راستہ روک کر کھڑا ہو جائے، وہ آخر ان لوگوں کا بوجھ کیسے اٹھائے گا جو پہلے سے آئے بیٹھے ہیں اور اولاد سے کم تر ہی عزیز و محبوب ہو سکتے ہیں۔ اس طرح یہ تحریک ہمارے اخلاق کا دیوالیہ نکال دے گی، ہمارے افراد کو خود غرض بنا دے گی اور ان کے دلوں میں ایثار قربانی اور ہمدردی و مواسات کے سوتے خشک کر کے رکھ دی گی۔

یہ نتیجہ بھی محض قیاس و گمان پر مبنی نہیں ہے بلکہ جن معاشروں میں یہ طرز فکر پیدا کیا گیا ہے وہاں یہ سارے حالات آج رونما ہو رہے ہیں۔ مغربی ممالک میں آج بوڑھے والدین کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے اور بھائی بہنوں اور قریب ترین رشتہ داروں کی مصیبت میں ان کی جیسی کچھ خبر گیری کی جاتی ہے، اس سے کون ناواقف ہے؟

۳۔ زنا کی کثرت:

اس تحریک کو عملاً کامیاب کرنے کے لیے جب ضبط ولادت کے طریقوں کا علم عام طور پر پھیلایا جائے گا، اور اس کے ذرائع و وسائل عام لوگوں کی دسترس تک پہنچا دیئے جائیں گے تو کسی کے پاس بھی اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اس علم سے اور ان ذرائع سے صرف شادی شدہ جوڑے ہی استفادہ کریں گے۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ شادی شدہ زوجین اس سے اتنا فائدہ نہ اٹھائیں گے جتنا بن بیاہے ''دوست'' اٹھائیں گے، اور اس سے زنا کو وہ فروغ نصیب ہو گا جو ہمارے معاشرے کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا ہے۔ جہاں تعلیم و تربیت میں دین و اخلاق کا عنصر روز بروز کمزور ہوتا چلا جا رہا ہو، جہاں سینما، فحش تصاویر، فحش لٹریچر اور فحش گانے، جنسی محرکات میں روز بروز اضافے کیے جا رہے ہوں، جہاں پردے کے حدود و قیود ٹوٹ رہے ہوں، اور مردوں اور عورتوں کے لیے آزادانہ میل جول کے مواقع روز بروز زیادہ سے زیادہ پیدا ہو رہے ہوں، جہاں جوان لڑکوں اور جوان لڑکیوں کو ایک ساتھ تعلیم دی جا رہی ہو، جہاں عورتوں کے لباس میں عریانی اور زینت اور نمائش حسن روز

افزوں ہو، جہاں تعدُّدِ ازدواج کے راستے میں قانونی رکاوٹیں کھڑی کردی گئی ہوں مگر ناجائز تعلقات کے راستے میں کوئی قانونی رکاوٹ نہ ہو اور جہاں ۱۶ برس سے کم عمر میں لڑکی کا نکاح قانوناً ممنوع ہو، وہاں بداخلاقیوں کے راستے میں بس ایک ہی آخری رکاوٹ باقی رہ جائے اور وہ ہے ناجائز حمل کا خوف۔ ایک دفعہ یہ رکاوٹ بھی دور کر دیجئے اور برے رجحانات رکھنے والی عورتوں کو یہ اطمینان دلا دیجئے کہ وہ استقرار حمل کا کوئی خطرہ انگیز کئے بغیر اپنے آپ کو اپنے دوستوں کے حوالے کرسکتی ہیں، اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ زنا کے سیلاب کو امنڈ آنے سے کوئی طاقت نہیں روک سکے گی۔ یہ نتیجہ بھی محض قیاس نہیں ہے بلکہ دنیا میں جہاں بھی ضبط ولادت کا عام رواج ہوا ہے وہاں زنا کی وہ کثرت ہوئی ہے جس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

انفرادی ضبط ولادت اور اس کی اجتماعی تحریک:

خاندانی منصوبہ بندی کو ایک عمومی تحریک کی حیثیت سے رائج کرنے کے یہ تین نتائج ایسے ہیں جن سے بچنا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اگر ضبط ولادت صرف مخصوص انفرادی معاملات تک محدود رہے جن میں کوئی شادی شدہ جوڑا اپنے ذاتی حالات کی بناء پر اس کی ضرورت محسوس کرتا ہو اور ایک خداترس عالم دین اس کی ضرورت کو جائز تسلیم کرکے احتیاط کے ساتھ اس کے جواز کا فتوی دے دے، اور صرف ایک ڈاکٹر ہی کے ذریعہ سے اس کو ضبط ولادت کے وسائل بہم پہنچ سکیں، تو اس سے وہ اجتماعی نقصانات کبھی رونما نہیں ہوسکتے جن کا میں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے۔ لیکن اس محدود انفرادی ضبط ولادت کی نوعیت اس تحریک سے بالکل ہی مختلف ہے جو تحدید نسل کے لیے وسیع پیمانے پر عام لوگوں میں پھیلائی جائے اور جس کے ساتھ مانع حمل ذرائع بھی ہر ہر شخص کی دسترس تک پہنچا دیئے جائیں۔ اس صورت میں مذکورہ بالا نتائج کو رونما ہونے سے روک دینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

اسلام کا نقطۂ نظر:

اس بحث کے بعد میرے لیے یہ بتانا آسان ہو گیا ہے کہ جس دین فطرت کے ہم پیرو ہیں وہ اس مسئلے میں ہماری کیا راہنمائی کرتا ہے۔ عام طور پر ضبط ولادت کے حامی حضرات جن احادیث سے "عزل" (Coitus Interruptus) کا جواز نکال کر دکھاتے ہیں وہ اس امر واقعہ کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ ان احادیث کے پس منظر میں تحدید کی کوئی عام تحریک موجود نہ تھی۔ اس زمانے میں سرکار رسالت مآب ﷺ کے سامنے کوئی شخص یہ فتوی پوچھنے کے لیے نہیں گیا تھا کہ حضورؐ ہم ایسی کوئی تحریک چلا سکتے ہیں یا نہیں! بلکہ وہاں تو مختلف اوقات میں بعض افراد نے محض اپنے انفرادی حالات پیش کر کے یہ دریافت کیا تھا کہ اس صورت حال میں ایک مسلمان کے لیے عزل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ ان متفرق سائلوں کو حضورؐ نے جو جوابات دیئے تھے ان میں سے بعض میں آپؐ نے اس سے منع فرمایا، بعض میں اسے ایک فضول حرکت قرار دیا، اور آپؐ کے بعض جوابات سے یا آپؐ کے سکوت سے جواز کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ ان مختلف جوابات میں سے اگر صرف انہی جوابات کو چھانٹ لیا جائے جو جواز پر دلالت کرتے ہیں، تب بھی ان کو بس انفرادی ضبط ولادت ہی کے لیے دلیل بنایا جا سکتا ہے۔ اس کی بنیاد پر ایک عمومی تحریک جاری کر دینے کا جواز ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات میں ابھی آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ انفرادی ضبط ولادت اور اس کی اجتماعی تحریک میں کتنا عظیم فرق ہے۔ اس فرق کو فراموش کر کے ایک کے جواز کو دوسرے کے جواز کی دلیل بنانا قیاس مع الفارق ہے۔

رہی تحدید نسل کی اجتماعی تحریک، تو اس کی بنیادی فکر سے لے کر اس کے طریق کار تک اور اس کے عملی نتائج تک، ہر چیز اسلام سے قطعی طور پر متصادم ہے۔ اس کی بنیادی فکر آخر اس کے سوا کیا ہے کہ آبادی بڑھے گی تو رزق کم ہو جائے گا اور جینے کے لالے پڑ جائیں

گے۔لیکن قرآن سرے سے اس انداز فکر ہی کو غلط قرار دیتا ہے۔وہ بار بار مختلف طریقوں سے یہ بات انسان کے ذہن نشین کراتا ہے کہ رزق دینا اس کی ذمہ داری ہے جس نے پیدا کیا ہے۔وہ تخلیق کا کام اندھا دھند طریقے سے نہیں کر رہا ہے کہ آنکھیں بند کر کے بس پیدا کرتا چلا جائے اور یہ نہ دیکھے کہ جس زمین میں وہ اس مخلوق کو لا لا کر ڈال رہا ہے یہاں اس کی روزی کا بھی سامان ہے یا نہیں۔یہ کام اس نے کسی کے اوپر نہیں چھوڑا ہے کہ پیدا تو وہ کردے اور رزق رسانی کی فکر کوئی دوسرا کرے۔وہ محض خالق ہی نہیں، رازق بھی ہے اور اپنے کام کو خود زیادہ جانتا ہے۔اس مضمون کو اس کثرت سے قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر میں اس سلسلے کی ساری آیات آپ کو سناؤں تو بات لمبی ہو جائے گی۔میں یہاں صرف نمونے کی چند آیات پیش کرتا ہوں:

﴿ وكاين من دآبة لاتحمل رزقها الله يرزقها واياكم ﴾ (العنکبوت:٦٠)

''اور کتنے ہی جاندار ہیں کہ اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے، وہی تم کو بھی رزق دے گا۔''

﴿ ومامن دآبة فى الارض الا على الله رزقها ﴾ (ہود:٦)

''زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔''

﴿ ان الله هو الرزاق ذوالقوة المتين ﴾ (الذاريات:٥٨)

''درحقیقت اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔''

﴿ له مقاليد السموات والارض يبسط الرزق لمن يشآ ويقدر ﴾

''آسمانوں اور زمین کے خزانے اسی کے اختیار میں ہیں جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے'' (الشوریٰ:١٢)

﴿ وجعلنا لكم فيها معايش ومن لستم له برازقين وان من شيئ الا عندنا خزائنه وما ننزله الابقدر معلوم ﴾ (الحجر:٢٠-٢١)

''اور ہم نے زمین میں تمہارے لیے بھی معیشت کا سامان فراہم کیا ہے اور ان دوسروں کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم (ان خزانوں سے) جو چیز بھی نازل کرتے ہیں ایک سوچے سمجھے انداز ے سے نازل کرتے ہیں۔''

ان حقائق کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ انسان کے ذمے جو کام ڈالتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے خزانوں سے وہ اپنا رزق تلاش کرنے کی سعی کرے۔ بالفاظ دیگر رزق دینا اللہ کا کام ہے اور ڈھونڈنا انسان کا کام:

﴿ فابتغوا عند الله الرزق واعبدوه واشكروا له ﴾ (العنکبوت۔۱۷)

''پس اللہ ہی کے پاس رزق تلاش کرو اور اسی کی بندگی بجالاؤ اور اسی کے شکر گزار رہو۔''

اسی بنیاد پر قرآن متعدد مقامات پر ان لوگوں کو ملامت کرتا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رزق کی کمی کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے:

﴿ ولا تقتلوا اولادكم من املاق نحن نرزقكم واياهم ﴾ (الانعام۔۱۵۱)

''اور قتل نہ کرو اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے۔ ہم تمہیں رزق دیتے ہیں ان کو بھی دیں گے''

﴿ ولا تقتلوا اولادكم خشية املاق نحن نرزقهم واياكم ﴾ (بنی اسرائیل۔۳۱)

''اور قتل نہ کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے، ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی۔''

ان آیات میں ملامت ایک ہی غلطی پر نہیں ہے بلکہ دو غلطیوں پر ہے۔ ایک غلطی یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ اور دوسری غلطی یہ ہے کہ وہ اولاد کی پیدائش کو اپنے لیے مفلسی کا سبب سمجھتے تھے۔ اسی لیے دوسری غلطی کی اصلاح یہ کہہ کر فرمائی گئی کہ آنے والے انسانوں کی رزق رسانی کا ذمہ دار تم نے اپنے آپ کو کیوں سمجھ لیا ہے، تم کو بھی ہم رزق دیتے ہیں ان کا رزق بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ اب اگر افزائش نسل کو روکنے کے لیے بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ بلکہ ایسے ذرائع استعمال کیے جانے لگیں جن سے استقرار حمل ہی نہ

ہونے پائے، تو یہ صرف پہلی غلطی سے اجتناب ہوگا۔ دوسری غلطی پھر بھی باقی رہ جائے گی جبکہ معیشت کے تنگ ہو جانے کا خطرہ وہی اولاد کی پیدائش روکنے کا اصل محرک ہو۔

یہ تو ہے قرآن کا نقطہ نظر، اس انداز فکر کے بارے میں جن کی بناء پر تحدید نسل کا خیال دنیا میں پہلے بھی پیدا ہوتا رہا ہے اور آج بھی پیدا ہو رہا ہے۔ اب نتائج پر ایک نگاہ ڈالیے جو اس تخیل کو ایک اجتماعی تحریک کی شکل دینے سے لازماً رونما ہوتے ہیں اور خود غور کیجئے کہ کیا دین اسلام میں ان میں سے کسی نتیجے کو بھی گوارا کر سکتا ہے۔ جو دین، زنا کو بدترین اخلاقی جرم سمجھتا ہو اور اس کے لیے نہایت سخت سزا مقرر کرتا ہو، کیا آپ توقع رکھتے ہیں کہ وہ کسی ایسی تحریک کو برداشت کرے گا جس کے پھیلنے سے معاشرے میں اس فعل شنیع کی وبا پھوٹ پڑنے کا خطرہ ہو؟ جو دین انسانی معاشرے میں صلہ رحمی اور ایثار و ہمدردی کے اوصاف کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا ہے، کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ وہ اس خود غرضانہ ذہنیت کے نشو ونما کو برداشت کرے گا جو تحدید نسل کی تبلیغ سے لازماً پیدا ہوتی ہے؟ پھر جس دین کو امت مسلمہ کی سلامتی سب سے بڑھ کر عزیز ہے، کیا آپ یہ گمان کر سکتے ہیں کہ وہ کسی ایسی تحریک کو برداشت کرلے گا جس کی بدولت کثیر التعداد دشمنوں کے درمیان گھرے ہوئے مٹھی بھر مسلمانوں کی تعداد بھی کم ہو جائے اور ان کا دفاع خطرے میں پڑ جائے؟؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب عقل عام (Common sense) خود دے سکتی ہے۔ ان کے لیے آیات اور احادیث لانے کی حاجت نہیں ہے۔

فصل دوم

ضبطِ ولادت اور گنجائش کی چند صورتیں

واضح رہے کہ ضبط ولادت اور فیملی پلاننگ اصولی طور پر اس وقت منع ہے جب وسائل معیشت کے فقدان کے خوف سے آبادی میں کمی کرنے کے لیے سرکاری سطح پر حکومت یا انفرادی سطح پر شوہر اسے بطور پالیسی اختیار کرے لیکن اگر ضبط ولادت پر عمل اس کے علاوہ کسی اور نیت مثلاً طبی ضرورت وغیرہ کی غرض سے کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مزید تفصیل سے پہلے ان چند ایک صورتوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جنہیں روبہ عمل لا کر ضبط ولادت کا مقصد پورا کیا جاتا ہے:

1 کنڈوم (نرودھ اور لوپ) وغیرہ کا استعمال

ایک مخصوص خول یا لفافہ جسے دوران مباشرت مرد اپنے عضو مخصوص پر پہنا لیتا ہے تاکہ مادہ اسی میں جمع ہو اور رحم میں نہ جائے، اسے نرودھ کہتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک مخصوص خول جسے عورت اپنے رحم کے منہ پر ڈال لیتی ہے تاکہ مادہ اس کے اندر داخل نہ ہو سکے اسے 'لوپ' یا 'چھلا' کہا جاتا ہے۔

2 مانع حمل ادویات

بعض ایسی مخصوص ادویات عورت کو استعمال کرائی جاتی ہیں جن کے ذریعے نرودھ اور لوپ وغیرہ کے بغیر کھلی مباشرت کے باوجود عورت کو حمل نہیں ٹھہرتا۔ اس نوعیت کے بعض خاص انجکشن بھی معروف ہیں۔

3 نسبندی

ضبط ولادت کی ایک صورت نسبندی بھی ہے یعنی ایسا آپریشن جس سے دائمی طور پر قوت تولید ختم ہو جاتی ہے اور توالد و تناسل کی اہلیت باقی نہیں رہتی مثلاً رحم کا منہ سی دینا یا اسے نکال دینا۔

اسقاط حمل

ضبط ولادت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مباشرت کے بعد حمل ٹھہر جانے کے باوجود ادویات کے ذریعے اسے ضائع کروادیا جائے، اسے ''اسقاطِ حمل'' کہتے ہیں۔

طبی ضرورت جواز فراہم کرتی ہے:

اگر یقینی طور پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ کسی عورت کے لیے مرض و بیماری کے باعث حمل نقصان دہ ہے تو جب تک اس کا یہ عذر باقی ہے تب تک وہ ضبط ولادت کے کسی بھی ایسے مناسب طریقے کو اختیار کر سکتی ہے۔ جو صحت کے لئے باعث ضرر نہ ہو۔ ہمارے ہاں عموماً یہ صورتحال اس وقت پیش آتی ہے جب عورت کے ہاں بڑے آپریشن سے ولادت ہو۔ ایسی صورت میں متفقہ طور پر ڈاکٹر یہ مشورہ دیتے ہیں کہ ایک خاص مدت تک حمل نہیں ٹھہرنا چاہیے حتی کہ اگر اس مدت سے پہلے حمل ٹھہر جائے تو عورت کی صحت و زندگی کے لیے خطرہ بن جاتا ہے اور اندریں صورت اسقاط حمل بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔

طبی ضرورت کے لئے اسقاط حمل:

اسقاط حمل اگرچہ ایک گناہ کا کام ہے لیکن اگر کسی عورت کا رحم کمزور ہو یا کسی اور بیماری کے باعث حمل اور وضع حمل سے اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے اور یہ خطرہ اسقاط حمل ہی سے دور ہو سکتا ہو تو پھر یقیناً اسقاط کروایا جا سکتا ہے۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ ماں اصل (جڑ) ہے اور بچہ فرع (شاخ) اور اسلامی قوانین میں یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ اصل کو فرع پر ترجیح دی جائے گی۔ اس لیے اصل (یعنی ماں) کو بچانے کے لئے فرع (یعنی پیٹ کا بچہ) کی قربانی دے دی جائے گی۔ اور ویسے بھی یہ ایک اضطراری صورت ہے جس میں کوئی ممنوع اور حرام کام بھی ازراہِ اضطرار جائز ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں حمل ایک امکانی زندگی ہے معلوم نہیں کہ فطری طور پر حمل ضائع ہو جائے یا بچہ فوت ہو جائے جبکہ حاملہ (یعنی ماں) ایک یقینی حیات کے ساتھ موجود (زندہ) ہے۔ اس لیے امکانی زندگی (یعنی بچے) کے عوض ایک یقینی زندگی (یعنی ماں) کو خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔

واضح رہے کہ اگر ایسی صورت میں زچہ و بچہ دونوں کی زندگی کو بچایا جا سکتا ہو تو پھر لازمی طور پر اسے ہی ترجیح دی جائے گی اور ڈاکٹروں کی کوشش بھی یہی ہوتی ہے۔ تاہم اگر ماں کو بچانے کے لیے اسقاط ہی ضروری ہے تو پھر ڈاکٹروں کی اسی رائے پر عمل کیا جائے گا۔

عزل پر قیاس کرنا:

'عزل' یہ ہے کہ ہمبستری کے دوران جب انزال کا وقت آئے تو مرد اپنا آلۂ تناسل باہر نکال لے تاکہ مادہ منویہ عورت کے مخصوص مقام پر پہنچ کر حمل کا باعث نہ بن سکے۔ عہد نبویؐ میں صحابہ کرامؓ طبی ضرورت کے بغیر بھی عزل کیا کرتے تھے مگر نبی اکرمؐ نے انہیں اس عمل سے صاف انداز میں منع نہیں فرمایا جیسا کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ

"كنا نعزل على عهد رسول الله ﷺ فبلغ ذلك نبي الله فلم ينهنا عنه"(۱)

''ہم اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں عزل کیا کرتے تھے اور آنحضرتؐ کو ہمارے اس فعل کی اطلاع پہنچی مگر آپؐ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔''

البتہ آنحضرتؐ نے اسے ناپسندیدہ سمجھتے ہوئے یہ ضرور فرمایا ہے کہ

" ذاک الوأد الخفي / یہ (بچے کو) خفیہ درگور کرنے والی بات ہے۔''(۲)

لہٰذا عزل مکروہ ہے مگر مطلق حرام نہیں۔ اس لئے بچوں کی پیدائش میں وقفے وغیرہ کی نیت سے عزل کی بہر حال گنجائش موجود ہے خواہ یہ قدیم طریقے کے مطابق کیا جائے یا جدید طریقے (نرودھ لوپ وغیرہ) سے۔ مگر اس انفرادی جواز کو منصوبہ بندی کی اجتماعی تحریک کے جواز کی دلیل ہرگز نہیں بنایا جا سکتا جیسا کہ گزشتہ فصل میں مولانا مودودیؒ کی سیر حاصل بحث سے واضح ہو چکا ہے۔ یاد رہے کہ مذکورہ بالا سطور میں گنجائش کے جن پہلوؤں کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، عرب کی افتا کمیٹی کا بھی وہی فیصلہ ہے۔ جیسا کہ درج ذیل سوالات کے جوابات سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

---

(۱) [مسلم: كتاب النكاح: باب حكم العزل (۱٤٤۰)]

(۲) [مسلم (۱٤٤۲) ابوداود (۳۸۸۲) ترمذی (۲۰۷٦) احمد (٦/۳٦۱)]

مانع حمل گولیوں کا استعمال

سوال: شادی شدہ خواتین کے لیے مانع حمل گولیاں استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کثرت اولاد یا ان پر اخراجات کے خوف کے پیش نظر عورتوں کے لیے مانع حمل گولیوں کا استعمال ناجائز ہے۔اور اگر عورت کے لیے حمل نقصان دہ ہو یا بچے کی ولادت آپریشن کے بغیر طبعی طور پر نہ ہوسکتی ہو یا اس طرح کی کوئی اور ضرورت لاحق ہو تو ایسے حالات میں ایسی گولیوں کا استعمال جائز ہے، ہاں اگر کسی ماہر ڈاکٹر کے ذریعے معلوم ہو کہ ایسی گولیوں کا استعمال کسی اور اعتبار سے نقصان دہ ہے تو حکم تبدیل ہو جائے گا۔۔۔[دارالافتاء کمیٹی سعودی عرب.......] (۱)

خاندانی منصوبہ بندی کا حکم

سوال: خاندانی منصوبہ بندی کا کیا حکم ہے؟

جواب: خاندانی منصوبہ بندی موجودہ دور کا اہم ترین مسئلہ ہے، اس بارے میں متعدد سوالات اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ممتاز علماء کے بورڈ (کمیٹی) نے اپنے گزشتہ اجلاس میں اس موضوع کا بغور جائزہ لیا ہے اور اپنے علم کی روشنی میں جو بہتر سمجھا قرار دیا۔ان فیصلہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ مانع حمل گولیوں کا استعمال ناجائز ہے، وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی اور امت مسلمہ میں اضافے کے اسباب کو اپنا نامشروع قرار دیا ہے۔نیز نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی بھی ہے کہ

"تزوجوا الولود الودود، فانی مکاثر بکم الامم یوم القیامة"

"محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے شادی کرو، تحقیق میں روز قیامت تمہاری (کثرت کی) وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔" [ابوداؤد: کتاب النکاح والنسائی]

---

(۱) [فتاوی برائے خواتین اردو مطبع دار السلام، لاہور (ص ۱٦٧)]

دوسری روایت میں فرمایا: "الانبیاء یوم القیامۃ" [احمد جلد ۳ ص ۱۵۸]

"قیامت کے دن (تمہاری کثرت کی وجہ سے) دوسرے انبیاء پر فخر کروں گا۔"

نیز اس لیے بھی کہ امت مسلمہ کو افرادی قوت کی ضرورت ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا فریضہ سرانجام دے سکیں، اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر فی سبیل اللہ جہاد کریں، کفار کی مکاریوں سے مسلمانوں کے تحفظ کا فریضہ سرانجام دے سکیں، لہٰذا ضرورت کے علاوہ ایسی گولیوں کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی ضرورت ہو مثلاً یہ کہ عورت کے رحم میں کوئی ایسی بیماری ہے کہ جس کی بنا پر حمل نقصان دہ ہو سکتا ہے، یا اسی طرح کی کوئی اور بیماری ہے تو ایسے حالات میں بقدر ضرورت ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح پہلے سے موجود بچوں کی کثیر تعداد کے پیش نظر اگر حمل نقصان دہ ہو تو ایک معین وقت مثلاً سال، دو سال (دودھ پلانے کی مدت) تک ایسی گولیاں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، تا کہ عورت کے لیے مشکلات میں کمی ہو سکے اور وہ مناسب انداز میں بچوں کی تربیت کر سکے۔ اگر مانع حمل گولیوں کا استعمال صرف اس مقصد کے تحت ہو کہ ملازمت کے لیے فراغت میسر آ سکے یا کم بچے خوشحالی کا باعث ہوں گے یا ان جیسا کوئی اور معاملہ ہو جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے، تو یہ قطعاً ناجائز ہے۔۔۔۔ [مفتی اعظم سعودی عرب؛ شیخ ابن بازؒ......] (۱)

❁....❁...❁

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص ۱۶۷۔۱۶۸) اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے دیگر عرب علما کے فتاوی مثلاً: مجموع فتاوی ورسائل از ابن عثیمین (ص ۸۳۲/ ج ۲) فتاوی ورسائل از محمد بن ابراهيم آل الشيخ (ج ۱۰/ ص ۲۷۳، ۲۷٤) نیز (ج ۱۱/ ص ۱۵۳، ۱۵٤) فتاوی المرأة المسلمة: مرتب: ابو محمد اشرف بن عبد المقصود (ج ۲/ ص ۹۷٤ تا ۹۷۷)]

ضمیمہ کتاب

باب 12

آسان گھریلو ٹوٹکے اور آزمودہ نسخے

- ❑ کچن اور اشیائے خورد و نوش کے ٹوٹکے
- ❑ حسن و جمال میں نکھار کے ٹوٹکے
- ❑ عام گھریلو آزمودہ نسخے اور ٹوٹکے

مرتبہ: مسز مبشر حسین لاہوری

فصل اول

کچن اور اشیائے خورد و نوش کے ٹوٹکے

سالن میں نمک کم کرنا

اگر سالن میں نمک زیادہ ہو جائے تو آٹے کی ٹکیا یا پیڑا بنا کر سالن میں رکھ دیں اور کچھ دیر کے لئے اسے پڑا رہنے دیں۔ جب نمک کم ہو جائے تو نکال لیں۔ یا تھوڑا سا مکئی کا آٹا گھول کر ڈال دیں، یا تھوڑا سا لیموں کا رس ملا دیں، نمک کم ہو جائے گا۔

سالن میں مرچیں کم کرنا

اگر سالن میں مرچیں زیادہ ہو جائیں تو گرم مصالحہ سارا نہ ڈالیں بلکہ صرف دار چینی، بڑی الائچی، سفید زیرہ اور لونگ پیس کر ڈالیں اور گھی نتھار لیں۔ یوں مرچوں کی تیزی کم ہو جائے گی۔ یا تھوڑا سا دہی پھینٹ کر سالن میں ڈال کر بھون لیں، مرچیں کم ہو جائیں گی۔

سالن میں ہلدی کی زیادتی

اگر کسی وقت سالن میں اتفاق سے ہلدی زیادہ ہو جائے تو سفید کپڑے کا ٹکڑا تھوڑی دیر کے لئے سالن میں ڈال دیں۔ وہ زائد ہلدی جذب کر لے گا اور پھر جب آپ کپڑے کا ٹکڑا نکال کر نچوڑ دیں تو زائد ہلدی سالن سے ختم ہو جائے گی۔

مچھلی کی بدبو دور کرنا

مچھلی باسی ہو جائے اور بدبو دینے لگے تو اس کو سہاگے کے پانی میں دھو لیں بدبو نہیں آئے گی، مچھلی پکانے سے پہلے اگر اس پر لیموں کا رس یا سرکہ ملا کر کچھ دیر کے لئے رکھ دیں تو اس طرح بھی اس کی بو دور ہو جائے گی یا مچھلی دھونے سے ۱۵ منٹ قبل اس پر آٹا لگا دیں اس طرح اس کی بو ختم ہو جائے گی۔

گوبھی کی بو دور کرنا

گوبھی پکاتے وقت اس میں آپ چند قطرے لیموں کے ایک چمچہ پانی میں ملا کر ڈال دیں تو بو دور ہو جائے گی۔

پائے کی بدبو سے نجات

اکثر لوگ پائے کی بدبو کی وجہ سے اسے پکانے سے گھبراتے ہیں، لیکن اگر پائے گلاتے وقت اس میں تھوڑا سا سفید زیرہ، دار چینی اور لونگ ڈال دیئے جائیں تو اس سے ناگوار مہک نہیں آئے گی اور پائے بھی مزیدار بنیں گے۔

پائے صاف کرنا

ایک کھلے منہ والی دیگچی لیں، اس میں پانی اتنا ڈالیں کہ دیگچی بھر جائے۔ پانی کو اچھی طرح سے ابال کر چولہے سے اتار لیں اور اس میں پائے بھگو دیں۔ تقریباً تین سے چار منٹ تک بھیگے رہنے دیں، پھر پائے نکال کر چھری سے صاف کریں۔ حیران کن حد تک پائے جلد اور آسانی سے صاف ہو جائیں گے۔

مونگروں کی کڑواہٹ

مونگرے چھیل کر انہیں نمک لگا کر ایک گھنٹے تک پڑا رہنے دیں، پھر انہیں اچھی طرح دھولیں تو ان کی کڑواہٹ دور ہو جائے گی۔

جلا ہوا گوشت

جب کسی وجہ سے گوشت کا سالن جل جاتا ہے تو اس میں سے بو آنے لگتی ہے۔ اس صورت میں گوشت کو دوبارہ دودھ میں ڈال کر بھون لیں۔ بو دور ہو جائے گی۔

نئے شلجم اور کریلے کی کڑواہٹ دور کرنے کے لئے

نئے شلجم جب مارکیٹ میں آتے ہیں تو کھارے ہوتے ہیں شلجموں کا کھارا پن دور کرنے کے لئے یوں تو ان کو پکاتے ہوئے سالن میں گڑ یا چینی ڈالی جاتی ہے مگر کچھ لوگ سالن میں میٹھا پسند نہیں کرتے اس لئے جب شلجم چھیل کر ٹکڑے کریں تو ان پر نمک لگا کر رکھ دیں کچھ دیر بعد اچھی طرح دھوئیں۔ اس طرح کھارا پانی نکل جائے گا۔ کریلے بھی چھیل کر کاٹ کر نمک لگا کر رکھ دیں اور پھر اچھی طرح دھولیں تو ان کی کرواہٹ ختم ہو جاتی ہے۔

لہسن چھیلنے میں آسانی

لہسن کو جلدی چھیلنا ہو تو اس کو گرم پانی میں ۱۰ منٹ ڈبو کر رکھیں اور اس کے بعد چھیلیے، چھلکے جلدی اتر جائیں گے۔

اچھے پکوڑے

پکوڑے بناتے وقت اگر تھوڑا سا لہسن پیس کر ڈال دیں تو ذائقہ بھی اچھا ہو جائے گا اور بھاری پن بھی نہیں رہے گا۔

مٹر گلانے کا طریقہ

اگر فریج میں رکھے ہوئے مٹر گلتے نہیں تو مٹر کو ابالتے ہوئے اس میں پودینہ شامل کر لیں۔ مٹر آسانی سے گل جاتے ہیں اور بہت نرم پڑ جاتے ہیں۔

چنے اور گوشت گلانے کا طریقہ

کابلی چنے نہ گلتے ہوں تو دو چار آلو ڈال دیں گل جائیں گے۔ اسی طرح اگر گوشت بھی نہ گلتا ہو تو بھوننے سے پہلے آلو ڈال دیں۔ گوشت گل جائے گا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ چنے یا دال پکانے کے لئے رکھتی ہیں تو دال یا چنے آپ کی لاکھ کوشش سے بھی نہیں گلتے۔ ایسا کریں کہ آدھا کپ دودھ پکتے ہوئے سالن میں ڈال دیں۔ ۱۵ منٹ بعد آپ چیک کریں تو دال یا چنے گل چکے ہوں گے اگر تھوڑی سی کسر رہ گئی ہو تو ۵ منٹ مزید دے سکتے ہیں۔

نئے چاول ٹوٹنے سے محفوظ بنائیں

اگر چاول نئے ہوں تو انہیں گرم پانی کے ساتھ دو یا تین مرتبہ دھونے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے گرم پانی میں بھگو دیں۔ چاول بالکل نہیں ٹوٹیں گے اور کھلے ہوئے پکیں گے۔

دودھ سے کریم بنانا

دودھ سے کریم بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی برتن میں اوپر اوپر کا دودھ نکال لیں۔ ایک پیالی

دودھ میں ڈیڑھ چائے کا چمچ جلاٹین ملا کر خوب ہلا لیں، پھر برف والے خانے میں جمنے کے لئے رکھ دیں۔ ضرورت کے وقت نکال کر خوب پھینٹ لیں اور بطور کریم استعمال کریں۔ یہ کریم چکنائی سے پرہیز کرنے والوں کے لئے زیادہ مفید رہے گی۔ رنگ و ذائقہ کریم جیسا ہوگا۔ اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دودھ کو ابالیں، پھر فوراً برف کے پانی میں برتن رکھ کر دودھ ٹھنڈا کریں۔ پوری طرح ٹھنڈا ہونے کے بعد دودھ کی ساری کریم اوپر آ جائے گی۔

کریم کو خراب ہونے سے بچانا

اگر کریم میں سے کھٹی بو آنے لگے تو اس میں ایک چٹکی میٹھا سوڈا ڈال کر ٹھنڈی جگہ پر رکھ دیں۔

آٹے کو خمیر سے بچانا

گوندھے ہوئے آٹے کے ہر طرف گھی کی ہلکی سی تہہ چڑھا دیں، تو آٹے کا خمیر نہیں اٹھے گا ۔کیونکہ خمیر کے بیکٹریا، چکنائی کی تہہ کی وجہ سے آٹے میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح آٹے کو گوندھنے کے بعد اس پر مکھن لگا کر گیلا کپڑا نچوڑ کر آٹے پر ڈال دیں، تو وہ خمیرا نہیں ہوگا۔ آٹا گوندھ کر مٹی کے کونڈے میں ڈال کر رکھیں اور اوپر سے گیلا کپڑا ڈال دیں۔ اس طرح بھی آٹا خمیرہ نہیں ہوگا۔ کوشش کریں کہ آٹے کو زیادہ اونچا نہ رکھیں کیونکہ جتنی اونچائی پر رکھا ہوگا اتنا جلدی خمیر ہوگا۔ اس لئے اس کو نیچے زمین پر ہی رکھنا چاہیے۔

پھٹے ہوئے دودھ کو کارآمد بنانا

پھٹے ہوئے دودھ کو پھینکیں نہیں ۔ اسے ایک دو ابال دے کر پوری طرح پھٹ جانے دیں۔ پھر چھان کر پنیر نکال لیں۔ پنیر میں مرضی کے مطابق نمک، مرچ اور دل چاہے تو باریک کتری پیاز ڈال کر ان کی ٹکڑیاں تل لیں۔ خالی کھائیں یا آلو مٹر کے ساتھ بھجیا بنائیں۔ یا پھر دودھ جلا کر کھویا بنا لیں اور چینی کے ساتھ کھائیں۔ اگر پنیر نکالنے کے لئے، ابالنے سے پہلے آدھی پیالی دہی بھی ڈال دیں تو پنیر زیادہ بنے گا اور مزیدار بھی ہوگا۔

تازہ فریز گوشت

فریز کیے ہوئے گوشت کو ۱۰ منٹ پہلے نکال لیں۔ پھر اس میں آدھی پیالی دودھ ڈال کر ۱۰ منٹ کے لئے رکھ دیں اور استعمال کریں تو بالکل تازہ گوشت کا مزا آئے گا۔

چٹخے ہوئے چینی کے برتن

چینی کے بہت سے برتن ایسے ہوتے ہیں جو یا تو بہت قیمتی ہوتے ہیں یا پھر بہت نایاب ہوتے ہیں۔ چھوٹی سی غلطی سے ان کے چٹخنے پر بہت دکھ ہوتا ہے۔ لیکن انہیں دوبارہ کسی حد تک اصل شکل میں لانے کا ایک ٹوٹکا یہ ہے کہ ایک برتن میں دودھ ڈال کر اس میں چٹخا ہوا برتن ہلکی آنچ پر آدھا گھنٹہ کے لئے پکنے دیں، برتن میں دودھ اتنا ہو کہ چٹخا ہوا حصہ اس میں ڈوب جائے۔ دودھ میں موجود پروٹین سے چٹخے ہوئے نشان کافی حد تک ختم ہو جائیں گے۔

پلاسٹک کے برتن صاف کیجئے

پلاسٹک کے برتن صاف کرنے کے لیے اگر آپ گرم پانی میں تھوڑا سا نمک اور کپڑے دھونے والا سوڈا ڈال کر برتن نائیلون کے برش کے ساتھ اس پانی سے دھوئیں تو برتن چمک جائیں گے۔

انڈے کا چھلکا بہ آسانی اتارنا

بظاہر انڈے ابالنا آسان ترین کام ہے۔ اگر انڈے ابالتے ہوئے پانی میں نمک ڈال دیا جائے تو انڈے کا چھلکا بہ آسانی اتر جاتا ہے اور انڈے ہلکی آنچ پر ابالنے چاہیں۔ انڈے ابالنے کے فوراً بعد اگر ٹھنڈے پانی میں ڈال دیئے جائیں تو چھلکا آسانی سے اتر جاتا ہے، دوسرا یہ کہ زردی کے گرد نیلاہٹ بھی پیدا نہیں ہوتی۔

جلے ہوئے برتن صاف کرنا

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالن اتنی بری طرح جل جاتا ہے کہ دیگچی کو دھونا مسئلہ بن جاتا ہے ایسی صورت میں جلی ہوئی دیگچی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھیں، اور ساتھ دو تین چائے کے چمچ نمک ڈال دیں۔ چند ابالے آنے پر اتار لیں اور پانی گرا دیں۔ تمام جلے ہوئے ذرات نرم ہو کر اتر جائیں گے۔ اب کسی ڈٹرجنٹ سے مانجھ لیں بالکل صاف ستھری ہو جائے گی۔

گرم مائع چیز سے شیشے کے برتن کو ٹوٹنے سے بچانا

شیشے کے برتن یا تھرماس میں ایک دم گرم چیز ڈال دی جائے تو وہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس سے بچاؤ

کے لئے نہایت اچھا اور آزمودہ ٹوٹکا یہ ہے کہ گرم دودھ یا چائے وغیرہ ڈالنے سے پہلے ان میں ایک چمچہ کھڑا کر دیا جائے تو برتن نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ چمچ کھڑا کرنے سے جب گرم چیز ڈالی جاتی تو اس کا درجہ حرارت چمچ کی جگہ سے براہ راست شیشے پر اثر انداز نہیں ہوتا، اور یوں شیشہ محفوظ رہتا ہے۔

دودھ کو جلنے سے بچانا

اکثر سٹین لیس سٹیل کی دیگچیوں میں دودھ پیندے کی طرف جلنے لگتا ہے اگر استعمال سے پہلے دیگچی کو خوب گرم پانی سے کھنگال کر دودھ ابالیں، تو یہ شکایت کافی حد تک دور ہو جاتی ہے۔

انڈا فرائی کرنا

اکثر اوقات جب انڈا فرائی کیا جاتا ہے تو وہ فرائی پین کے پیندے سے چپک جاتا ہے اور پلیٹ میں نکالتے ہوئے زردی بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ اس سے بچنے کے لئے فرائی پین میں تھوڑا سا نمک چھڑک لیں اور پھر انڈا توڑ کر ڈالیں۔ تلنے کے بعد انڈا باسانی اتر آئے گا، انڈا فرائی کرنا ہو تو تیل زیادہ گرم نہیں کرنا چاہیے، اور فریج سے نکالتے ہوئے ٹھنڈا انڈا ابھی اگر تیل میں ڈالا جائے تو وہ بھی چپک جاتا ہے۔

فریج میں برف کی ٹریز کو جمنے سے بچانا

فریج میں جب برف کی ٹریز پانی بھر کر رکھتے ہیں، تو برف جمنے کے بعد وہ اکثر اس طرح چپک جاتی ہے کہ ان کو اکھاڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات جلدی میں لوگ انہیں چھری سے اکھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ صحیح نہیں اور فریج کے لئے نقصان دہ ہے۔ اگر برف کی ٹرے کے نیچے پلاسٹک کی mats رکھ دی جائیں تو ٹرے بڑی آسانی سے نکل آئے گی۔

سیب کالے ہونے سے بچائیں

سیب کو جب کاٹا جاتا ہے تو وہ اسی لمحے کالے ہونے لگتے ہیں۔ سیب کو کالا ہونے سے بچانے کے لئے یخ ٹھنڈے پانی میں ایک چمچ نمک مَس کر کے سیب اس میں کاٹیں اور تھوڑی دیر فریج میں رکھ دیں۔ اس طرح سیب کالے نہیں ہوں گے۔

چاولوں کو کیڑا لگنے سے بچانا

چاول اگر سال بھر کے لئے پڑے رہیں تو ان کو کیڑا لگ جاتا ہے۔ جس سے وہ خراب ہو جاتے ہیں اس سے بچاؤ کے لئے اگر چاول نمک ملا کر ذخیرہ کر لئے جائیں تو کیڑا نہیں لگتا۔ پرانے ہو کر چاول اچھے پکتے ہیں اور چپکتے بھی نہیں ہیں۔ ایک من چاولوں کے لئے ایک کلو نمک کافی ہے۔

ہاتھ جل جائے تو!

کھانا پکاتے ہوئے اگر ہاتھ یا جسم کا کوئی حصہ جل جائے تو اس پر فوراً نمک گیلا کر کے لگا دیں۔ اس سے جلے ہوئے حصے پر آبلے نہیں پڑتے۔

جما ہوا گوشت فوری پگھلانا

جمے ہوئے گوشت میں سے برف پگھلانے کے لئے اس کو زیادہ نمک ملے پانی میں بھگو دیں۔ اس سے گوشت میں جما خون بھی صاف ہو جائے گا اور برف بھی فوری پگھل جائے گی، نیز گوشت کی رنگت بھی تبدیل نہیں ہوگی۔

مچھلی کو لمبے عرصے کے لئے محفوظ کرنا

سردیوں میں مچھلی عام مل جاتی ہے۔ مگر گرمیوں میں مچھلی ذرا مشکل سے ملتی ہے۔ اس لئے اس کو لمبے عرصے کے لئے محفوظ کرنا ہو، تو اس کو پانی میں ڈال کر فریزر میں رکھ دیں، پانی جم کر برف بن جائے گا اور مچھلی بھی اس کے اندر ہی محفوظ رہے گی۔ اگر کئی گھنٹوں کے لئے بجلی چلی بھی جائے تو مچھلی کے گرد جمی برف اسے خراب نہیں ہونے دے گی۔ اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مچھلی کا پیٹ صاف کر کے نمک لگائیں اور سل یا چکی کے پاٹ کے نیچے رکھ دیں، دباؤ کی وجہ سے پانی نکل کر بہہ جائے گا اور مچھلی دو تین دن تک خراب نہ ہوگی، پھر جب استعمال میں لانا ہو تو کڑوے تیل اور بیسن میں دھو ڈالیں۔ دو تین دفعہ دھو لینا کافی ہے۔

خالص لال مرچیں

گھر میں لال مرچیں پیسنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، جس سے مرچوں کو پیسنے سے کھانسی

آئے گی نہ چھینکیں۔ خشک مرچیں دھوپ میں کچھ دیر رکھنے کے بعد جب انہیں گرائنڈ کرنے لگیں تو مرچیں ڈال کر تھوڑا سا ڈالڈا کوکنگ آئل ڈال دیں اور پھر گرائنڈ کریں۔ اس طرح آپ گھر میں پسی ہوئی خالص مرچیں تیار کر سکتے ہیں۔

نمک کو ڈلیاں بننے سے بچانا

نمک میں اگر سلین آجائے تو اس میں چند دانے لونگ اور چند دانے چاول کے ڈال دیں۔ اس سے نمک جمنے سے بچ جاتا ہے۔

جار اور بوتلیں صاف کرنا

جار یا بوتلیں کچھ عرصہ خالی رہیں تو بو آنے لگتی ہے اگر ایسا ہو تو ان میں پانی ڈال کر تھوڑا سا بیکنگ سوڈا ڈال دیں اور پھر چند گھنٹے کھلا رہنے دیں۔ پھر یہ پانی گرا کر گرم پانی اور واشنگ پاؤڈر سے دھولیں ، نہ صرف بو دور ہو جائے گی بلکہ بوتلیں چمک اٹھیں گی۔ اب ان مین کوئی بھی چیز ڈال لیں۔ اگر خالی بوتلوں کے ڈھکن بند کر کے نہ رکھیں جائیں ،تو پھر بھی بو پیدا نہیں ہوتی۔

فریج پر لگے داغ دھبے دور کرنا

فریج پر لگے داغ دھبے دور کرنے کے لئے فریج پر ٹوتھ پیسٹ لگائیں اور تھوڑی دیر کے بعد پہلے سرف کے پانی سے اور بعد میں خالص پانی سے دھوئیں۔ فریج بالکل صاف ہو جائے گی۔

مکھیوں کو باورچی خانے سے دور رکھیں

اگر باورچی خانے میں پودینہ کی جڑیں پانی میں ڈبو کر رکھی جائیں تو اس سے پودینہ بھی تازہ رہتا ہے اور باورچی خانہ میں مکھیاں بھی نہیں آئیں گی۔

ٹماٹر کا چھلکا اتارنے کے لئے

بعض لوگ ٹماٹر کے چھلکے کے بارے میں بڑے حساس ہوتے ہیں ویسے بھی چھلکا ہضم نہیں ہوتا اور نہ ہی سالن میں گلتا ہے۔ ٹماٹر کا چھلکا اتارنے کے لئے اس کو کانٹے یا چھری کی نوک چبھو کر پکڑ لیں اور آگ پر رکھیں چھلکا تڑخ کر پھٹ جائے گا۔ اب آسانی سے سارا چھلکا اتار دیں اور ٹماٹر سالن میں ڈال لیں۔

فریزر سے بدبو دور کرنا

فریزر میں اکثر پھلوں مثلاً امرود وغیرہ کی خوشبو پھیل جاتی ہے۔ اور کھانے کی تمام اشیاء میں اس کا ذائقہ ناگوار محسوس ہوتا ہے۔ خاص کر لہسن کی بدبو، ایسی صورت میں فریزر کے سب سے نچلے خانے میں سوڈا (میٹھا سوڈا) تھوڑا سا پھیلا دیں تو وہ ساری خوشبوئیں اور بدبو جذب کر لیتا ہے۔

خراب انڈے علیحدہ کرنا

انڈہ خراب ہے یا صحیح، یہ معلوم کرنے کے لئے کسی گہرے برتن میں ٹھنڈا پانی ڈال کر اس میں انڈا چھوڑ دیں۔ اگر پانی کی تہ میں انڈا بیٹھ جائے تو انڈا تازہ ہے ورنہ خراب۔

پیاز کی بو ختم کرنا

اگر آپ کے ہاتھوں سے یا کسی برتن وغیرہ سے پیاز کی بو آ رہی ہو تو پانی میں نمک ملا کر صاف کیجئے، اس طرح ناگوار بو دور ہو جائے گی۔

مچھلی کے کانٹے سے نجات

لیموں کا رس پینے سے کانٹا گل کر نیچے چلا جائے گا یا پھر کچا انڈا پھینٹ کر پی لیں۔ کانٹا نکل جائے گا۔ اس سے بھی آرام نہ آئے تو پھر گڑ کھا لینا چاہیے۔

لہسن کو باریک کرنے کے لئے

لہسن کو پیستے وقت اگر اس میں ایک چٹکی نمک ڈال دیا جائے تو لہسن بہت جلدی باریک ہو جاتا ہے۔

گھی اور چڑ چڑ

فرائی پین اگر ذرا سا بھی گیلا رہ گیا ہو تو جب آپ گھی ڈال کر کوئی چیز تلنے لگتے ہیں، تو گھی چڑ چڑ کرتا ہے، یا اچھلتا ہے۔ اگر اچھلتے ہوئے گھی میں چٹکی بھر آٹا چھڑک دیں تو ٹھیک ہو جاتا ہے۔

فصل دوم

حسن وجمال میں نکھار کے ٹوٹکے

کیل مہاسوں کے لئے

لیموں کا ماسک چہرے کے کیل مہاسوں کو دور کرتا ہے۔ چہرے کو ڈیٹول سوپ سے دھو کر لیموں کے چھلکے نہایت باریک پیس کر گلیسرین میں ملا کر چہرے پر ماسک لگا کر کم ازکم پندرہ منٹ چہرے پر لگا کر دھولیں۔ لیموں کے چھلکے روزانہ ہونٹوں پر ملنے سے ہونٹوں کی سیاہی دور ہو جاتی ہے۔

چہرے کے دانے اور مہاسے

دانوں اور مہاسوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے درج ذیل طریقوں پر عمل کریں:

چہرے کو کسی اچھے صابن سے دھولیں اور سنگترہ، کینو یا موسمی کا چھلکا لے کر اس کے اندرونی سفید حصے سے تمام چہرے پر تیزی سے مساج کریں۔ جیسے ہی آپ مساج شروع کریں گی، آپ کو بہت خارش محسوس ہوگی لیکن آہستہ آہستہ خارش ختم ہوگی اور آپ بہتر محسوس کریں گے۔ اس وقت مساج بند کردیں یہ مساج تقریباً ۲۰ منٹ تک کریں۔ آپ کو اپنا چہرہ نہایت نکھرا نکھرا اور صاف ستھرا محسوس ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ آپ جو چھلکا استعمال کریں اس کا پھل زیادہ ترش ہو۔ اس سے دانے ختم ہو جائیں گے اور آپ کی جلد تر وتازہ نظر آئے گی۔ یہ عمل روزانہ کریں۔ اگر دانے ختم ہو جائیں تو بھی ہفتے میں ۳، ۴، مرتبہ آپ یہ عمل دہرا سکتی ہیں۔

اگر آپ کے چہرے پر نئے دانے نکل رہے ہوں تو گھر میں استعمال ہونے والے نمک کے ٹکڑے لے کر بہت باریک پیس لیں۔ ایک کپ میں ابلتا ہوا پانی لے کر اس میں چائے کے تین چمچے نمک حل کرلیں۔ ایک ٹب میں اتنا پانی لیں کہ جس سے آپ باآسانی چہرہ دھوسکیں۔ اب نمک ملا پانی اس میں ملا دیں اور اس سے چہرہ دھوئیں۔ یہ عمل دن میں ۴، ۵ مرتبہ کریں۔ اس عمل سے آپ کے چہرے پر موجود دانے ۱۰، ۱۵ دن میں ختم ہو جائیں گے اور آپ کی جلد خوبصورت ہو جائے گی۔

چہرے کا نکھار

سردیوں کے موسم میں جلد پھٹنے لگتی ہے۔ چہرے پر کوئی کریم لگانے سے بہتر ہے کہ گھریلو نسخے استعمال کریں خاص طور پر بادام اور شہد کا آمیزہ بنالیں۔ پھر اسے چہرے اور ہاتھوں پر لگائیں۔ آدھے گھنٹے بعد آہستہ آہستہ مل کر اتار دیں۔ یہ عمل رات کو سوتے وقت کریں اور چہرہ دھوئے بغیر سو جائیں۔ صبح نیم گرم پانی سے دھولیں۔ کچھ عرصے بعد ہی آپ کو اپنا چہرہ نکھرا نکھرا محسوس ہوگا۔

چھائیوں کے داغ دور کرنے کے لئے

ٹوتھ پیسٹ لگانے سے چھائیوں کے داغ کافی حد تک دور ہو جاتے ہیں اور چہرہ نکھر آتا ہے۔ چھائیاں دور کرنے کے لئے سفید تل لے کر اسے پیس کر دودھ میں ڈال کر رگڑیں اور رات کو سوتے وقت چہرے پر مل لیں۔ صبح اٹھ کر صابن سے منہ دھولیں۔ چھائیاں دور ہو جائیں گی۔

لمبے اور گھنے بال

بیری کے پتے لے کر انہیں چٹنی کی طرح پیس لیں اور دس منٹ تک سر میں خوب ملیں اور پھر سر دھوڈالیں۔ شیمپو یا صابن کا استعمال نہ کریں۔ بال لمبے اور گھنے ہو جائیں گے۔ سرسوں کی کھلی بھی بالوں کے لئے مفید ہے۔ سر دھونے سے دو گھنٹے قبل سرسوں کی کھلی پانی میں بھگو دیں، پھر اس پانی کو نتھار کر سر دھوئیں، بالوں میں چمک آجائے گی۔

چائے کا قہوہ

چائے کے جوشاندے سے بالوں کو کھنگالنا ایک بہترین کنڈیشنر ہے۔ پانی میں چائے کی پتی کو درمیانہ رنگ (نہ زیادہ تیز نہ زیادہ ہلکا) میں ابال لیں اور چھان کر ٹھنڈا کرلیں۔ پھر بالوں کو دھونے کے بعد سب سے آخر میں اس چائے کے پانی سے دھوڈالیں۔

بالوں کو سیاہ بنائیں

مٹھی بھر آلو کے خشک ٹکڑے لوہے کے برتن میں ایک دن تک بھگو دیں۔ دوسرے دن اس پانی سے سر دھونے سے بال سیاہ ہو جائیں گے۔

بالوں کو صحت مند بنایئے

لوکی کو چھیل کر کدوکش کر لیں، پھر ایک کڑاہی میں سرسوں کا تیل گرم کریں۔ تیل گرم ہو جائے تو اس میں کدوکش کی ہوئی لوکی ڈال دیں اور تیز آنچ پر ہلکا سنہرا یا براؤن ہونے پر چولہا بند کر دیں اور ٹھنڈا ہو جائے تو چھلنی سے چھان کر کسی بوتل میں ڈال دیں اور حسب ضرورت استعمال کرتی رہیں۔ بال خوبصورت گھنے اور صحت مند ہو جائیں گے۔

چمکدار جلد کے لئے

جلد کو ملائم اور تروتازہ رکھنے کے لئے روزانہ رات کو سونے سے قبل زیتون کے تیل میں لیموں کا رس ملا کر مالش کریں۔ سردیوں میں کینو کے چھلکے جمع کر کے دھوپ میں سکھا لیں جب سوکھ جائیں تو اسے پیس کر کچے دودھ میں ملا کر لیپ کریں اور تقریباً ایک گھنٹہ بعد منہ دھو لیں۔ اپنی رنگت نکھارنے کے لئے غسل سے پہلے روزانہ پھٹکری کے پانی سے اپنے پورے جسم کا لیپ کریں اور آدھے گھنٹے بعد نہا لیں۔

کچے دودھ میں یا ملائی میں دو بوند شہد، اور ایک چمچ لیموں کا عرق ملا کر خوب اچھی طرح پھینٹ لیں۔ آدھے گھنٹے تک یہ لگا رہنے دیں۔ پھر چہرہ دھو لیں۔ اس سے چہرے کے داغ دھبے دور ہو جائیں گے۔ کچی ہلدی اور ملائی کو نہانے سے قبل روزانہ لگائیں، لگانے کے ایک گھنٹے بعد نہا لیں اس سے بھی آپ کی جلد نکھر آئے گی۔

چہرے کا داغ

چہرے کا داغ دور کرنے کے لئے ایک چمچ لیموں کا رس اور ایک چمچ نمک ملا کر روئی سے لگائیں اور دس منٹ بعد دھوئیں۔ داغ دور ہو جائیں گے۔

چہرے کی جھریوں سے نجات

سفید تلوں کو بھینس کے دودھ میں رگڑ کر رات کو سوتے وقت چہرے پر مل لیجئے۔ صبح اٹھ کر صابن سے چہرہ صاف کر لیجئے۔ اس طرح جھائیاں دور ہو جائیں گی اور چہرہ بھی کھل جائے گا۔

پیٹ کم کرنے کے لئے

پیٹ کم کرنے کے لئے آسان ترکیب یہ ہے کہ روزانہ صبح بستر چھوڑنے سے پہلے پیٹ کے نیچے تکیہ رکھ کر الٹے ہو کر لیٹ جایا کریں۔ پندرہ منٹ اسی طرح لیٹے رہیں۔ چند ہفتوں میں پیٹ کم ہو جائے گا۔

موٹاپا دور کیجئے

موٹاپا دور کرنے کے لئے نیم گرم پانی میں شہد ملا کر پینے سے زائد چربی ختم ہو جاتی ہے۔ نہار منہ ایک گلاس نیم گرم پانی میں ایک عدد لیموں کا رس ملا کر پینے سے جسم کی چربی پگھلتی ہے۔ نہار منہ قہوہ میں لیموں کا رس نچوڑ کر پئیں اور دوپہر کھانا کھانے کے بعد بھی پئیں۔ لیموں کا اچار موٹے لوگوں کے لئے مفید ہے۔ دن میں تین چار لیموں پانی میں نچوڑ کر پئیں۔ ایک چمچ مولی کے بیج پانی کے ساتھ کھائیں۔

کلونجی کا باریک سفوف کر کے اسی کے برابر ہی چینی ملا لیں اور ہر روز صبح و شام استعمال کریں، اس کے ساتھ کالی مرچیں بھی پانی کے ساتھ پھانکتے رہیں۔ ایک پیالی تازہ پانی میں ایک چمچ لیموں کا رس ملا کر صبح نہار منہ پئیں۔ کھانا کھانے کے بعد تھوڑی سی جوائن پانی کے ساتھ کھائیں۔ مولی اور سلاد کا استعمال کھانے میں ضرور کریں۔ چنے کی دال کے برابر ہینگ ہر روز پانی کے ساتھ کھائیں، اورک کی چائے پئیں۔ جوارش کمونی زیرہ کے عرق کے ساتھ کھائیں۔ گھی کے بجائے کوکنگ آئل استعمال کریں۔

زیادہ میٹھی چیزوں، چاول، گھی اور دوسری بادی چیزوں سے پرہیز کریں۔ ہر روز رسہ پھانگنے کی ورزش کریں۔ ہر روز نہار منہ کینو سنگترے یا مالٹے کا جوس پینا چاہیے۔ نہار منہ لہسن کے دو تین جوئے پانی سے نگل لیں۔ بیسن کی روٹی پیٹ کو ہلکا کرنے کے لئے بہت مفید ہے۔ سیب کھانا پیٹ کو ہلکا کرنے کے لئے بہت مفید ہے۔

فصل سوم

عام گھریلو ٹوٹکے

مچھر بھگائیں گھر مہکائیں

نارنگی یا سنترے کے چھلکے خشک کر کے جلائیں اور دھواں گھر میں پھیلائیں، کمرے مہک اٹھیں گے اور مچھر بھاگ جائیں گے۔

قبض سے نجات

قبض بہت سی بیماریوں کی جڑ ہے۔ اس کے تدارک کے لئے رات کو ایک کپ دودھ میں دو چمچ شہد ملا کر پی لیں۔ اس طریقہ سے آپ کی تکلیف دور ہو جائے گی۔

زخم کا علاج

عام طور پر گھروں میں، سکولوں میں یا کسی مقام پر حادثاتی چوٹ لگ جاتی ہے یا گہرا زخم آجاتا ہے اور خون تیزی سے بہنے لگتا ہے۔ ڈاکٹر فوری طور پر ملنا یا طبی امداد کا بہم پہنچانا مشکل ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں کسی چھت پر یا دیوار پر لگے ہوئے مکڑی کے جالے کو بہترین طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے جالا اتار کر فوراً زخم پر رکھ دیں اور زور سے دبا دیں، خون کا اخراج فوری طور پر بند ہو جائے گا۔ تیزی سے بہتے ہوئے خون کا دوسرا علاج یہ ہے کہ سوتی کپڑا جلا کر اسے زخم پر رکھ دیا جائے جس سے خون بہنے سے رک جائے گا۔

خون بند کرنے کا طریقہ

اکثر چھوٹے بچے منہ کے بل گر جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے منہ یا ہونٹ سے خون بہنے لگتا ہے ایسے میں فوری طور پر ان کے منہ میں چینی ڈال دیں۔ خون فوراً بند ہو جائے گا۔

وضع حمل کی آسانی کے لئے

دو کپ پانی لے کر اس میں ایک چھوٹا چمچ زیرہ ملا کر جوش دیں۔ جب پانی نصف رہ جائے تو

اس میں دو چمچ مکھن ملا کر پلانے سے درد تیز ہو جائے گا اور وضع حمل میں آسانی رہے گی۔

پالش میں مزید چمک پیدا کرنا

بوٹ پالش میں اگر دو تین قطرے افین تیل کے ملا لیے جائیں تو پالش کرنے پر بوٹ کافی چمکنے لگتے ہیں۔

چھپکلیاں بھگایئے

گھر کو چھپکلیوں سے پاک کرنے کے لئے انڈوں کے چھلکوں کو دھاگے سے باندھ کر پردوں کے پیچھے اور ٹیوب لائٹ کے پاس باندھ دیں، اس سے چھپکلیاں بھاگ جائیں گی۔

برف کا سانچہ نکالنا

برف کے سانچے اکثر ایک ساتھ سختی سے چمٹے ہوتے ہیں اور ان کا نکالنا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے برف کے خانہ میں نمک چھڑک دیں تو سانچے آسانی سے نکل جائیں گے۔

کہنی کے سیاہ دھبوں کا خاتمہ

لیموں کا رس نکال لیں پھر چھلکوں میں چٹکی بھر چینی ڈال دیں اور انہیں کہنیوں پر ملیں، چند دفعہ کے استعمال سے کہنیاں صاف ہو جائیں گی۔

آدھے سر کا درد، دور کریں

آدھے سر کے درد سے نجات کے لئے ناک میں روغن بادام ٹپکالیں اس کے استعمال سے آدھے سر کا درد، دور ہو جائے گا۔ اگر پیاز کاٹ کر سونگھ لیں تو بھی سر درد، دور ہو جائے گا۔

نمک، گھی اور شہد سے علاج

ایک چھٹانک نمک اور ایک پاؤ دیسی گھی کھرل کر کے بوتل میں محفوظ کرلیں۔ قبض ہونے کی صورت میں رات سوتے وقت ایک تولہ کے قریب نیم گرم پانی سے کھالیں مفید رہے گا۔ نمک اور سرسوں کا تیل ملا کر مسوڑھوں پر ملنے سے خون آنا بند ہو جائے گا۔ نیز اسے دانتوں پر ملنے سے کیڑا

آسانی سے نہیں لگتا۔ شہد میں نمک ملا کر اگر بچوں کے مسوڑھوں پر ملا جائے تو ان کے دانت آسانی سے نکل آتے ہیں۔ نمک اور نیم کے پتے پانی میں ابال کر نہانے سے خارش اور پھنسیوں وغیرہ کو آرام مل جاتا ہے۔

پیروں کی بدبو سے نجات

ایک عدد گول بینگن کو چار حصوں میں برابر تقسیم کر کے ایک دیگچی میں سیر بھر پانی میں ابال لیں، جب پانی نیم گرم رہ جائے تو اس سے دونوں پیر دھولیں۔ ایک دفعہ عمل کرنے سے ایک سال تک پیروں سے بدبو نہیں آئے گی اگر اس عمل کو ایک ہفتہ پابندی سے کریں تو پھر پیروں کی بدبو ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔

دانت مضبوط اور چمکدار بنائیں

پھٹکری اور نمک لیں۔ پھٹکری کو توے پر ڈال کر اس وقت تک گرم کریں، جب تک وہ سخت (بھربھری) نہ ہو جائے۔ اس پھٹکری کو باریک پیس لیں، پھر اس میں نمک ملا لیں۔ ہفتے میں دو یا تین بار برش کی مدد سے اچھی طرح لگائیں۔ دانتوں کے ارد گرد کالے رنگ کے نشان بالکل صاف ہو جائیں گے۔ چمکنے کے ساتھ دانت مضبوط بھی ہو جائیں گے۔

منہ کے چھالے

بچوں کے منہ میں چھالے پڑ جائیں تو سہاگہ بھون لیں اور گلیسرین میں ملا کر روئی کے ساتھ منہ میں چھالوں پر لگائیں۔ گلیسرین کی جگہ شہد بھی ملا سکتے ہیں۔

ہونٹ پھٹ جائیں تو

سردیوں میں اکثر ہونٹ پھٹ جاتے ہیں۔ تازہ دودھ ہونٹوں پر روزانہ لگانے سے آرام آجاتا ہے۔ نیم گرم دیسی گھی یا مکھن لگانے سے بھی آرام آجاتا ہے۔

دست بند کرنے کا طریقہ

جب کسی کو دست لگے ہوں تو آدھا گلاس سادہ پانی میں دو یا تین چمچ شکر اچھی طرح ملا کر پی لیں۔ دست میں آرام آجائے گا۔

کھانسی دور کریں

اگر کھانسی ختم نہ ہو رہی ہو تو نمک اور کالی مرچ ثابت لے کر آپ اپنی ہتھیلی پر رکھئے پھر چٹکی یعنی شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے بیچ میں جتنی کالی مرچ اور نمک آئے وہ کھالیں، ان شاء اللہ کھانسی ختم ہو جائے گی۔ آپ کو یہ عمل دن میں تقریباً ۳ دفعہ کرنا ہوگا۔

منہ سے بو

منہ سے بو آئے تو دن میں کئی بار ہرا یا خشک دھنیا چبانے سے بو دور ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کو ڈکاریں بہت آتی ہیں۔ خشک دھنیا چبانے سے یہ شکایت دور ہو جاتی ہے۔

نمک سے علاج

خالص نمک کی سلائی آنکھوں میں پھیرنے سے آنکھوں کے کئی امراض سے نجات مل جاتی ہے۔ سر درد ہو تو تھوڑا سا نمک پھانک لیں، پندرہ منٹ بعد ٹھنڈا پانی پینے سے آرام آجائے گا۔ گلے کے امراض میں نمک کے غرارے کرنے چاہئیں۔ پیٹ میں اپھارہ یا درد ہو تو نمک گھی ملا کر ناف پر ملنے سے اپھارہ دور ہو جاتا ہے۔ نمک اور گھی ملا کر جسم پر مالش کرنے سے جلد کی خشکی دور ہو جاتی ہے۔ بعد میں نیم گرم پانی سے نہالیں۔

ننھے بچوں کو صحت مند بنانے کا طریقہ

آدھا بادام، آدھا عناب اور آدھا منقہ لے کر پتھر پر رگڑ لیں۔ سردی ہو تو عناب نہ ڈالیں۔ چمچے میں یہ گاڑھا آمیزہ ہلکا گرم کر کے دن میں کسی وقت بچے کو چٹا دیں۔ پندرہ دن بعد ایک بادام اور ایک منقہ پیس کر دیں۔ گرمی کے موسم میں عناب ڈالیں۔ منقہ کے بیج نکال دیں۔ بچہ موٹا ہو جائے گا۔

دودھ بڑھانے کے لئے مفید نسخہ

رات کو سفید چنے لیں۔ ان کو حسب ضرورت تر کر لیں اور صبح شکر ملا کر کھانے سے ماں کا دودھ بڑھ جاتا ہے۔ اس طریقے کو دھراتے رہیں۔

بلغم سے نجات

اگر کسی کو بلغم کی تکلیف رہتی ہے تو روزانہ گیارہ دانے منقہ کے لیں اور اس کے دانے نکال دیں۔ اگر منقہ میں سے ایک دانہ نکلے تو ایک کالی مرچ اور اگر دو دانے نکلیں تو دو کالی مرچ منقہ میں رکھ دیں اور کھالیں۔ چند دن ہی میں بلغم دور ہو جائے گا۔

کمزوری یا تھکن

اگر کسی کو کمزوری یا تھکن محسوس ہو رہی ہو تو ایک گلاس پانی میں ایک چائے کا چمچہ چینی اور چوتھائی چائے کا چمچہ نمک حل کر کے پی لیں۔ ایک سے دو گلاس پینے سے آپ خود کو بہت بہتر محسوس کریں گے۔

خارش سے آرام

اگر کسی کو اللہ نہ کرے خارش ہو جائے تو پیاز کا رس نکال کر اسے خارش والی جگہ پر آہستہ آہستہ ملیں خارش سے آرام آ جائے گا۔

آئینہ میلا ہو

آئینہ میلا یا دھندلا ہو تو اسے اسپرٹ سے صاف کریں۔ نرم کپڑے یا روئی کے ساتھ اسپرٹ کو آئینے پر لگائیں اور پھر نرم اور صاف کپڑے سے آئینے کو چمکا لیں۔ نم اخباروں سے بھی شیشے کو صاف کیا جا سکتا ہے۔ کھڑکیوں کے شیشے ہوں یا فرنیچر پر لگے ہوئے شیشے ہمیشہ صاف اچھے لگتے ہیں۔ شیشے پر عام کپڑے دھونے والا نیل پانی میں گھول کر لگائیں اور پھر خشک ہونے دیں۔ جب نیل کی یہ پیسٹ خشک ہو جائے تو صاف اور نرم کپڑے سے پونچھ لیں۔

فرش کی چکناہٹ

فرش کی چکناہٹ دور کرنے کے لئے واشنگ پاؤڈر میں بلیچ ملا کر آدھے گھنٹے کے لئے پھیلا دیں اور پھر رگڑ کر دھولیں۔ اس سے فرش پر جمی چکناہٹ ختم ہو جائے گی۔

زیورات چمکایئے

سونے کے زیورات چمکانے کے لئے تھوڑا سا سرف اور ہلدی پانی میں ملا کر جھاگ بنالیں اور زیور ۴،۵ گھنٹے کے لئے بھگو دیں۔ پھر برش سے صاف کر کے دھو لیں۔ زیور چمک جائے گا۔

سلین کا خاتمہ

بارش کے موسم میں گھر میں لوبان کی دھونی ضرور دیں۔ اس سے سلین ختم ہو جاتی ہے۔

مہندی کا رنگ

بعض دفعہ مہندی ہلکی رہتی ہے جب مہندی سوکھ کر جھڑ جائے تو اس پر چونا لگا لیا جائے جو پان میں استعمال ہوتا ہے سوکھنے کے بعد ہاتھ دھو لیجئے یا لونگ کو توے پر ڈال کر ہاتھوں کو دھواں دیں تو مہندی کا رنگ تیز ہو جائے گا۔

صابن کم لگے، کپڑے اچھے دھلیں

کپڑوں کو دھونے سے پہلے گرم پانی میں تھوڑی سی پھٹکری اور چاک کا چورا ڈال دیں یوں صابن کم لگے گا اور کپڑے بھی اجلے دھلیں گے۔

برتنوں سے سیمنٹ اتارنا

اکثر گھروں میں ایسا ہوتا ہے کہ تانبے سلور یا اسٹیل کے برتنوں میں سیمنٹ گھولنے سے اور سیمنٹ فوری صاف نہ کرنے پر سیمنٹ ان برتنوں میں جم جاتا ہے۔ ایسے میں وہ برتن قابل استعمال نہیں رہتا۔ ایسے برتنوں سے سیمنٹ اتارنے کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی بڑے پتیلے میں سیمنٹ جم جائے تو گھر میں موجود ردی کے کاغذوں کو اس پتیلے میں ڈال کر جلا دیں اور جب کاغذ راکھ بن جائیں تو اس کے فوراً بعد تھوڑا ٹھنڈے ہونے کے بعد پتیلے کے اندر جو سیمنٹ لگا ہوا اس کو کسی چھری یا کسی اور نوک دار چیز کے ساتھ کھرچ لیں۔ سیمنٹ آسانی سے اتر جائے گا۔

کپڑوں کی چمک

سفید کپڑوں کو نیل دیتے ہوئے اگر پانی میں ایک چمچ نیل کے ساتھ ایک چمچ نمک ملا دیا جائے

تو ایک جیسے رنگ کے ساتھ کپڑوں میں چمک بھی آ جاتی ہے۔

پینٹ کی بدبو دور کرنا

اگر کسی کمرے یا الماری میں پینٹ کروایا گیا ہو تو اس کی ناگوار بدبو دور کرنے کے لئے وہاں ایک پیاز چھیل کر رکھ دیں، تمام بدبو دور ہو جائے گی۔

کپڑے سے چیونگم اتارنا

کسی کپڑے کو چیونگم لگ جائے تو اسے اتارنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کپڑے کو پلاسٹک کے لفافے میں ڈال کر فریزر میں رکھ دیں تو جب چیونگم ٹھنڈی ہو کر اکڑ جائے گی تو آسانی سے اسے پکڑ کر اتار دیں۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو برف کی ڈلے لے کر چیونگم پر ملیں۔ وہ ٹھنڈی ہو کر اکڑ جائے گی اسے آسانی سے اتار لیں۔

کوڑے کی ٹوکری سے بدبو دور کرنا

اس کے لئے ٹوکری کے اندر ایک شاپر لگائیں، پھر ایک عدد لیموں کے چار ٹکڑے کر کے ٹوکری میں ڈال دیں۔ اس کے بعد سبزیوں پھلوں کے چھلکے جو مرضی ڈالتے رہیں، کچن میں بدبو نہیں پھیلے گی۔

شیشے کی بوتلوں کی صفائی

شیشے کی بوتلیں زیادہ عرصہ استعمال کے بعد گندی دکھائی دینے لگتی ہیں۔ جب ایسا ہو تو بوتل میں واشنگ پاؤڈر اور انڈے کے چھلکے باریک کر کے ڈال دیں اور ڈھکن بند کر کے زور زور سے ہلائیں۔ اس عمل سے بوتل بالکل صاف ہو جائے گی۔

گھریلو منجن

بھٹا (مکئی کا سٹہ) کھا کر گلی (تکلے) کو پھینکنے کے بجائے اسے سکھا کر جلا لیں۔ پھر اس کی راکھ میں تھوڑا سا نمک اور ذرا سی پھٹکری ملا لیں پھر اسے پیس کر رکھ لیں اور رات کو سونے سے پہلے انگلی پر لگا کر دانت صاف کریں منجن لگانے کے دس منٹ بعد کلی کریں۔ دانت موتیوں کی طرح چمک اٹھیں گے۔

شیشے کے گلاس پھنس جائیں تو

بعض اوقات شیشے کے گلاس ایک دوسرے کے اندر ڈال کر رکھنے سے وہ ایک دوسرے میں پھنس جاتے ہیں۔ان کو نکالنے کے لئے آسان ٹوٹکا یہ ہے کہ ایک پیالے میں گرم پانی ڈال کر یہ گلاس اندر رکھ دیں۔ نیچے والا گلاس تو گرم پانی میں رہے گا جبکہ اوپر والے گلاس میں عام ٹھنڈا پانی ڈال دیں۔ نیچے والا گلاس گرم پانی سے پھیلے گا جبکہ اوپر والا گلاس سکڑے گا اور یوں دونوں گلاس علیحدہ ہو جائیں گے۔

چائے کا داغ

اگر کپڑے پر چائے گر جائے تو اس پر نمک گیلا کر کے لگا دیں اور دس منٹ بعد واشنگ پاؤڈر سے دھولیں چائے کا داغ ختم ہو جائے گا۔

کپڑوں سے گریس اور آئل کا دھبہ صاف کرنا

اگر کپڑوں پر گریس یا تیل کا دھبہ لگ گیا ہو تو متاثرہ حصے کو ایک جاذب کپڑے پر اس طرح رکھیں کہ دھبہ کا رخ کپڑے کی جانب ہو اور دھبے کے پیچھے کی جانب وائٹ میتھا ئلڈ اسپرٹ سے صاف کریں چاہے روئی کی مدد سے یا پھر اسفنج کی مدد سے اور پھر اس کو نارمل واشنگ پاؤڈر سے دھولیں۔داغ صاف ہو جائے گا۔

شیشہ صاف کرنے کے لئے

شیشہ ہماری روزمرہ کی استعمال کی چیز ہے مثلاً گھر میں کچن کے برتنوں سے لے کر گاڑی کے شیشوں تک اس سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے شیشہ اگر اچھی طرح سے صاف نہ کیا جائے تو بہت بدنما لگتا ہے۔کچن کے شیشے کے برتنوں کو اگر صابن سے دھونے کے بعد نمک کے ساتھ دھویا جائے تو شیشے میں چمک پیدا ہوتی ہے اور وہ صاف بھی ہو جاتا ہے گھر میں دوسری جگہوں پر جہاں شیشہ استعمال ہوتا ہو مثلاً ڈریسنگ ٹیبل کا شیشہ، الماریوں کے شیشے ،گاڑیوں کے شیشے وغیرہ ان کو اگر دھونے کے بعد کپڑے کی بجائے اخبار سے صاف کیا جائے تو جو دھونے کے بعد پانی وغیرہ کے

خشک ہونے پر نشانات ہوتے ہیں وہ بھی نہیں رہتے اور شیشہ جلدی اور آسانی سے صاف ہو جاتا ہے۔

سبزی تازہ رکھنے کے لئے

آلو، پیاز وغیرہ تو کئی دن تک اصل حالت میں رہتے ہیں۔ باقی سبزیوں کو احتیاط سے علیحدہ علیحدہ ٹھنڈی اور خشک جگہ پر رکھیں جب دیکھیں کہ سبزی خشک ہو رہی ہے تو اس پر پانی چھڑک دیں، پتے والی سبزیوں کو دن میں ایک بار ضرور الٹ پلٹ کریں ورنہ جلد گل سڑ جائیں گی۔ سبزی پر پانی میں بھیگا ہوا کپڑا نچوڑ کر بھی ڈال سکتی ہیں۔ اگر سبزی زیادہ ہے تو آپ اسے سکھا کر رکھ سکتی ہیں۔

ٹماٹر محفوظ کرنے کے لئے

ٹماٹر تھوڑے سے پانی میں نمک کے ساتھ ابال کر مشین میں پیس لیں۔ بوتل میں بھر کر اوپر کھانے والا تیل ڈالیں۔ یہ ٹماٹر بہت دیر تک محفوظ رہ سکتے ہیں نمکین پانی میں بھیگے ٹماٹر بھی دیر تک رہ سکتے ہیں ٹماٹروں کے سروں پر پگھلا ہوا موم لگانے سے بھی ٹماٹر خراب نہیں ہوتے۔

منہ سے بدبو دور کرنے کا طریقہ

ایک کپ گرم پانی میں تھوڑا سا گلاب کا عرق ڈال کر رات کو سوتے وقت غرارے کریں۔

فرنیچر صاف کرنے کا طریقہ

فرنیچر کو سال میں دو دفعہ صاف کرنے کے بعد سپرٹ میں لاکھ دانہ ڈال کر اچھی طرح ہلا کر روئی کے ساتھ فرنیچر پر لگائیں اس سے فرنیچر نیا رہتا ہے اور لکڑی میں چمک پیدا ہوتی ہے، اس سے آپ کا فرنیچر کافی عرصہ گزرنے کے بعد بھی نیا لگے گا۔

جلد کی تمام بیماریوں کا علاج

چھوٹے بچوں میں آج کل جلدی بیماریاں عام ہوتی ہیں بلکہ بڑوں میں بھی بعض اوقات طرح طرح کی جلدی شکایات مثلاً دھدری، خارش، پیپ دار دانے، پھنسیاں اور ایسی ہی تکالیف ہوتی ہیں۔ جو کہ وقتی طور پر علاج سے ٹھیک ہو جاتی ہیں لیکن جونہی علاج ترک کیا دوبارہ شروع ہو جاتی

ہیں۔ان کا سود مند اور اکسیر علاج جو بہت سستا اور آسان ہے، پیش خدمت ہے:
زخم یا تکلیف کی جگہ کے مطابق دہی لے کر سوتی کپڑے میں ڈال لیں اور ایک پوٹلی بنا کر کسی جگہ باندھ دیں جب اس سے پانی بالکل ختم ہو جائے اور دہی خشک ہو جائے تو اسے کسی پیالے میں ڈال کر تھوڑا سا نمک اور تھوڑا سا سرسوں کا تیل ڈال کر انگلی سے یک جان کر لیں یہ ایک کریم بن جائے گی اسے متاثرہ جگہ پر لگائیں، دن میں دو مرتبہ استعمال کریں اور استعمال سے پہلے ہر مرتبہ نیم گرم پانی سے متاثرہ جگہ کو دھو کر خشک کر لیں متواتر ایک ہفتہ استعمال سے کامل شفاء ہوگی۔ان شاءاللہ!

کیڑے مکوڑے بھگانے کے ٹوٹکے

بھڑ۔۔۔لہسن اور گندھک کے دھوئے سے بھاگ جاتی ہیں۔
کھٹمل۔۔۔کنسر کے جوشاندے کا پانی اس پر چھڑکیں یا میٹھی لسی چار پائی کے سوراخوں اور چولوں پر ڈال دیں تو کھٹمل مر جاتے ہیں۔
پسّو۔۔۔لہسن اور گندھک کے دھوئیں سے بھاگ جاتی ہیں۔
مچھر۔۔۔کلونجی، گائے کے گوبر اور گھاس کے دھوئے سے سڑ جاتے ہیں۔کنسر کا جوشاندہ چھڑکنے سے مچھر آتے ہی نہیں۔اخروٹ کے برابر کافور کاٹ کر ٹین کے کھلے منہ کی ڈبیہ میں ڈال کر وہ ڈبیہ کوئلے کی آگ پر رکھ دیں تاکہ دھواں اٹھنے لگے مگر کافور کو آگ نہ لگے کمرہ بند کر دیں سب مچھر مر جائیں گے۔سرُوں کے پتے یا اس کی لکڑی کو بستر میں رکھیں تو مچھر پاس نہیں آتا۔
دیمک۔۔۔مہندی کے پتوں کے دھوئیں سے دیمک سر جاتی ہے، پانی میں نیلا تھوتھا پیس کر دیواروں کو ملیں تو دیمک نہیں آئے گی۔دیواروں پر کلی کرتے ہوئے نیلا تھوتھا ملایا جا سکتا ہے۔اس سے دیمک پیدا نہیں ہو سکتی ممکن ہے کہ اس سے جالا بھی نہ لگے۔
مکھی۔۔۔کالی مرچوں کا سفوف آدھا چمچ، مصری ایک چمچ، اور ملائی ایک چمچ خوب ملا کر ایک پیالی میں مکھیوں والے کمرے میں رکھ دیں مکھیاں بھاگ جائیں گی۔
چیونٹی۔۔۔مقناطیس چیونٹی کے سوراخ پر رکھ دیں، یہ بھاگ جائیں گی۔

مصنف کی دیگر کتب

1. پیش گوئی اور اس کی تعبیر کا صحیح منہج، نبوی پیش گوئیوں اور نجومیوں کی پیش گوئیوں میں فرق، خواب اور پیش گوئی کی تعبیر میں فرق، فتنوں اور جنگوں سے متعلقہ نبوی پیش گوئیاں اور عصر حاضر میں ان کی تعبیر و انطباق کے درست طریقے اور اس کے علاوہ احادیث فتن، الملحمۃ العظمیٰ، شخصیات، علاقہ جات، غیر مرئیات اور آخری دور میں ہونے والی جنگوں سے متعلقہ نبوی پیشگوئیوں کی منہج و ترتیب کے علاوہ معاصر مفکرین کی غلط تعبیروں کا تنقیدی جائزہ بھی اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

2. شرعی اصطلاح میں جہاد کسے کہتے ہیں؟ جہاد اور قتال میں کیا فرق ہے؟ دور حاضر میں جہاد و قتال کے لئے کیا پالیسی اپنائی جائے؟ مقبوضات کی آزادی کے لئے ہمارا لائحہ عمل کیا ہو؟ آزاد مسلم ممالک میں ہونے والی اسلام کش پالیسیوں کے بالمقابل ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ امت مسلمہ کی داخلی کشمکش اور باہمی ناچاقی کا انسداد کیسے کیا جائے؟ عالم اسلام کی مجموعی تعمیر و ترقی اور دفاع کے لئے ہمارا مشترکہ پروگرام کیا ہو؟ یہ اور ان جیسے بہت سے سوالات کی اس کتاب میں جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

3. علم نجوم وہیئت، کہانت و عرافت، دست شناسی، چہرہ شناسی، قیافہ شناسی، فہم و فراست، فال، بدشگونی، نحوست، قرآنی فال نامہ، دم تعویذ، استخارہ، ہپناٹزم، یوگا، مراقبہ، شعبدہ بازی، علم جفر، علم رمل وغیرہ جیسے تمام علوم کی شرعی حیثیت پر سیر حاصل بحث اور جادو اور جنات کے توڑ کے موثر روحانی نسخوں پر مشتمل افراط و تفریط اور غیر مستند روایات سے پاک اپنے موضوع پر پہلی مستند اور مختصر مگر جامع کتاب

4. شادی بیاہ کا اسلامی طریقہ اور جاہلانہ رسومات، خلع و طلاق، حلالہ و متعہ، تعدد ازدواج، ستر و حجاب، آداب مباشرت، حقوق الزوجین، حقوق الوالدین، حقوق اولاد و مرد و زن کے مخصوص مسائل اور ایسے ہی سینکڑوں اہم احکام و مسائل پر مشتمل ایک جامع اور مستند کتاب (تحفہ) وللہ الحمد!

نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
E-Mail: nomania2000@hotmail.com